انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ----- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

مستقل سلسلے

دسمبر 2016

جلد 39 شمارہ 9

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

اداریہ

دسمبر کے مہینے میں قائداعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش ہے جن کی بااصول، دیانت دار اور مضبوط قیادت میں، ہم نے پاکستان حاصل کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن جہاں وہ آزادی کے ساتھ رہ سکتے تھے۔

آج جب بھارت کے مسلمانوں کا حال دیکھتے ہیں اور پوری دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ روا رکھا جارہا ہے اس پر نظر ڈالتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ پاکستان ہمارے لیے کتنی بڑی جائے پناہ ہے۔

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت عطا کی۔ قدرتی وسائل سے مالا مال کیا لیکن افسوس کہ ہم اس کی قدر نہ کرسکے۔ کچھ ہماری کوتاہیاں تھیں اور کچھ دشمنوں کی سازشیں کہ ہم اپنے آدھے حصے سے محروم ہوگئے۔ 16 دسمبر کا دن ہمیں ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا کہ جب نعمت کی قدر نہ کی جائے۔ مساوات، بھائی چارگی اور اخوت کا درس بھلا دیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آپس کے جھگڑے سے دشمن کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا سانحہ تھا۔

حالات آج بھی زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بھارت کے عزائم بھی وہی ہیں۔ اگر ہم کو اپنی شناخت، اپنا وجود برقرار رکھنا ہے، اپنے وطن کی اور اپنی سلامتی عزیز ہے تو تمام اختلافات بھلا کر ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔

اس شمارے میں،

- اداکار گوہر ممتاز سے شاہین رشید کی ملاقات،
- آواز کی دنیا سے۔ اس ماہ مہمان ہیں مرزا ہمایوں،
- اداکارہ ایمن خان کہتی ہیں۔ میری بھی سنیے،
- اس ماہ کنیز فاطمہ کے مقابل ہے آئینہ،
- "من موجی کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا سلسلے وار ناول،
- "رہ منزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- فرح بخاری کا مکمل ناول "گل کہسار"
- دل تیری اسیری کا بہانا ڈھونڈے" صدف آصف کا مکمل ناول،
- "عشق والا لو" سباس گل کا ناولٹ،
- ملیحہ راشد کا ناولٹ "سچائی کی منزل"
- "بخت جاگ اٹھے" حمیرا نوشین کا ناولٹ،
- "امید صبح بہار رکھنا" شبانہ شوکت کا ناولٹ،
- نظیر فاطمہ، صائمہ اقبال کنیز نبوی، شفق افتخار اور عاصمہ قریشی کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

شفیع الوریٰ، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم" کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

تُو خالق ہے زمین و آسماں کا
تُو مالک ہے مکان و لامکاں کا

ہے ستر ماؤں سے بڑھ کر محبت
نہیں پایا ہے تجھ سا مہرباں کا

کرے حمد و ثنا ہر وقت تیری
یقیناً پتا پتا گلستاں کا

ہے چاروں طرف رحمت کا سمندر
کنارا کب ہے بحرِ بے کراں کا

قمرؔ جو سب خزانوں کا ہے مالک
گداگر ہوں میں اس کے آستاں کا

ریاض حسین قمرؔ

غم کے بادل چھٹ گئے دیکھی مدینے کی فضا
کہہ اٹھا دل مرحبا صد مرحبا صد مرحبا

ریت کے ذروں کو تابانی ملی ہے بالیقیں
آ گئے جب ریگزاروں میں حبیبِ کبریا

آپؐ کی جس نے غلامی کی ہوا ہے سرخرو
آپؐ کو جو بھی نہ پہچانا وہی راندہ گیا

آپؐ وجہِ کائنات و آپ روحِ کائنات
آپؐ کی خاطر خدا نے ہے جہاں پیدا کیا

اے شفیع المذنبیں اے شافعِ روزِ جزا
روزِ محشر ہو شفاعت ہے قمرؔ کی التجا

ریاض حسین قمرؔ

گوہر ممتاز سے ملاقات

شاہین رشید

کہتے ہیں کہ اداکاری کے لیے انسٹی ٹیوٹ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ بے شک، لیکن میرے نظریے سے اداکاری کی صلاحیت کا ہونا بہت ضروری ہے۔ آپ کی صلاحیتوں کو نکھارنا اداروں کا کام ہے یا ڈائریکٹر کا۔۔۔ گوہر ممتاز اور فرحان سعید دو ٹاپ کے گلوکار۔۔۔ اور اب یہ دونوں ٹاپ کے اداکار بھی ہیں۔۔۔ اگرچہ دونوں کے راستے الگ الگ ہیں مگر حیرت کی بات یہ کہ گلوکاری کا سفر بھی ایک ساتھ شروع کیا اور اب اداکاری کا بھی۔۔۔ گوہر ممتاز نے اداکاری کی شروعات ڈرامہ سیریل "تنہائی" سے شروع کی اور اب ماشاءاللہ کئی سیریلز میں نظر آ رہے ہیں۔ آج کل آپ ان کا سیریل "گھائل" دیکھ رہے ہیں جس کی رائٹر شگفتہ بھٹی ہیں۔ اس میں گوہر ممتاز روائتی رول سے ہٹ کر پرفارم کر رہے ہیں۔۔۔

★ "کیا حال ہیں جی۔۔۔؟"

☼ "اللہ کا شکر ہے۔۔۔ اور آپ۔"

★ "جی۔۔۔ کرم ہے اللہ کا۔۔۔ یہ بتائیں کہ آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"

☼ "آج کل اچھے اسکرپٹ کے انتظار میں ہوں۔ دیگر آفرز تو آتی رہتی ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب تک میں نے جتنے اچھے اور پاور فل رول کیے ہیں۔ اس طرح ہمیشہ اچھے رول کروں۔۔۔ کیونکہ ایک فنکار اسی وقت کامیاب ہے جب وہ اچھے رول کرے۔ ڈراموں کے علاوہ ایک میوزک ویڈیو کر رہا ہوں۔ "جل" کا ایک نیا ویڈیو ہو گا جو کہ اس ماہ میں ریلیز کردیں گے۔۔۔ میری اداکاری کو پسند کرنے والے کہتے ہیں کہ آپ صرف اداکاری کریں۔۔۔ مگر میں ایسا کر نہیں سکتا کہ مجھے میوزک سے بہت لگاؤ ہے اور میوزک ہی میری پہچان ہے اور فرحان نے تو چار سال پہلے ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور ہمارا ایک ویڈیو "جلوہ چینل" سے آج کل چل رہا ہے۔ "تیرے باجوں نہیں جینا"

★ "آج کل آپ کو ڈرامہ سیریل "گھائل" میں دیکھ رہے ہیں۔ آج کل چلنے والے سب ڈراموں سے ایک مختلف ڈرامہ ہے۔ اگر حقیقی زندگی میں آپ کے ساتھ ایسا ہو تا تو؟"

☼ ہنستے ہوئے۔۔۔ "حقیقی زندگی میں تو میں ایک بہت ہی شائے پرسن ہوں۔۔۔ اور جن کو میں جانتا نہیں ہوں ان سے بہت مشکل سے بات کرپاتا ہوں۔۔۔ اور بہت لیے دیے رہتا ہوں۔۔۔ محفل میں بھی اتنا گھل مل کر نہیں بیٹھا جاتا۔۔۔ لیکن آپ یقین کریں کہ جب میں سیٹ پہ جاتا ہوں تو پتا نہیں کہاں سے مجھ میں "انرجی" آجاتی ہے اور میں پرفارم کرلیتا ہوں اور جب سیٹ سے باہر آتا ہوں تو اپنے کردار کو وہیں چھوڑ کر

آجاتا ہوں۔ حقیقی زندگی میں ایک اچھا اور پیار کرنے والا انسان ہوں۔ گھائل جیسا نہیں ہوں۔ اور اسی طرح جب میں گلوکاری کے لیے اسٹیج پہ جاتا تھا تو پتا نہیں کہاں سے مجھ میں پرفارم کرنے کی طاقت آجاتی تھی۔"

* "اس کردار کے حوالے سے لوگوں کا کیا رسپانس ہے؟"

☆ "گھائل میں میرا کردار ایک نفسیاتی انسان کا ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ میرے اس کردار کو دیکھ کر لوگ مجھے باتیں کریں گے۔ مگر آپ یقین کریں کہ اس کردار پہ مجھے جتنی پذیرائی ملی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں سیریل کر چکا ہوں۔ سب ہی کردار اچھے تھے مگر اس کردار کے لیے تو لاکھوں کی پسند دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور مزے کی بات یہ کہ لڑکیوں کو میرا رول بہت پسند آرہا ہے اور اس کی وجہ کیا ہے میں خود سمجھ نہیں پا رہا۔۔۔ مجھے جتنے بھی SMS ملیں ہیں ان سب کو جمع کر کے اگر ایک لائن میں بتاؤں تو لڑکیوں کا کہنا ہے کہ ہمیں عاول سے محبت ہے۔ انہیں میرا یہ پاگل پن پسند ہے انہیں اپنی زندگی میں ایسا ہی محبت کرنے والا لڑکا چاہیے۔ اگرچہ یہ نگیٹو رول ہے مگر ہمیں آپ کا یہ پاگل پن پسند ہے اور میرے کردار میں میرے چہرے سے نہیں لگتا کہ میں اس حد تک بھی جا سکتا ہوں اور یہی میری کامیابی ہے۔"

* "کبھی کبھی تو آپ پر ترس بھی آتا ہے؟"

☆ "جی۔۔۔ کیونکہ وہ کبھی کبھی رونا بھی تو شروع کر دیتا ہے کہ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے کیونکہ وہ کسی کو چاہتا تھا اور چاہنے والے نے اسے رد کیا۔ تو کچھ لوگ اپنے آپ کو سنبھال لیتے ہیں۔ کچھ لوگ انتقام لیتے ہیں اور کچھ اس حد تک پاگل ہو جاتے ہیں جیسا کہ ڈرامے میں دکھایا گیا۔۔۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ برا انسان ہوتا ہے۔ بلکہ اگر اس کی شادی ہو گئی ہوتی تو وہ بڑا خوش رہ رہا ہوتا۔۔۔ اور ماں باپ کے آگے وہ ایک اور انسان ہوتا ہے مگر "مطلوبی" (کردار) کے آگے وہ شیر ہو جاتا ہے۔ تو یہ کردار بہت مزے دار ہے کیونکہ جو لگ

ہے میری وہ ہر گز ولن والی نہیں ہے بلکہ ہیرو والی ہے تو بڑا نیا کامبینیشن ہے۔"

* "اس سیریل میں اس رول کے لیے آپ کا انتخاب ہوا تھا یا پہلے کوئی اور رول آفر ہوا تھا؟"

☆ "جی۔۔۔ جی اس رول کے لیے مجھے بلایا گیا اور کہا گیا کہ ایک نفسیاتی انسان کا رول ہے اور پھر مجھے انہوں نے اسٹوری سنائی ڈومنٹ اسٹوری سننے کے بعد میں نے فوراً "Yes" کر دیا۔۔۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ میرے ساتھ کون ہو گا۔ میرے ساتھ باقی کردار کون ہوں گے۔ بس مجھے ایک سائیکو پیتھ کا رول کرنا تھا۔ اور آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ جب میں کسی اسٹوری پہ کینوس ہو جاتا ہوں۔ تب میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس کے رائٹر کون ہیں اور ڈائریکٹر کون ہے۔ تو ڈائریکٹر فرقان اور رائٹر شگفتہ بھٹی کی مشترکہ کاوش ہے۔"

* "آپ نے گائیکی سے اپنی فنی زندگی کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شہرت بھی دی۔۔۔ تو اداکاری کی طرف کیسے خیال آیا؟"

☆ "اصل میں اے ٹی وی کے ڈائریکٹر راشد خواجہ صاحب نے مجھے دیکھا اور ان کے کچھ دوستوں نے بھی جو کہ انڈیا میں رہتے ہیں تو یہ بات ہے 2008ء اور

2009ء کی۔ راشد صاحب نے مجھے فلم میں کام کی پیشکش کی۔۔۔ مگر میں نے منع کر دیا۔۔۔ کیونکہ مجھے پہلے بھی دو تین فلموں کی آفرز آچکی تھیں انڈیا سے مگر مجھے کہانی پسند نہیں آتی تھی اور جب تک مجھے کوئی اسکرپٹ متاثر نہیں کرتا میں حامی نہیں بھرتا۔۔۔

کیونکہ پیسہ میرے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ آنی جانی چیز ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں انڈیا کی فلم میں کام کر کے آؤں اور لوگ کہیں کہ یہ کیا کر کے آئے ہو۔۔۔ خیر میں راشد خواجہ صاحب کو منع کر دیا تو کہنے لگے کہ اچھا چلو ڈرامے میں تو کام کرو گے نا۔۔۔ تو ڈرامے کی دنیا میں مجھے راشد خواجہ صاحب لے کر آئے۔۔۔ لیکن میں ڈرامے کے لیے بھی فوراً "راضی نہیں ہوا" بلکہ میں نے انہیں بتایا کہ کنسرٹ بہت ہوتے ہیں تو مصروفیت بہت ہوتی ہے اور تھوڑے سے میں نے نخرے بھی دکھائے۔ اور یہ بھی کہا کہ درمیان میں اگر کوئی شو کرنا پڑ گیا تو؟ مگر اگلے دن کال آگئی کہ جس دن آپ کا شو ہو گا ہم شوٹ نہیں کریں گے (ڈرامہ) اور آپ جتنے پیسے کہیں گے ہم آپ کو دیں گے۔ اب میں پھنس گیا۔۔۔ اب انکار کی گنجائش نہیں تھی۔۔۔ یقیناً "انہوں نے مجھ میں کچھ دیکھا ہو گا" تب ہی اتنی اچھی آفر دی مجھے۔۔۔ ورنہ لوگ تو اور بھی بہت ہیں۔۔۔ تو پہلا سیریل میرا "تنہائی" تھا اور میرا پہلا تجربہ۔۔۔ میں سیکھنے کے عمل میں تھا۔ مگر خدا کی قدرت کے سیریل ہٹ گیا اور پھر سلسلہ شروع ہو گیا "تنہائی" ہم ٹی وی سے چلا تھا۔"

* "ڈراموں کا سلسلہ شروع ہوا اور ان شاء اللہ جاری رہے گا' اگرچہ آپ کے بارے میں سب کچھ نیٹ پر موجود ہے پھر بھی اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

☆ "میرا نام گوہر ممتاز ہے۔ 27 جولائی 1981ء میں لاہور میں جنم لیا۔۔۔ والد کا تعلق جہلم سے ہے اور والدہ کا تعلق لاہور سے تھا اور والد صاحب پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہیں۔ بڑے بھائی مارکیٹنگ میں ہیں' بڑی بہن بینکر ہیں۔۔۔ تیسرے نمبر پر میں ہوں اور چھوٹی بہن ماشاء اللہ سے سرجن (ڈاکٹر) ہے۔۔۔ پوری فیملی ہماری لاہور میں رہتی ہے اور میں نے بی ایس سی آنرز کیا ہے اور میں کمپیوٹر انجینئر ہوں۔"

* "کیا سوچتے تھے بچپن میں کہ کیا بنیں گے؟"

☆ "مجھے بچپن میں خواب دیکھنے کی بہت عادت تھی۔ اپنے گھر کے ٹیرس میں گانے لگا کر واک کیا کرتا تھا۔۔۔ جنون اور وائٹل سائن کو بہت سنتا تھا۔۔۔ اور اس وقت سوچا کرتا تھا کہ میں نے "جنون" جیسا بینڈ بنانا ہے اس وقت شاید میں پانچویں یا چھٹی کلاس کا طالب علم تھا تو الحمد للہ اپنی سوچ اور اپنے مشن میں کامیاب ہوا اور "جل" بینڈ بنایا۔۔۔ اور بڑے فخر کی بات ہے کہ "جل کو بہترین ایشین بینڈ" کا ایوارڈ ملا۔۔۔ of india Favourite Artist کا ایوارڈ ملا اور جل کو 75 فیصد انڈین اور پاکستانیوں نے ووٹ دیے۔ ان کے سامنے "سونو نگم" "آشا بوسلے اور دیگر لوگ جو ہمارے استاد ہیں ہمیں 75 فیصد ووٹ ملے۔ میرا ہمیشہ سے ہی یہ مشن تھا کہ میں اپنے ملک کے نام سے عزت کماؤں۔۔۔ ہم جب بھی انڈیا جاتے تھے تو بیسٹ پاکستانی راک بینڈ "جل" کے تعارف سے متعارف کرائے جاتے تھے اور آپ کو بتاؤں کہ بچپن میں میرے دو خواب مجھے بہت اکساتے تھے ایک یہی جس کا میں نے ذکر کیا اور جس میں میں کامیاب بھی ہوا اور دوسرا خواب تھا کہ میں "ایئر فورس" میں جاؤں۔۔۔ ایئر فورس میں اس لیے نہیں جا سکا کہ بچپن میں میرے کافی ایکسیڈنٹ ہوئے تھے۔۔۔ شرارتی بچہ تھا۔۔۔ تو جب اتنی چوٹیں لگی ہوں تو پھر آپ ایئر فورس میں نہیں جا سکتے۔ جبکہ ٹیسٹ وغیرہ سب پاس کر لیے تھے میں نے۔"

* "اصل میں تو نہیں جا سکے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کوئی کردار کر کے آپ اپنا یہ شوق وقتی طور پر تو کر سکتے ہیں؟"

☆ "بالکل ٹھیک کہا آپ نے اور میں نے ایسا کیا بھی ہے کہ گزشتہ سال اپنے ایک سونگ میں پورا کیا ہے

جس میں ایئرفورس کے ڈریس میں میں نے فلائی بھی کیا' مختلف ایئرفورس کے ایئرکرافٹ میں بھی بیٹھا تو بہت اچھا لگا مجھے۔ ان شاء اللہ کوئی کردار بھی کروں گا۔"

* "ہمارے فنکاروں کو اکثر کہا جاتا ہے کہ آپ کی شکل تو فلاں فنکار سے ملتی ہے..... آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟"

☆ "جی..... جی بالکل بولتے ہیں اور اکثر لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی مشکل "وحید مراد" سے ملتی ہے اور اکثر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کی شکل "زوہیب حسن" سے ملتی ہے۔ ان دو شخصیات سے مجھے مشابہے کہا جاتا ہے۔ بس بالوں کا اسٹائل تھوڑا سا ادھر ادھر کرلوں تو شخصیت میں مماثلت آجاتی ہے۔"

* "آپ نے بہت سے ایوارڈ جیتے۔ پھر بھی کوئی ایسا ایوارڈ جس کو سب پر بھاری کہیں گے؟"

☆ "مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار میں نے کالج کی تقریب میں گانا گایا تھا..... میں نے نجم شیراز کا گانا "آجانا" گایا تھا اور 50 لوگوں میں سے 14 کا انتخاب ہوا تھا اور ان 14 میں جو مقابلہ ہوا۔ ان میں میں نمبر ون آیا تھا..... اور جو نمبر 2 آیا تھا اس نے بھی بہت اچھا گایا تھا' مگر میں نے گانے کے ساتھ ساتھ اچھی پرفارمنس بھی دی تھی۔ تو مجھے سجاد علی اور عامر منور نے ایوارڈ دیا تھا۔ یہ ایوارڈ میرے تمام ایوارڈز پر بھاری ہے۔ فخر کرتا ہوں اس ایوارڈ پر کہ یہ پہلا ایوارڈ تھا میرا۔"

* "آپ گلوکاری کی فیلڈ میں شاید کم عمری میں ہی آ گئے تھے۔ ایسا ہی ہے نا؟"

☆ "جی..... جب میں 19 سال کا تھا تو میوزک کی فیلڈ میں آ گیا اور تمام مینجمنٹ اکاؤنٹس چلاتا بھی میں ہی تھا۔ ہر چیز کا حساب رکھنا سب میں ہی کرتا تھا..... وقت سے پہلے جو حاصل کیا وہ خود سے' اپنی محنت سے حاصل کیا۔"

* "آپ کے کام کی تعریف ہوتی ہے یا تنقید؟ اور تنقید برداشت کرلیتے ہیں؟"

☆ "تنقید آج سے پانچ چھ سال پہلے تو بالکل بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ مگر اب کرلیتا ہوں۔ چاہیے کوئی بچی یعنی میرے مفاد کی تنقید کرے یا کوئی پوزیٹو انداز کی تنقید کرے۔ میں چپ رہتا ہوں۔ کیونکہ پتا چل جاتا ہے کہ کون پوزیٹو ہے اور کون نگیٹو پوزیٹو تنقید ہمیشہ آپ کے گھر والے اور وہ جو آپ سے مخلص ہیں وہی کریں گے۔"

* "جب آپ کا بینڈ ٹوٹا تھا تو پریشان تو ہوتے ہوں گے؟"

☆ "جی..... بہت پریشان ہوا تھا 19 سال کا تھا۔ فوراً سنبھل بھی گیا تھا کیونکہ مجھے برے وقت میں جدوجہد کرنے کا مزا آتا ہے۔ عاطف اسلم علیحدہ ہو گیا تو نئے سرے سے بینڈ بنانا پڑا اور اس کام میں چھ ماہ لگ گئے۔ بہت سے لوگوں کی اس میں شمولیت ہوئی۔ میرے اپنے بڑے بھائی خرم کی شمولیت ہوئی۔ اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ اور بینڈ میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اور میں نے خود اپنے اوپر اتنی محنت کرلی کہ پھر مجھے کسی کے آنے جانے سے فرق نہیں پڑا۔"

* "آپ نے ابھی تک جن خواتین (لیڈ رول میں) کے ساتھ کام کیا ہے ان میں کس کو بہتر پایا؟"

☆ "سنبل کے ساتھ کام کر کے اچھا لگا اور سنبل کے ساتھ میرا رومانٹک رول نہیں ہے۔ لیکن ابھی تک سب سے اچھا کامبینیشن میرا "سوہائی" کے ساتھ رہا ہے۔ "تنہائی" میں وہ بھی نئی تھی اور میں بھی نیا تھا۔ تو اس سے بڑی اچھی دوستی بھی ہو گئی تھی۔"

* "کون سا رول آپ کرنا چاہتے ہیں؟"

☆ "مجھے لگتا ہے کہ میں کامیڈی بہت اچھی کر لیتا ہوں۔۔۔ اور کامیڈی بھی ہیرو والا۔ جس طرح ایک فن لونگ انسان ہوتا ہے' سب کو ہنسانے والا یعنی کومک رول۔ یعنی وہ ہیرو بھی ہوتا ہے اور سب کو ہنسانے والا بھی۔۔۔ پھکڑپن والی کامیڈی مجھے پسند نہیں۔"

* "پاکستانی فلم کے لیے کیا کہیں گے؟ آفرز آئیں؟"

☆ "پاکستانی فلم کے لیے میری بہت نیک خواہشات ہیں۔ ابھی ہم سب سروایول میں ہیں (survival) میں بہت سپورٹ کرتا ہوں اپنی مووِیز کو' مجھے ایک فلم میں بہ حیثیت گیسٹ اسٹار کے لیڈ ہونے کو کہا گیا تو میں نے اینٹرنس دی ہے۔ اس کو یعنی فلم کو سپورٹ کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ پاکستانی فلم کے لیے مجھے پانچ آفرز آچکی ہیں۔۔۔ دیکھیں اب کہ کون سی اسٹوری پسند آتی ہے۔"

* "آپ نے کم کام کیا مگر بہت اچھا کیا۔ اپنا ہٹ رول کس کو کہیں گے؟"

☆ "گھائل اور تنہائی کے کردار سب سے اچھے رہے۔ گھائل کو لوگوں نے بہت نوٹ کیا کہ گوہر ایکٹنگ کر سکتا ہے۔ اگر میرا گلوکاری کا کیریئر نہ ہوتا تو پھر بہت جلدی ایکسپٹ ہو جاتا۔۔۔ جب اداکاری شروع کی تو لوگوں کے دلوں میں ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ تو سنگر ہے یہ اداکاری کیوں کر رہا ہے۔ تو مجھے اپنے آپ کو منوانے کے لیے دوگنی محنت کرنی پڑی۔۔۔ اور الحمدللہ گھائل کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ گوہر ایک بہت اچھا ایکٹر ہے۔"

* "کیا لوگ اب بھی پوچھتے ہیں کہ آپ اور عاطف میں کیا ہوا تھا؟"

☆ "جی۔۔۔ جی اب بھی پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا تھا۔۔۔ لیکن اب میں اور عاطف بہت اچھے دوست ہیں۔ ہم کرکٹ کھیلتے ہیں' ملتے ہیں۔ 10 سال پرانے دوست ہیں۔ اب ہم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

* "آج کل کے ڈراموں کے معیار سے مطمئن ہیں؟"

☆ "میں ڈراموں کے معیار سے مطمئن ہوں' کیونکہ گزشتہ دو تین سالوں سے جو کانٹینٹ تبدیل ہو رہا ہے وہ ایک اچھی علامت ہے۔ پہلے content گھر تک محدود تھا اب گھر سے باہر چلا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہتری آئی ہے۔۔۔ میں نے "نیلم کنارے" کیا کشمیر میں' تو یو کے اور کشمیر کے لوگوں نے اسے دیکھا' پھر موضوعات بھی نئے آ رہے ہیں۔"

* "اپنے آپ کو سیلیبریٹی سمجھتے ہیں؟"

☆ "بالکل نہیں۔۔۔ ایک عام انسان اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کبھی آپ مجھے میری گھر آکر دیکھیں' میرا ایک ایک کام عام لوگوں کی طرح ہے۔ کوئی نخرہ نہیں ہے مجھ میں۔"

* "آپ کی مقبولیت لڑکیوں میں دیکھ کر بیگم کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟"

☆ "اس معاملے میں میری بیگم بہت اچھی ہے۔ اگر اسے محسوس بھی ہوتا ہوگا تو وہ اظہار نہیں کرتیں۔۔۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح نہیں کہ "دیکھا وہ آپ کو کیسے دیکھ رہی تھی" وغیرہ وغیرہ۔"

* "اور کچھ کہنا چاہیں گے؟"

☆ "بالکل۔۔۔ آپ کے توسط سے کہنا چاہوں گا کہ مجھے بہت خوشی ہے کہ لوگوں نے بہ حیثیت ایک اداکار کے مجھے تسلیم کیا ہے۔ میری حوصلہ افزائی کی میری پذیرائی کی ورنہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک سنگر اچھا اداکار نہیں ہو سکتا آپ نے پسند کر کے ایک نیا مقام آپ نے دیا۔ تو میں تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے گوہر ممتاز سے اجازت چاہی اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

میری بھی سنیے

ایمن خان

شاہین رشید

1 "میرا نام؟"
"ایمن خان۔"

2 "پیار کا نام؟"
"ہانی۔"

3 "دنیا میں آئی؟"
"20نومبر1998ء کراچی۔"

4 "ہماری مادری زبان؟"
"پٹھان ہیں ہم۔۔۔ تو مادری زبان پشتو ہے۔"

5 "گھر میں جو گفتگو ہوتی ہے؟"
"اردو میں۔۔۔ ہمیں پشتو نہیں آتی۔ امی ابو کو آتی ہے۔"

6 "تعلیم؟"
"میڈیا سائنس کی طالبہ ہوں۔"

7 "ہماری فیملی کی ایک دلچسپ بات؟"
"کہ اللہ نے ہماری فیملی کو تین بار میں مکمل کر دیا۔ حیران نہ ہوں' میں بتاتی ہوں۔۔۔ ہم دو جڑواں بہنیں ہیں۔ پھر دو بھائی بھی جڑواں ہیں۔ ایک بھائی بیچارا اکیلا اس دنیا میں آیا۔۔۔"

8 "اتفاق ہے کہ؟"
"کہ ہم دونوں بہنیں اس فیلڈ میں آگئیں۔۔۔ اگر شادی کی ایک تقریب میں پروفیشنل فوٹو گرافر نہ آتے اور وہ ہماری تصاویر کسی ڈائریکٹر تک نہ پہنچاتے تو شاید ہم دونوں اس فیلڈ میں بھی نہ ہوتیں۔"

9 "میری پہلی کامیابی؟"
"میرا ایک کمرشل اور میرا پہلا ڈرامہ سیریل "میری بیٹی" تھا۔"

10 "شہرت کا عروج ملا؟"
"بے قصور" اور "ڈائجسٹ رائٹر" سے اور حال ہی میں ختم ہونے والا سیریل "خواب سرائے" بہت زیادہ پسند کیا گیا۔"

11 "گھر میں میرا خیال رکھتی ہیں؟"
"صرف اور صرف میری امی۔۔۔ باقی تو سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔"

12 "اپنی ایک عادت، جو پسند ہے؟"
"کہ میں گھر سے نکلتے ہوئے ماں باپ سے پیار ضرور کرواتی ہوں۔"

13 "فیصلہ کس کا مانتی ہوں؟"
"دل اور دماغ دونوں کا کیونکہ ماں باپ کے بعد یہی میرے قریب ہوتے ہیں' انہی کی سنتی بھی ہوں اور مانتی بھی ہوں۔"

14 "کہاں جانے کو ہر وقت دل چاہتا ہے؟"
"اپنی دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کو۔"

15 "آئینہ دیکھ کر سوچتی ہوں؟"

”کہ اللہ نے مجھے کتنا پیارا بنایا ہے ۔۔۔ شکریہ اللہ تعالیٰ آپ کا۔“

16 ”بہت بھوک لگے تو؟“

”کچھ نہ کچھ کھا کر بھوک تو مٹا لیتی ہوں۔ مگر پھر پراپر کھانا نہیں کھایا جاتا۔“

17 ”میرا سورج طلوع ہوتا ہے؟“

”شوٹ پہ جانا ہو تو جلدی طلوع ہوتا ہے۔ ورنہ بہت آرام سے طلوع ہوتا ہے۔“

18 ”ایک خواہش جو پوری نہیں ہوتی؟“

”صبح اٹھ کر دوبارہ سونے کی' کیونکہ عموماً“ صبح 10 بجے شوٹ کے لیے گاڑی آجاتی ہے۔“

19 ”میں خوف زدہ تھی؟“

”فیلڈ میں جب آئی ۔۔۔ کیونکہ لوگوں نے بہت ڈرایا ہوا تھا کہ فیلڈ اچھی نہیں ہے ۔۔۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے تو سب ہی اچھے لوگ ملے ہیں۔ پھر میں بھی تو اچھی ہوں۔“ (مسکراہٹ)

20 ”بچپن کی بری عادت؟“

”بہت ضدی تھی ۔۔۔ اب ایسا کچھ نہیں۔ اب عقل مند ہو گئی ہوں۔“

21 ”کس طرح کی لڑکیوں کو کوئی پسند نہیں کرتا؟“

”کوڑھ مغز' بد دماغ' لڑکیوں کو۔ خواہ وہ کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہوں۔“

22 ”کیا اچھا پکا لیتی ہوں ۔۔۔؟“

ہنستے ہوئے۔ ”سچ بتاؤں کچھ نہیں! کوکنگ سے بالکل بھی لگاؤ نہیں ہے مگر آپ کو حیرت ہو گی یہ سن کر کہ' مجھے سب سے زیادہ کوکنگ چینل پسند ہیں ۔۔۔ مزا آتا ہے دوسروں کو پکاتا ہوا دیکھ کر۔“

23 ”سیاست میں میری پسندیدہ شخصیت؟“

”عمران خان' بہت پسند ہیں۔“

24 ”کیا کیا لیے بغیر گھر سے نہیں جاتی؟“

”کچھ خاص نہیں ۔۔۔ بس موبائل نہیں بھولتی۔“

25 ”مجھے ڈر لگتا ہے؟“

”کہ کہیں جا رہی ہوں اور کوئی مجھ سے میری قیمتی

چیزیں نہ چھین کر لے جائے۔ کیونکہ ہمارے ملک میں اسٹریٹ کرائم بہت ہیں۔"

26 "میں رو پڑتی ہوں؟"
"کسی کو تکلیف میں دیکھوں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔"

27 "تقریبات، جو پسند ہیں؟"
"مجھے شادی کی تقریبات بہت پسند ہیں۔ اور تمام رسومات بھی۔۔۔ بہت انجوائے کرتی ہوں۔"

28 "کھانا پینا چھوڑ دیتی ہوں؟"
"جب غصے میں ہوتی ہوں۔۔۔ مگر پھر سب مناتے ہیں تو مان جاتی ہوں اور امی کے کہنے پر کھانا کھا لیتی ہوں۔"

29 "ٹی وی کے کس پروگرام میں شرکت کرنا پسند ہے؟"
"مارننگ شو میں، مجھے اچھے لگتے ہیں مارننگ شو۔"

30 "کب احساس ہوتا ہے کہ میں اسٹار ہوں؟"
"کبھی بھی نہیں۔۔۔ میں عام لوگوں جیسی ہوں۔ سب میں جلدی گھل مل جاتی ہوں۔"

31 "پسندیدہ لباس؟"
"شلوار قمیص۔"

32 "بچت کرتی ہوں؟"
"گولڈ کی شکل میں۔۔۔ کیونکہ مجھے گولڈ بہت پسند ہے۔"

33 "موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"
"جب کوئی مجھے پیار سے بلاتا ہے عزت دیتا ہے۔"

34 "کس کو دیکھ کر سکون ملتا ہے؟"
"ماں کو دیکھ کر اور ماں کی گود میں سر رکھ کر سکون ملتا ہے۔"

35 "گھر میں میرا پسندیدہ کمرہ؟"
"اپنا کمرہ تو سب کو ہی پسند ہوتا ہے مگر مجھے اپنے اماں ابا کا کمرہ پسند ہے۔"

36 "فرصت میں میرا مشغلہ؟"
"وائس اپ پہ باتیں کرنا اور گیمز کھیلنا۔"

37 "ایک بات، جو مجھے بالکل پسند نہیں؟"
"کہ کوئی بلاوجہ کی نصیحت کرے۔۔۔ اور زیادہ روک ٹوک مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔"

38 "چیخیں نکل جاتی ہیں؟"
"جب کہیں لال بیگ، چھپکلی دیکھتی ہوں۔ شاید آپ کو یقین نہ آئے مگر مجھے مرغی سے بھی ڈر لگتا ہے۔ کتے سے، بہت خوف آتا ہے۔"

39 "محبت اندھی ہوتی ہے؟"
"ہوتی ہو گی مجھے تجربہ نہیں ہے۔ ویسے لوگ کہتے ہیں کہ اندھی ہوتی ہے۔"

40 "ہمیشہ دیر کر دیتی ہوں؟"
"اپنی غلطی تسلیم کرنے میں۔۔۔ مگر مان بھی تو جاتی ہوں اپنی غلطی۔"

41 "مجھ میں برائی ہے؟"
"کہ دل ہی دل میں کڑھتی رہتی ہوں۔ مگر کسی سے اظہار نہیں کر سکتی۔۔۔ اور اپنے جذبات پر کنٹرول بھی نہیں کر پاتی۔"

42 "نیند جلدی آجاتی ہے؟"
"جی۔۔۔ جی۔۔۔ جب تھکی ہوئی ہوتی ہوں۔ بہت زیادہ تو پھر جلدی نیند آجاتی ہے۔ ادھر نرم بستر پر سر رکھا ادھر نیند کی آغوش میں چلی جاتی ہوں۔"
43 "جلدی اٹھنے کی عادت ہے یا سستی آڑے آتی ہے؟"
"سستی آڑے آتی ہے۔ اٹھ بھی جاؤں تو کروٹیں بدلتی رہتی ہوں۔۔۔"
44 "دل کھول کر خرچ کرتی ہوں؟"
"اپنے گھر والوں پر۔ اپنے دوستوں پر۔۔۔ بس اپنے اوپر تھوڑا کم خرچ کرتی ہوں۔ پتا نہیں کیوں اپنے اوپر خرچ کرتے وقت تھوڑی کنجوسی آجاتی ہے۔"
45 "کھانا تب انجوائے کرتی ہوں؟"
"جب میں زمین پر چٹائی بچھا کر آلتی پالتی مار کر کھانا کھاتی ہوں۔"
46 "اپنی ہم عصر کب بری لگتی ہیں؟"
"کبھی بھی نہیں۔"
47 "غصے میں توڑ پھوڑ ہوتی ہے؟"
"ہرگز نہیں۔۔۔ خاموش ہو کر منہ پر تالا لگا کر بیٹھ جاتی ہوں۔ اظہار بالکل بھی نہیں کرتی۔۔۔ خاموشی ہزار نعمت ہے۔"
48 "غصہ جب آتا ہے؟"
"جب میری کوئی بات نہیں مانتا۔۔ بس۔۔۔ بس کیا بتاؤں کیا ہوتا ہے۔"
49 "خوشی میں کیفیت؟"
"چہرہ بولتا ہے۔۔۔ بلکہ کھل اٹھتا ہے۔ سب بے ساختہ پوچھتے ہیں کیا بات ہے آج بہت خوش ہو۔"
50 "کس رشتے کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں؟"
"اپنوں کے۔۔۔ دوست بھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔ مگر اپنے تو پھر اپنے ہی ہوتے ہیں۔"
51 "خریداری میں میری پہلی ترجیح؟"
"میک اپ' شوز اور بیگز۔۔۔ یہ میری کمزوری ہے۔"
52 "فضول خرچ ہوں؟"
"ہرگز نہیں۔۔۔ کیونکہ خود کماتی ہوں تو اندازہ ہے کہ کمانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔"
53 "فلم کی آفرز ہیں؟"
"جی۔۔۔ ہاں! مگر ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔"
54 "کون سا تہوار اہتمام سے مناتی ہوں؟"
"ہر تہوار۔۔۔ مجھے تہوار منانا اچھا لگتا ہے۔ عید بقرا عید پر تو بہت سج دھج کرتی ہوں۔"
55 "حساب کتاب کی دھنی ہوں؟"
"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ میرا تو ابھی اکاؤنٹ بھی نہیں کھلا کیونکہ میرا آئی ڈی کارڈ نہیں بنا۔۔۔ ویسے بھی مجھے حساب کتاب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے ابو ہی میرا حساب کتاب دیکھتے ہیں۔"
56 "دنیا میں کہاں گھر بنانے کی خواہش ہے؟"
"کہیں نہیں۔۔۔ پاکستان ہی میرا گھر ہے۔ اسے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔۔۔ البتہ پوری دنیا گھومنا چاہتی ہوں۔ مجھے ترقی یافتہ ممالک دیکھنے کا بہت شوق ہے۔"
57 "گھر میں تھوڑی ریزرو رہتی ہوں؟"
"کیونکہ مجھے اپنے ابو کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔"
58 "کن لڑکوں کو نظر انداز کر دیتی ہوں؟"
"وہ جو بلاوجہ گھور رہے ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں نظر انداز کر دیتی ہوں۔۔۔ دل چاہتا ہے کچھ سنانے کو۔۔۔ مگر فائدہ نہیں کہ بات بڑھ جاتی ہے۔"
59 "اچھے دوست کون ہوتے ہیں۔ لڑکے یا لڑکیاں؟"
"میرے لیے تو میرے اچھے دوست لڑکے ہیں۔ کیونکہ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"
60 "چھٹی کس کے ساتھ گزارتی ہوں؟"
"اپنی فیملی کے ساتھ اور کبھی کبھار اپنے دوستوں کے ساتھ۔"

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

مرزا ہمایوں

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے اس بار ہمارے ساتھ ہیں "مرزا ہمایوں" اب ریڈیو کی اہمیت اور آر جے کی اہمیت پر کیا لکھیں کہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے... صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کھانے کے بغیر زندگی کا تصور نہیں اسی طرح اب ریڈیو کے بغیر انٹرٹینمنٹ کا تصور بھی نہیں، اچھی میوزک، اچھی باتیں دنیا جہاں کی معلومات اب ہمیں ریڈیو سے ہی مل سکتی ہیں... "مرزا ہمایوں" اپنے پروگرام میں تمام تر تفریحات کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔

★ "کیسے ہیں مرزا ہمایوں؟"

✻ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

★ "کیسا جا رہا ہے آپ کا ایف ایم 105؟"

✻ "بہترین۔"

★ "گڈ... تو شروعات کرتے ہیں آپ کے فیملی بیک گراؤنڈ سے... تو کچھ بتائیے؟"

✻ "فیملی بیک گراؤنڈ کچھ یوں ہے کہ والدین کا تعلق انڈیا سے تھا اور وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے تھے... اور بدقسمتی سے دونوں ہی ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، 2007ء میں میرے والد صاحب کا انتقال ہوا جب میں انیس یا شاید بیس سال کا تھا اور 2010ء میں میری والدہ کا انتقال ہوا اور چونکہ بہن بھائی اللہ نے دیے نہیں تو والدین کی اکلوتی اولاد رہا... مادری زبان اردو ہے مگر جن لوگوں کے ساتھ رہا ان کی زبان بھی سیکھ لی جیسے سندھی... کچھ دوست پنجابی ہیں تو پنجابی بھی بہت اچھی آتی ہے اور انگریزی... وہ تو بہت ضروری ہے تو وہ بھی بول لیتا ہوں... اور تعلیمی صورت حال یہ ہے کہ گریجویٹ ہوں گھر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے زیادہ نہیں پڑھ پایا۔ لیکن میرا پلان ہے کہ میں ماسٹرز ضرور کروں گا۔"

★ "آج کل کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟ اور ریڈیو کے علاوہ کیا کرتے ہیں؟"

✻ "آج کل ریڈیو سے میں سات شوز کر رہا ہوں۔ پیر سے جمعرات تک میں دوپہر کو پروگرام کرتا ہوں... یہ میوزک پروگرام ہوتا ہے، دوپہر کے سامعین کو لنچ کے وقت ان کی پسندیدہ میوزک سنوا کر ان کی دعائیں لیتا ہوں۔ جمعہ کو شام 4 بجے سے شام چھ بجے تک "ویک اینڈ ڈرائیو ٹائم" کرتا ہوں... اور ہفتے کو رات بارہ بجے سے لے کر رات تین بجے تک پروگرام کرتا ہوں اور اس میں "پارٹی" میوزک ہوتا ہے۔ اس میں ہم فل کلب اور پارٹی میوزک چلاتے ہیں... اور یہ وہ واحد پروگرام ہے جس میں لائیو کالز وغیرہ لیتا ہوں۔ یہ ایک طرح سے ڈرائنگ روم پروگرام ہے جس میں سامعین مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ اپنے خیالات شیئرز کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ میں کوئی ٹاپک لے کر بات کروں... تو یہ ہمارا مقبول ترین پروگرام ہے ایک طرح سے "گیدرنگ" پروگرام ہے کہ لوگ اگر کیمپس میں ہیں یا کسی جگہ کی کینٹین میں ہیں یا کہیں بھی ہیں مجھ سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں... اتوار کے دن پروگرام کرتا ہوں "آر جے آف دی ڈے" جس میں ہم اگر کسی کو آر جے بننے کا شوق ہے تو ہم اسے 60 منٹ یعنی ایک گھنٹہ دیتے ہیں کہ آپ بولیں کہ آپ آر جے ہوتے تو کس طرح سامعین کو

متاثر کرتے۔۔۔ یہی میری جاب ہے' میں پروگرامنگ بھی کرتا ہوں اور پروڈکشن بھی کرتا ہوں۔۔۔ ہاں یہ بتا دوں کہ "آر جے آف دی ڈے" میں جو اچھا پرفارم کرتا ہے پھر اسے ہم مزید چانس بھی دیتے ہیں۔ ریڈیو پہ بھی ہی مجھے صبح سے شام ہو جاتی ہے۔"

★ "ڈی جے وو میوزک پاور" اس سے کیا مراد ہے' کیونکہ آپ کی پروفائل میں یہ لکھا ہوا ہے؟"

✳ "اس کا مطلب ہے کہ ایک ایسا پریزنٹر جس کے پاس میوزک کی وہ پاور موجود ہے جو سننے والے کی توجہ فوری طور پر حاصل کر سکتا ہے تو ہر ایک پاس کوئی نہ کوئی پاور ضرور ہوتی ہے۔ ہم نے بچپن ہی اسٹریٹ فائٹر کے کارٹون دیکھے تھے کہ ہر ایک پاس اپنی ایک پاور ہوتی تھی جس کو وہ استعمال کرتا تھا تو سپر ہو جاتا تھا۔۔۔ اور اسی وجہ سے ڈی جے وو پاور میوزک" نام رکھا ہے میرے پروگرام میں کچھ چیزیں بہت ہٹ ہوتی ہیں تو اس مناسبت سے لکھتا ہوں۔ ڈی جے وو میوزک پاور۔"

★ "ریڈیو سے وابستہ ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں اور ریڈیو ہی آپ کا انتخاب کیوں ہے۔۔۔ ٹی وی کی طرف کیوں نہیں آئے جبکہ آپ اچھے خاصے خوش شکل ہیں؟"

✳ "مجھے ہمیشہ سے ہی ریڈیو کا شوق رہا' میں نے 2002ء میں ریڈیو جوائن کیا تھا۔ "بچوں کی دنیا" ایک پروگرام ہوا کرتا تھا اور سیما رضا اس کی پروڈیوسر ہوا کرتی تھیں۔ 22 نومبر 2002ء کی بات ہے جب میں پہلی بار ریڈیو گیا۔ اس وقت 50 بچوں میں ایک مرزا ہمایوں بھی تھا۔ کبھی میوزک میں کبھی ڈرامے میں حصہ لیتا رہتا تھا یہ پروگرام صبح 10 بجے شروع ہوتا تھا اور گیارہ بجے ختم ہوتا تھا۔ پھر "بزم طلبہ" کیا پھر کچھ عرصہ "یوتھ فورم" کیا۔۔۔ ریڈیو ڈرامہ کیا۔۔۔ پھر ہائی وے ایف ایم 92ء کا اجراء ہوا۔ میں نے 2004ء میں اسے جوائن کر لیا بہ حیثیت پریزنٹر کے۔ 14 اگست کو یہ لاؤنچ ہوا تھا اور میں نے اپریل میں جوائن کیا۔ کافی کام کیا اس ایف ایم کے ساتھ اور پھر 2011ء کو میں

نے اسے چھوڑ دیا۔۔۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ 2007ء کو میں نے ایف ایم 101 کو بھی جوائن کر لیا تھا اور دونوں ایف ایم پہ پروگرام کرتا تھا۔ ایف ایم 92ء اندرون سندھ سنا جاتا تھا جبکہ ایف ایم 101 کراچی' لاہور' اسلام آباد سنا جاتا تھا۔۔۔ ایف ایم 101 کو میں نے جنوری 2013ء کو خیرباد کہہ دیا اور پھر فروری 2013ء کو میں نے ایف ایم 105 جوائن کر لیا۔ شروع میں تین شوز کرتا تھا اور اب ماشاء اللہ کافی شوز کر رہا ہوں۔"

★ "آپ نے بتایا نہیں کہ آپ ٹی وی پہ آئے یا نہیں اور یہ کہ ڈبنگ وغیرہ کی آپ نے؟"

✳ "ٹی وی پہ میں نے بہت کم کام کیا' کیونکہ مجھے مزا نہیں آیا' جو مزا مجھے ریڈیو پہ کام کر کے آتا ہے وہ مجھے ٹی وی پہ کام کر کے نہیں آیا۔ لیکن پھر بھی 2006ء۔ 2007ء میں میٹرو چینل شروع ہوا تو میں نے کچھ عرصہ "میٹرو ون" پہ کام کیا اسی طرح 2012ء میں ایک چینل پہ کام کیا اور دو تین اقساط کے بعد ہی میں نے چھوڑ دیا کہ مجھے مزا نہیں آیا۔ کیونکہ ٹائم بہت ضائع ہوتا ہے' ہمیں ریڈیو کی عادت ہے وقت پر جاتے

ہیں لائیو شو کرتے ہیں۔ میں بھی انجوائے کرتا ہوں اور میرے سامعین بھی۔ ٹی وی کی وجہ سے میرے کئی کام رک جاتے تھے اس لیے میں نے ٹی وی نہیں کیا۔۔۔ میں نے ڈبنگ اور وائس اوور بھی کیا ہے اور وائس اوور مختلف کمرشلز اور مختلف برانڈز کے لیے کی دو ترکش ڈراموں میں ڈبنگ کی، ٹیلی وژن ڈراموں کی ڈبنگ کی۔"

★ "کہا جاتا ہے کہ سرکاری ایف ایم میں تھوڑی پابندی ہوتی ہے۔ جو فری ہینڈ آپ کو دوسرے چینلز پہ ملتا ہے وہ سرکاری میں نہیں۔۔۔ ایسا ہے؟"

☼ "میں نے سات سال ایف ایم ۔ 101 کیا اور وہاں ہم صرف پاکستانی میوزک ہی چلاتے تھے تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ بہت اچھا لگتا تھا اپنی میوزک لگا کر سنوا کر۔۔۔ اور یہاں ایف ایم 105 میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے کہ ہم صرف پاکستانی میوزک چلائیں یا انڈین۔۔۔ مگر آج کل حالات بھی ایسے ہی ہیں اور کچھ پمرا کے آرڈرز بھی ہیں تو اب ہم اس چینل سے بھی پاکستانی میوزک ہی چلاتے ہیں۔۔۔ تو ہمیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میوزک کی کوئی باؤنڈری نہیں ہونی چاہیے۔۔۔ ہر طرح کا میوزک چلنا چاہیے۔۔۔ جیسے ایک اسپورٹس مین ہے وہ کسی بھی ملک کے ساتھ میچ کھیلے کوئی فرق نہیں پڑتا تو میوزک میں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔۔۔ مگر ہم جہاں رہتے ہیں، جس کے ساتھ کام کرتے ہیں۔۔۔ وہ ہمیں جس طرح کی ہدایات دیتے ہیں ہم اسی طرح سے کام کرتے ہیں۔"

★ "گھر والوں کی طرف سے بھی فورس کیا گیا کہ یہ بنو۔۔۔ یہ نہ بنو؟"

☼ "گھر والوں نے کبھی فورس نہیں کیا کہ یہ بنو یا وہ بنو۔۔۔ انجینئر بنو۔۔۔ یا ڈاکٹر بنو۔۔۔ گھر کا اکلوتا تھا اپنا راج تھا۔۔۔ مگر والدین کے پیار محبت نے بگاڑا نہیں بلکہ ایک اچھا انسان بنا دیا۔۔۔ یہ انہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ میں نے گریجویشن کیا ہے اور جیسا کہ بتایا ماسٹرز کرنے کا ارادہ ہے۔"

★ "مگر یہ تو والدین کبھی بھی نہیں سوچتے کہ ہمارا بیٹا ریڈیو کا پریزنٹر بنے گا۔ تو کس سے متاثر ہو کر آپ ریڈیو کی طرف آئے؟"

☼ "بچپن سے ہمارے گھر میں ریڈیو سنا جاتا رہا ہے۔۔۔ اور مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب اتوار کے دن چھٹی ہوتی تھی تو ہم ریڈیو پہ پروگرام "بچوں کی دنیا" جس کی میزبان "منی باجی" ہوا کرتی تھیں بہت شوق سے سنتے تھے۔۔۔ پھر جب ایف ایم ۔ 101 آیا تو اس کے کچھ پریزنٹرز کو سن کر اچھا بھی لگتا تھا اور ریڈیو پہ بولنے کا شوق بھی ہوا۔۔۔ اور پھر میں نے سوچ لیا کہ مجھے آر جے پریزنٹر بننا ہے۔۔۔ حالانکہ مجھے ریڈیو کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا کہ کس طرح بولنا ہے۔۔۔ کیا طریقہ ہے۔۔۔ اور یہ شوق مجھے ریڈیو تک لے گیا اور الحمد للہ آج ریڈیو پہ بہت اچھی جگہ پہ ہوں۔۔۔ میری ماں کی دعائیں اور میرے والد صاحب کی دعائیں ہیں کہ میں آج اس مقام پہ ہوں۔۔۔ اور ریڈیو کے لیے جو خواب میں نے دیکھے تھے وہ سب پورے ہوئے ہیں۔۔۔ آپ کی طرح اور دوست بھی مجھے کہتے ہیں کہ ٹی وی پہ کیوں نہیں آتے، تو نہ مجھے کبھی بچپن سے شوق تھا ٹی وی کی طرف آنے کا اور نہ اب ہے۔ اور میں بہت خوش ہوں ریڈیو کی جاب پر۔"

★ "کمبائن پروگرام کیسے لگتے ہیں اور تہواروں پہ کوئی خاص اہتمام ہوتا ہے۔۔۔ پروگرام کے سلسلے میں؟"

☼ "بالکل جی۔۔۔ جو مختلف تہوار ہوتے ہیں ان پر ہم پروگرام کرتے ہیں، کمبائن شوز بھی ہوتے ہیں، ویلنٹائن ڈے پر بھی، 14 اگست پر بھی، عیدین کے تہوار پر بھی پروگرام کرتے ہیں، اور بہت اچھے رہتے ہیں سارے پروگرام۔۔۔ ہم بھی انجوائے کر رہے ہوتے ہیں اور ہمارے سامعین بھی۔"

★ "باتوں کا ذخیرہ ہوتا ہے کیا۔۔۔ یا کیا تیاری ہوتی ہے؟"

☼ "میں ایک casual سا پریزنٹر ہوں۔ کوئی باتوں کا یا معلومات کا ذخیرہ نہیں ہوتا میرے پاس۔۔۔ میں وہ باتیں کرتا ہوں جو زندگی کے بہت قریب ترین ہوتی ہیں۔۔۔ جو ایک نوجوان کی اور جو ایک عام گھر کی باتیں

ہوتی ہیں اور جس عمر کے لوگ مجھے سن رہے ہوں ان کی زندگی کے قریب کی باتیں ہوں میں بہت زیادہ کتابی باتیں یا لکھی ہوئی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ اور مجھے لوگ کہتے بھی ہیں کہ آپ ایسی باتیں کیوں نہیں کرتے ۔۔۔ تو جی۔۔۔ میں جو اپنی زندگی کے اردگرد باتیں دیکھتا ہوں وہ کرتا ہوں۔۔۔ تاکہ میرے تجربے سے کسی کو سیکھنے کا موقع ملے۔ مجھ سے بہت زیادہ کتابی باتیں نہیں ہوتیں اور میں ایسا شو ہی کرنا چاہتا ہوں جو لوگوں کے دلوں کے قریب ہوں۔"

★ "شاعری سے لگاؤ ہے؟"

✳ "شاعری کا مجھے پڑھنے کی حد تک شوق ہے کوئی اچھی غزل' کوئی اچھی نظم یا کوئی اچھا شعر مل جائے تو اسے اپنے پروگرام میں ضرور شامل کرتا ہوں۔"

★ "ریڈیو سے متعلق تو کافی باتیں ہو گئیں ۔۔۔ یہ بتائیے کہ مزاج کے کیسے رہے اور ہیں؟"

✳ "مزاج کا حال یہ ہے کہ جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں' ان کے ساتھ بہت اچھا ہوں۔۔۔ اور غصہ مجھے بہت زیادہ شدید آتا ہے اور اکثر ہی آیا ہوا ہوتا ہے۔۔۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ مجھے بہت غصہ آیا ہوا ہے تو اس نے آگے سے کہا تو مجھے کوئی نئی بات بتا۔۔۔ غصہ تجھے کب نہیں آیا ہوا ہوتا۔ لیکن میں بہت رحم دل ہوں۔ دوسروں کے دکھ اور سکھ میں شریک ہونے والا انسان ہوں۔۔۔ کوئی پرابلم میں ہوتا ہے تو ہر لحاظ سے اس کی پرابلم دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔۔۔ مالی سپورٹ بھی ایک حد تک کر دیتا ہوں اور مورل سپورٹ بھی کرتا ہوں۔"

★ "کھانے پینے سے کتنا لگاؤ ہے آپ کو؟"

✳ "کھانے پینے سے لگاؤ ہے' مگر دیسی بندہ ہوں۔ دیسی کھانے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ روزمرہ بننے والے کھانے اور باربی کیو مجھے بہت پسند ہیں اور انٹرنیشنل کھانوں کو زیادہ ٹرائی نہیں کرتا۔ بس میکڈونلڈ' کے ایف سی اور پیزا بہت پسند ہے۔ اور فوڈ لور Lover

کہہ سکتی ہیں آپ۔"

★ "فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

✳ "فارغ اوقات بہت کم ملتے ہیں۔۔۔ گھر آتا ہوں تو بہت تھکا ہوا ہوتا ہوں۔۔۔ پھر ادھر ادھر جانے کے بجائے سو جانا بہتر سمجھتا ہوں آؤٹنگ کرنا مجھے بہت پسند ہے۔ دوستوں کے ساتھ گیدرنگ لگانا مجھے اچھا لگتا ہے۔۔۔ دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پہ جانا اچھا لگتا ہے اور میرے زیادہ تر دوست میری فیلڈ کے ہی ہیں۔"

★ "اپنی زندگی کے بارے میں کیا کہیں گے آپ؟"

✳ "میری زندگی کبھی بھی فریش اور اسموتھ نہیں رہی۔ میرا بچپن بھی بس ایسے ہی گزر گیا۔ جس میں بہت ساری خواہشات پوری نہ ہو سکیں' اگرچہ میرے والدین نے ہر طرح سے میری خواہشات پوری کرنے کی کوشش کی۔ مگر کچھ چیزیں ان کی دسترس سے باہر تھیں۔ لہٰذا اپنی خواہشات اور اپنے خوابوں کو ابھرنے نہیں دیا۔۔۔ اور والدین کا نہ ہونا میرے لیے بہت اذیت ناک ہے' بے شک انسان کی زندگی کبھی بھی مکمل نہیں ہوتی لیکن والدین کا نہ ہونا بہت تکلیف دہ ہے اور ان کے بغیر تو ہر خوشی مجھے ادھوری لگتی ہے۔ میں زندگی میں کتنا بھی اسٹرونگ ہو جاؤں کتنا بھی مالی طور پر خوشحال ہو جاؤں لیکن والدین کے بغیر بس کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔"

★ "بالکل ٹھیک کہا آپ نے اور چلتے چلتے یہ بھی بتا دیں کہ کب اور کہاں پیدا ہوئے۔۔۔ اور شادی کے بارے میں بھی بتائیے؟"

✳ "میں جناب 14 فروری 1989ء میں کراچی میں پیدا ہوا اور شادی ابھی نہیں کی اور شادی کرلوں گا جب بڑا ہو جاؤں گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے مرزا ہمایوں سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ ہمیں ٹائم دیا۔

✳ ✳

شادی مبارک ہو

محمد فاروق بھٹی ہمراہ صدف

فائزہ بھٹی

"تم لوگ تو لاہور میں ہی ہو۔ میں بھی آجاتا ہوں اور فاروق کی شادی کا دن مقرر کر لیتے ہیں' فائزہ کی چھٹی ہے نا۔ عالیہ کو بھی اتوار کو چھٹی ہوتی ہے۔ شازیہ بھی چونگ سے آجائے گی۔ سب مل کر چلیں گے۔" ابو کا فون آیا۔

فائزہ کا پیپر ہے۔ اس کو تیاری بھی کرنی ہے۔ اکیلے کیسے چھوڑدوں اسے گھر میں"۔ (ایم اے پارٹ ون کے پیپر ہو رہے تھے میرے) امی کو ایک ہی فکر۔

ابو نے حل پیش کیا۔ مجھے چونگ باجی شازیہ کے پاس چھوڑا گیا' عالیہ کو چھٹی نہ ملی وہ یونہی چلی گئی۔ (پنجاب یونیورسٹی میں ملازمت ہے اس کی) امی ابو اور بہنوئی جا کر دن مقرر کر آئے' 24 ستمبر کا دن فائنل ہوا۔ ہر طرف سے مبارک باد کے فون۔ امی کا بس نہ چلے کہ اڑ کر گھر چلی جائیں اور تیاریاں شروع کر دیں۔ پھر ابو کے کہنے پر زیادہ تر شاپنگ لاہور سے ہی کر لی۔

13 کو آخری پیپر دے کر 14 اگست کو گھر آئے۔ تو گھر میں ماربل کا ڈھیر' نئے بننے والے پورشن میں لگانا تھا۔ ابھی آکر بیٹھے ہی تھے کہ پیچھے لاہور سے ماموں کا فون آگیا۔ (وہ لاہور میں ہوتے ہیں فیملی سمیت) ان کا بیٹا بڑا بیمار تھا۔ ایسے ہی امی الٹے پاؤں واپس خالہ' دو ماموں اور مامی سمیت واپس اور پھر 15 اگست کو اس کی ڈیڈ باڈی لے کر واپس آگئے۔ مستری جو کام کر رہے تھے ہٹا دیے گئے۔ دن دس گزرے اور وہ لوگ ختم دلا کر چلے گئے۔ (ماموں کا اکیس سال کا بیٹا جو کہ معذور تھا)

گھر میں پھر وہی ہنگامہ' شور' کام پر کام ہر ایک کے لب پر دعا۔ اللہ پاک پھر کوئی حادثہ نہ ہو' فاروق اکلوتا ہے چھ بہنوں کا۔ ماں باپ کا لخت جگر۔ اس کی شادی کے ارمان ماند نہ پڑیں۔ خیر خیریت سے ہو جائے سب

کاموں نے تو ہمیں چکرا کر رکھ دیا۔ گھر کی تعمیر بھی جاری و ساری تھی۔ شاپنگ کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ اور اوپر سے تل کی فصل بھی پک کر گھر آگئی۔ جسے سنبھالنا کافی مشکل' ہم بہنوں کی ایک ہی دہائی۔

"امی آپ نے تو ہم سے دھوپ میں کام کروا کروا کر کالے ہم بنا دینا ہے۔"

اور امی کا جواب میں تسلیاں دینا' بھائی کام پر تھے وہ دوسرے شہر ہوتے ہیں۔ پھر ہم بہنوں نے ہی کرنا تھا ہر کام' ہر بار کی طرح سعدیہ کو ہم نے سلائی کرنے پر بٹھا لیا۔ میں اور رابعہ گھر میں کام کرتے مزدوروں کی ہانڈی روٹی کا بندوبست کرنے کی ذمہ داری ٹھہری۔

شادی کے پندرہ دن پہلے سے ہی بھائی شکیل (خالہ زاد) نے چھت پر چڑھ کر ڈیک لگا دیا اور فل والیم میں گانے بجنے لگے۔ ہمارے کام کرتے ہاتھوں میں تیزی آگئی۔

"تم لڑکیوں نے خاک کچھ کرنا ہے' اب مجھے ہی کچھ کرنا تھا۔ تاکہ شادی والا گھر تو لگے۔"

اس بار عید بھی کاموں کے نظر ہوئی۔ عالیہ کی دہائی عید کی رات ڈھولک رکھ لو بعد میں میں چلی جاؤں گی۔ باقی لوگوں کا اصرار ڈھولک رکھ لو۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اکلوتا ہے فاروق' اس کی شادی کا کوئی ارمان نہیں رہنا چاہیے۔ چلیں جی بات فائنل ہو گئی۔ ہم لوگ جن جن کے گھر عید ملنے گئے۔ واپسی پر ڈھولک کا بھی کہہ دیا۔ شام کو خوب ہنگامہ ہوا۔ ہلا گلا کیا گیا۔ گھڑا بھی خوب بجایا گانے بھی خوب گائے۔ (ہمارے ہاں گھڑا بجتا ہے شادی کے دنوں میں) خوب ہنسی مذاق ہوا۔ بھنگڑا ڈالا گیا ہم سب کزنز اکٹھے جو رہتے ہیں ساتھ ساتھ گھروں میں۔

صبح ہوئی اور ایک بری خبر منتظر۔ ابو کی چاچی جو کہ امی کی مامی بھی ہیں۔ آخری سانسوں پر آ گئیں۔ دوپہر کو طبیعت کچھ سنبھلی تو انہوں نے امی کو مہندی کا سامان دینے لاہور بھیج دیا۔ امی ابھی لاہور پہنچیں بھی نا ہوں گی کہ ان کی طبیعت پھر بگڑ گئی۔ ایمرجنسی میں لاہور لے جایا گیا۔ دو تین دن جناح ہسپتال میں گزار کر واپس آ گئی تھیں۔ (ڈھولک کا پروگرام چوپٹ ہوا) ہر ایک کے لبوں پر ان کی صحت کی دعا تھی۔

بالآخر وہ آئیں تو مایوں کا پروگرام رکھا گیا۔ اللہ کا شکر ہے مایوں سے پہلے ہی گھر کی تعمیر اور شفٹنگ کا پروگرام مکمل ہو گیا۔ مایوں پر ساری برادری اکٹھی ہوئی۔ دیگیں اتاری گئیں ساری کزنز ایک بار پھر جمع۔ شام کو ساروں کا کھانا بھی ادھر ہی تھا۔ باجی بھی چونگ سے آ گئیں۔ اس نے سب کے کپڑے استری کیے ہم نے دوسرے کام نپٹا لیے۔ شام کو برادری تو کھانا کھا کر بتاشے لے کر اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ مگر اپنا پورا خاندان ابھی ادھر ہی تھا۔ رات کا کھانا کھایا گیا۔ میرے ہاتھ کی چائے نوش فرمائی گئی اور ایک بار پھر گھڑا پکڑ لیا گیا۔ ایک بار پھر وہی ہلا گلا۔ ہنگامہ شور شرابا، پھر شادی کے دن تک روزانہ یہ ہنگامہ ننھیال اور ددھیال کا گانوں کا خوب مقابلہ ہوا۔

بدھ کے روز عالیہ دوبارہ چھٹی لے کر آ گئی۔ ساتھ میں حاشر اور نبیل بھی تھے۔ نبیل جو کہ بھائی کا شاہ بالا تھا۔ نویں جماعت کا بچہ یہ اونچا لمبا جوان گلے ملتے ہوئے ہم بہنوں کو بغل میں لے لیتا۔ ہمارا چچا زاد بھائی۔ خود اس کی تو کوئی بہن نہیں اسی وجہ سے وہ ہمیشہ سے ہم بہنوں کو سگی بہنوں کا درجہ دیتا آیا ہے۔ کبھی فرق محسوس نہیں ہوا نہ کروایا گیا۔

جس جس نے دیکھا منہ کھل گیا۔ شاہ بالا اور اتنا بڑا اور امی کا ہنستے ہوئے ایک ہی جواب۔

”تو کیا ہوا ادھر بھی ماموں کا گھر ہے۔ دو لڑکیاں لے آئیں گے۔“ نبیل بے چارا شرما جاتا رخسار لال ہو جاتے اور ہم سب کا قہقہہ۔

آٹھ دن پہلے سے ہی گھر برقی قمقموں سے سج گیا بھائی لائٹس اپنی خرید لائے تھے۔ کرائے کا جھنجھٹ ختم ہوا۔ کچھ لائٹس بھائی نے لگائیں کچھ رابعہ، فرح حاشر اور بھائی شکیل نے کچھ لائٹس پھر بھی رہ گئیں۔ جنہیں لگانے کو کوئی کزن ہاتھ نہ آیا سارے بڑے بڑے کام پڑے ہوئے تھے۔ جو کہ بھائی نے کزنوں کے ذمے لگائے تھے۔ (وہ خود اپنے کام پر تھا) کسی نے نہ کیے۔ وہ خود مہندی والے دن شاہ نواز کے ساتھ صبح آٹھ بجے آیا۔ امی کو ایک اور بیٹے کی اور ہم بہنوں کو ایک اور بھائی کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ ابو نے بھائی کے بغیر سارے کام کیے مگر جوان لڑکوں والے کام ان سے نہ ہوئے۔ بوڑھا، کمزور، دل کا مریض بندہ جواں جہاں تو نہیں بن سکتا نا۔

بھائی کا خود کا دل بجھ گیا۔ اس نے خود پھر شاہ نواز کے ساتھ مل کر سارا دن شہر کے خوب پھیرے لگائے۔ کام ختم کیے۔ شاہ نواز نے شام کو سب کزنز کو اکٹھا کر کے لائٹس مکمل کروائیں۔ ہر طرف دہائی شور شرابہ۔ مہندی کی رات سے سارے خاندان کا کھانا ادھر تھا۔

سارے مہمانوں کے آنے کا پروگرام عصر سے مغرب کے درمیان تھا اور مہندی کا ٹائم رات ساڑھے آٹھ بجے۔ مگر سارے مہمان مغرب کے بعد عشاء اور اس کے بعد تک آئے۔ مہندی کا پروگرام تھوڑا لیٹ ہو گیا۔ ہم بہنیں بھاگ بھاگ کر تیار ہوئیں۔ میں نے ریڈ اور گولڈن کنٹراسٹ کا لہنگا پہنا کانوں میں بندے۔ ماتھے پر بندیا۔ عالیہ نے چاکلیٹ اور گولڈن کلر کا لہنگا پہنا باقی ساری بہنوں نے شلوار قمیص بنوائی تھی۔ ہم تینوں نے چھوٹی بہنوں نے بندیا لگائیں۔

برات کے لیے ہمیں تیاری کا موقع دیا گیا میں نے شاکنگ پنک شرارہ، جو کہ جامہ وار کا تھا۔ جامہ وار کی قمیص کے اوپر لانگ جالی دار موتیوں والی ڈل گولڈن شرٹ ہر ایک نے تعریف کی۔ بھائی تیار ہو کر آ گئے۔ شیروانی پہنی سج گیا۔ نبیل نے سفید کڑکڑاتا سوٹ اور اوپر سے بلیک ویلوٹ کی واسکٹ پہن لی۔ مقابلے پر آ

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو طلاق دے کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے' مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے۔ جب کہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ عباد گیلانی کو اپنی بیماری میں احساس ہوا ہے کہ اس نے حازم کی ماں مومنہ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ عباد گیلانی مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے اور حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے' مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا' مگر بعد میں اپنے باپ کی خواہش پر ان کے ساتھ اپنے نانا کے گھر جاتا ہے اور اپنی ماں مومنہ سے ملتا ہے۔ ماں سے مل کے تمام شکوے بھول جاتا ہے اور اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی سے بے حد محبت کرتی ہے اور مومنہ بھی اسے بے تحاشا چاہتی ہے' حازم جب حوریہ کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں حوریہ کے لیے پسندیدگی کے جذبات ابھرتے ہیں اور یہی حال حوریہ کا بھی ہوتا ہے۔ عباد گیلانی حوریہ سے مل کر بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ حوریہ میں اسے مومنہ کا عکس نظر آتا ہے اور حازم سے پوچھ کر اس کے نانا یاور علی سے دونوں کی شادی کی بات کرتا ہے۔

حوریہ اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے' فضا کی ایک امیرزادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر اس سے ملتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے' وہ فضا کو بہت سمجھاتی ہے کہ اس راستے پر نہ چلے' مگر فضا نہ مانی اور آخر کار ایک دن محبت کے نام پر بربادی اپنی قسمت میں لکھوا لیتی ہے اور اس بات کا پتا اس کی سوتیلی ماں جہاں آرا کو چل جاتا ہے اور وہ اپنے بھانجے نصیر سے اس کی شادی کرنے کا پروگرام بنالیتی ہے جبکہ فضا اس پر راضی نہیں ہوتی جوریہ کو جب پتا چلتا ہے تو وہ فضا کو سمجھاتی ہے اس امیرزادے کو کہے کہ وہ اس سے شادی کرے اور فضا اس کو مجبور کرتی ہے کہ یہ بات

وہ خود اس کو سمجھائے اور فضا کے مجبور کرنے پر جب وہ بابر سے ملتی ہے تو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوتا اسے بابر سے ہرگز نہیں ملنا چاہیے تھا اور اس بات پہ بھی افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک غلط لڑکی کو دوست بنایا۔ (اب آگے)

گیارہویں قسط

اسپتال پہنچتے ہی حازم نے گاڑی پارکنگ میں لے جانے کی بجائے گیٹ پر ہی روک دی اور نیچے اترا۔ حوریہ بھی جلدی سے گاڑی سے اتر گئی۔

حازم تقریباً بھاگتا ہوا اندر آیا تھا۔ سامنے شفاف ماربل کی لمبی راہداری تھی جس کے دائیں طرف اوپر جانے والی ماربل کی کشادہ سیڑھیاں تھیں جب کہ آگے جا کر سروں کی قطاریں تھیں۔ وہ بڑے بڑے قدموں سے راہداری سے گزرنے لگا' بابر اسے آئی سی یو کے باہر ہی دکھائی دے گیا۔ وہ لپک کر اس کی طرف آیا۔

"ہاؤ'ز کنڈیشن ناؤ؟" (اب کیسی حالت ہے) اس نے آئی سی یو کے گلاس وال پر نگاہ ڈالی۔

"مچ بیٹر ناؤ۔" (اب بہتر ہے) بابر کے لہجے میں تسلی تھی۔

"اوہ۔ تھینکس۔" حازم نے بے ساختہ ایک طمانیت آمیز سانس لی اور آئی سی یو کے دروازے کی طرف بڑھا پھر رک کر بابر سے پوچھا۔

"سرجن بخاری سے بات ہوئی؟"

"ہوں۔ ہی ویٹنگ فار یو۔" (وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں) بابر بھی اس کے ہمراہ قدم اٹھانے لگا۔

"پاپا ہوش میں تو ہیں نا؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔ کوئی پندرہ منٹ پہلے تو نہیں تھے۔" بابر نے جواب دیتے ہوئے حازم کی نظروں کے تعاقب میں پیچھے دیکھا۔ حازم سامنے سے آتی حوریہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ پلٹ کر حوریہ کی طرف بڑھا۔

"سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"پاپا کی طبیعت کیسی ہے؟" اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

"مچ بیٹر ناؤ۔"

"شکر اللہ کا۔" حوریہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا اور حازم کے بازو پر ہلکے سے ہاتھ رکھا۔ "بہت ٹینس ہو رہی تھی میں۔ کیا میں مل سکتی ہوں؟"

"نہیں میرا خیال ہے۔ تمہیں یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا بھی نہیں چاہیے تم گھر چلی جاؤ۔" وہ نرمی اور رسان سے بولا' پھر بابر کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا' جو دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو سے لاتعلق کھڑا تھا۔

"بابر! پلیز ٹیک ہر ود یو۔" (اسے اپنے ساتھ لے جاؤ) وہ بابر سے کہہ رہا تھا حوریہ کا دل اچھل کر گویا حلق میں آگیا۔

"او کے۔ یوں بھی میں اب جا ہی رہا ہوں تم آگئے ہو تو۔" بابر نے بلا تامل سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پر بڑی سنجیدگی اور رسناونی قسم کی بردباری دکھائی دے رہی تھی۔

"حوریہ پلیز۔ گو ود ہم۔ (اس کے ساتھ جاؤ) مجھے ابھی یہاں رہنا ہوگا۔" حازم حوریہ کو تذبذب میں دیکھ کر نرمی سے اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے بولا۔ "تمہارے لیے یہاں رہنا مناسب نہیں' پلیز۔"

حوریہ کچھ کہنے ہی لگی تھی سرجن بخاری آئی سی یو کے گلاس ڈور دھکیل کر باہر نکلے۔

"حازم! میں تمہارا ہی ویٹ کر رہا تھا۔" وہ حازم کو دیکھتے ہی بولے۔ اور حازم کے ساتھ آئی سی یو میں ایک بار پھر داخل ہو گئے۔

حوریہ اس صورت حال کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔ اسے گمان تک نہ تھا کہ اسے یہاں آکر اس طرح کی صورت حال کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔

"ہیلو۔ کیا خیال ہے چلیں؟" بابر گاڑی کی چابی ہتھیلی پہ اچھالتا ہوا اس کے نزدیک چلا آیا۔ اس کے چہرے پہ پھیلی' وہ بردبار قسم کی سنجیدگی مفقود تھی' جہاں اب لبوں پہ استہزائیہ آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ حوریہ کو تو گم از

کم ایسا ہی لگا کہ وہ جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ حوریہ نے بس ایک نظر اس پر ڈالی اور پلٹ کر خاموشی سے چلنے لگی۔
پارکنگ لاٹ میں اس کی سفید سوک کھڑی تھی۔ بابر نے ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور بے اختیار اس کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔
"ضروری نہیں کہ ہر سفر میں ہم سفر آپ کا پسندیدہ ہی ہو۔ کبھی کبھی ناپسندیدہ لوگوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔" حوریہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔
اس کے تنے تنے چہرے اور بھینچے لبوں کو دیکھ کر بابر کو اپنے دل میں ایک عجیب سی خوشی اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کا تناؤ اور اس کی بے بسی اسے بڑا لطف دے رہی تھی۔
"اب میں اتنا برا بھی نہیں ہوں۔ اگر غور کرو تو۔" وہ ویو مرر سیٹ کرتے ہوئے اپنے چمکدار بالوں پر ہلکے سے ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔
لاکھ برا ہوں مگر کچھ خوبیاں بھی
ہوا کرتی ہیں آدمی میں
اس نے شعر کو نثری انداز میں پڑھتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اگنیشن میں چابی ڈالتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے بولا۔
"چلیں۔"
"میرا خیال ہے میں گاڑی میں گھر جانے کے لیے ہی بیٹھی ہوں۔ تمہاری بکواس سننے کے لیے نہیں۔" وہ اپنے اعصاب کنٹرول رکھتے ہوئے دھیمے مگر کڑے لہجے میں بولی، مگر وہاں گویا مطلق اثر نہ تھا۔ اس نے ویو مرر میں اسے نگاہوں میں فٹ کرتے ہوئے ایک ہلکی سی سانس بھری۔ پھر اطمینان سے ادھر ادھر ہاتھ گھما کر اٹھا شاید سگریٹ کا پیکٹ تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایک قیمتی امپورٹڈ سگریٹ کا گولڈن گرین کمبینیشن کا پیکٹ تھا جس سے وہ ایک سگریٹ نکال کر لبوں کے باہم پھنسا کر لائٹر کا شعلہ دکھا رہا تھا۔ دوسرے لمحے سگریٹ کی لوپ پر بے ضرر سا شعلہ چمکنے لگا۔

وہ ہم سفر ہے مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی
کہ دھوپ چھاؤں کا عالم رہا جدائی نہ تھی

سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتے ہوئے گاڑی ہلکی رفتار سے چلاتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ حوریہ کو اپنی کانوں کے لو پر تپش کا احساس ہونے لگا تاہم وہ ضبط کیے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔
عداوتیں تھیں رنجشیں تھیں
وہ یکدم سگریٹ کھڑکی سے باہر اچھال کر ہلکے سے ہنسا تھا۔
"کمال ہے عجیب حسب حال سونگ منہ میں آ گیا۔ ہے نا حیرت کی بات۔"
حوریہ نے بس ایک نظر اس پر ڈالی۔ اس لمحے اس کا دل چاہا گاڑی سے اتر جائے رکشا پکڑے اور گھر روانہ ہو جائے، مگر وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔ اب وہ حوریہ عادل تو نہ تھی حوریہ حازم تھی گیلانی ہاؤس کی بہو۔ سو اپنی سوچ پر عمل کرنے کی بجائے چپ ضبط کیے بیٹھی رہی۔
"ویسے میری آواز سے لوگ بہت لطف اٹھاتے ہیں تم بدمزا ہو رہی ہو۔ حالانکہ میں بہت اچھا سنگر بھی ہوں۔ چلو خیر۔ میری آواز تمہیں اچھی نہیں لگ رہی ہے تو میوزک سے دل بہلا لیتے ہیں۔ اتنی خاموشی میں ڈرائیونگ نہیں کر سکتا۔" وہ سی ڈی پلیئر آن کر چکا تھا۔
"یہ وقت نہ گانے سننے کا ہے نہ گنگنانے کا۔" وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولی۔ "انکل کی کنڈیشن کا ہی کچھ خیال

کرلینا چاہیے۔"
"مگر پاپا تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔" وہ بجائے نادم ہونے کے کمال ڈھٹائی سے بولا۔ حوریہ تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ کتنا تضاد تھا حازم اور اس میں۔۔۔ ایک لگتا ہے آسمان پر چمکتے چاند کی مانند اور دوسرا۔۔۔ کوئی شبیہہ اس کے ذہن میں آئی۔ بابر نے رخ موڑ کر اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔
"دراصل تم ایک زندہ دل شخص کے ساتھ سفر کررہی ہو۔ جہاں زندگی رینگتی نہیں ہے بلکہ دوڑتی ہے' ڈر ڈر کر سہم سہم کر اور پھونک پھونک کر قدم نہیں رکھتی بلکہ بے خوف و خطر ناچتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھایا گاڑی رش انداز میں اچھل کر دوڑنے لگی۔
"ایسے۔ اس طرح زندگی بھاگتی ہے اسے کہتے ہیں زندہ دلی' جوش' جنون۔" وہ لطف لے کر ہنسنے لگا۔
"زندہ دلی۔" تاسف کے ہمراہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ حوریہ کے تراشیدہ لبوں پر پھیل کر منجمد ہوگئی۔
"اسے زندہ دلی نہیں کہتے۔ دل کا مردہ ہونا کہتے ہیں۔"
"دل میوزک' بے ہنگم شور اور قہقہوں سے نہیں ایمان کی حرارت سے زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح کے شور کو وہی پسند کرتے ہیں جن کا دل ایمان کی حرارت سے خالی ہو اور مردہ ہوچکا ہو اور وہ اپنے اس خالی پن کو اس بے کار کے ہاؤ ہو سے بھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"
وہ اپنے تئیں اسے شرمندہ کررہی تھی' مگر جواباً" وہ ابرو اچکا کر تائیدی انداز میں سرہلانے لگا۔ تاہم اس کے لبوں پر کھیلنے والی مسکراہٹ سکڑ گئی تھی۔ گاڑی یک دم اس نے ٹرن لے کر آئس کریم پارلر کے آگے روک دی۔
"باتیں اچھی کرلیتی ہو بلکہ وعظ بھی کرلیتی ہو خاصے صوفیانہ قسم کے۔" اس کا لہجہ اور انداز داد دینے والا تھا۔
"مگر جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں اس وقت کولڈ ڈرنک کی میرا مطلب ہے کسی بھی سوفٹ ڈرنک کی ضرورت ہے۔" وہ ہارن پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے بجانے لگا۔ آئس کریم بار سے لڑکا بھاگتا ہوا آتا دکھائی دیا۔
"مجھے کسی بھی ڈرنک کی خواہش نہیں پلیز تم گھر چلو۔"
"ارے ٹیسٹ تو کرو۔ یہاں کا چیری' بہت زبردست ہے لطف آجائے گا۔۔۔ سنو۔" وہ نزدیک آنے والے لڑکے کو آرڈر دینے لگا۔
"مائی فٹ۔۔۔ میں حازم کے ساتھ پی لوں گی۔ پینا ہوگا تو۔ تمہیں مہیا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اس کی ڈھٹائی پر جھلس کر رہ گئی۔
"حازم کے ساتھ آکر پیو گی وہ ڈیفینٹلی (یقیناً") اچھا ہی ہوگا۔ اس کی قربت میں ہے ہی اور بھی ٹیسٹی لگے اور میرے ساتھ پینے میں الگ ٹیسٹ آئے گا۔" وہ رخ موڑ کر اس پر ایک مسکراتی نگاہ پھینکتا ہوا بولا۔
"کچھ کڑوا کڑوا سا کچھ تلخ ترش سا' مگر سچ پوچھو تو اس کڑواہٹ اور تلخی کا بھی اپنا ہی ایک مزا ہے۔"
حوریہ کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ وہ کمینگی کی ہر حد کو پار کرسکتا تھا' اس جیسے شخص سے کچھ بعید نہ تھا سو اس نے جواب دینے کی بجائے خاموشی میں ہی عافیت جانی اور اس مقولے پر عمل بہتر ہے کہ "آنسر وا اگنورنٹ ود سائلنس۔" (جواب جاہلاں باشد خموشی)
تاہم گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے کو ترجیح دی' پھر اس نے زور سے ہنڈل کھینچا' مگر دروازہ لاک تھا۔
"لاک کھولو۔ میں نیچے اترنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ آگ بھرا ہوا تھا۔ وہ ہنڈل پر اپنی پوری طاقت صرف کرنے لگی۔ بابر کی مسکراہٹ اس کے لبوں سے سمٹ کر گم ہوگئی۔ شاید کچھ سنگینی کا احساس اسے بھی ہونے لگا کہ وہ فقط حوریہ نہیں تھی' اس کے بھائی کی بیوی تھی۔ جسے اس نے اعتبار کرتے ہوئے اس کے ہمراہ بھیجا تھا۔ تاہم وہ اس طرح کا کسی قسم کا تاثر دینے کی بجائے ایک ہلکی سی سانس بھر کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"تم گیلانی ہاؤس کی اکلوتی بہو ہو۔ ایسے کیسے تمہیں سڑک پر اتار سکتا ہوں۔ اوکے لیڈیز گو۔"

دوسرے پل گاڑی فراٹے کے ساتھ سڑک پر دوڑنے لگی۔ بابر لب بھینچے بالکل خاموش تھا اور حوریہ نے غنیمت ہی جانا۔ چند منٹوں میں ہی گیلانی ہاؤس کے پارکنگ لاٹ میں گاڑی رک چکی تھی۔ حوریہ سرعت سے نیچے اتری اور پلٹ کر تیز تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ جب کہ بابر بے حد رش انداز میں گاڑی پارکنگ سے نکال کر لے گیا تھا۔

حوریہ نے روش پر چلتے ہوئے ذرا سا رک کر رخ موڑ کر دیکھا۔ پارکنگ لاٹ خالی تھا چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔ ایک بھینچی بھینچی سانس اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا کی کنڈیشن پہلے سے بہت بہتر ہے۔ ہاں بس وہ اپنی طرف سے بہت کیئرلیس ہیں۔ ہیلو مما۔ آپ سن رہی ہیں نا۔"

حازم مومنہ کو عباد گیلانی کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں پہلے جیسا خوف اور وحشت نہیں تھی۔ وہ خاصا پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

"ہیلو مما!" مومنہ رخسار پر بہنے والے قطروں کو پونچھتے ہوئے ہلکے سے مسکرا کر سرہلانے لگی۔

"ہاں میں سن رہی ہوں۔"

"آپ کو خوشی ہوئی ہے نا مما۔ یہ سن کر۔" حازم کے لہجے میں بچکانا سی خواہش مچل رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کے منہ سے یہی سننا چاہتا تھا کہ وہ بہت خوش ہوئی ہیں۔ عباد کی زندگی ان کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ چاہے حازم کے حوالے سے ہی سہی۔

"تم خوش ہو تو میں تمہاری خوشی کے لیے ہر خوشی میں خوش ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"حوریہ کہاں ہے؟"

"میں تو ابھی اسپتال سے نکلا ہوں۔ ڈرائیونگ کر رہا ہوں۔ حوریہ گھر پر ہے۔ میں بھی فریش ہو کر آپ کو کال بیک کروں گا۔"

"اوکے۔ اللہ تمہارا نگہبان۔" مومنہ پیار سے بولی۔

"مما!" حازم نے جلدی سے پکارا۔ اس کے لہجے میں ایک بے تابی سی تھی۔ مومنہ کے خون میں پھر وہی بے آرامی سرایت ہونے لگی۔ حازم کی اس پکار کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے مما۔ پاپا موت کو ایک بار پھر شکست دے کر لوٹے ہیں "مگر وہ کہتے ہیں کہ انہیں موت سے ڈر نہیں لگتا۔ زندہ رہنے سے لگتا ہے۔"

"یہ پاگل پن ہے ان کا۔" وہ آہستگی سے اتنا ہی کہہ سکی۔

"نہیں۔ پاگل پن نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بہت قرض ہیں میرے کندھے پر۔ جن کو اٹھا کر زندہ رہنا موت سے زیادہ بدصورت لگتا ہے۔ ہاں اگر یہ قرض اتر جائیں تو۔ وہ شاید اچھی طرح جی بھی لیں۔" حازم ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں اپنی بات واضح کر رہا تھا۔ مومنہ چند لمحے خاموشی سی ہو کر رہ گئی پھر نزدیکی کرسی پر ڈھیلے انداز میں بیٹھ گئی۔

"تم نے آج سے پہلے بھی مجھ سے جو مانگا میں نے انکار کیا کبھی۔ اپنا جگر کا گوشہ۔ بھی تمہارے حوالے کر دیا۔ گیلانی ہاؤس کو سونپ دیا۔"

"میں آپ کا احسان مند ہوں مما۔ آئی سویئر میں کبھی نہیں بھولوں گا۔"
"سنو حازم! اپنے پاپا سے کہنا کہ انہوں نے مجھ سے ایک وعدہ لیا ہے کہ حوریہ کی آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آنے دیں گے۔ اسے کبھی کوئی دکھ نہ پہنچنے دیں گے۔ پوچھو انہیں۔ یاد ہے نا۔"
"شیور مما۔ پاپا حوریہ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "حوریہ گیلانی ہاؤس میں بے حد خوش ہے۔"
"تو بس۔ ان سے کہہ دو کہ۔ ان کا قرض اتر چکا ہے۔ وہ خود کو ہر بوجھ سے آزاد سمجھ لیں۔" یہ کہہ کر مومنہ نے لائن منقطع کر دی۔۔۔ اور عجیب گھائل نظروں سے موبائل کو دیکھنے لگی۔
حازم سمجھ دار تھا وہ مومنہ کی کیفیت سے آگاہ تھا اس نے کال بیک نہیں کی۔
مومنہ نے موبائل ایک طرف پھینکنے کے انداز میں رکھ دیا اور کرسی کی پشت پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔
عورت کا بڑا المیہ ہے کہ وہ تکلیف دینے والے کو تکلیف میں دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے اور زیادہ گھائل ہو جاتی ہے' اذیت کا حساب لینے نکلتی ہے مگر ان ذرا سی انتقامی کاروائی کر کے خوش ہونے کے باوجود خوش نہیں ہو پاتی۔۔۔ یوں لگتا ہے زخم نئے سرے سے آنچ دینے لگے ہوں۔
مومنہ علی کے ساتھ بھی یہی تھا وہ عباد گیلانی کو بستر مرگ پر دیکھ کر بجائے آسودہ اور خوش ہونے کے۔۔۔ اور گھائل ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے بارہا خود سے وعدہ کیا کہ وہ اس شخص کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ مگر چپکے چپکے کتنی بار۔ اسے معاف کر چکی تھی۔ اور آج حازم سے یہ کہہ کر اسے لگا جیسے اس کے کندھے پر بھی رکھا کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ ہلکی پھلکی ہو گئی ہو۔
انتقام ایسا جذبہ ہے۔ جو کانٹے کی طرح ہمہ وقت چبھتا رہتا ہے رگ رگ کو چھیلتا رہتا ہے' زخموں کو ہرا ہی رکھتا ہے۔ یہ زہریلے مادے کی طرح انتقام لینے والے کو ہی پہلے ڈستا رہتا ہے۔ مگر جب معاف کر دیا جائے تو۔ خون میں عجیب سی ٹھنڈک اترنے لگتی ہے۔ بے آرامی کی کیفیت فنا ہو جاتی ہے اور زخموں کے منہ آہستہ آہستہ بند ہونے لگتے ہیں۔ ایک پرسکون سی فضا دل پر اترنے لگتی ہے۔
مومنہ نے آنکھیں کھولیں تو یاور علی سامنے کھڑے دکھائی دیے' پھر دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے نزدیک آ کر اس کے سر پر اپنا کانپتا ہاتھ رکھا۔
مومنہ کو یک دم اپنی پلکوں پر بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ جیسے کوئی سیلاب دباؤ ڈال کر یہ نازک سا بند توڑ کر بہہ جانا چاہتا ہو۔۔۔ دوسرے پل وہ ان کے سینے سے لگی تھی۔
"اس شخص سے کیا انتقام لیا جا سکتا ہے ابا جی۔ جس کو خود پچھتاوے اور پشیمانیاں ڈس رہی ہوں۔ جو بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہو۔" وہ یاور علی کو گود میں سر رکھے چھت کو تک رہی تھی اور افسردگی سے کہہ رہی تھی۔
"سچ تو یہ ہے کہ میں باوجود چاہنے کے عباد گیلانی سے انتقام نہیں لے سکی۔ اسے بد دعا تک نہ دے سکی۔ بس ایک مسلسل اذیت کا سفر کرتی رہی۔۔۔ مگر آج۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے ابا جی۔۔۔ اس کی ساری خطاؤں کو معاف کر دیا ہے۔" یاور علی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔
"تم آرام کرو۔ بہت تھک گئی۔" انہوں نے نرمی سے اس کے سر کے نیچے کشن رکھا اور اٹھ کر اس کے کمرے کی کھڑکیوں کے بلائنڈ کی ڈوری کھینچنے لگے۔
"تھکن تو اب اتری ہے ابا جی۔ حالات کی سنگلاخ راہوں پر چلتے چلتے اب کہیں جا کر ایک مقام پر رکی ہوں۔ جہاں ٹھہر کر ساری تھکن اتار کر روح پرسکون ہونے لگی ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔
ابا جی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر جھک کر نرمی سے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔ مگر وہ یوں ہی آنکھیں بند کیے

پڑی رہی۔یاور علی کو لگا وہ غنودگی میں جا رہی ہے۔وہ پلٹ کر اپنے پیچھے بے آواز دروازہ بند کر گئے۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی کی طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو گیلانی ہاؤس میں حوریہ کے امید کے ہونے کی خوشی میں بڑے پیمانے پر اسے سیلیبریٹ کیا جا رہا تھا۔ عباد گیلانی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ البتہ عاظمہ کا رد عمل واجبی سا رہا۔ شاید وہ دلی طور پر اتنی زیادہ خوشی محسوس نہ کر پا رہی تھیں۔

ادھر بابر اس خوشی میں قطعی شامل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنے فرینڈز گروپ کے ساتھ دبئی جا رہا تھا' حازم نے اس سے بے حد اصرار بھی کیا کہ وہ ایک آدھ دن ٹھہر کر پھر چلا جائے مگر وہ جانے پر مصر رہا۔

"کم آن یار۔ تم سیلیبریٹ کرو۔ تمہاری خوشی ہے جناب پاپا تم بن رہے ہو۔"

"چچا تو بن رہے ہو ناں تم۔" جواباً" حازم نے اسے مصنوعی پن سے گھورا تو وہ ہلکے سے ہنس دیا۔۔۔۔ مگر اس کی ہنسی میں قطعی شگفتگی نہ تھی عجیب روکھی سی ہنسی تھی۔

"کیا میری خوشی تم سے الگ ہے۔"

"ناٹ ایٹ آل۔" پھر ایک پل رکا اور سامنے سے آتی حوریہ پر نگاہ ڈالتے ہوئے حازم کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"تمہاری خوشی تو سمجھو میری ہی خوشی ہے۔" اور حوریہ کی طرف رخ کرتے ہوئے بولا۔ "ایم آئی رائٹ؟"

حوریہ نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"بس چلو فٹافٹ پروگرام اپنا پوسٹ پون (ملتوی) کرو۔"

"ایک شرط پر۔"

"کیسی شرط۔" حازم نے پلٹتے پلٹتے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ حوریہ کے قدم بھی ٹھٹکے تھے۔

بابر کے لبوں پر آنے والی مسکراہٹ حوریہ کو جانے کیوں بے حد مکروہ سی لگی۔

"حوریہ اگر روکے گی تو ضرور رک جاؤں گا۔ ورنہ "زوں" فلائی کر جاؤں گا۔ اس نے ہاتھ کو فضا میں لہرایا۔

حوریہ بے اختیار اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کی اس خباثت پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگی۔

"وائے ناٹ۔۔۔ حوریہ کو تو خوشی ہوگی تمہارے شامل ہونے پر۔"

"ریئلی۔" حازم نے کہا تو بابر نے براہ راست حوریہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ڈیٹس ٹرو؟" (کیا یہ صحیح ہے)

"حازم کی خوشی سے بڑھ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ بھی بڑے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی پھر حازم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ حازم اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بابر۔ بھی جواباً" دھیمے سے یوں مسکرایا گویا اسے یہ مسکراہٹ لبوں تک کھینچ کر لانے میں بے حد محنت کرنا پڑی ہو۔

☼ ☼ ☼
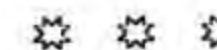
گیلانی ہاؤس کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ اس کے وسیع و عریض لان میں بے حد قیمتی صوفے سجائے گئے تھے۔ راہداری میں اصلی پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے سجائے گئے تھے۔ گیلانی ہاؤس کسی دلہن کے سراپے کی طرح جگمگا رہا تھا۔

ادھر ماہر بیوٹیشن نے اپنے کمال جوہر سے حوریہ کے حسن کو چار چاند لگا دیے تھے۔ فرانسیسی طرز کی کامدار میکسی میں اس کا سراپا بے حد دلکش دکھائی دے رہا تھا۔ گویا نظر نہ ٹھہر رہی تھی۔ اس پر شرم و حیا کی آمیزش نے دو

آشتہ کر دیا تھا۔ حازم کو پہلی بار پتا چلا کہ کہنے والے سچ ہی کہتے ہیں حسن میں حیا کے رنگ شامل ہوں تو حسن لا محدود ہو جاتا ہے۔

وہ کمرے میں آیا تو وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی کنگن پہن رہی تھی حازم کی وارفتہ نگاہوں سے نظریں ملی تو اس کی دراز پلکوں کی گھنی باڑھ بے اختیار ہی جھک گئی۔ دل یوں دھڑکنے لگا گویا کسی الھڑ نوخیز دوشیزہ کے ان چھوئے جذبوں کو کوئی دھیرے سے چھو رہا ہو۔

"پتا نہیں۔ لباس خوب صورت ہے یا تمہارے بدن پر آ کر دلکش ہو گیا ہے۔" وہ عجیب سی بے اختیاری کی لپیٹ میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ شادی کے بعد اتنے اہتمام سے شاذ و نادر ہی تیار ہوتی تھی اور حازم نے سوچا اچھا ہی کرتی تھی۔۔۔ اس دل بے تاب میں اتنی تاب کہاں تھی۔

اس کی استحقاق بھری نظریں حوریہ کو خود میں سمٹنے پر مجبور کرنے لگیں۔ وہ رخ موڑ گئی جیسے پہلے دن کی دلہن ہو۔

"مجھ سے تعریف نہیں سنو گی جس کے لیے روپ سجایا ہے داد تو وصول کر لو۔" اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔ اس کے بالوں میں لگی موتیا کی لڑیاں لٹک کر اس کی شفاف گردن میں جھول کر اپنی مہک بکھیر رہی تھیں۔

حازم نے حیرت سے جھک کر اس کی خوشبو سانسوں میں اتارنی چاہی تو حوریہ شرما کر پیچھے ہٹی۔

"کیا کر رہے ہیں۔ دیر ہو رہی ہے مہمان آ چکے ہیں۔ باہر چلیں۔"

"ہونے دو یار۔ آج تو یوں بھی یہ پارٹی تمہارے نام ہے اور تم میرے نام۔" وہ اپنے سرکش اور فطری جذبوں کے آگے بے خود سا تھا۔ اس کے پیچھے ہٹنے پر ہاتھ دیوار پر ٹکا کر بے حد اطمینان سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"اتنا سجنے کی ضرورت کیا تھی۔ مجھ غریب کو مار ڈالنا ہے کیا۔" وہ اسی رنگوں سے سجی خوش نما آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"آپ کی مما کا حکم تھا۔ انہوں نے ہی بیوٹیشن کو بھیجا تھا۔"

"ہاں۔ اس دل پر قیامت ڈھانے کے لیے۔" وہ بے ساختہ پن سے اس کی طرف جھکا۔

"ادھار رہا۔" دوسرا ہاتھ بھی دیوار پر یوں ٹکا دیا کہ وہ مکمل اس کے گھیرے میں آ گئی۔ حوریہ اس کی اس قربت پر حقیقتاً "سٹپٹا رہی تھی۔۔۔ اس پل۔ دروازے پر کھٹکا ہوا۔

حوریہ نے جلدی سے اسے پیچھے دھکیلا۔

"اب جناب ہوش میں آ جائیے۔" حازم نے ذرا سی گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ مگر آنے والا دروازہ پھر سے بند کر کے پلٹ گیا تھا۔

حازم نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پیچھے ہٹا اور ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھا کر خود پر چھڑکتے ہوئے حوریہ پر بھی پھوار اڑائی۔ حوریہ ہاتھ آگے کر کے ہنستی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

کشادہ راہداری میں ایک طرف پڑے بے حد قیمتی گلدان کو بابر نے پوری طاقت سے دھکا دیا تھا وہ لہراتا ہوا چھناخ سے فرش پر گرا زوردار چھناک ہوا۔ لمحہ بھر جیسے ہر شے منتشر ہو گئی ہو۔

دوسرے پل ملازم اس آواز پر بوکھلائے ہوئے بھاگ کر آتے دکھائی دیے۔ امیر علی عباد گیلانی کے روم سے نکلا اس کے پیچھے عاطمہ بالوں کو لپیٹ کر کلپ لگاتے ہوئے باہر آئیں۔

"واٹ ہیپنڈ (کیا ہوا) کیسا شور ہے۔" وہ بولتے بولتے رک گئیں۔ راہداری کے چمکتے فرش پر جابجا کانچ بکھرے ہوئے تھے۔

"ہاتھ لگ گیا تھا میرا۔" بابر لب بھینچے کانچ کے رنگین ٹکڑوں پر ایک نظر پھینک کر عاظمہ کی طرف دیکھا پھر تیزی سے پلٹ کر دوسری طرف نکل گیا۔

"کمال ہے۔ اتنی دور رکھے واز پر ہاتھ کیسے لگ گیا۔" عاظمہ متعجب ہوئیں دوسرے پل ملازموں کی موجودگی محسوس کرتے ہوئے سر کو خفیف سا جھٹکتے ہوئے بولیں۔

"چلو فٹافٹ۔ صاف کرو یہ سب۔" وہ خود پلٹ کر کمرے میں چلی آئیں۔

"یہ لڑکا بھی عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے اس نے جان کر توڑا ہے۔" وہ اپنے اٹالین طرز کے ڈریسنگ کے سامنے کھڑی ہو کر میک اپ کا آخری ٹچ دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"کتنے شوق سے لائی تھی یہ واز میں فرانس سے۔"

"چلو چھوڑو۔ ٹوٹنے والی چیز تھی۔ ٹوٹنے والی چیزوں پر ماتم نہیں کرتے۔" عباد گیلانی اپنی وھیل چیئر کا رخ موڑنے لگے ان کا رخ دروازے کی جانب تھا۔

عاظمہ نے بے اختیار استہزائیہ امیز انداز میں گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"تو تم اب تک کسی بات کا ماتم کر رہے ہو۔"

عباد گیلانی کمرے سے نکلتے نکلتے ان کے جملے پر ٹھٹکے۔

"ٹوٹنے والی چیز تھی نا ٹوٹ گئی۔ عمر بھر کون سوگ مناتا ہے۔" عباد گیلانی کے اعصاب پر یہ جملہ چابک کی طرح لگا تھا۔ وہ ایک دو پل دیوار کو گھور کے رہ گئے پھر متاسفانہ سانس کھینچ کر کمرے سے نکل گئے۔

"دل اور واز میں بہت فرق ہوتا ہے بے وقوف عورت۔" وہ کہنا چاہتے تھے مگر وقت کی نزاکت کا احساس کر کے وہ دھیرے دھیرے راہداری عبور کرنے لگے۔ امیر علی دوڑ کر ان کی طرف آیا تھا۔

"حازم اور حوریہ تیار ہو گئے ہیں۔" وہ ان کی طرف جاتے ہوئے پوچھنے لگے۔

"جی ماشاء اللہ دونوں بہت پیارے لگ رہے ہیں خدا نظر بد سے بچائے۔"

عباد گیلانی کے چہرے پر یوں چمک لہرائی گویا یہ تعریف ان کی اپنی کی گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

حوریہ عاظمہ کے بازو کے گھیرے میں تھی اور ہر آنے والے مہمان سے مبارکباد وصول کر رہی تھی۔ کوئی نہ کوئی خاتون لطیف سا جملہ اچھالتیں تو وہ شرم سے سرخ پڑ جاتی۔

یاور علی' عادل بھائی اور رقیہ بھابھی بھی شامل ہوئے تھے جنہیں عباد گیلانی بے حد عزت کے ساتھ اندر لائے تھے۔ وہ بے پناہ خوش دکھائی دے رہے تھے۔ عادل بھائی کو ہر قدم پر حیرت کا سامنا تھا۔ وہ مکمل ایک بدلے ہوا شخص دکھائی دے رہے تھے۔ حوریہ کے لیے تو وہ حقیقتاً "ٹھنڈی چھاؤں" بنے ہوئے تھے۔ یہ بات خوش آئند تو تھی مگر کبھی کبھی ان کے دل سے ہوک سی اٹھتی تھی۔ وہ سوچتے کاش وہ مومنہ کی زندگی میں ہی سنبھل چکے ہوتے۔

"مومنہ بھی شامل ہوتی تو اچھا ہوتا۔" عباد گیلانی یاور علی سے کہہ رہے تھے۔

"وہ حازم کی ماں ہے اس کا حق ہے ہر خوشی کو سیلبریٹ کرے۔" یاور علی کے لبوں سے ایک سلگتی سی سانس نکل کر دم توڑ گئی۔

(سارے راستے ہی بند کر چکے ہو تم۔ وہ کس راستے سے آتی) وہ فقط سوچ کر رہ گئے اور بس اس کے کندھے پر

ہلکی سی تھپکی دے کر رہ گئے۔
کھانے کا دور چلا تو انواع واقسام کے کھانوں سے میز سج گئی تھیں۔ ہر کوئی اپنی پسند اور ٹیسٹ کے مطابق کھانے سے انصاف کر رہا تھا۔
عاظمہ نے حوریہ کی طبیعت کے پیش نظر اسے روم میں جا کر ریسٹ کرنے کو کہا۔ حوریہ تو گویا منتظر ہی تھی تھکن سے اس کا برا حال تھا۔ جی الگ متلا رہا تھا۔ وہ دوپٹا بدن پر اچھی طرح لپیٹے راہداری سے گزرنے لگی۔ جب بابر یک دم اس کی راہ میں آگیا...... وہ سٹپٹا کر پیچھے ہٹی۔ مگر دوسرے پل اسے نظر انداز کر کے ایک طرف سے ہو کر جانے لگی کہ وہ ہاتھ پھیلا کر اس کے آگے بڑھنے کا راستہ روک گیا تھا۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" وہ تپ گئی۔ متلی اور چکر کے احساس سے دل پہلے ہی برا ہو رہا تھا اس پر اس شخص کا یوں منہ اٹھائے راستہ روک کر کھڑے ہو جانا سخت کھلا۔
"میں نے سوچا۔ تمہیں مبارک دے دوں۔ آخر چچا کے منصب پر مجھے فائز کر رہی ہو۔"
"تھینک یو۔" وہ بحث فضول جان کر بس اتنا کہہ کر آگے بڑھنے لگی۔ تب وہ بولا۔
"اچھی لگ رہی ہو۔" پھر ٹھنڈی سانس یوں کھینچی جیسے اسے کوئی بہت بڑا پچھتاوا ستا رہا ہو۔
حازم بھی بڑا ہی لکی ہے ماں بھی مل گئی اور ماں کے ہمراہ یہ ہیرا بھی۔"
"گفتگو پیج پلیز۔ مجھ سے بات کرو جب بھی اخلاق کے دائرے میں رہ کر کیا کرو۔ میرا اور تمہارا رشتہ ایک مقدس رشتہ ہے...... اسے کم از کم اپنی نظروں سے داغ دار مت کرو۔" وہ اس کے لفظ "ہیرا" پر بھڑک اٹھی تھی۔
"یہ بازاری جملے بازاری عورتوں پر ہی فٹ کیا کرو۔"
"میں نے تو فقط تمہاری تعریف کی ہے۔" اس نے مسکین سی شکل بنا کر کندھے اچکائے۔
"میرا اور تمہارا ایسا کوئی ریلیشن نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنی ذات پر تبصرے کی اجازت دوں۔ پلیز راستہ دو مجھے۔ اور آئندہ میرے سامنے آؤ تو ذہن میں یہ بات ضرور رکھنا کہ میں تمہارے بھائی کی بیوی ہوں۔"
"یوں مین۔ بھابھی۔ جاآن۔" وہ استہزائیہ انداز میں زور سے ہنسا۔ حوریہ کی شریانوں میں خون کھولنے لگا۔
"پلیز بابر۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔" اسے یک دم اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرے سا چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
"بابر۔ راستے سے ہٹ جاؤ۔" پشت سے عباد گیلانی کی آواز ابھری تو بابر یوں اچھلا گویا اس کے پیروں کے نیچے بم رکھ دیا گیا ہو۔ اس نے بے ساختہ رخ موڑ کر دیکھا تو عباد گیلانی سرد نظروں سے نظریں ٹکرائیں وہ خفیف سے انداز میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔
"تم اپنے روم میں جاؤ حوریہ...... میں نفیسہ کو بھیجتا ہوں حوریہ سرعت سے قدم اٹھاتی کمرے میں چلی گئی۔ بابر بھی اپنی جھینپ مٹانے کو اپنا موبائل جیب سے نکال کر نمبر پش کرتا ہوا دوسری طرف سے نکل گیا۔
عباد گیلانی کتنی دیر۔ اس راستے کی طرف دیکھتے رہے امیر علی کا ہاتھ اپنے کندھے پر محسوس ہوا تو چونکے۔
"کمرے میں لے جاؤں صاحب؟" امیر علی کہہ رہا تھا۔
"ہوں۔" انہوں نے ہلکے سے ہنکارا بھر کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی کا اصرار تھا کہ حوریہ اپنی ڈلیوری تک حازم کے ہمراہ اسلام آباد والی کوٹھی میں شفٹ ہو جائے اور حازم وہیں کا آفس سنبھال لے۔ حازم ان کی اس خواہش بلکہ ضد پر حیران تھا۔

"ہاؤ از پاسبل (کیسے ممکن ہے) پاپا۔ میں یہاں سارا کچھ چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔"
"یہاں بابر ہے نا۔ وہ سب سنبھال لے گا۔" وہ رسان سے بولے۔
"آفٹر آل اسے بھی ریسپونسیبل ہونا چاہیے۔ اس کی لاپروائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔"
"ٹھیک ہے مگر میرا اسلام آباد جا کر رہنا کیوں ضروری ہے۔"
"اس لیے کہ یہ میری خواہش ہے میں چاہتا ہوں حوریہ ایک پرسکون ماحول میں اپنا یہ ٹائم گزارے' میں تمہارے بچے کو ایک صحت مند بے بی دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"حوریہ کو یہاں کوئی ٹینشن نہیں ہے شی از ہیپی۔" وہ عباد گیلانی کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے چلنے لگا۔
"وہ خوش نہیں ہے۔" وہ دھیرے سے بولے۔ حازم نے چونک کر ان کو دیکھا۔
"مگر اس نے تو مجھ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی۔" پھر ہلکے سے ہنس دیا۔
"آپ کو کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی۔ وہ بہت خوش ہے۔" وہ وہیل چیئر دھکیل کر عباد گیلانی کے بیڈ روم میں چلا آیا۔
"تم نے کبھی چڑیا کو اڑتے ہوئے دیکھا ہے حازم۔" بیڈ پر بیٹھتے ہوئے وہ اپنی رسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے حازم کا چہرہ دیکھنے لگا۔
ان کا تکیہ بیڈ کراؤن سے لگاتے ہوئے حازم نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔
"کھلے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتے ہوئے بھی تم نے اس کی آنکھوں میں خوف محسوس کیا ہے۔ کبھی۔۔۔ ہر آہٹ پہ خوف سے دہل جانے والا ننھا سا دل' اس پر کبھی غور کیا ہے۔" حازم جواب دینے کی بجائے کرسی کھینچ کر ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔
"میں نے حوریہ کی آنکھوں میں ایسا ہی خوف دیکھا ہے۔" عباد گیلانی ہلکی سانس بھر کر بیڈ کراؤن سے لگے تکیے پر سر ٹکا لیا۔
"خوف۔" حازم نے بہت حیرت سے ان کی طرف دیکھا تھا پھر اس حیرت سے ہلکے سے ہنس دیا۔
"کیسا خوف۔ وہ بھلا کسی چیز سے خوف زدہ ہے۔" عباد گیلانی نے نظریں حازم کے چہرے سے ہٹا کر سامنے دیوار پر مرکوز کر دیں۔ ان کے ذہن میں ایک انتشار برپا تھا۔ بہت سی سوچیں انہیں کئی دنوں سے پشیمان کیے ہوئے تھیں۔
"کیا حوریہ نے آپ سے کچھ کہا ہے۔"
"نہیں۔ بہت سی باتیں ہم از خود محسوس کر لیتے ہیں۔" انہوں نے جیسے اپنی سوچ سے نکل کر سر کو خفیف سے انداز میں جھٹکا۔ پھر یک دم ہنس پڑے۔
"چلو چھوڑو' میں شاید بستر پر پڑے پڑے وہمی ہو گیا ہوں۔" پھر چھت پر یوں ہی نگاہ ڈال کر افسردگی سے مسکرانے لگے۔
"وہ تحریریں بھی پڑھنے لگا ہوں جو آنکھوں کے پار لکھی ہوتی ہیں۔ دل کے بہت اندر چھپی ہوتی ہیں۔" حازم انہیں متعجب نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔
"اس آدمی کو تم کیا کہو گے جھکی۔ وہمی۔" وہ یکدم زور سے ہنس پڑے پھر حازم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔
"میں واقعی وہمی ہو گیا ہوں۔ میں حوریہ اور تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ بس تم اسلام آباد جاؤ گے اسے تم میری خواہش سمجھ لو۔ ایک مرنے والے کی خواہش۔"

"کم آن پاپا۔" حازم نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر دبایا پھر بے حد محبت سے انہیں تکتے ہوئے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولا۔

"او کے۔ از یو وش۔۔۔ شاید حوریہ بھی اس چینج کو پسند کرے گی۔" وہ ان کے پیروں پر چادر ڈالنے لگا۔

☆ ☆ ☆

کتنی الجھ گئی ہے جدائی میں زندگی
وہ شخص جفا کر کے احسان کر گیا
میں جس کو بات' بات پہ کہتا تھا اپنی جان
دیکھو وہی شخص مجھے بے جان کر گیا
پہلے وہ میری ذات کی تعمیر میں رہا
پھر مجھ کو اپنے ہاتھ سے مسمار کر گیا

وہ اپنا سجا سنورا روپ آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ سب کہہ رہی تھیں فضا پر ٹوٹ کے روپ آیا ہے نظر نہیں ٹھہر رہی ہے۔ مگر اسے تو اپنے زرد ویران چہرے پر میک اپ کی یہ تہیں بدنما داغ کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔ زرق برق کپڑے سلگتے بدن کو اور بھی سلگا رہے تھے۔

آج وہ اس گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔ چھوٹا سا گھر مہمانوں سے اٹا پڑا تھا۔ گلی میں شامیانہ باندھا گیا تھا جہاں مرد خواتین بچے جمع تھے۔ برات آچکی تھی اور کھانے سے بھی فارغ ہو چکی تھی۔ لڑکیاں گھر میں آجا رہی تھیں۔ کبھی فضا پر جملے کستیں۔ کبھی اس کے ساتھ سلیفی لینے لگتیں۔

وہ سب اس کے دور پرے کے عزیز واقارب تھے جنہیں برسوں سے اس نے نہیں دیکھا تھا۔ جن کو دیکھا تھا وہ بھی اب یاد نہ رہے تھے۔ ڈھیر ساری لڑکیاں اس کے لیے سب اجنبی تھیں چند ایک کے علاوہ۔ مگر ہر کوئی شرارت کے موڈ میں تھی۔ دلہن کو چھیڑنا گویا اپنا فرض سمجھے ہوئے تھی۔ وہ بددلی اور بے زاری کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ لڑکیوں کے شرارتی جملے اس کے جذبات کو کیا خاک بھڑکاتے۔ اسے تو لگ رہا تھا اس کا دل برف زار کا روپ دھار چکا ہے۔ کتنی بھی آگ جلانے کی کوشش کرلو۔ بھلا برف میں بھی آگ جلی ہے۔

لڑکیوں کے کمرے سے نکل جانے کے بعد وہ یوں ہی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ شامیانے میں شور و غل' برتنوں کی کھٹر پٹر بچوں کے رونے کی آوازیں۔ سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔

بتول آپا کا لشکر آدھا تو کھا پی کر جا چکا تھا باقی آدھا برات کے ہمراہ واپس جانے والا تھا۔ دولہا نصیر۔ سیاہ ڈنر سوٹ میں خود کو شاید کوہ قاف کا شہزادہ سمجھ کر مخملی چادر والی نشست پر براجمان تھا گویا ابھی ہاتھ اٹھائے گا اور تخت ہوا میں اڑنے لگے گا۔

بے زاری سے منہ پھیر کر کھڑکی کا پٹ کھٹ سے بند کر دیا۔ مگر اس کا کیا کرے۔ وہ کب کھڑکی کا محتاج تھا۔ وہ تو پورا کا پورا اس کے جسم و جاں کا مالک بن چکا تھا۔ اسے تو یہ دکھ تھا کہ یہ چھ مہینے کتنے جلدی گزر گئے تھے اور اس کی شادی کا دن آپہنچا تھا۔

ساڈا چڑیاں دا چمبا وے
بابل اساں اڑ جاناں

رخصتی کے وقت کسی نے روایتی گانا لگا دیا تھا ماحول غم زدہ سا ہو رہا تھا ابا تو یوں بھی غم سے نڈھال تھے۔ اور وہ خود اپنے اجڑنے کا غم مناکر اب تو یکسر بے کیف اور بنجر سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اتنی خشک۔ آنکھیں تھیں گویا صحرا۔

وہ بتول آپا کے چار کمروں کے کشادہ گھر میں اتری تھی۔ نصیر کے دونوں بچے۔ دلہن کے ساتھ مووی بنانے کے شوق میں اس کے شرارے میں ہی گویا گھسے جا رہے تھے۔

"ارے بے کم بختو! پیچھے ہٹو۔" اسے دھکا لگا تو بتول آپا کی نند بانو آپا پیچھے سے دھاڑیں۔

"دلہن کو گرا دو گے۔ شرارہ پہلے ہی کم بھاری ہے اوپر سے تم دونوں بھی اس پر گرے جا رہے ہو۔"

"ایسے ہی گرنے دوں گا میں۔" نصیر کی خمار میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کے بھاری ہاتھ کا لمس فضا کے ہاتھ پر اور بھی مضبوط ہو گیا۔ وہ چاہنے کے باوجود اس گرفت سے ہاتھ نہ چھڑا سکی۔ وہ اسے یوں سنبھال کر چل رہا تھا جیسے وہ کوئی نازک ہستی ہو ذرا سی ٹھیس پہ بکھر جانے والی۔

وہ بے چارہ اسے چھوٹی چھوٹی ٹھیس سے بچاتا کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا اسے کیا خبر کہ وہ تو اتنی بڑی چوٹ کھا کر بکھر کر آئی ہے کہ شاید ہی جڑ پائے۔

"چلو بچو۔ سب ہٹو۔ اب دولہا دلہن کا فوٹو سیشن ہونے دو۔ چلو بھاگو۔" کوئی خاتون بچوں کو کمرے سے بھگانے کے جتن کر رہی تھیں یہ ڈرائنگ روم تھا جسے ستے سے ایئر فریشنر سے مہکایا گیا تھا۔

"میرا تو خیال ہے بتول۔ نصیر کے بیڈ روم میں ہی فوٹو سیشن ہوں تو اچھا ہے۔" کسی نے کہا تو بتول آپا جھٹ سے بولیں۔

"نہ بابا نہ۔ دولہا کے کمرے میں دلہن دولہا کے علاوہ کوئی قدم نہ رکھے۔ بدشگونی ہوتی ہے۔" اس کی کمر درد سے پھٹ رہی تھی سر الگ پھٹ رہا تھا۔ جانے کب تک فوٹو سیشن ہوتا رہا۔ ضبط کے کتنے مراحل سے گزر کر وہ خدا خدا کر کے اپنے آراستہ پیراستہ کمرے میں پہنچا دی گئی۔ اس نے سوچا ضبط کا اصل کمال تو اسے یہاں دکھانا تھا۔

تھکی تھکی سی آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
کوئی تو درد راس ہے یہ دل بہت اداس ہے
نڈھال یوں ہوئے کہ سب ضرورتیں ہی مر گئیں
نہ بھوک ہے نہ پیاس ہے یہ دل بہت اداس ہے
عجیب طرح کے وسوسوں میں گھر گئی ہے زندگی
امید ہے نہ آس ہے یہ دل بہت اداس ہے
نہ جاؤ مجسم کے سجے ہوئے حسین لباس پہ
بدن تو خوش لباس ہے' یہ دل بہت اداس ہے

بیڈ پر بیٹھ کر اس نے دوپٹا ذرا سا سر کا کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے کمرے پر سرسری نظریں دوڑائیں۔ ابا نے جہیز کے فرنیچر کے لیے نصیر کو پیسے دے دیے تھے۔ فرنیچر نصیر نے اپنی پسند کا بنایا تھا۔ براؤن پالش کا بے حد سادہ سا۔ ایک کرب اس کی روح کو چھید گیا۔

یہ کوئی بابر کی کوٹھی تو نہ تھی کہ فرنیچر اعلا پائے کا ہوتا۔

اس کے خیال میں نصیر کی سوچ اور اس کی اوقات کے مطابق ہی کمرہ دکھائی دے رہا تھا۔ تاہم جا بجا اصلی پھولوں سے کمرے کو خوب سجایا گیا تھا۔ تازہ گلابوں کی خوشبو پورے کمرے کو معطر کر رہی تھی۔

اس نے دکھتی کمر بیڈ کراؤن سے لگانے کے ساتھ سر بھی لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھوں میں ایسی جلن ہو رہی تھی جیسے ڈھیروں انگارے بھر دیے ہوں۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ پر وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ آنے والے نے بھرپور استحقاق کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا اور لاک لگا دیا تھا۔ اسے اپنے اعصاب کانچ کی

طرح اکڑتے محسوس ہونے لگے۔ اسے لگا وہ نزدیک آئے گا تو چیخ جائے گی۔ اس کے دل پر یک دم بے بسی لاچارگی کا غلبہ ہونے لگا۔
"کاش اس کے پاس جادوئی چھڑی ہوتی جسے گھما کر وہ یک دم غائب ہو جاتی۔" مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ وہ غائب ہوئی نہ کانچ کی طرح چٹخی۔
وہ اس کا ہاتھ پکڑے اس کی شان میں قصیدہ گو تھا۔
سارے رٹے رٹائے جملے فراٹے سے بول رہا تھا۔
"تمہیں شاید پیاس لگ رہی ہوگی۔" وہ اسے حلق سے تھوک نگلتے دیکھ کر بولا۔ وہ بہت باریک بینی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بھی دیکھ رہا تھا۔
"عموماً" شرم سے حلق خشک ہو ہی جاتا ہے۔" وہ شاید اپنے کسی سابقہ تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا تھا۔ وہ چپ رہی وہ اٹھ کر جگ سے پانی گلاس میں انڈیل رہا تھا پھر گلاس بڑے قرینے سے اسے پیش کرنے لگا۔
(یہ پیاس پانی سے بجھنے والی نہیں ہے یہ تو تب ہی بجھے گی جب دل میں لگی آگ بجھے گی) وہ چپ چاپ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر پینے لگی۔
"تم شاید کچھ کہنا چاہتی ہو۔" اس کے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ فضا کا دل چاہا کہہ دے۔
"ہاں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔" مگر فقط مضمحل سانس کھینچتے ہوئے اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔
"ارے۔ لو دیکھو ذرا' منہ دکھائی تو بھول ہی گیا۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر ہنس دیا۔ "سچ پوچھو تو اس قدر حسین لگ رہی ہو کہ۔ کچھ ہوش ہی نہیں آیا۔" وہ ذرا سا پیچھے ہو کر دراز سے ایک مخملی ڈبا نکالنے لگا۔ دوسرے پل اس کے ہاتھ میں لاکٹ تھا۔ باریک سی چین میں چھوٹا سا پینڈنٹ جھول رہا تھا۔
بس لاکٹ اور لاکٹ دیکھ کر فضا کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔
اتنی تعریفوں' کے بعد صرف یہ لاکٹ۔ کم از کم موٹے کنگن تو ہوتے۔ دوسرے پل اپنی سوچ پر وہ دل ہی دل میں ہنس پڑی بس یہی اوقات ہے۔ فضا بی بی تمہاری۔
خواب۔۔۔ بس خواب ہوتے ہیں۔ ہم خوابوں میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہم حقیقتوں میں زندہ رہتے ہیں انہیں برتتے ہیں۔
وہ لاکٹ اس کی شفاف چمکتی گردن میں ڈال رہا تھا۔ اور فضا اس کے ہاتھ کے لمس کو اپنی گردن پر کانٹوں کی طرح محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سوات کا موسم اپنی جولانی پر تھا۔ دلکش جنت نظیر اس وادی میں جابجا قدرت کا حسن بکھرا ہوا تھا۔ اونچے اونچے پہاڑ معطر فضا۔ پہاڑوں کے کناروں سے بہتے جھرنے۔ ہری بھری جھاڑیاں۔۔۔ ان کے درمیان گرادریائے سوات کا پانی زمین پر چاندنی بکھیر رہا تھا۔ ایسے میں حازم کے جذبات بھی دریائے سوات کی طرح بے دار ہو گئے تھے۔ وہ اسلام آباد سے سوات آئے تھے۔ وہ دونوں اسلام آباد کی کوٹھی میں شفٹ ہو چکے تھے۔
حوریہ عباد گیلانی کے اس فیصلے پر بے پناہ خوش تھی یہاں آکر اسے "حقیقتاً" کھل کر جینے کا مزا آ رہا تھا۔ اس کا حسن بھی کچھ اور نکھر آیا تھا۔ حازم نے اس کی کتنی ہی تصویریں بنا ڈالیں۔ وہ نہ نہ کرتی رہ جاتی۔ وہ اسے بازو کے

گھیرے میں لے کر سیلفیاں لیتا رہا۔

"سوات کے موسم نے تو کچھ زیادہ ہی آپ پر اثر دکھایا ہے۔" وہ اسے چھیڑنے لگی۔

"ارے جناب۔ ہر موسم دل کے اندر ہے بیرونی موسم کی کیا ضرورت ہے۔ تم ساتھ ہو تو دھوپ بھی چھاؤں بن جاتی ہے۔ خزاں بھی بہار لگنے لگتی ہے۔"

"اوہو۔ شاعری بھی فرمالیتے ہیں۔"

"کہاں بس اسی میں مار کھا گیا۔ ویسے تمہاری قربت سے کچھ بعید نہیں شاعر بھی بنادے۔" وہ اس کی معطر لٹ کو کھینچتے ہوئے خمار بھرے لہجے میں بولا۔

"محبت کب لفظوں کی محتاج ہے۔" وہ دھیرے سے بولی اور چھوٹے چھوٹے کنکر پانی میں پھینک کر پانی میں بننے والے دائروں کو دیکھنے لگی۔

محبت ایسا نغمہ ہے
ذرا سی جھول ہونے میں
تو سر قائم نہیں رہتا
محبت ایسا شعلہ ہے
ہوا جیسے بھی چلتی ہو
کبھی مدھم نہیں ہوتا
محبت ایسا رشتہ ہے کہ
جس کے بندھنے والوں کو
کوئی بھی غم نہیں ہوتا
محبت ایسا پودا ہے کہ
جو تب بھی سبز رہتا ہے
کہ جب موسم نہیں ہوتا
محبت ایسا دریا ہے کہ
بارش روٹھ بھی جائے تو
پانی کم نہیں ہوتا

حازم نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کی جانب جھکا۔

"اس کے سکون کو میرے دل کی طرح کیوں منتشر کر رہی ہو۔" اس کا اشارہ ان پانی میں بننے والے دائروں کی طرف تھا۔ جس میں مسلسل کنکر پھینکے جارہی تھی۔ وہ مسکرادی۔ پھر اٹھنے لگی کہ حازم نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ اپنے قریب بٹھالیا۔

"آؤ مما کو ہماری پکس سینڈ کرتے ہیں۔" وہ گیلری میں جا کر تصویریں دیکھنے لگا۔ "انہیں بھی تو پتا چلے کہ ان کی بہو صاحبہ نے ان کے لائق فائق بیٹے کو نکما کردیا ہے۔"

حوریہ نے اسے مصنوعی پن سے گھورا۔ پھر ہنس دی۔ "بڑے کام کے تھے پہلے۔"

"اتنا نکما بھی نہیں تھا۔" پھر وہ مومنہ کو تصویریں سینڈ کرنے لگا۔ یک دم اس کا سیل فون بجنے لگا۔

"بابر کی کال ہے۔" حازم نے کہا تو حوریہ میکانکی انداز میں اس کے کندھے پر رکھا اپنا سر اٹھالیا اور پیچھے ہو کر بیٹھ گئی جیسے کال نہ ہو بابر خود چلا آیا ہو۔ اس کا دل یک دم برا سا ہو گیا۔

"اکیلے اکیلے مزے لوٹے جارہے ہیں۔"

"اکیلے کہاں۔ دو لوگ اکیلے کب ہوتے ہیں۔" حازم ہنسا۔

"یہ بھی ہے۔" حازم نے اسپیکر کھول رکھا تھا بابر کی آواز حوریہ کو سنائی دے رہی تھی۔

"سارا حسن سمیٹ کر چل دیے ہو۔ کچھ ہمارے لیے بھی چھوڑ دیا ہوتا۔" وہ ہلکی سانس بھر کر بولا "آئی مین۔ تم دونوں کے جانے سے کوٹھی ویرانی سی ہو گئی ہے۔"

"میں کم آنگ فرائڈے چکر لگاتا ہوں۔ پاپا سے تو بات ہوتی رہتی ہے۔ پاپا کہہ رہے تھے بابر بہت (رسپانسیبل) ہو گیا ہے۔ ریگولر آفس بھی جارہا ہے اور انٹرسٹ بھی لے رہا ہے۔ بڑی خوش آئند بات ہے۔" جواباً" بابر نے قہقہہ لگایا۔

"اپنی تنہائی کاٹ رہا ہوں۔" پھر ہنس کر بولا۔ "ویسے لائبہ آج کل روز ہی آجاتی ہے مجھے کمپنی دینے۔"

"کمینے ہو پورے۔ سیدھے سیدھے شادی کر لو۔ کیوں بے چاری کو چیٹ کر رہے ہو۔"

"آں۔ ہاں۔ شادی۔ شادی کے لیے اپنی وائف جیسی کوئی تلاش کرو۔ آنکھیں بند کر کے کر لوں گا۔"

"سوری برادر۔ یہ تو قدرت کا ایک ہی پیس تھا۔" یہ کہتے ہوئے حازم نے حوریہ کی طرف دیکھ کر ہلکے سے آنکھ ماری۔ حوریہ باوجود کوشش کے مسکرا بھی نہ سکی۔

بابر کی یہ فضول گوئی اسے بدمزا کر چکی تھی۔ وہ اٹھ کر پہاڑی کے اوپر بنے خوش نما جنگلے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی بابر محض اسے یہ احساس دلانے کو فون کرتا رہتا تھا کہ وہ اس سے غافل نہیں ہے۔ حازم اسے ہکسی سینڈ کر رہا تھا۔ پھر موبائل بند کر کے اس کی طرف چلا آیا۔

"ویری اسٹرینج۔ بابر کو بھی کسی کی کمی محسوس ہو سکتی ہے۔" حازم اس کے ہمراہ چلتے ہوئے تعجب سے کہہ رہا تھا۔

"اس کے اندر ہونے والی یہ تبدیلیاں میرے لیے بہت حیران کن ہیں۔"

حوریہ۔ کوئی جواب دیے بنا خاموشی سے دھیرے دھیرے ٹہلنے والے انداز میں اس کے ہمراہ قدم اٹھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

بابر سگریٹ سلگا کر تکیے پر نیم دراز ہو گیا اور دھیرے دھیرے کش لگاتے ہوئے دھواں ناک اور ہونٹوں کے مابین نکالتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

اس کے ذہن پر حازم کی بھیجی ہوئی تصویریں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔ ہر تصویر میں وہ حازم کے پہلو سے لگی خوش اور بے حد مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔ ایک بے نام سی جلن بابر کی رگ و پے میں سرایت ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر سگریٹ بجھائی اس پل عاظمہ اندر داخل ہوئیں اور آتے ہی اس کے سامنے رکھے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"تم دیکھ رہے ہو اپنے باپ کے کارنامے۔" وہ ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے بولیں۔ بابر نے موبائل اٹھا کر انہیں ابرو اچکا کر دیکھا۔

"کیسے کارنامے۔ یوں تو ان کے کارناموں کی فہرست خاص طویل ہے۔ آپ کا اشارہ کارناموں کی کس کیٹیگری پر ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ دیکھ نہیں رہے کس طرح انہوں نے حازم اور حوریہ کو اسلام آباد والی کوٹھی میں شفٹ کر دیا۔ اوپر سے یہ کہ کوٹھی بھی حازم کے نام کر دی ہے۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بابر کشن سر کے نیچے دباتے دباتے ذرا سا چونک کر دوبارہ سیدھا ہو بیٹھا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا۔"
"یہ چھوڑو۔ مجھے تو اب ٹینشن یہ ہونے لگی ہے کہ یہ کوٹھی اور بزنس بھی وہ کہیں حازم کے نام نہ کر بیٹھیں۔ بیماری میں تو وہ پہلے ہی سٹھیا چکے ہیں اور جب سے محبوبہ کی بھتیجی بہو بن کر آئی ہے انہیں حازم کچھ زیادہ ہی پیارا ہو گیا ہے۔ مائی فٹ۔ ہم دونوں تو منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔ یاد رکھنا تمہارا باپ مرتے مرتے سارا کچھ ان دونوں کو دان کر جائے گا۔"
"اب یہ سب اتنا آسان بھی نہیں ہے مام۔ یوں بھی پاپا کی طاقت دم توڑ چکی ہے۔"
"ان کی اصل طاقت حازم ہے اور حازم کا آنے والا بچہ۔ اور الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ جب سے آئی ہے وہ مارے خوشی کے مرے ہی جا رہے ہیں۔ پوتے کے آنے کی خوشی میں۔ اب حازم کا بیٹا حصہ دار بن جائے گا۔"
"کم آن ماما۔ نان سینس۔ وہ حازم کے حصے کا کھائے گا آپ کا نہیں۔" وہ نزدیک رکھے جوگرز پیروں میں ڈالنے لگا پھر جوگرز سمیت پیر تپائی پر رکھ کر تسمے کسنے لگا۔
"حازم بہت چالاک ہے بابر۔ وہ سارے بزنس پر اپنا قبضہ جما چکا ہے اور اب اسلام آباد میں اپنے قدم جما رہا ہے۔ اب وہ چلا گیا ہے تو تمہیں فائدہ اٹھانا چاہیے۔" عاظمہ بولیں تو وہ مسکرایا اور بیڈ سے اتر کر ڈریسنگ سے اپنی رسٹ واچ اٹھاتے ہوئے بولا۔
"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں مام۔ جتنا آپ کو لگتا ہوں۔ میں پہلے ہی اپنے قدم جما چکا ہوں۔ حازم کے سارے خاص الخاص آدمیوں کو نکال چکا ہوں اور اپنی مرضی کے بندے بھرتی کر چکا ہوں۔" عاظمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ دوسرے پل ان کے چہرے پر چمک لہرانے لگی۔
"گڈ۔ یہ کام کیا نا تم نے عقل مندوں والا۔ تمہیں اس طرح عقل سے قدم جمانے ہیں۔ حازم کی طرح۔"
"ارے مما چھوڑیں عقل و قل کو۔ یہاں پاور چلتا ہے پاور۔ آپ دیکھ لیں پاپا کی عقل کس کام کی۔ سارا پاور ختم ہو چکا ہے وہ بے دست و پا پڑے ہیں۔" وہ ہنسنے لگا۔ "ان کا اب کوئی ہولڈ نہیں رہا اور رہی حازم کی بات تو اسے ابھی اپنی بیوی کے نشے میں مست رہنے دیں۔"
"تم بھی کمینے ہو پورے۔" عاظمہ یوں کھلکھلائیں جیسے یک دم ہلکی پھلکی ہو گئی ہو۔
"یہ بتاؤ کس کی کال تھی بڑی لمبی بات ہو رہی تھی۔" عاظمہ کشن سر کے نیچے دبا کر صوفے پر لیٹ گئی۔
"حازم تھا اپنی پکس سینڈ کر رہا تھا' سوات میں ہیں دونوں۔" وہ پرفیوم اٹھا کر خود پر اسپرے کرنے لگا۔
"کچھ بتایا آنے کا۔"
"اوں ہوں۔"
"ویسے کچھ بھی ہے حوریہ کے بغیر سونا سونا سا ہو گیا ہے سب کچھ۔ جیسے کچھ کمی سی ہے۔" عاظمہ ریموٹ سے کھیلتے ہوئے بولیں۔ بابر دروازے کی جانب بڑھتے بڑھتے ٹھٹکا تھا۔
"کچھ تو ہے اس لڑکی میں۔ حازم یوں ہی دیوانہ نہیں ہے۔" عاظمہ بڑی سچائی سے کہہ رہی تھیں اس نے بابر کے چہرے پر پھیلتے کسی عکس کو محسوس ہی نہیں کیا۔
"ہوں۔ کچھ تو ہے کہ بابر گیلانی کی زندگی بھی کہیں ٹھہری گئی ہے۔" وہ جیسے خود سے بولا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

کوئی شاید اسے کند چھری سے بھی ذبح کرتا تو وہ ایسی اذیت سے نہ تڑپتی جو اس پل ابا کی نگاہوں کی چھریاں اسے

کاٹ رہی تھیں۔ وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

یہ رسوا کن حقیقت بالآخر ابا پر کھل چکی تھی اس کے لیے یہ قیامت خیز لمحہ تھا۔ اس کا وجود زلزلے کی لپیٹ میں تھا۔ موت بھی شاید سامنے ہوتی تو اسے اتنی بدصورت نہ دکھائی دیتی، جتنی ابا کے پیچھے کھڑی جہاں آرا دکھائی دے رہی تھی۔

"تو یہ تھی حقیقت۔ اس سے بہتر نہیں تھا کہ تم مجھے قتل کر دیتیں اور پھر خود کو بھی گولی مار دیتیں۔" ابا کا کرب آلود چہرہ اس کی روح پر کوڑے کی طرح لگ رہا تھا۔ اسے لگا وہ تپتی ریت پر ننگے پاؤں اور ننگے سر کھڑی کر دی گئی ہو۔

بیچ بازار اس کی چادر تو اب اتری تھی۔ اور چادر کھینچنے والا وہ ہاتھ..... دور کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ بھلا جہاں آرا سے کیسے برداشت ہوتا نصیر کا نو بیاہتا بیوی کے آگے پیچھے پھرنا جبکہ اس کے بچے بھی ماں پر بجائے وبال اور عذاب بننے کے فضا کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ اپنی محبتیں لٹا رہے تھے اور نصیر کا آنکھوں سے چھلکتا پیار، خمار، جہاں آرا کے دل پر انگارے بن کر گرتا تھا۔ وہ تو یہ سوچ بیٹھی تھیں کہ فضا بی بی سسرال جاتے ہی طعنے سنے گی۔ بچوں کی خادمہ بن جائے گی اور شوہر کے پیر کی جوتی بن کر رہے گی، مگر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ فضا نصیر سے کھینچی کھینچی تھی اور وہ اس کے آگے پیچھے پھرے جا رہا تھا۔

ایسے میں کچھ نہ ہوا تو وہ راز ابا پر ہی کھول بیٹھیں۔ بتول آپا پر تو پہلے ہی کھلا ہوا تھا۔ اب باپ کے سامنے اسے رسوا کر کے وہ دل پر کچھ ٹھنڈے چھینٹے ڈالنا چاہتی تھیں۔

"میں کیسے یقین کر لوں فضا کہ میرا اعتماد میرا اعتبار پارہ پارہ ہو گیا ہے۔" ابا کرب سے کراہ رہے تھے۔

"مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا ہے تم نے۔ میں تو فخر کر رہا تھا تمہارے صبر پر۔ تم نے تو عمر بھر کی کمائی کو خاک میں ملا دیا۔" ابا زخم خوردہ سے تھے۔ وہ مضمحل سی دیوار سے لگی کھڑی تھی اس میں اتنا دم بھی نہ تھا کہ ابا کے پیروں میں گر کر بلکتی۔

"یہ تو جہاں آرا اور بتول کا بڑا پن ہے کہ تمہیں عزت کی زندگی دے دی۔ تم تو اس قابل تھیں کہ تمہیں گولی مار دی جاتی۔"

"کاش گولی ہی مار لیتی خود کو۔ رسوا ہونا ہی تھا تو شادی سے پہلے ہی ہو جاتی اور آپ کے ہاتھوں قبر میں اتر جاتی۔" وہ یک دم بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپی۔

"چپ کر کمبخت۔ اب شور مچا کر اپنی جھینپ مٹائے گی تو..." ابا کا ہاتھ اٹھا اور اس کے منہ پر پڑا... وہ دیوار سے جا لگی۔ ابا نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اٹھایا، مگر پیچھے سے نصیر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ابھی ابھی کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوا تھا۔

"جوان بیٹی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے خالو جان۔"

"جوان بیٹی نے عزت خاک میں ملا دی ہے میری۔ مجھے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔"

"وہ ساری باتیں پرانی ہو گئی ہیں۔ رات گئی بات گئی۔ اب یہ بیاہی جا چکی ہے۔ اب یہ آپ کے گھر کی روٹی نہیں کھاتی... میری بیوی ہے آپ اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔"

نصیر نے بظاہر نرمی سے کہا، مگر اس کے لہجے میں تنبیہی تھی۔ ابا دم بخود رہ گئے۔ فضا نے خفیف سے جھٹکے سے سر اٹھا کر نصیر کی طرف بہ نظر غائر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کا جھلکنا فطری عمل تھا۔

ادھر جہاں آرا پر گویا صدمے کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ تو فضا کو پٹتے ہوئے دیکھنا چاہ رہی تھیں۔ ادھر نصیر میاں اس کے لیے دیوار بن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تو اس نا س مارے کو بھی سب خبر ہے۔ پھر بھی بے غیرت بنا اس کا حمایتی بنا کھڑا ہے۔ لعنت ہے کم بخت تجھ

پر نصیر۔" جہاں آرا دل ہی دل میں اسے کوسنے لگیں۔ ابا کے اندر طاقت ختم ہو چکی تھی، کمر کا درد اٹھا وہ مسہری پر جا کر بیٹھ گئے۔

"جاؤ تم کمرے میں اور اپنا بیگ تیار کرو، مجھ سے پوچھے بنا یہاں کیوں آئیں تم۔" نصیر فضا سے بازپرس کرنے لگا۔

"خالہ سے پوچھا تھا میں نے۔ انہوں نے ہی اجازت دی تھی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ جاؤ اندر۔۔۔" فضا خاموشی سے پلٹ کر اندر چلی گئی جب کہ نصیر جہاں آرا کی طرف چلا آیا۔ جو وہاں سے کھسکنے کو تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا خالہ۔۔۔ گڑے مردے اکھاڑنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں۔" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"میں نے کون سا غلط کر دیا۔ اب اس کے ابا کو بھی پتا تو چلے نا۔ اونہہ بڑا ناز تھا بیٹی پر۔ بڑے دکھی ہو رہے تھے تم سے شادی کرا کے۔ ان کے خیال میں ان کی حسین و جمیل بیٹی کی شادی کسی شہزادے سے ہونی چاہیے۔"

"تو کیا وہ تیری بیٹی نہیں ہے خالہ کہ تو اسے سرِعام رسوا کر رہی تھی۔"

"وہ میری سگی اولاد ہوتی تو ایسی بیچ حرکتیں ہی نہ کرتی۔"

"نہیں خالہ۔ وہ تمہاری سگی اولاد ہوتی تو تم اسے ایسی دلدل میں گرنے ہی نہ دیتی۔"

"آئے لو۔ تم تو مجھ ہی پر چڑھ دوڑے۔ اے میاں۔ اب بے غیرت بن کر بیوی کے پاؤں چاٹتے پھرو تم۔ ہمارے یہاں نہ آیا کرو۔"

"مجھ جیسے بدشکل اور بڑی عمر کے آدمی سے اس کی شادی کرا کے بھی آپ کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا خالہ۔ اب اور کتنا انتقام لو گی اس سے۔" نصیر استہزائیہ ہنسا۔

"ہائے ہائے۔ سن رہے ہیں آپ" جہاں آرا نے منہ میں انگلی دبائی اور ابا پر چلانے لگیں۔

"تم جاؤ نصیر اور اسے بھی اپنے ہمراہ لے جاؤ۔" ابا یک دم مسہری پر بیٹھے بیٹھے چلائے۔

"اور ہاں اسے کہہ دینا وہ یہاں قدم نہ دھرے۔ اس کا باپ مر گیا ہے اس کے لیے۔" نصیر پلٹ کر متاسفانہ نظروں سے ابا کو دیکھنے لگا۔ فضا کمرے سے نکلی تو۔ دکھ کے احساس سے ابا کو دیکھنے لگی۔ پھر نظریں جھکا کر چلتی ہوئی نصیر کے پاس آرکی۔

"یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں خالو۔" نصیر رسان سے بولا، مگر ابا نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید اس کی حمایت میں بولنے سے روک دیا۔

"اس نے جو کالک میرے منہ پر ملی ہے جب یہ اتر جائے گی اس گھر کے دروازے کھول دوں گا۔ تب تک نہیں۔" نصیر نے ایک متاسفانہ سانس بھری اور فضا کا ہاتھ پکڑا۔

"چلو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً" کھینچتے ہوئے اسے لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی کے اسلام آباد آجانے پر حوریہ بہت خوش تھی۔ اس کی تنہائی دور ہو گئی تھی۔ وہ شام میں ان کے ساتھ چائے پیتے ہوئے خوب باتیں کرتی رہتی۔ ان کا ہر کام خود کرتی۔ عباد گیلانی پریشان ہونے لگتے۔

"حوریہ آرام کرو بیٹا۔" انہیں تشویش لاحق ہو جاتی۔ یہ اس کے بالکل آخری دن تھے۔ ایسے میں وہ چاہتے تھے کہ وہ پیر بھی بستر سے نہ اتارے، مگر وہ تو ادھر ادھر بھاگتی دوڑتی نظر آتی۔

وہ قرآن پڑھ کر جب بھی حازم پر پھونکتی۔ تو وہ جیسے کسی منظر میں کھو جاتے۔ انہیں یاور علی کے گھر کے وہ دن یاد آنے لگتے جب مومنہ اسے سفید چادر میں لپٹی قرآن پڑھتی دکھائی دیتی تھی۔ بہت سی سچی خوشیاں کھو دینے کا احساس ان کے دل پر چوکے لگانے لگتا۔

سچ ہی کہتے ہیں پتھر جمع کرتے کرتے یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ آپ سچے ہیرے کھو چکے ہیں۔

"ہیلو ہیلو۔" حازم گاڑی کی چابی لہراتا ہوا چلا آیا۔ عباد گیلانی اپنے خیالات سے چونک کر نکلے۔

"آ گئے تم۔"

"جی کیسی طبیعت ہے۔" وہ کین کی کرسی پر بیٹھ گیا' پھر نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔

"حوریہ کہاں ہے۔"

"کافی بنانے گئی ہے۔ میں اسے روکتا ہوں' مگر وہ نہیں مانتی اسے سمجھاؤ حازم۔ اس کنڈیشن میں اسے مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

"وہ مانتی ہی نہیں ہے میں کیا کروں۔" اس نے سامنے سے ٹرالی گھسیٹ کر آتی حوریہ پر خوش گوار مسکراہٹ اچھالی۔ پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"ثواب وا باب کمانا چاہتی ہے۔ کہتی ہے شوہر کی خدمت کرنے سے ثواب ملتا ہے اور جنت بھی۔" وہ اسے چھیڑنے لگا۔

"تو کچھ غلط کہا میں نے۔ انکل۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اور فلاسک اٹھا کر مگ میں کافی انڈیلنے لگی۔

"یوں بھی میں جس وقت نظر نہ آؤں تو خود آوازیں دینے لگتے ہیں۔ میری رسٹ واچ کہاں ہے' موبائل کہاں ہے' موزے نہیں مل رہے ہیں۔" اس کی شہد رنگ آنکھوں میں مسکراہٹ تھرک رہی تھی۔

"کیا کروں۔ عادتیں ہی بگاڑ دی ہیں تم نے۔" عباد گیلانی ان دونوں کی نوک جھونک پر محظوظ ہو کر مسکرا رہے تھے۔

"ارے یار... یہ کافی کہاں دے رہی ہو۔ بھوک لگ رہی ہے زوردار۔" حازم کافی دیکھ کر بولا۔

"او کے۔ آپ فریش ہو جائیں میں کھانا لگوا دیتی ہوں۔" وہ مگ دوبارہ ٹرالی پر رکھتے ہوئے بولی۔ "اور انکل آپ؟" اس نے عباد گیلانی کی طرف کافی کا مگ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں نہیں ابھی کچھ نہیں کھاؤں گا۔ کچھ دیر آرام کروں گا۔" انہوں نے مگ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

حوریہ نے ملازمہ کو ٹرالی واپس لے جانے کا اشارہ کیا وہ خود اٹھنے لگی کہ حازم بولا۔

"ایسا کرو۔ کھانا بعد میں کھائیں گے۔ تمہارا الٹرا ساؤنڈ کروانا ہے۔ ڈاکٹر نشاط کا فون آیا تھا۔ وہ ویٹ کر رہی ہیں تمہارا۔ میں بھول ہی گیا تمہیں کال کر کے بتانا تھا۔" حازم اسے اٹھتے دیکھ کر یاد آنے پر بولا۔

"او کے۔" حوریہ سر ہلا کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ سیاہ چادر میں خود کو ڈھانپے باہر آئی اس کے کندھے پر بیگ جھول رہا تھا۔

"او کے پاپا۔ ہم آتے ہیں آدھے گھنٹے میں۔" حازم ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے خود بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ عباد گیلانی نے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں چلے گئے۔

وہ یوں ہی کرسی پر بیٹھے دھیرے دھیرے کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے آنے والے دنوں کا تصور کرنے لگے۔ انہیں ایک بے حد پیارا سا بچہ کھیلتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ انہیں یکدم زندگی سے پیار ہونے لگا۔ جینے کی خواہش ہونے لگی۔ ان کے لبوں کی تراش میں مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

اسلام آباد کی سڑکوں پر گاڑی فل اسپیڈ سے رواں دواں تھی۔ کئی بار حوریہ نے حازم کو ٹوکا۔
"آہستہ چلائیں۔ کیا ہو گیا ہے۔"
"تمہاری قربت کا نشہ بدمست کر رہا ہے۔"
"یہ تو خطرناک بات ہے۔" حوریہ نے چھیڑا۔ "نشہ تو جس کا بھی ہو خراب ہی ہے۔" وہ ہنسی۔
"تم ذرا اس بوجھ سے آزاد ہو جاؤ۔ پھر تمہیں بتاتا ہوں۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے مصنوعی پن سے اسے گھورا۔
"مسٹر۔ یہ بوجھ نہیں ہے خدا کا فضل ہے۔" حوریہ جلدی سے بولی۔ پھر ونڈ اسکرین پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔
"اتنا بڑا فضل جس کے قابل بھی نہیں تھی۔ اس پر جتنا شکر کروں کم ہے۔"
اس کی آنکھوں میں خوشی کے جگنو جگمگا رہے تھے۔ اس تصور سے روشنیاں سی اتر رہی تھیں کہ چند دنوں میں ایک زندہ جاگتا وجود اس کی گود میں ہمک رہا ہو گا، مگر یک دم اس کی آنکھوں کا یہ تصور دھڑام سے ٹوٹا تھا چمکتے جگنو کی طرح خوف کی پرچھائیں لہرانے لگیں۔
سامنے سے فراٹے سے آتی کوچ۔ یک دم بے قابو ہوئی تھی۔ حازم نے تیزی سے موڑ کاٹنا چاہا، مگر بے سود۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو۔ لیس بابر اسپیکنگ۔ یا۔ یا بابر گیلانی۔" بابر گیلانی ہاؤس کا فون ریسیو کر رہا تھا۔ مقابل کوئی اجنبی تھا۔
"واٹ۔" وہ یک دم چلایا۔ اس کا اعصاب پر پتھر پڑا تھا۔ عاظمہ قریب سے گزرتے ہوئے ٹھٹکیں۔
"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ او مائی گاڈ۔۔۔" بابر کو اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہونے لگا۔ وہ یک دم ریسیور پھینک کر پلٹا۔
"کیا ہوا بابر۔" عاظمہ اس کی طرف لپکیں۔
"مام۔۔۔ وہ۔۔۔ حازم اور حوریہ کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"
وہ بامشکل کہہ پایا اور اپنا موبائل جیب سے نکالتے ہوئے بھاگتا ہوا پارکنگ لاٹ کی طرف گیا تھا۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

☆ ☆

اعتذار

اس ماہ تنزیلہ ریاض کے ناول "راپنزل" کی قسط چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر شامل اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔ ان شاء اللہ۔

صائمہ اقبال

"محد یلہ ہی میں کمی ہے۔ ڈاکٹرز کی رپورٹ کے مطابق وہ کبھی اولاد پیدا نہیں کر سکتی۔" اندر سے آتی اس کے شوہر کی آواز تھی یا صور اسرافیل پھونکا جا رہا تھا۔

"ہاں محبت ہے ناں اسی لیے تو چھوڑنے کا حوصلہ نہیں، ورنہ ایسے موقعوں پر تو محبت ہی سب سے پہلے رخصت ہوتی ہے کوئی اور ہو تا تو اب تک......"

اس کے قدم، بھاگنے کی شدید خواہش کے باوجود حرکت کرنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ وہ شاید فون پر کسی سے بات کر رہا تھا اس کا محبوب شوہر، کوئی جائے پناہ کوئی امان نہیں تھی۔

وہ وہاں کیوں کھڑی تھی۔ اس سے کچھ سوچا ہی نہ گیا۔

"صالح اس سے محبت کرتا تھا یا وہ صالح سے محبت کرتی تھی۔"

دکھتے دماغ نے اسے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ تھکے، شکستہ قدموں کو گھسیٹتے وہ نا جانے کیسے دوسرے کمرے تک آئی تھی۔ کہنے کو صرف راہداری ہی تھی جس کے دوسرے سرے پر یہ دوسرا کمرہ تھا لیکن اسے لگ رہا تھا اس نے بھاگتے بھاگتے نہ جانے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے۔

اگر محبت ذات کی نفی ہے تو، وہ تو ذات کی نفی کر کر کے اپنا آپ کب کا بھول چکی تھی۔

آج پریکٹیکل نہ ہونے کی بدولت جلدی گھر آنے پر کمرے کے دروازے میں ایستادہ ہونے والی عورت نے اس شخص کی محبت کو گلے کا ہار بنائے رکھا تھا اور آج اس شخص نے اچانک اسے احساس دلایا تھا کہ یہ ہار تو ایک طوق تھا جسے خوشی خوشی اپنی گردن میں ڈالے وہ اکڑا اکڑا چلا کرتی۔ اس محبت میں سب الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار تھی اور لے بھی چکی تھی اور آج سارے بھرم، سارے یقین ایسے ٹوٹے تھے کہ ان کی کرچیاں اس کے جسم کو بھی لہولہان کر گئی تھیں۔

اس سے محبت، شدید محبت کا دعوے دار، کیسے اسے دوستوں کے سامنے رسوا کر رہا تھا، محبت کا دیوتا تھا یا کوئی فرشتہ، جس کی عظمت کو لوگ سلام کرتے نہ تھکتے ہوں گے۔

کمرے میں حبس اتنا بڑھ گیا تھا کہ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر ساری کھڑکیاں کھول دیں پھر بھی سانس کیوں گھٹ رہا تھا۔

چھ سال پہلے ہونے والی اس شادی کو پہلے چار سال محبت اور بعد کے دو سال اس نے شدید محبت سے نبھایا تھا۔ وہ دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ ماں باپ دو سال پہلے انتقال کر چکے تھے بھائی، بہن شادی شدہ تھے۔

کیمسٹری میں ایم۔ ایس۔ سی کے بعد لیکچرر شپ اور صالح کا رشتہ دونوں ہی اس کے لیے بھرپور خوشیاں لے کر آئے تھے۔ صالح اس کی چچازاد عنبرین کا دور پار کا سسرالی رشتہ دار تھا جس کی ماں نے عدیلہ کو عنبرین کے گھر دیکھ کر اس کے لیے رشتہ دے دیا تھا۔ صالح بینک میں منیجر تھا' دیکھا بھالا تھا شادی بھی جھٹ پٹ ہو گئی تھی۔ صالح سے چھوٹا ایک بھائی صبیح' ریٹائرڈ ابا اور اس کی اماں' چھوٹا سا خاندان' وہ بہت خوش تھی۔ صالح نرم مزاج کا خوبرو مرد تھا اس کی قسمت میں لکھا گیا تھا اس سے محبت کرتا تھا وہ خوش کیوں نہ ہوتی۔

امداد الحسن' صالح کے ابا ریٹائرڈ سرکاری افسر تھے اپنے کام سے کام رکھنے والے اگر انہوں نے اس کی کبھی کوئی تعریف نہ کی تھی تو کبھی کوئی برائی بھی نہ کی تھی۔ صبیح بھی کسی انٹرنیشنل فرم میں اکاؤنٹنٹ تھا صبح کا نکلا شام کو گھر آتا۔ اس کی ساس حاجرہ بیگم ایک روایتی ساس تھیں' جاب کرنا انہیں پسند نہ تھا مگر اس کی جاب پر وہ خاموش ہی رہی تھیں۔ اس کے کیے ہر کام میں مین میکھ نکالنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا مگر اسے کبھی ان کی بات بری نہ لگا کرتی۔

''کالج جانے سے پہلے کھانا بنا جایا کرو' آتے آتے تمہیں دیر ہو جاتی ہے۔'' اور اسے دیر تو واقعی ہو جاتی تھی کیمسٹری کے پریکٹیکل جو کروانے ہوتے تھے سو وہ جلدی جلدی سالن پکا کر' آٹا گوندھ کر رکھ دیا کرتی۔ ایک دو بار شام کو ہانڈی پکانے پر بھی انہوں نے ٹوک دیا تھا۔

''امداد صاحب کبھی رات کا سالن اگلے دن نہیں کھاتے اس لیے صبح ہی بنا جایا کرو۔'' اور ان کی بات پر عمل نہ کرنا بھلا ایسا کیسے سوچ لیتی۔ ان کی کہی ہر بات پر عمل اس کا فرض اولین تھا۔

''صفائی والی کی کیا ضرورت ہے ہمارے گھر کون سے بچے ہیں گند تو اتنا ہوتا نہیں۔'' وہ خود صفائی کیا کرتی گھر کے ساتھ ساتھ کالج کی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھاتے نبھاتے نا جانے کتنا ٹائم گزر گیا تھا۔

''تمہارے ساتھ کی لڑکیاں دو دو بچوں کی مائیں بن گئیں اور ایک تم ہو جسے کوئی پروا ہی نہیں۔ شاید تم خود ذمہ داریوں سے گھبراتی ہو۔ اسی لیے۔۔۔'' اس دن اسے احساس ہوا تھا کہ ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہیے۔

''صالح کیوں نہ ہم کسی ڈاکٹر کو دکھائیں کتنے سال ہو گئے۔'' انگلیوں کی پوروں پر سالوں کی گنتی کرتے وہ صالح کا چہرہ دیکھنا بھول گئی تھی۔

''ہاں اپنی کسی کولیگ کے ساتھ کسی اچھی ڈاکٹر کے پاس چلی جاؤ۔'' مشورہ دے کر وہ ایک بار پھر لیپ ٹاپ میں گم ہو چکا تھا۔

''ہاں فریحہ سے ہی کہوں گی وہ جانتی ہو گی کسی اچھی ڈاکٹر کو۔'' اس کے ساتھ لیٹتے ابھی تک اس کا دھیان ادھر ہی تھا۔

''ویسے کیا فکر پڑ گئی تمہیں' کیا میری محبت کافی نہیں ہے تمہارے لیے۔'' صالح کی آواز اس کے دائیں طرف سے آئی تھی۔ خواب ناک آواز نا جانے اسے کیا باور کرا رہی تھی۔

''اسے بھلا صالح کی محبت کے علاوہ کچھ اور چاہیے تھا۔''

''نہیں۔'' اندر سے آتی آواز نے اسے یقین دلا دیا تھا۔ لیکن ایک تشنگی اور تڑپ یوں تھی جو کسی صورت سیراب نہ ہو پاتی۔

''آپ بالکل ٹھیک ہیں اللہ کی طرف سے دیر ہے بس دعا کیجیے اور اگر اپنے شوہر کے ٹیسٹ بھی کرا لیں تو بہتر ہے۔''

ڈاکٹر سے ملاقات کے بعد اس کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں ایک ننھے منے وجود کی خواہش کیسے کیسے کروٹیں لیا کرتی۔ چار سال کیسے بھاگتے چلے گئے تھے اسے احساس ہی نہ ہو سکا تھا۔

''کیا صالح کی محبت اتنی طاقت ور تھی کہ اسے کسی اور طرف دیکھنے ہی نہ دیتی۔'' اب کیا ہوا تھا۔ کیا ہو گیا تھا۔

''صالح آپ بھی ٹیسٹ کرا لیں۔'' اس دن ڈرتے ڈرتے اس نے صالح سے کہا تھا۔ اور پورے ایک سال

بعد صالح ٹیسٹ کے لیے تیار ہوا تھا اس میں بھی اس کی ساس اور ان کی طرف سے کی جانے والی کڑوی کسیلی باتوں کا ہاتھ تھا جو وہ ناامید ہوئے بغیر صالح کے پیچھے پڑی رہی تھی۔

"ایک ہمارا گھر ہے جہاں ویرانی ہی ویرانی ہے۔ نہ کوئی آواز' نہ رونق۔" اور اس دن اس کی ساری امیدیں ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئی تھیں۔ شاید صالح اسے کبھی نہ بتاتا اگر وہ ساتھ نہ ہوتی اس کے بہت کہنے پر صالح کے ٹیسٹ اور پھر ان کا رزلٹ' اس کے اندر سے جیسے کسی نے روح کھینچ لی تھی۔

"وہ کبھی بھی باپ نہیں بن سکتا تھا۔" وہ حیران تھا' پریشان بھی تھا اور وہ سب کچھ بھول کر اسے تسلیاں دے رہی تھی اسے پریشان دیکھنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اور اس نے اس سے وعدہ لیا تھا گھر میں کسی کو کچھ نہ بتانے کا وعدہ کرتے وہ مطمئن تھی۔

وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔

ساس کے طعنے' دوسروں کی چبھتی نگاہیں' سب کچھ برداشت کرتے بھی اس کا حوصلہ جواب نہ دیتا۔ وہ صالح کو رسوا نہ کر سکتی تھی۔ اس کا رفیق' دکھ سکھ کا ساتھی اسے وہ کیسے رسوا کر سکتی تھی۔ اس نے اپنے لب سی لیے تھے۔

☼ ☼ ☼
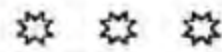
صبیح کی شادی اس کے آفس میں کام کرنے والی لڑکی نینا کے ساتھ ہو گئی تھی۔ گھر میں کوئی بھی اس رشتے پر تیار نہیں تھا۔

"آفس میں کام کرنے والی لڑکیاں بہت تیز ہوتی ہیں۔" اس کی ساس کی رائے تو ساری ہی جاب کرنے والی عورتوں کے لیے خراب تھی۔ نینا انہیں کیسے پسند آتی۔ سسر خاموش تھے مگر ناگواری کا اظہار کر چکے تھے۔ صالح بھی اس رشتے پر راضی نہیں تھا مگر صبیح نے گھر چھوڑنے کی دھمکی دے کر سب کچھ منوا لیا تھا۔ شادی کے دوسرے مہینے ہی نینا کی طرف سے خوش خبری نے جیسے ساری تلخیاں یک لخت ختم کر دی تھیں۔

"عدیلہ' نینا کو جوس بنا کر دے دو۔" اور وہ کچھ بھی کہے بغیر اسے جوس بنا کر پیش کر دیتی۔

"نینا تمہیں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم بس آرام کیا کرو۔" نینا جو پہلے ہی کام نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتی اب تو اسے اصلی بہانہ مل گیا تھا۔

اسے کسی صلے کی خواہش نہ تھی۔ تھکاوٹ اس کی مرضی تو کہیں پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

اسے تو صرف صالح کی محبت درکار تھی۔

"چھ سال ہو گئے انتظار کرتے' صالح نے بھی اسے سر چڑھا رکھا ہے۔ میرے بیٹے کی قسمت پھوٹ گئی۔" ہر آئے گئے کے سامنے کیا جانے والا واویلا نینا کی ماں کے سامنے دہرایا جا رہا تھا۔ چائے ان کے سامنے رکھتے' خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں آگئی تھی۔

"صالح ہم کوئی بچہ ایڈاپٹ نہ کر لیں۔" ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے باہم جکڑے اس نے نہایت آہستگی کے ساتھ صالح سے پوچھا۔ صالح نے ایک ثانیے کے لیے اسے دیکھا۔ نا جانے وہ کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

"کیا یہ بہت ضروری ہے۔" صالح کے پوچھنے پر اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"نہیں۔"

اور آج جیسے اس کے اعتماد' یقین' سکون اور محبت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ جس کی عزت کے لیے اس نے خود کو رول دیا تھا وہ کیسے اس کی ذات کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔ عورت کی سب سے بڑی خوشی اور کاملیت کو اس نے اس کی محبت کے آگے رد کر دیا تھا اور وہ تو اس کی ذات کو ہی رد کر رہا تھا اس کی محبت کا مذاق اڑا رہا تھا۔ دیوتا او نچے سنگھاسن پر بیٹھے اپنی داسی پر رحم کھا رہا تھا۔

اسے محبت کا یہ طوق گلے میں لٹکا کر نہیں پھرنا تھا فیصلہ تو شاید دروازے کی دہلیز پر کچھ گھنٹے پہلے ہی ہو گیا تھا۔

☼ ☼

حمیرا نوشین

"آپا قسم سے ایک نمبر کے کنجوس ہیں یہ میرے جیجا جی۔ مجال ہے جو پورے راستے انہوں نے جھوٹے منہ مجھ سے پانی تک کا بھی پوچھا ہو۔ آرام سے اپنی سیٹ پر چپک کر بیٹھے رہے۔ وہ تو شکر ہے کہ امی نے اپنے داماد کی نیت جانتے ہوئے میرے پرس میں دو چار نمکو اور بسکٹ کے پیکٹ رکھ دیے تھے چار گھنٹوں کا سفر اسی کے سہارے گزارا۔ جیسے ہی میں نے نمکو کا پیکٹ کھولا بھیجا جی کی کسی ندیدے بچے کی طرح فوراً "رال ٹپک پڑی' کہنے لگے تھوڑی سی چکھانا طبیعت عجیب سی ہو رہی ہے۔" میں نے بھی جل کر دو دانے ہی ہتھیلی پر رکھے تو مجھے گھورنے لگے' اگر کچھ کھلا نہیں سکتے تو کسی کے کھانے پر بھی نظر نہ رکھیں۔"

میں گرمی سے بے حال ہوتے ہوئے سفر کا حال خوشی آپا کے گوش گزار کر رہی تھی اور وہ بے چاری شرمندہ ہوتی ہوئی خاموشی سے سننے پر مجبور تھیں۔

"جوس والا آیا تو میں نے ڈھیٹ بن کر کہہ ہی دیا سخاوت بھائی پیاس سے حلق میں کانٹے اگ رہے ہیں ایک جوس لے دیں تو کہنے لگے کہ سفر میں جوس وغیرہ بالکل بھی نہیں لینے چاہئیں' کیا پتا کس قسم کے کیمیکل ڈالے گئے ہوتے ہیں اگر پی کر طبیعت خراب ہو گئی تو میرے لیے مصیبت ہو جائے گی۔

مجھے ان کا کھرا سا جواب سن کر بہت تاؤ آیا۔ پرس میں سے پیسے نکال کر جوس خریدا اور ٹھنڈے ٹھنڈے جوس کے مزے سے سپ لینے لگی۔

"کیمیکل والا جوس تجھے سفر میں ہضم ہو جاتا ہے سخاوت بھائی آپ جوس والے کی بالٹی میں سے تھوڑی سی برف نکال کر چوس لیں آپ کے ہونٹوں پر گرمی و پیاس سے پپڑی جم رہی ہے۔"

میری بات سن کر چپ سادھ لی میں نے بھی ان کی طرف سے رخ موڑا اور پورا جوس نوش کر گئی' حالانکہ ان کی نظریں مجھے اپنے جوس پر صاف محسوس ہو رہی تھیں۔"

"چھوڑو نداان کی تو گھٹی میں کنجوسی و بدنیتی شامل ہے تم آرام کرو میں تمہارے لیے کھانا لگاتی ہوں' بچے بھی ٹیوشن سے آنے والے ہیں تمہیں دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔"

آپا میرے پاس سے اٹھیں تو میں اپنی دہائی دیتی ٹانگوں کو سیدھا کر کے اپنے ہاتھوں سے دبانے لگی۔

"اڈے سے گھر تک پیدل چلا کر لائے ہیں بس یہ دو قدم پر گھر ہے کرتے کرتے دو میل کا سفر طے کرا لائے۔"

میں لیٹ کر اونچی آواز میں بڑبڑائی تو آپا مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

✡ ✡ ✡

مجھے آپا کی طرف آئے تیسرا دن تھا اور میں جی بھر کر بور ہو رہی تھی۔ بچے صبح اسکول چلے جاتے شام کو ٹیوشن اور میں سارا دن آپا کے گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹاتی رہتی۔ آپا کے ہاں تیسرے بچے کی ولادت تھی گو کہ ان کی ساس گھر میں موجود تھیں مگر وہ بینائی سے محروم تھیں۔ دونوں بچوں کی مرتبہ انہوں میکے میں چھلہ کیا اب چونکہ بچے اسکول جانے لگے تھے اسی لیے یہاں پر رہنا مجبوری تھی۔ امی نے ان کے اکیلے پن کی وجہ سے مجھے آپا کی طرف بھیج دیا۔ اپنے گھر سے گرمی سے بے حال ہوتی میں یہاں آئی' سوچا تھا آپا

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L۔5/79 ڈاکخانہ 78/5.L تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر: 03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

کے گھر میں جنریٹر کی سہولت ہے گرمی کے دو ماہ سکون سے گزریں گے۔ ٹھکروائے حسرتا جنریٹر فقط شکل دیکھنے کے لیے رکھا گیا تھا' مجال ہے جو اس کی بے سروپا گھڑگھڑاہٹ میری سماعتوں سے ٹکرائی ہو۔ وجہ وہی ازلی کنجوسی کہ گیس کا بل زیادہ آئے گا۔ لو بھلا بتاؤ پھر اس پر پیسے خرچ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ وہ تو بعد میں پتا چلا کہ سخاوت بھائی کے کسی دوست نے اپنا نیا جنریٹر لے کر پرانا جنریٹر ان کے شیخ پن کو دیکھتے ہوئے دان کیا تھا۔ مگر اس کو چلا کر دوست کی نیکی سے فائدہ اٹھانا وہ گناہ کبیرہ خیال کرتے تھے۔

سخاوت بھائی پانچ بھائی تھے۔ جیسے جیسے شادی ہوتی گئی' سب اپنے اپنے گھونسلوں کو پیارے ہوتے گئے۔ سب کے گھونسلے' میرا مطلب گھر ایک ہی گلی میں آباد تھے۔ سب ایک دوسرے کے دکھ' غم' سکھوں سے

زیادہ باخبر رہتے تھے۔ چھوٹا بھائی سعودیہ میں ٹیکسی چلاتا تھا اور تاحال کنوارا تھا۔ آپا کی ساس ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ سخاوت بھائی کا بہت بڑا جنرل اسٹور تھا خوب آمدنی ہوتی تھی مگر ایک ایک روپیہ سنبھال کر رکھنے کے قائل تھے "تجھے نہ تڑاوں تیرا بھیا ساتھ ملاوں۔" پر عمل کرتے ہوئے نوٹوں کی گڈیاں اسٹور میں لکڑی کی چھوٹی سی الماری میں سینت سینت کر رکھی ہوئی تھیں۔

آپا کی زبانی معلوم ہوا کہ اس کے آگے چارپائیاں اور پورے گھر کا کاٹھ کباڑ لگا رکھا تھا۔ مہینے میں ایک مرتبہ وہ اس اسٹور میں ایک گھنٹے کے لیے اپنے آپ کو مقید کرلیتے اور جی بھر کر اپنے نتھنوں کو نوٹوں کی خوشبو سے مہکاتے جب باہر نکلتے تو سارا دن طبیعت فریش رہتی۔ نوٹوں کی بڑھتی تعداد سے ان کی باچھیں کھلی رہتیں اور بچوں کو اس خوشی میں آئس کریم کی شکل اور ذائقے سے آشنائی ہوجاتی۔ سارے بھائی مالی طور پر مستحکم تھے مگر طبیعتاً "پیسے پر جان چھڑکنے والے تھے" اسے اپنے سے جدا کرنے کے خیال سے ہی ان پر غشی طاری ہوجاتی۔ پتا نہیں ان حالات میں، میں یہاں کیسے دو ماہ رہ پاوں گی۔ سوچ سوچ کے میرا تو دماغ شل ہوا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں نے صبح سے مشین لگائی ہوئی تھی کپڑے پھیلانے چھت پر گئی تو ساتھ والے گھر سے، جو کہ آپا کی جٹھانی کا تھا، خوب زور و شور سے ہنگامے کی آوازیں آرہی تھیں، شاید کوئی مسئلہ زیر بحث تھا۔ میں نے چھت سے ان کے صحن میں جھانکا تو، وہاں عدالت لگی ہوئی تھی۔ دونوں بھائی اور ان کی بیویاں بچوں سے تفتیش کررہی تھیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ سکینہ بھابھی (جٹھانی) کی بیٹی کو سو روپے کا نوٹ گلی میں سے ملا اس نے نقلی سمجھ کر وہیں پھینک دیا۔ ناصرہ بھابھی (دوسری جٹھانی) کے بیٹے نے جھٹ اٹھا کر ماں کو لاکے دکھایا۔ دھیان سے دیکھا گیا تو پتا چلا کہ یہ تو حکومت پاکستان کی طرف سے جاری کیا گیا سو روپے کا اصل نوٹ ہے، جو گڈو کے ہاتھ لگ کر اس کی قسمت کو چمکا گیا تھا۔ اب جھگڑا یہ تھا کہ سکینہ بھابھی کی بیٹی نے رو رو کر اپنی چنی منی سی آنکھیں سرخ انگارہ کرلی تھیں، کہ یہ نوٹ تو پہلے مجھے ملا تھا اس پر میرا حق ہے۔

دونوں جٹھانیوں اور بھائیوں میں اسی بات پر تکرار ہونے لگی ان کا کہنا تھا کہ تم نے تو پھینک دیا تھا گڈو اٹھا کر لایا۔

اب تو یہی اس نوٹ کا اصل مالک ہے۔ اس بات پر سکینہ بھابھی اور شجاعت بھائی کا پارہ ہائی ہوگیا۔ دونوں میاں بیوی ناصرہ بھابھی کی اگلی پچھلی پشتوں کے قصے بیان کرنے لگے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ستر روپے گڈو کے اور 30 روپے صومیہ کے۔ یوں پھولے چہروں کے ساتھ یہ نشست برخاست ہوئی اور میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے نیچے سیڑھیوں کی راہ لی۔

"توبہ یہاں تو سارا باوا آدم ہی نرالا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"آپا میرا آج ٹھنڈے توری، بھنڈی کھانے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔ ایمان سے تم لوگ تو میری سوچوں سے بھی زیادہ کنجوس نکلے، حد ہوگئی کسی مہمان کا ہی خیال کرلیں۔ میں نے کون سا روز روز آنا ہے، جب تک میں یہاں ہوں کچھ اچھا پکا لیا کرو۔ تمہیں پتا ہے کہ ہمارے گھر میں بے شک تنگ دستی ہے مگر ابا نے ہمیں ہمیشہ اچھا ہی کھلایا۔"

"تم تو چار دن میں یہ چیزیں کھا کر اوب گئیں میری ہمت دیکھو سات سالوں سے کیسے گزارا کررہی ہوں۔ دال سبزی کا ذائقہ ایسا زبان کو لگا ہے کہ بریانی قورمہ کھا کر اب تو طبیعت ہی خراب ہونے لگتی ہے۔" آپا معصومیت سے بولیں تو مجھے ان پر ترس آگیا۔

"پتا نہیں اماں نے کیا سوچ کر اتنی دور ان فقنوں میں تمہیں بیاہ دیا" میں تاسف سے بولی۔

"اماں کو کیا پتا تھا ان کے اندرونی حالات کا۔ بظاہر تو سب کچھ ٹھیک تھا چلتا کاروبار، اچھا گھر، رشتہ لیتے وقت

تو کچھ خرچا بھی کر ہی لیا تھا' یہ جوہر تو ان کی شادی کے بعد مجھ پر کھلے ہیں کہ کنجوسی ان سب کی فطرت میں ہے۔ ورثے میں ملی ہے ان کو۔ باپ دادا سب نوٹوں کے عشق میں گرفتار تھے۔ کنجوسی کے یہ جراثیم نسل در نسل چلے آرہے ہیں۔ باقی سب جٹھانیاں تو اسی خاندان کی ہیں ان کو تو یہ سب محسوس نہیں ہوتا' بلکہ وہ تو شوہروں سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔ اماں نے سوچا یہاں کے حالات اچھے ہیں میری بچی عیش کرے گی' مگر عیش کس کا نام ہے میں اس گھر میں نا آشنا ہی رہی۔ اگر اماں کو ان باتوں کا پتا چل جائے تو شاید ان کے حلق میں نوالے ہی اٹک جائیں۔ کیا کروں' مجبوری ہے اپنے گھر میں رہنا ہے مجھے۔ صبر شکر کرکے گزارا کر رہی ہوں۔ کبھی تو ان لوگوں کو عقل آئے گی کہ دمڑی پر جان دینے والے' اپنی سوکھی چمڑی ہی ساتھ لے کے جائیں گے۔ سب یہیں دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" آپا اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"تم بھی تو شرافت کے ساتھ گزارا کر رہی ہو ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر سخاوت بھائی سے پیسے نکلوایا کرو۔ حالت دیکھو اپنی دو سوٹوں میں گزارا کر رہی ہو پھیکے بدرنگ سوٹ۔ کیا فائدہ ایسی دولت کا جو تجوریوں میں بند پڑی رہے اور اہل و عیال اس سے محروم رہیں۔" مجھے سچ میں سخاوت بھائی پر غصہ آرہا تھا۔ نام سخاوت اور سخاوت کے مفہوم سے بالکل نابلد۔

"میری بہن تم بس صبر شکر کرکے میرے یہ دو ماہ کٹوا دو تمہارا میں یہ احسان نہیں بھولوں گی۔ بس اماں ابا کو میرے حالات کا بالکل بھی ذکر نہ کرنا' ورنہ ان کی تو راتوں کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔" میں ان کی بات سن کر ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی ہم سب کو ان کی کنجوسی کا اندازہ تو تھا' مگر اس حد تک یہ بچت کرتے ہوں گے اس کا تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

میں نے بڑے دل اور محنت سے آج سندھی بریانی بنائی تھی ساتھ میں فروٹ ٹرائفل بھی بنا لیا۔ پورے گھر میں بریانی کی خوشبو پھیلی تھی۔ ابھی میں دم لگا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ متصل گھر سے آپا کی جٹھانی چلی آئیں۔

"ارے واہ بڑی اچھی مہک آرہی ہے بریانی کی' لگتا ہے دیورجی نے سالی کے آنے کی خوشی میں خوب ہاتھ کھلا کر رکھا ہے۔" وہ آتے ہی شروع ہو گئیں اور میں کھول کر رہ گئی کتنی مشکلوں سے آپا نے سخاوت بھائی کو میرے آنے کا احساس دلا کر کچھ اچھا بنانے کے لیے راضی کیا تھا' صبح ہی سارا سامان دکان کے ملازم کے ہاتھ بھیج دیا تھا اور میں نے اپنے ہاتھ کا سارا ذائقہ بریانی اور ٹرائفل میں سمو دیا تھا۔

"کہاں بھابھی۔۔۔ آپ کو تو اپنے دیور کی عادت کا پتا ہی ہے ان کی بلا سے کوئی آئے جائے جو گھر میں دال روٹی پکی ہوتی ہے وہی کھلانے کے قائل ہیں' یہ تو بچے کئی دن سے ضد کر رہے تھے تو آج ندا نے بنا دی۔"

خوشی آپا صفائیاں دینے لگیں تو وہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بولیں۔

"تم کہتی ہو تو یقین کر لیتی ہوں۔ اچھا ایسا کرو ایک پلیٹ میں بریانی دے دو' بریانی کی مہک پوری گلی کو مہکا رہی ہے صومیہ کا بھی خوشبو سونگھ کر دل کر گیا کہنے لگی کہ آنٹی سے لے کر آؤ بریانی۔ یہ اولاد بھی ناماؤں کو ذلیل کروا دیتی ہے اب بھلا بتاؤ یہ بھی کوئی بات ہے کسی نے اپنے گھر کے حساب سے چیز بنائی ہے ان سے مانگ کر شرمندہ ہو جاؤ۔"

"ارے نہیں بھابھی شرمندگی کیسی اپنا گھر ہے' ویسے بھی آپ کی طرف تو بھیجنا ہی تھی ذرا دم کا انتظار کر رہی تھی۔" آپا نے بڑی پلیٹ بھر کر ان کے ہاتھوں میں تھمائی۔

"دو چار بوٹیاں تو ڈال دی ہیں نا' پتا ہے نا چاول کے ساتھ جب تک بوٹی نہ ہو صومیہ کے حلق سے نہیں اترے گی بریانی۔" انہوں نے پلیٹ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔

"جی بھابھی ڈال دی ہیں۔" آپا شرافت سے بولیں تو وہ کچن میں چولہے پر رکھے دیگچے کا بغور جائزہ لیتی

رخصت ہوئیں، مجھے ان پر سخت تاؤ آیا تھا، شکر ہے
ٹرائفل فریج میں تھا ورنہ وہ بھی ان کی کھوجتی نگاہوں
سے بچ نہ پاتا۔

"کتنی گندی عادت کی ہیں یہ تمہاری جٹھانی کیسے
عین ٹائم پر مانگنے چلی آئیں۔"

"کیا کروں ساتھ گھر ہے اور ان کی حس شامہ بھی
بڑی تیز ہے۔ کوئی بھی چیز پکاؤں خوشبو سونگھ کر فوراً" یا
تو خود چلی آتی ہیں یا بچے کو بھیج دیتی ہیں، نہ دوں تو طعنے
سننے کو ملیں۔ ایک کو دوں دوسری کو نہ بھیجوں، تو اس کا
منہ پھول جائے۔ اول تو کوئی ڈھنگ کی چیز پکتی نہیں
ہے جو بھی قسمت سے بن جائے تو یوں چٹ ہو جاتی
ہے۔ عجیب مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں میں تو۔
اپنی مرضی سے کچھ بنا کر بھی نہیں کھا سکتے۔"

"خوشی باتوں میں ہی لگی رہو گی یا اندھی ساس کی
بھوک کا بھی احساس کرو گی۔" اماں نے ہانک لگائی تو
خوشی آپا ان کو کھانا دینے چل دیں۔ میں اس خاندان کی
گھٹیا عادات کے بارے میں سوچتی رہ گئی بریانی اس
لیے زیادہ بنائی تھی کہ رات کو بھی خوب مزے لے کر
کھاؤں گی مگر آپا کی جٹھانی نے سارے ارادوں پہ اوس
ڈال دی۔ شام کا حصہ مزے سے لے اڑیں۔

☆ ☆ ☆
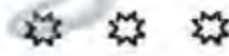
آپا کی ساس ویسے تو بینائی سے محروم تھیں، مگر
حسیات بلا کی تیز تھیں۔ لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے ہر چیز کا
اندازہ لگا لیتیں۔ قدموں کی چاپ سے جان جاتیں کہ
آپا کچن میں کتنی بار گئی ہیں۔ گھر میں کون بہو کے پاس
دبے پاؤں آیا ہے۔ خوشبو سونگھ کر فوراً" آنکھیں
مسلتی اٹھ بیٹھتیں۔

"خوشی میرے لیے بھی تھوڑا سا حلوہ لے آؤ۔"

اور وہ جو بچوں کے لیے تھوڑی سی چیز بناتیں اس میں
اماں بھی حصہ دار بن جاتیں۔ عجیب الخلقت لوگ تھے
میں تو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

ابھی کل ہی کا واقعہ ہے میں نے چنے بنائے۔ سب
رات کا کھانا کھا رہے تھے سخاوت بھیا نے ناقدانہ انداز
میں چنوں کے سالن کا جائزہ لیا اور سالن کے ڈونگے
میں سے اوپر آیا آئل الگ باؤل میں نکال کر کہنے
لگے۔

"خوشی تمہیں پتا ہے نا ہمارے گھر میں کھانے میں
آئل کم استعمال ہوتا ہے، ندا کو بھی بتا دو اتنے دن ہو
گئے اس کو کھانا بناتے ہوئے ابھی اندازہ ہی نہیں
ہوا۔" ان کی بات سن کر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ
گئی۔

"اب اس کو ضائع نہ کرنا کل کسی سبزی میں ڈال
لینا۔"

"ہونہہ! پانی میں پکا لیا کریں۔ کنجوسوں کے
سردار۔"

صبح میں آپا پر برس پڑی "بھئی آپا میں اس طرح کے
ماحول میں ہرگز نہیں رہ سکتی ایک تو گھر سے دور تمہاری
خاطر آئی ہوں کام بھی کروں اور باتیں بھی سنوں رات
کو آئل زیادہ ڈالنے پر باتیں سنا دیں اور اس دن میں
کپڑے کھنگال رہی تھی تو میرے سر پر سوار ہو گئے۔

"یہ کیا کر رہی ہو۔" غصے سے بولے۔

"نظر نہیں آرہا کپڑے دھو رہی ہوں۔"

"بھئی تم بہنیں بہت فضول خرچ ہو، پیسے کی ذرا
بھی قدر نہیں ہے سارا دن خون پسینہ ایک کر کے جو
روپیہ کمایا جاتا ہے تم اس کو لمحوں میں پانی میں بہا دیتی
ہو۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔۔۔ ان کی بات سن کر
میرے تو سر میں لگی اور تلووں میں بجھی۔" میں نے
ان کی کون سی دولت لٹا دی تھی۔

"مشین میں سے کپڑے نکال کر ڈرائر میں ڈالا کرو۔
ڈرائر کے نیچے یہ ٹب رکھو تا کہ سارا سرف نچڑ کر اس
ٹب میں آجائے، اس ٹب کے سرف کو دوبارہ مشین
میں ڈال کر استعمال کرو، اس طرح سرف بھی ضائع
نہیں ہو گا۔ کپڑے بھی جلدی کھنگالے جائیں گے اور
پانی بھی زیادہ خرچ نہ ہو گا۔" انہوں نے سارا پروسس
مجھے کر کے دکھایا اور میرا خون کھول کر رہ گیا ایسی کنجوسی
و کفایت شعاری نہ کبھی دیکھی نہ سنی۔ "مجھ سے یہ

سب برداشت نہیں ہوتا سنبھالو اپنا گھر مجھے تو واپس بھیجو میں بالکل بھی یہاں نہیں رہ سکتی۔" غصے سے میری آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اشک الگ چھلکنے کو بے تاب تھے۔

"ندا میری پیاری بہن فقط چند دن میں ہی تم گھبرا گئیں اپنی بہن کی خاطر جیسے تیسے یہ دن گزار لو۔"

"تین تین جٹھانیاں اس محلے میں رہتی ہیں کوئی بھی آکر تمہارا اچھلہ کروادے گی میری جان بخشو" میں نے ہاتھ جوڑ دیے۔ میری بات سن کر آپا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"جٹھانیوں کی حالت تم نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کرلی ہے کہ وہ میری کتنی ہمدرد ہیں۔ پورے گھر کو لے کر یہاں شفٹ ہو جائیں گی۔ صبح سے رات تک اپنی ہی اولاد کے کھانے کے چکروں میں پڑی رہیں گی۔ ہزاروں روپے کا کباڑا کردیں گی اور ساری عمر ان کے احسان تلے دبی رہوں گی۔ سخاوت کے طعنے الگ سے میرا کلیجہ چھلنی کریں گے۔" انہوں نے حقیقت گوش گزار کی تو میں پسیج گئی۔

"پھر دولہا بھائی کو اپنی زبان میں اچھی طرح سمجھا دو مجھے میرے مطابق کام کرنے دیں ورنہ میں چلی یہاں سے۔" میں نے ان کو دھمکی دی تو وہ اثبات میں سرہلا کر رہ گئیں۔

اب پتا نہیں یہ آپا کے سمجھانے کا اثر تھا یا میرے منہ سجانے کا ردعمل تھا کہ سخاوت بھائی نے اب گھریلو معاملات میں ٹانگ اڑانا کافی کم کردیا تھا۔ میں نے سکھ کا سانس لیا اور اس دن تو میں ورطہ حیرت میں ڈوب گئی جب انہوں نے کہا "چلو ندا جلدی سے تیار ہو جاؤ آج تمہیں اور بچوں کو گھمانے لے چلتا ہوں۔ میں بھی جھٹ سے بچوں کو کپڑے پہنا چادر لے کر تیار ہو گئی مبادا ان کا ارادہ بدل جائے اور اس شام تو میں غش پہ غش کھا رہی تھی، پلکیں جھپک جھپک کر سخاوت بھائی کو دیکھتی کتنی ہی مرتبہ اپنے بازو پر چٹکی کاٹی کہ میں کہیں عالم خواب میں تو نہیں، جب سخاوت بھائی نے ہمیں شہر کی مشہور سوغاتیں کھلا کھلا کر ہمارے پیٹ غبارے کی طرح پھلا دیے۔ واپسی پہ اماں اور آپا کے لیے بھی چیزیں پیک کروانا نہ بھولے لگتا تھا۔ سخاوت بھائی اپنے نام کا صحیح معنوں میں مطلب جان گئے تھے، جب ہی تو اتنی سخاوت دکھا رہے تھے۔ وہ شام میرے لیے ایک یادگار شام بن گئی جو سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل تھی میں نے اس شام کے عوض ان کے سابقہ دل پھونک دینے والے جملوں کو ذہن و دل سے کھرچ ڈالا۔

٭ ٭ ٭

میں سلائی مشین رکھے آپا کا سوٹ سی رہی تھی جو کل ہی انہوں نے مجھے اٹیچی کیس میں سے نکال کر دیا تھا۔ جب بھی آپا ہماری طرف آتیں سال کے تین سوٹ اپنے اور اماں کے مجھ سے سلائی کروا کے لے جاتیں، اب بھی وہ میری موجودگی کا فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ میں جلتے دل کے ساتھ سوٹ سینے میں محو تھی بری اور جہیز کے سوٹ ابھی تک چل رہے ہیں۔ بے چاری میری صابر و شاکر آپا کوئی اور بیوی ہوتی تو دو دن میں سخاوت بھائی کو نکنی کا ناچ نچا دیتی۔ وہ تو میری آپا ہی شریف طبع ہیں، کچھ ہماری اماں کی تربیت کا اثر تھا، جو وہ چپ چاپ گزارا کیے جا رہی تھیں۔

آپا سخاوت بھائی کے ساتھ ڈاکٹر کو دکھانے گئی تھیں بچے اسکول میں تھے اور اماں اندر کمرے میں ہولناک و خوفناک خراٹے لے رہی تھیں ان کے جان دار خراٹے سناٹے میں میرا دل دہلا رہے تھے۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو میں نے دوڑ لگائی "لگتا ہے آپا آگئیں۔ میں نے فوراً" گیٹ کھولا مگر اپنے سامنے ایک باریش اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی ہاتھ میں ایک جہازی سائز سوٹ کیس تھام رکھا تھا۔

"جی بڑے میاں فرمائیے کس سے ملنا ہے آپ کو۔" بڑے میاں نے میری بات کا جواب دینے کی بجائے پھرتی سے اندر داخل ہو کر گیٹ کی کنڈی لگائی۔ میرے حلق سے چیخ برآمد ہوتے دیکھ کر جلدی سے میرے منہ پہ سختی سے ہاتھ رکھ کر کھینچتے ہوئے لے

آئے۔ میرے منہ سے گھٹی گھٹی چیخیں نکلیں۔

"ڈاکو واوا یہ گھر میرا نہیں میں تو ان کنجوسوں کے ہاں فقط چند دن کی مہمان ہوں۔ آپ کو جو کچھ لوٹنا ہے بغیر کسی ڈر خوف کے لوٹ کے لے جائیں' میں منہ سے بھاپ بھی نہیں نکالوں گی بس مجھے اس کمرے میں بند کردیں اور اپنے اٹیچی کو کھول کر اس کا منہ بھرنا شروع کردیں۔" میں تیزی سے کہہ کر ایک کمرے کی طرف لپکی تو وہ باریش ڈاکو میری راہ میں حائل ہوگیا۔

"اجی لوٹ تو آپ نے لیا ہے میرا چین سکون صبرو قرار رتجگوں کا باسی بنا دیا آپ نے۔ جب سے پتا چلا ہے کہ آپ یہاں جلوہ افروز ہیں تب سے بے تابی و بے قراری سے شب و روز بسر کررہا تھا۔ بڑی مشکل سے چھٹی لے کر آپ کے دید کی تمنا لیے یہاں پہنچا ہوں۔" اس نے اپنی دہکتی نگاہیں مجھ پر ٹکائیں تو مجھے آواز کچھ مانوس سی لگی۔ میں نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی سفید داڑھی و مونچھوں کا صفایا اپنے ہاتھوں کیا تو وہ باریش بڈھا' آپا کے جوان و خوب صورت دیور کی شکل اختیار کرگیا۔

"آپ....؟"

"جی میں!" وہ مجھے پرشوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور میرا پورا وجود تھرتھرا رہا تھا۔

"اپنے ہی گھر میں اس بہروپ کی کیا ضرورت تھی" میں غصے سے بولی۔

"ضرورت تھی میری تیرہ شبوں کی روشنی۔ اگر میں اس حلیے میں نہ آتا تو گلی کے نکڑ سے ہی کسی بھابھی یا بھتیجا بھتیجی کی نظروں کی زد میں آجاتا۔" پورا جنجال پورہ اس وقت گھر میں دھما چوکڑی مچا رہا ہوتا اور یہ جو تنہائی میں آپ کے رخ روشن سے میرا دل مثل ماہتاب روشن ہے' اس سے میں محروم رہ جاتا۔"

"اماں اندر کمرے میں محو استراحت ہیں' آپا اپنے نصف بہتر کے ساتھ معالج کے پاس گئی ہیں۔" میں نے اسے اسی کے لہجے میں جواب دیا اور سنجیدگی و اجنبیت کا لبادہ اوڑھ کر پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

"میں والدہ کی قدم بوسی کرتا ہوں' آپ میرے لیے طعام کا انتظام کریں۔" وہ مسکراتا ہوا اماں کے کمرے میں چل دیا اور میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

"میرے لیے طعام کا انتظام کریں۔ ہونہہ۔"

☼ ☼ ☼

میں جو آپا کے گھر میں بےزار اور سخاوت بھائی کی کنجوس فطرت کے سبب دن گن گن کر گزار رہی تھی' آپا کے دیور کے آجانے سے ساری بوریت و بےزاری خوش گوار حالات میں بدل گئی۔ جزیرے کی ہوا کے جھونکے فرحت بخشنے لگے' کچن مختلف کھانوں کی خوشبوؤں سے مہکنے لگا اور پورا گھر چمکتا نظر آتا۔

"آپا سچ بتاؤ یہ تمہارا سگا دیور ہے؟ کہیں تمہارے سسر نے ایڈاپٹ تو نہیں کیا تھا اس کو۔" میں اس کی شاہ خرچیاں دیکھ کر خوشی آپا سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"بخیلوں میں ایک شاہ خرچ کا پایا جانا میرے لیے بھی اچنبھے کا باعث تھا مگر کہیں سے بھی ایسی کوئی خبر سننے کو نہیں ملی۔ جس سے پتا چلتا کہ دیور جی نے اماں کے بطن سے جنم نہیں لیا۔ گناہ گاروں کے گھر میں ولی کا پیدا ہونا شاید اسی کو کہتے ہیں۔" آپا بھی دیور کے کھلے ہاتھ کا کھلے دل سے اعتراف کررہی تھیں۔

"ویسے ایک بات بتاؤں تمہارے نصیب سے سب کے ہی عیش ہو رہے ہیں۔" آپا نے آنکھیں مٹکائیں۔

"کیا مطلب....؟"

"مطلب تو تم اچھی طرح جانتی ہو دیور جی کیوں تمہارے آس پاس پھرتے ہیں' میری چاپلوسیاں کیوں کرتے ہیں میرے بچوں کے ڈھیروں ڈھیر کھلونے اور چیزیں کیوں لائی جاتی ہیں۔ باقی بھابھیوں اور بھتیجا بھتیجیوں کو دیکھ کر اٹیچی کیس کا منہ کیوں بند ہو جاتا ہے۔ ان کو تو فقط چاکلیٹس اور ٹافیوں پر ہی ٹرخا دیا جاتا ہے۔"

آپا نے حقیقت گوش گزار کی تو میں بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئی۔ جب سے آپا کی شادی ہوئی تھی

دلاور دو چار مرتبہ ہی ہماری ہی طرف آیا تھا۔ اور ہر بار اس کی نگاہیں میرے اطراف بھٹکتی رہتیں۔ میں بہت کچھ جان کر بھی انجان بنی رہتی، مگر یہاں تو سب کچھ کھل کر سامنے آگیا کہ دلاور صاحب میرے دائیں بائیں کیوں پھرتے ہیں۔ اس کی ذو معنی باتوں اور لہجے نے تو میرے دل کے تاروں کو بھی چھیڑ کر مضراب بنا ڈالا تھا۔ دلاور تو واقعی پیسا خرچ کرنے میں دل والا ثابت ہوا تھا میری تو قسمت ہی چمک اٹھی گی جو میری زندگی میں دلاور جیسا شخص آگیا۔ میں اسے سوچ کر مسکرا دی تو آپا بھی ذو معنی انداز میں مسکراتی ہوئیں۔ میرے پاس سے اٹھ کر چل دیں۔

☼ ☼ ☼

صبح سے گرمی عروج پر تھی جس اور گھٹن سے سب کا برا حال تھا۔ پنکھوں کی ہوا بھی پسینہ خشک کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ آپا کے نویں مہینے کے آخری ایام چل رہے تھے وہ جو تھوڑا بہت کام کاج کر لیا کرتی تھیں اس سے بھی ہاتھ کھینچ گئیں اور ساری ذمہ داری مجھ پر آن پڑی آج میرا کچن میں گھسنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر کھانا پکانا مجبوری کے ساتھ ضروری بھی تھا میں اسی کشش و پنج میں تھی کہ کروں تو کیا کروں۔

"کیا ہو رہا ہے میرے ماہ کامل۔" دلاور بے باکی سے صوفے پر میرے قریب آکر بیٹھا تو میرے دل کی دھڑکنوں میں شور مچ گیا۔

"کچھ نہیں گرمی سے دل گھبرا رہا ہے اور کچن میں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔" میں اپنے لہجے میں قدرے بے زاری سمو کر بولی اور اس سے قدرے فاصلے پر ہو گئی۔

"تو مت جاؤ کچن میں میری مست نگاہوں کو سیراب کرتی رہو۔" اس کے لہجے اور نگاہوں کی شوخی نے مجھے نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

"سب کے خالی پیٹ کیا آپ اپنی باتوں سے بھریں گے۔" میں ادائے دلبری سے بولی۔

"اجی باتوں سے کیوں، مرغی کی لاتوں اور شہر کی سوغاتوں سے بھریں گے آپ حکم تو کریں کیا تناول کرنا پسند کریں گی۔"

"میرے لیے تو مرغی کی لاتیں۔ گردن، سینہ سب چلے گا باقیوں کے لیے آپ اپنی جیب کے حساب سے لے آئیں۔"

"یعنی جان دلاور کا بھی کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"جی۔"

"تو بس ٹھیک ہے تندوری نان اور بجی کا ڈنر تمہارے طفیل سب ہی کریں گے" وہ شاہانہ انداز میں بولا تو میں مسکرا کر رہ گئی۔ شکر ہے ایک وقت کے پکانے سے تو نجات ملی۔ وہ مجھے مستقبل کے سہانے سپنے دکھاتا رہا اور میں ان سپنوں کی سیر کرتی رہی شکر ہے میرا نصیب آپا جیسا نہیں۔ میں دل ہی دل میں اپنی قسمت پر رشک کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

کتنے دن ہو گئے تھے مجھے یہاں آئے ہوئے مجھے اپنا گھر بے طرح یاد آ رہا تھا امی اور چھوٹی بہن بھائیوں سے فون پر بات کر کے میں نے اپنے اداس دل کو سنبھالا اور پھر سے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ میں آپا کے پاس چلی آئی جو ایک باسکٹ میں ننھے مہمان کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزیں سیٹ کر رہی تھیں کہ پتا نہیں کب اس کی ضرورت پیش آجائے۔

"آپا یہ تمہارا دیور کتنے دن کی چھٹی پر آیا ہے؟ مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے ابھی تک براجمان ہے۔"

"یہ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو اسی سے پوچھ لو سارا دن تو تمہارے آگے پیچھے گھومتا ہے، کچن میں کتنی ہی ڈشیز تو تم دونوں نے مل کر بنائی ہیں۔"

"تو کیا تمہیں اپنے دیور کی مجھ سے یہ بے تکلفی ناگوار گزر رہی ہے۔"

"ناگوار تو نہیں گزر رہی مگر اچھی بھی نہیں لگ رہی۔ اماں نابینا ہیں سماعت سے محروم نہیں ہیں دلاور سے ٹھٹھول بازی پر ان کے منہ کے زاویے بگڑتے

تمہیں نہیں، مجھے نظر آتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا ہر وقت گیٹ کی کنڈی کو میں نظروں کے حصار میں رکھتی ہوں کہ کہیں کھلی نہ رہ جائے کسی بھی جٹھانی کی آمد ہو گئی اور تمہیں دیور جی سے اس طرح بے تکلف ہوتے دیکھ لیا تو پورے سسرال میں میری کیسی بدنامی ہو گی تمہیں اندازہ نہیں ہے۔"

آپا آج میری کلاس لے رہی تھیں اور میں دل ہی دل میں شرمسار ہو رہی تھی۔ واقعی اس طرف تو میں نے کبھی دھیان ہی نہیں دیا۔ صحیح کہتے ہیں بھئی یہ عشق و محبت سب سدھ بدھ بھلا دیتا ہے۔ بدنامی کا خوف، مستقبل کے اندیشوں سے بے خبر انسان اپنی ہی دھن میں مست رہتا ہے۔

"تمہیں اللہ ہی سمجھے دلاور کیسے مجھے اپنی محبت کے جال میں پھنسایا ہے کہ میرے دل و دماغ پہ بری طرح سے قابض ہو گئے ہو۔" میرے چہرے پر پھیلی شرمساری دیکھ کر آپا رسانیت سے گویا ہوئیں۔

"دیکھو دلاور نے اپنی اماں اور سخاوت سے بات کی ہوئی ہے وہ دونوں ہی راضی ہیں تم دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں مگر میں نہیں چاہتی کہ تمہارے بارے میں کوئی بات کرے تم میری جٹھانیوں کو نہیں جانتیں ہر وقت اسی تاک میں رہتی ہیں کہ کوئی بات سننے کو ملے۔ وہ تو شکر ہے کہ دلاور سمجھدار ہے، جو کسی بھی بھابھی کی آمد پر خرابی صحت کا بہانہ بنا کر کمرے میں پڑا رہتا ہے اور تم اپنے کام میں مصروف ملتی ہو ورنہ ان کی زبانوں کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔" آنکھوں کے اشاروں سے تو ابھی بھی بہت کچھ باور کرا جاتی ہیں۔" آپا فکرمندی سے بولیں۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں میں آئندہ خیال رکھوں گی، اس دن جب آپ کی دوسرے نمبر والی جٹھانی آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں۔

"بے چارا ہمارا دیور تو نجانے کس مرض میں لاحق ہو چکا ہے، جو ٹھیک ہی نہیں ہونے میں آ رہا۔ تمہیں پتا ہے کیا بیماری ہے دلاور کو۔" وہ میرے کان کے قریب سرگوشی میں بولیں۔

"یہ آپ اپنے دیور سے خود ہی پوچھ لیں، نہ میں ان کی بیماری کے متعلق جانتی ہوں اور نہ ہی مجھے جاننے کا شوق ہے۔" میرے تڑکے سے جواب پر منہ بنا کر کھڑی ہو گئیں۔

"خیر... مرض کا بھی کھوج لگ ہی جائے گا۔" کہہ کر چل دیں۔

"پھر بھی تمہیں عقل نہیں آ رہی۔" آپا نے مجھے گھورا مگر میں نظرانداز کر گئی۔

"آپا کیا اماں مان جائیں گی وہ تو آپ کو ہی اس خاندان میں دے کر پچھتا رہی ہیں، مجھے کہاں یہاں دینے پر راضی ہوں گی۔" مجھے اندیشوں نے آ لیا۔

"اماں کو راضی کرنا میرا کام ہے، بس تم ایک کام کرو کسی بھی طرح دلاور کو یہاں سے جانے پہ راضی کرو تاکہ مزید باتیں نہ بنیں۔"

"ہاں میں کوشش کرتی ہوں دیکھو شاید وہ راضی ہو جائے وہ تو سریش کی طرح میرے ساتھ چپک کر رہ گیا ہے۔"

"کوشش نہیں پوری کوشش کر کے راضی کرو اور سریش کو تم نے خود سے اتنا چپکا رکھا ہے ذرا اپنے سے دور ہی رکھو تاکہ بعد میں بھی کوئی کشش رہے۔" آپا نے مجھے سمجھایا تو میری نگاہیں جھک گئیں۔

"توبہ... آپا بھی ناکڑی نظر رکھتی ہیں ہم دونوں پر پل پل سے باخبر ہیں۔" میں خجل ہوتی ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

✲ ✲ ✲

میں نے خود پر جبر کرتے ہوئے اسے واپس جانے پہ آمادہ کیا تو وہ افسردہ ہو گیا مگر پھر حالات کی نزاکت بھانپتے ہوئے بالآخر مان ہی گیا۔ اس نے قریب رکھی سل کا بھاری پتھر اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔

"قسم لے لو دل پہ پتھر رکھ کر یہاں سے نکلنا پڑے گا، کوئی پل ایسا نہیں ہو گا وہاں میرے لیے جس میں تمہاری یاد میرے ذہن و دل کا دامن چھوڑ دے۔" وہ بے قرار ہوا مگر میں نظرانداز کر گئی اور جھٹ سے اس

کے ہاتھ سے پتھر لے کر اس کی جگہ پر رکھا۔ چھچھورا ہیرو بننے کے سارے گر اس میں تھے۔

"بس جتنا دور رہنا ہے مجھ سے رہ لو۔ جتنا کمانا ہے کمالو مگر میں ایک بات صاف بتا رہی ہوں شادی کے بعد تمہیں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہنے کو شادی کے پانچ پانچ چھ چھ سال ہو جاتے ہیں اور ساتھ رہتے دنوں کو گنتی کرو تو بمشکل تین سو پینسٹھ دن بنتے ہیں' بھئی مجھ سے تمہاری دوری ہرگز برداشت نہیں ہوگی۔"

"اتنا چاہتی ہو اپنے دلاور کو" خوشی سے اس کے ناتواں وجود میں ہوا بھرنے لگی۔

میں نے شرما کر نظریں جھکائیں۔ تو وہ میری ادا پر نثار ہو گیا۔ میں بھی سابقہ اور عہد حاضر کی ہیروئنز سے کم نہ تھی' جانے سے پہلے مجھے بڑی اسکرین والا ٹچ موبائل دینا نہ بھولا۔ میرے دل پر تو اس کی تصویر نقش تھی ہی وال پیپر پر بھی اس ڈھانچے کی تصویر سجالی۔

"دلاور کے جانے کے بعد زندگی ایک دم پھیکی و بے کیف لگنے لگی ذہن میں بروقت اس کی باتیں گونجتیں' ۔ بچوں کے ساتھ میں نے ہنسنا کھیلنا بھی بہت کم کر دیا تھا۔ بس دلاور کا خیال لبوں پہ مسکان بکھیرے رکھتا۔

چند دن بعد ہی آپا کے ہاں ایک خوب صورت پیاری سی ننھی پری نے جنم لیا تھا۔ میری مصروفیت بے حد بڑھ گئی تھی۔ آنے جانے والوں کو نمٹانا' بچوں کا خیال' اماں کو وقت پر کھانا دینا گھر کے کام کاج میں تو گھن چکر بن کر رہ گئی تھی۔ دلاور دن میں کئی کئی بار فون کرتا مگر میں اس سے بات نہ کر پاتی رات کو موبائل ہاتھ میں آتا تو اس کی ڈھیروں مسڈ کالز دیکھ کر دل مسوس کر رہ جاتی۔

اللہ اللہ کر کے آپا کسی قابل ہوئیں تو میری خلاصی ہوئی اماں مجھے لینے آئی تھیں۔ چھوٹی کے لیے اپنی بساط بھر چیزیں لائی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر آپا کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ آگئی تھی۔ سچ کہتے ہیں میکے کی طرف سے آئی معمولی چیزوں کی بھی اپنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ اماں نے خرچے میں سے ایک ایک پیسا جوڑ کر سب کچھ خریدا تھا۔ اسی لیے آپا کو ان چیزوں کی قدر بھی تھی اور خوشی بھی۔ آپا کی ساس' اماں اور سخاوت بھائی میں راز و نیاز بھی ہوئے۔ اماں مجھے اس رشتے میں راضی دکھائی دیں اس دفعہ تو سخاوت بھائی نے اماں کی اچھی خاصی خاطر داری بھی کر ڈالی آخر کو اتنی سگھڑ' سلیقہ شعار' خوب صورت سالی کا اپنے بھائی کے لیے رشتہ جو درکار تھا۔ اماں نے سوچنے کا ٹائم مانگا اور مجھے لے کر وہاں سے چل دیں۔ آتے وقت آپا "میری دیورانی" کہہ کر میرے گلے لگی تھیں اور میں شرما کر دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اپنے گھر آکر زندگی کے معمولات شروع ہو گئے۔ ایف اے کر کے میں نے گھر کے حالات دیکھتے ہوئے پڑھائی کے سلسلہ کو بالکل ہی منقطع کر دیا تھا اور ووکیشنل ٹریننگ سنٹر سے سلائی کا چھ ماہ کا کورس کر کے محلے کی ہی خواتین کے کپڑے سلائی کرنے لگی تھی۔ میرے سینے میں نفاست تھی۔ مہارت و نفاست سے کپڑے سیتی تو اکثر خواتین منہ مانگے دام دے جاتیں' اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی چھوٹے دونوں بہن بھائیوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کر کے ان کے چہروں خوشی کی جو رمق نظر آتی' وہ میری دن بھر کی سلائی مشین پر بیٹھنے کی تھکن کو لمحوں میں اڑنچھو کر دیتی۔ چھوٹی کو بھی میں نے کپڑوں کی کٹائی سلائی سکھانی شروع کر دی تھی۔ میں مقدور بھر ابا کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی۔ اماں نے میرے سلائی کے پیسوں سے ایک بڑی کمیٹی ڈال دی تھی جو بوقت ضرورت کام آ سکتی تھی۔

مجھے آپا کے یہاں سے آئے ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے کہ سخاوت بھائی اپنے بڑے بھائی بھابھی کو لے کر ہمارے ہاں آن ٹپکے' وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے۔ اماں نے ان کی حتی المقدور آؤ بھگت کی' مگر جب انہوں نے رشتے کی بات کی تو اماں نے رسان سے انکار کر دیا۔ اماں سے انکار کی توقع کسی کو بھی نہ تھی سب

بھونچکا رہ گئے۔ بھابھی ناصرہ کو تو اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا' کہ اماں نے انکار کا ہی لفظ منہ سے ادا کیا ہے۔ وہ تو سوچ بیٹھی تھیں کہ ادھر ہم نے رشتہ دیا اور ادھر فٹ سے اثبات میں جواب آئے گا اور اتنے دنوں سے پیٹ میں جو باتوں کے مروڑ اٹھ رہے تھے وہ سب باتیں باہر نکل آئیں گی' مگر یہاں تو اماں نے ایسا کوئی موقع ہی نہیں ہاتھ آنے دیا۔

"خالو! سوچ لیں لڑکا اچھا کھاتا کماتا ہے' شکل و صورت کردار کسی میں بھی کوئی عیب نہیں' ایک رشتہ پہلے بھی دے چکے ہیں' کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا ہم نے آپ کو۔" صداقت بھائی ماتھے پہ چتون ڈالے بولے۔ ان کی بات کے جواب میں ابا خاموش رہے' اماں نے ہی ہمت کی۔

"صداقت بیٹا! ہمیں آپ سے کوئی گلہ نہیں' ہماری بٹی آپ کے گھر میں خوش ہے' ہمارا دل مطمئن ہے۔ مگر بیٹا بات یہ ہے کہ میری خالہ زاد بہن نے بھی اپنے بیٹے کے لیے رشتہ مانگا ہے' لڑکے کا شوروم ہے' مختصر سی فیملی۔ تمہاری طرح عزت دار اور کھاتے پیتے لوگ ہیں بڑی چاہت سے انہوں نے میری ندا کا ہاتھ مانگا ہے۔ میں آج کل میں سخاوت بیٹے تم سے بات کرنے ہی لگی تھی' تمہاری رضا کے بغیر تو ہم یہ رشتہ طے نہیں کر سکتے تھے نا۔"

"اگر میری رضا کے بغیر یہ رشتہ طے نہیں کر سکتے تو پھر میری رضا اسی میں ہے کہ اس رشتے سے انکار کر دیں ورنہ آج کے بعد میرا اور میرے بیوی بچوں کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" سخاوت بھائی غصے سے بولے۔

"یوں جذباتی نہیں ہوتے تحمل سے کام لو بیٹا۔" ابا نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تھپتھپایا' مگر انہوں نے غصے سے ابا کا ہاتھ جھٹک دیا۔

سخاوت بھائی غصے سے تن فن کرتے "فوراً" ہی جانے کے لیے تیار ہو گئے' ابا نے بہت زور لگایا کہ کل چلے جائیں لمبا سفر ہے رات ہونے کو ہے مگر سخاوت بھائی نے ایک نہ مانی۔

"جس گھر میں داماد کی سنی ہی نہ جائے اس گھر میں میرے لیے ایک لحہ بھی گزارنا ذلت ہے۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے گیٹ پار کر گئے ان کے پیچھے ان کے بھائی بھابھی بھی خاموشی سے چل دیے۔ اماں ابا چپ چاپ وہیں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

یہ کیا کر دیا اماں نے وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ دلاور مجھے پسند کرتا ہے' میری آنکھوں میں بھی وہ محبت کے رنگ دیکھ چکی ہیں پھر وہ کیسے انکار کر سکتی ہیں۔ اماں نے تو ہر حال میں اولاد کی خوشی کو ہی مقدم جانا' پھر آج انہوں نے میرے دل کو اذیت بخشنے کا فیصلہ کیوں کر لیا تھا۔ میں زرد پڑتے چہرے کے ساتھ آنکھوں پہ بازو رکھے ذہنی اذیت میں جتلا تھی۔

"تم اس اندھیرے میں پڑی کیا کر رہی ہو' باہر نکلو مغرب کا وقت ہو رہا ہے چل کر وضو کی تیاری کرو۔" اماں نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ آن کی اور لاپروائی سے کہتی ہوئیں باہر نکل گئیں۔ میں ان کی بے حسی پر کٹ کر رہ گئی۔ رات کو دلاور کا فون آیا تو میرے ضبط کے بند ٹوٹ گئے اس کا لہجہ بھی مضمحل اور افسردہ تھا۔

"یہ کیا کر دیا تمہاری اماں نے' وہ ہم دونوں کی پسندیدگی کے بارے میں جانتی ہیں' پھر انہوں نے کس طرح یہ فیصلہ کیا۔ کیا انہیں تمہاری خوشی عزیز نہیں۔"

"مجھے کچھ معلوم نہیں دلاور۔ مجھے صد فیصد امید تھی کہ اماں کا جواب اقرار میں ہی ہو گا' مگر عین وقت پر اماں نے پتا نہیں کیوں انکار کر دیا۔" میرے آنسوؤں میں ڈوبے لفظوں پر وہ تڑپ اٹھا۔

"تم فکر نہ کرو تم میری ہی ہو' کسی میں اتنی جرات نہیں کہ تمہارا خیال بھی دل میں لائے۔ تم صرف میرے دل کی ملکہ ہو اور گھر کی مالکن بھی تم ہی ہو گی۔" اس کی بڑک نے میری ہمت بندھائی اور میں رونا دھونا چھوڑ اپنے سلطان راہی کے لفظوں کے سحر میں کھونے لگی۔

☼ ☼ ☼

میں بے دلی سے کپڑے سلائی کر رہی تھی چھوٹے بہن بھائی اسکول گئے تھے اماں کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں تھیں۔

میرا ذہن الجھا ہوا تھا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا "پتا نہیں سخاوت بھائی نے آپا کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔" اسی دم پاس رکھا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پر آپا کا نمبر جگمگا رہا تھا میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون ریسیو کیا تو آپا سپاٹ آواز میں بولیں۔

"اماں سے بات کرواؤ۔" میں نے چپ چاپ اماں کو فون دے دیا ان کے درمیان پتا نہیں کیا بحث و مباحثہ ہوا۔ فون بند کرنے کے بعد اماں مجھے خاصی متفکر دکھائی دیں۔

"اماں کیا بات ہے آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔" میں نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

"بیٹیوں کی ماؤں کی زندگی ہمیشہ پریشانیوں کے سمندر میں غوطے کھاتی رہتی ہے سخاوت نے تمہاری بہن کو میکے چھوڑنے کی دھمکی دی ہے۔ وہ رو رہی تھی کہ اماں کچھ سوچیں میرا گھر برباد ہو جائے گا بھلا بتاؤ ہماری بیٹی ہے ہم دیں نہ دیں کوئی زور زبردستی ہے کیا۔"

"اماں! آپا کا دیور بہت اچھا ہے۔ آپا کا بہت خیال رکھتا ہے۔ بچوں کی بھی سو ضرورتیں پوری کرتا ہے۔" میری وکالت کرنے پر اماں نے مجھے چونک کر دیکھا۔

"لڑکا تو میرے بھی جی کو لگا ہے امید ہے تمہیں خوش رکھے گا، مگر ایک گھر میں دو بیٹیاں دینے کی میں قائل نہیں ہوں۔ بہنوں میں وہ پہلی سی محبت نہیں رہتی دیورانی جٹھانی کے رشتے کے جلاپے کا دیا دل میں جلا ہی رہتا ہے۔ بہنوں میں اگر محبت ہو تو بھائیوں میں ان بن ہونے کی وجہ سے ایک ہی محلے میں رہتی بہنیں ایک دوسرے کو دیکھنے سے بھی ترس جاتی ہیں۔"

اماں کا اپنا تجربہ بول رہا تھا تایا ابو ہمارے خالو بھی تھے مگر ابا سے ان کی کبھی نہ بنی جس کی وجہ سے خالہ ہم سے محبت ہونے کے باوجود مل نہیں سکتی تھیں چوری چوری کبھی کبھار ملنے آتیں تو دونوں بہنیں گلے لگ کر خوب آنسو بہاتیں۔

"اماں ضروری نہیں کہ سب ایک جیسے ہوں سخاوت بھائی کے سب بھائیوں میں بڑا اتفاق ہے" میں اماں کی برین واشنگ کرنے لگی۔

"میں سب جانتی ہوں کتنا اتفاق ہوتا ہے بھائیوں میں۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولیں اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئیں۔ میں نے مشین سائڈ پر کھسکائی اور کپڑے سمیٹ کر شاپر میں ڈالے میرا دل اب کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ پتا نہیں اماں کیا سوچے بیٹھی تھیں میں کمرے میں آکر لیٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

کتنے ہی دنوں تک اماں، ابا اور آپا کے درمیان مذاکرات ہوتے رہے۔ میرے دل نے صرف دلاور کے نام پہ ہی دھڑکنا سیکھا تھا۔ میرے دل اور دلاور کا رشتہ چند مہینوں میں ہی ایسا مضبوط ہو چکا تھا کہ کسی اور کے لیے سوچنا بھی میرے لیے سوہان روح تھا۔ دل میں اندیشے لیے میں پژمردہ چہرے کے ساتھ کاموں میں مصروف رہتی۔ دلاور کے ڈھارس بندھے جملے میرے دل کو ڈھارس دیتے رہے۔ ناامیدی کی جگہ امید کی کرنیں دل میں کبھی روشن ہوتیں اور کبھی مدھم پڑنے لگتیں۔ یہ محبت بھی کیا شے ہے پل میں دل کی دنیا بدل کر رکھ دیتی ہے محبت حاصل ہو جائے تو لگتا ہے دنیا کی ہر نعمت ہمیں حاصل ہو گئی اور اگر محبت سے محرومی دیکھنی پڑ جائے تو دل اندھیر نگر میں آباد ہو جاتا ہے، پھر کوئی خوشی کوئی روشنی اس کے دل کو اجالوں کا رستہ نہیں دکھا سکتی۔ میرا دل امید و بیم کے پنڈولے میں تھا۔

آخر کار اماں نے باخوشی یا بادل ناخواستہ دلاور کو اپنا داماد بنانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا اور میں جیسے خوشبوؤں و ہواؤں کا سفر کرنے لگی جس سنگ یاری لاگی تھی اس کے ساتھ رہنے کا خیال کیسا انبساط بخشتا ہے، کوئی یہ اس وقت میرے دل سے پوچھتا۔ سادگی سے منگنی کی رسم ہوئی، کوئی فنکشن نہیں ہوا۔ سال بعد اماں نے

شادی کا فیصلہ کیا تھا' سب اس پر راضی ہو گئے۔ یہ سال شادی کی تیاریاں کرتے آئندہ دنوں کے خوش کن خیالوں میں ایسے پنچھی کی طرح گزرا جسے اپنی منزل پر پہنچنے کی بہت جلدی ہو۔ میں آپا کی دیورانی بن کران کے گھر کو اپنے خوب صورت سراپے سے رونق بخش چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

پتا نہیں کون کون سی فضول رسموں کے بعد مجھے میرے گوشۂ عافیت میں جانا نصیب ہوا میں نے پرسکون ہو کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور کمرے کا ناقدانہ جائزہ لینے لگی۔ پورا کمرا رنگ برنگے ربنوں اور چمکیلے و بھڑکیلے رنگوں کے پھولوں سے عجیب ہی منظر پیش کر رہا تھا۔ فریش فلاورز کا نام ونشان تک نہ تھا۔ میرا دل کٹ کر رہ گیا فریش فلاورز سے سجا' خوشبوؤں سے مہکتے کمرے کی کمی نے میرے دل کو اداس کر دیا' مگر اگلے ہی پل دلاور کی آمد نے میرے دل پہ چھائی اداسی کی کیفیت کو بدل ڈالا۔ اس کی وارفتگی اور خوشی نے مجھے مسرور کر دیا۔ محبوب کو پالینے کا نشہ دونوں کو ہی اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ دلاور نے مجھے پچاس ہزار رونمائی میں دیے تھے' میرا تو دل اتنی بڑی رقم دیکھ کر تیزی سے دھڑکنے لگا۔ تاہم دل میں یہ خواہش بھی تھی کہ وہ گولڈ کی کوئی چیز اپنے ہاتھوں سے مجھے پہناتا تو تاعمر ذہن کے گوشے میں یہ لمحے محفوظ ہو جاتے میرے معمولی سے شکوے پر وہ بولا۔

"بھئی اپنی پسند سے تم جو چاہے خریدنا جب خریدو گی جان' دلاور کو اپنے ہاتھوں سے پہنا دوں گا۔" اس کے مخمور ہوتے لہجے نے میری شرم اور مسکراہٹ میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔

اپنی نئی زندگی کی نئی روشن صبح مجھے بڑی اجلی لگی تھی دلاور نے اٹھتے ہی مجھ سے رات والے پچاس ہزار کا مطالبہ کیا تھا۔

"وہ کیوں...؟" میرے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"بھئی سمجھا کرو نا شادی والا گھر ہے سو طرح کے لوگ آتے ہیں' تم کہاں رقم سنبھالتی پھرو گی۔ ابھی پار لروالی آجائے گی پھر تم اپنی اماں کے ساتھ اپنے گھر چلی جاؤ گی راستے میں بھی دھڑکا لگا رہے گا۔ اس لیے فی الحال میں رکھ لیتا ہوں بعد میں تم اپنی امانت واپس لے لینا۔"

اس کی بات سن کر میں نے چپ چاپ دراز میں رکھے پیسے اس کے ہاتھوں میں تھما دیے اور وہ لے کر کمرے سے ہی نکل گیا میں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ میرے پاس اپنی سہیلیوں کزنز کو رونمائی کا گفٹ دکھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼
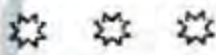
شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی دلاور کے ساتھ ایک خوش حال و خوش گوار ازدواجی زندگی گزارنے کا خیال دم توڑ چکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ زندگی گزارنے کے جو سہانے سپنے میری آنکھوں میں سجائے تھے اپنی کنجوس فطرت کے سبب بے دردی سے نوچ ڈالے تھے۔ وہ بھی اپنے باقی بھائیوں کی طرح پیسے کا عاشق نکلا۔

"اگر پیسے ہی سے عشق کرنا تھا تو مجھ سے دل لگانے کی کیا ضرورت تھی۔" میں جل کر بولی۔

"ارے پیسا وہ خوشی تو نہیں دے سکتا جو تمہارا خوب صورت سراپا اور باتیں مجھے سکون بخشتی ہیں۔" اس نے میرے گھنیرے بالوں کو ہاتھوں سے چھوا تو میں اسے گھور کر رہ گئی۔ وہ باتوں سے ہی پیٹ بھرنے والا شخص تھا۔

ہنی مون پر لے جانا تو بہت دور کی بات' اس نے تو میرے رونمائی کے دیے پیسے بھی واپس نہ کیے۔ کتنی ہی مرتبہ مانگے' مگر ہر مرتبہ ایک ہی جملہ سننے کو ملتا۔

تمہاری رقم کاروبار میں لگا دی ہے رقم بڑھ رہی ہے منافع سمیت دوں گا۔" اس کی باتیں سن کر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔

"ہاں اس منافع کی رقم سے میرا مزار بنوا دینا جس کی نوبت جلد ہی آنے والی ہے۔" میں دل میں سوچ کر رہ

جاتی۔

میں جو اپنے آپ کو بڑی چالاک وہشیار سمجھتی تھی دلاور کو پرکھ نہ سکی۔ کمبخت نے مجھے پھانسنے کے لیے روپیہ پانی کی طرح بہایا اور لڑکیوں نے تو ویسے ہی اچھے گھر اور اچھے بر کا سپنا آنکھوں میں سجا رکھا ہوتا ہے۔ میں بھی اس کی محبت اور اتنا خیال رکھنے پر اس کی طرف ربڑ کی طرح کھنچی چلی گئی تھی۔ ایک بار بھی نہ سوچا کہ کہیں یہ سب دکھاوا تو نہیں۔ میں غصے میں بڑبڑاتی کمرے میں لٹکی لڑیوں اور دیواروں پر سجے ویل کم میرج کے پھیکے ہوتے اسٹیکرز اتارنے لگی۔

"یہ کیا کر رہی ہو۔۔۔؟ بڑی بے وقوف ہو تم سارے کمرے کی سجاوٹ کو منٹوں میں ادھیڑ ڈالا۔ اندازہ بھی ہے کتنا پیسا خرچ ہوا تھا اس پر۔"

"بہت اچھی طرح اندازہ ہے مجھے' پورے چھ ماہ ہو گئے ہیں ان کی قیمت کب کی وصول ہو چکی ہے۔"

میں نے ساری سجاوٹ سمیٹ کر ڈسٹ بن میں پھینکی اور کمرے میں جھاڑو لگانے لگی۔

"کم از کم ایک سال تو لگی رہنے دیتیں بالکل نئی پڑی ہیں ایسا لگتا ہے جیسے کل ہی لگی ہوں۔" وہ ڈسٹ بن میں پڑی لڑیوں کو ایسی حسرت سے دیکھنے لگا کہ جیسے کسی نو عمر کو کسی ظالم وجابر انسان نے بغیر کسی خطا و قصور کے بے دردی سے مار ڈالا ہو اور اس کے لواحقین غم واندوہ کی تصویر بنے اس کا آخری دیدار کر رہے ہوں۔

"ایک سال۔۔۔" اس کی بات سن کر میری آنکھیں ابل پڑیں۔ "کیا میری برسی منانے کا ارادہ رکھتے ہو تم ان خس وخاشاک میں۔" میں جھاڑو رکھ کر پھنکاری۔

"تم سے تو بات کرنی ہی فضول ہے تم کہاں پیسے کی قدر کرو گی' اماں نے ٹھیک ہی کہا تھا لڑکی مجھے بہت فضول خرچ لگ رہی ہے۔ ان کے قیافے کتنے درست ثابت ہوئے ہیں تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے۔"

"کاش میرے قیافے بھی درست ثابت ہوتے جو میں نے تمہاری باتوں اور انداز دیکھتے ہوئے لگائے تھے۔" میں اسے گھورتی ہوئی ہاتھ دھو کر کمرے سے باہر نکل آئی اور نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔

"یہ تم کیوں بے وقت کا راگ الاپ رہے ہو" میں نے اسید اور اسامہ کو روتے دیکھ کر پوچھا۔

"بھوک لگ رہی ہے ان کو۔"

"تو دو نا بچوں کو کھانے کو۔"

"کیسے دوں تمہارے بھائی صاحب کا حکم ہے شادی میں جانا ہے۔ اگر اب کھا لیا تو شادی کا کھانا کیا خاک کھائیں گے" آپا کی بات سن کر میں نے ماتھا پیٹ لیا' اللہ ہی سمجھے گا ان بنیوں کو تو۔ شادی رات کی ہے' بچوں کو سر شام سے ہی بھوکا رکھا ہوا ہے۔

"چلو آؤ میرے ساتھ۔" میں ان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے آئی میں نے نہاری بنائی تھی۔ شکر تھا کہ کھانے پکانے کے معاملے میں دلاور نے ہاتھ کھلا ہی رکھا تھا۔ میں بھی روز نت نئی ڈشز بناتی اور آپا کے بچوں کی خوب موج ہوتی۔ باقی جٹھانیوں سے میں لیے دیے ہی رہتی وہ بھی میرا مزاج دیکھ کر میری طرف کم ہی آتیں' نیچے سے ہی ہو کر چلی جاتیں۔

"پیٹ بھر کر کھاؤ اور خوب کھیل کود کر کے کھانا ہضم کر لینا ورنہ شادی میں کھانا نہیں کھاؤ گے تو اپنے ابا کی ڈانٹ ضرور کھاؤ گے۔" میں بچوں کو کہتی پھر سے آپا کے پاس چلی آئی۔

"آپا ویسے ہمارے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہوا ہے تمہاری مرتبہ تو چلو ہمیں کچھ اندازہ ہی نہیں تھا' مگر اس دلاور کو دیکھو کیسی کینچلی بدلی ہے۔"

"صحیح کہہ رہی ہو میں تو پھنسی تھی تمہیں بھی اس عسرت کدے میں لے آئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ دلاور صرف تم سے شادی کرنے کے لیے ہم پر اتنی عنایتیں کر رہا تھا۔ باہر سے میرے بچوں کے سوٹ لے لے کر آتا تھا اور اب جبکہ یہاں کڈز گارمنٹس بنائی ہے تو بھی چھوٹی کے لیے بھی ایک سوٹ تک لے کر نہیں آیا۔"

آپا اسوہ کے کپڑے چینج کر رہی تھیں ان کے لبوں سے شکوہ سن کر میں ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

ٹھیک کہہ رہی تھیں دلاور نے یہاں بہت بڑی

گارمنٹس شاپ بنائی تھی خوب چلتی تھی بچوں کے اتنے خوب صورت سوٹ تھے کہ میرا دیکھ کر دل مچل گیا اور میں نے ایک ایک سوٹ آپا کے تینوں بچوں کے لیے نکال لیا مگر دلاور نے تینوں سوٹ میرے ہاتھ سے لے کر یہ کہہ کر سائڈ پر رکھ دیے۔

"نئی نئی دکان بنائی ہے ابھی اس میں سے اتنا کچھ نہیں نکال سکتا۔ برانڈڈ سوٹ ہیں' ہزاروں کی قیمت ہے۔ ایک بھائی کے بچوں کو دیں گے تو دوسرے بھی کب پیچھے رہیں گے اور میں یہ ابھی افورڈ نہیں کر سکتا۔" اس کی بات سن کر میں اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ میں آپا کے پاس سے بے دلی سے اٹھ کر اوپر اپنے پورشن میں چلی آئی۔

☆ ☆ ☆
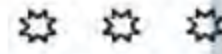
وقت دبے پاؤں گزر رہا تھا اللہ نے میرے قدموں کے نیچے بھی جنت لکھنے کا فیصلہ کر دیا تھا آنے والے خوش کن دنوں کے خیال مجھ میں جینے کی امنگ بھر دیتے' ورنہ اس مشک واژل ہم سفر نے تو مجھے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ انسان کبھی بھی کسی کے ظاہر سے باطن کا اندازہ نہیں لگا سکتا اس بات کا مجھے خوب اندازہ ہو گیا تھا۔

کاش اس دور میں کوئی وہ آئینے تقسیم کرے
جس میں باطن بھی نظر آتا ہو ظاہر کی طرح

صبح سے میری طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی سارے کام جوں کے توں پڑے تھے۔ کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا عجیب بے چینی و بے قراری تھی۔ آپا نے ایک دو مرتبہ آ کر اوپر مجھے دیکھا اور نیچے آنے کا کہہ کر چلی گئیں۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا' میں کسلمندی سے پڑی رہی' ورنہ تو میں کام کاج سے فارغ ہو کر آپا کے پاس چلی جاتی تھی ان کے کاموں میں تھوڑی بہت مدد کروا دیتی اور ساتھ ساتھ باتیں بھی ہوتی رہتیں۔ وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا تھا۔

اماں کا بھی میں خوب خیال رکھتی تھی ان کے سر کی مالش کرتی نہلا دھلا کر استری شدہ کپڑے دیتی۔ ان کے پلنگ کی چادر ہر دوسرے روز بدلتی' گوری چٹی اماں صاف ستھری بڑی پیاری لگا کرتیں اور جس دن وہ سفید امبرائیڈڈ سوٹ پہنتیں تو بڑی ہی مقدس لگا کرتیں نظریں بار بار ان کے چہرے پر ٹھہر جاتیں' میں ان کی تعریف کرتی تو وہ شرما جاتیں۔

"ساری دنیا میرے حسن کے قصیدے پڑھتی تھی ایک تمہارے ابا کو ہی میری خوب صورتی نظر نہ آئی' مجال ہے جو کبھی دن کے اجالے یا شب تنہائی میں انہوں نے کبھی میری دل کھول کر تعریف کی ہو' ساری عمر میرے کان ترس گئے ان کی تعریف کے دو بول سننے کو۔ بہشتی گور میں جا سوئے مگر اپنی قسم نہ توڑی۔" اماں کے لبوں پر شکوہ بج جاتا تو میری ہنسی نکل جاتی۔

یہ عورت بھی سدا کی مرد کی ستائش کی بھوکی ہے۔ ساری خوب صورتی' ہار سنگھار بے کار جاتا ہے گر چاہنے والا اسے نہ سراہے۔

ان کی رگ رگ میں کنجوسی سرایت کرتی ہو گی اس لیے تعریف کے معاملے میں بھی کنجوس رہے ہوں گے میں محض سوچ کر رہ گئی۔

شکر ہے دلاور اس معاملے میں اپنے ابا پر نہیں گیا تھا وہ میری خوب تعریفیں کرتا میرے حسن کو سراہتا' میرے پرکشش سراپے اور خوب صورتی پر وہ فدا تھا میں اسی میں خوش ہو جاتی۔ ایک لفظوں ہی کی تو فراوانی تھی اس کے پاس۔ پیسوں کی برسات مجھ پر کرے نہ کرے لفظوں کی بارش میں مجھے خوب بھگوتا۔ روپوں کی تو ہمیشہ کن من ہی رہی ذرا سی برسی پھر تھم گئی۔

"ہا... میری قسمت۔" میں اپنی سوچوں میں غلطاں تھی کہ درد کی تیز لہر نے میرے پورے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے گھبرا کر آپا کو آواز دی اور وہ دوڑی چلی آئیں۔ میری تکلیف کی شدت دیکھتے ہوئے انہوں نے دلاور کا نمبر ملایا اور موبائل میرے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے دلاور جلدی آؤ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" میں درد سے کراہتے

ہوئے بولی تو میری بات سن کر وہ بگڑ گیا۔
"اوہو ندا تم بھی نا بالکل ہی کم ہمت ہو معمولی معمولی تکلیفوں پر شور مچانا شروع کر دیتی ہو۔ آئے روز ڈاکٹروں کے چکر۔ ابھی لمبا عرصہ پڑا ہے تھوڑی برداشت پیدا کرو اپنے اندر۔"
"میں کافی دیر سے برداشت کر رہی تھی۔" میں دانت چبا کر بولی۔
"میں فی الحال تمہیں ڈاکٹر کے نہیں لے جا سکتا فضول میں اتنا اتنا بل بنا دیتے ہیں روز روز میں یہ خرچے افورڈ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی آج ہی دکان کا مال آیا ہے میں اس میں مصروف ہوں۔" کہہ کر فون آف کر دیا۔
اس کی بات نے میرے پورے وجود میں شرارے بھر دیے۔
کتنا روپے کا پجاری ہے' لوگ اولاد کی نعمت کو ترستے ہیں پیشانیاں رگڑتے ہیں پھر بھی اس خوشی سے محروم رہتے ہیں اور اس کو اللہ بن مانگے دے رہا تھا اور اسے قدر ہی نہیں تھی۔ دکان کی فکر تھی' روپوں کے خرچ ہو جانے کی فکر تھی دنیا کی تمام نعمتیں بھی اولاد کے سامنے ہیچ ہیں اور اس شخص کو اس نعمت کا ادراک ہی نہیں ہے۔ میں اپنی تکلیف بھول چکی تھی اس کے الفاظ کی اذیت نے میرے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا میرے اندر ایک الاؤ دہک رہا تھا۔
"ندا اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے' لے کے چلتی ہوں' دلاور نہیں لے کر جاتا تو نہ جائے' تم میرے ساتھ چلو دیر نہ کرو خدانا خواستہ کوئی مسئلہ ہی نہ ہو جائے۔" آپا تشویش سے بولیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی سعی کی۔
"نہیں آپا میں اب ڈاکٹر کے نہیں جاؤں گی' جس کی اولاد جب اسے ہی فکر نہیں ہے تو آپ کیوں تردد کریں۔" میں نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ غصے سے میری حالت بری تھی۔
"خدا کرے تم ہمیشہ کے لیے اس نعمت سے محروم ہو جاؤ' دولت و روپے پیسے کا ڈھیر تمہارے پاس ہو مگر جن پر خرچ کیا جائے ان سے تم محروم ہی رہو پھر دیکھوں گی دلاور کہ تمہیں یہ روپیہ کتنی راحت اور سکون دیتا ہے۔" بہتے آنسوؤں سے میں نے اسے بد دعا دی۔ خوشی آپا نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"پاگل ہوئی ہو یہ بچہ تمہارا بھی ہے۔ تم اپنے آپ کو خوشی سے محروم ہونے کی بد دعا دے رہی ہو۔ ہوش کرو اور اٹھو اب ایک بھی فضول لفظ منہ سے نہ نکالنا۔" انہوں نے زبردستی مجھے چادر اوڑھائی اور اماں کو بتا کر مجھے ڈاکٹر کے لے کر چل دیں۔

☼ ☼ ☼

میں مکمل بیڈ ریسٹ پر تھی ڈاکٹر نے مجھے آرام بتایا تھا آپا میرا ہر طرح سے خیال رکھتیں۔ دلاور کے اس دن کے رویے نے مجھے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا وہ محبت جو اس کے لیے میرے دل میں بسی تھی اپنا ٹھکانا چھوڑ چلی تھی۔ عورت اپنے اوپر ہر ستم سہ لے گی سب زیادتیاں برداشت کر لے گی مگر اپنی اولاد کے ساتھ کی گئی زیادتی کبھی فراموش نہیں کر پاتی اور یہی حال میرا تھا۔ دلاور نے مجھے اپنے لفظوں سے منانے کی بہت کوشش کی عذر پیش کیے میرے لیے پھلوں' جوسز کا ڈھیر لگا دیا' مگر میرا دل مرجھا چکا تھا۔ میں نے چپ کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور میری یہ چپ دلاور کو کھائے جا رہی تھی۔ میرے اندر سے جینے کی امنگ جیسے ختم ہوتی جا رہی تھی۔ نہ مجھے اپنا خیال رہا تھا نہ اپنے وجود میں پلنے والی جان کا۔ سارا سارا دن کھائے پیے بغیر گزر جاتا دو دو دن کپڑے نہ بدلتی۔ ملگجے حلیے میں بس بستر پر پڑی رہتی۔
دلاور نے بھی تنگ آ کر مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیا تھا۔ ہمارے درمیان ایک خاموش و سرد جنگ جاری تھی نہ رات کا فسوں ہمارے درمیان قربت پیدا کر سکا نہ دن کے اجالے میرے دل میں دلاور کی طرف سے چھائے غبار کو کم کر سکے۔
طبیعت قدرے بہتر ہوئی تو روزمرہ کے کاموں کو کسی روبوٹ کی طرح سرانجام دینے لگی۔ آپا مجھے

سمجھاتیں کہ اپنا خیال رکھا کرو۔ تم دونوں کے بیچ یہ سرد مہری آخر کب تک رہے گی۔ ازدواجی زندگی میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے 'مرد کو اس کے حال پر مت چھوڑو۔ مرد چند دن عورت کی کج ادائی محسوس کرتا ہے اس کے بعد عادی ہو جاتا ہے اور یہ عادی ہو جانا عورت کے لیے گھر میں دراڑیں پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے دراڑیں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ اور پھر یہ دراڑیں 'دروازوں کی شکل اختیار کر کے بڑے آرام سے دوسروں کو اندر آنے کا راستہ دے دیتی ہیں۔ یہ دنیا ہے یہاں لوگ تاک لگائے بیٹھے ہوتے ہیں ہوش کرو اپنے گھر پر اور اپنے شوہر پر توجہ دو۔" آپا پیار سے سمجھاتے ہوئے میری چوٹی کے بلوں کو کھولنے لگیں۔

"دیکھو تو ذرا بال سارے کیسے الجھے ہوئے ہیں۔"

"بال کیا میری تو پوری زندگی الجھ کر رہ گئی ہے۔"

"ناشکری نہ کرو بہت کچھ میسر ہے۔ تمہیں 'دلاور اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا برا سلوک تم اس کے ساتھ کر رہی ہو۔"

"برا سلوک میں کر رہی ہوں۔" ان کی بات سن کر میں پھٹ پڑی۔

"سب کچھ جانتے بوجھتے آپ اپنی بہن کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔"

"میں تمہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا رہی تمہیں زندگی کے حقائق بتا رہی ہوں۔ اپنے بہنوئی سخاوت کا رویہ تمہارے سامنے ہے کبھی مجھ پر یا بچوں پر توجہ نہیں دی۔ بیوی کو محبت و عزت کے چند جملوں سے آشنا نہیں کرایا۔ معمولی سی غلطی پر تضحیک بھرے جملوں سے میرا وجود ادھیڑ دیتا ہے۔ جس کو سوائے کمانے اور جمع کرنے کے کسی میں دلچسپی نہیں ہے۔"

"تو دلاور بھی تو یہی کر رہا ہے کبھی اس نے میری خواہشات جاننے کی کوشش کی ہے۔ بے دردی سے میری چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اسے انسان سے زیادہ پیسا عزیز ہے۔"

"اگر اسے پیسا عزیز ہے تو تمہیں بھی تو پیسے میں دلچسپی ہے۔ اصل میں تو تم دونوں نے ہی ایک دوسرے کو فریب دیا ہے۔ تمہیں اس کی ذات سے محبت نہیں تھی تم فقط اس کے روپے پیسے کو دیکھ کر ہی اس کی طرف جھکی تھیں۔ اگر اس نے تمہیں عیاشی کا لالچ دے کر لبھایا ہے اور اب ہاتھ کھینچ لیا ہے تو صرف اسی کو مورد الزام نہ ٹھہراؤ۔ فریبی تو تم بھی ہو۔ تم دونوں ہی دھوکے باز انسان تھے۔ دلاور سے شکوہ کرنے کی بجائے اپنا محاسبہ کرو کہ کیا تم اس کے ساتھ صحیح کر رہی ہو۔" آپا نے میرے بال سلجھا کر دوبارہ چوٹی میں بل ڈالنے شروع کیے۔ اتنے بل انہوں نے چوٹی میں نہیں ڈالے تھے جتنے بل میری پیشانی پر ان کی بات سن کر پڑے تھے۔

"میں نے اس کے ساتھ ایک پر تعیش زندگی گزارنے کا سوچا تھا اور یہ کوئی میرا بہت بڑا گناہ نہیں ہے۔ ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے کہ اس کا جیون ساتھی اسے ایک آسائش بھری زندگی دے۔ گناہ تو اس نے کیا ہے میری امیدوں کو توڑا ہے اس نے۔"

"چلو تمہاری ہی بات صحیح مان لیتی ہوں مگر یہ بھی تو سوچو یہ سب کچھ تمہارا اور تمہاری اولاد کا ہی تو ہے' آج نہیں تو کل یہ سب کچھ تم پر ہی خرچ کرے گا۔ ان کٹھن دنوں کو صبر سے گزار لو۔"

"پھر کیا فائدہ خرچ کرنے کا جب انسان کی طلب ہی ختم ہو جائے۔ وقت پر اگر خواہشیں پوری نہ ہوں تو وہ سسک سسک کر ختم ہو جاتی ہیں پھر خواہشوں کے مقبروں پر جتنے بھی خوش نما پھول چڑھا دیے جائیں 'سب کے رنگ و خوشبو ماند ہوتی ہے۔ چاہے وہ کھلے رہیں یا مرجھا جائیں 'مدفون خواہشوں کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔" تلخیاں میرے لبوں سے باہر نکل رہی تھیں آپا میری طرف تاسف سے دیکھنے لگیں۔

"دولت سے کبھی بھی زندگی کی خوشیاں خریدی نہیں جا سکتیں تم دونوں اگر ایک دوسرے کی سنگت میں خوش ہو۔ تو یہی لمحے تمہاری اصل دولت ہیں۔ سونے کا نوالہ کھلا کر اگر وہ تمہیں جوتے کی نوک پر رکھتا تو کیا تم پر سکون رہ سکتی تھیں۔ انسان سدا کا ناشکرا ہے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس پر صبر و شکر کرنے کی بجائے

مزید کی طلب کرنے لگتا ہے اور اسے ان نعمتوں کا احساس جب ہوتا ہے جب وہ اس سے چھین لی جاتی ہیں۔" انہوں نے کنگھے میں سے بال نکالے اور ڈسٹ بن میں پھینک کر چلی گئیں میں آپا کی باتوں کے پیچ و خم میں الجھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

صبح سے چھاجوں مینہ برس رہا تھا بادل گھر گھر کر آ رہے تھے۔ ہر چیز نکھری و دھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ موسم بے حد خوش گوار ہو گیا تھا۔ میں کمرے سے باہر نکل آئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی بارش کے تیزی سے آتے قطروں نے مجھے پل میں بھگو ڈالا۔ میں وہیں چھت پہ کرسی پر آنکھیں موند کر بیٹھ گئی۔ مجھے یوں لگا میرے ذہن و دل پہ چھائی اداسی کی کیفیت کو یہ ابر باراں اپنے ساتھ بہائے جا رہا ہے۔ میرا من شانت ہوتا جا رہا تھا۔ ذہن کو کچھ سکون ملا تو آپا کی باتوں نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ میں نے ان کی باتوں کو جانچا اور اپنا محاسبہ کیا تو ان کی باتیں صد فیصد نہیں تو زیادہ فیصد سچائی پر مبنی لگیں۔ واقعی میں نے بھی کب دلاور سے محبت کی تھی؟ اس نے مجھے آسائشات کا جال پھینک کر پھنسایا اور میں آسانی سے اس میں پھنس گئی۔ اب میں کیوں پھڑپھڑا رہی ہوں۔ اگر اس نے مجھے پانے کے لیے چال چلی تھی تو دھوکا تو میں نے بھی اسے دیا تھا اسے تو پھر مجھ سے محبت تھی اور محبت حاصل کرنے کے لیے انسان ہر حد سے گزر جاتا ہے، ہر حربہ آزماتا ہے۔ اس نے مجھے حاصل کرنے کے لیے روپے کی جھلک دکھائی اور میں دیوانہ وار اس کی طرف کھنچی چلی گئی۔ وہ تو مجھے اب بھی محبتوں سے نواز رہا ہے میری بے رخی پر تڑپ رہا ہے۔ ہر ممکن طریقے سے مجھے منانے کی کوشش کر رہا ہے مگر میں کٹھور بنی اس کے ضبط کا امتحان لے رہی ہوں۔" میرے دل کو پشیمانیوں نے آگھیرا۔

میری محبت ایک انسان سے، زندگی کے رفیق سے کب تھی۔ ہم سفر نے ذرا روپوں سے ہاتھ کھینچا اور میں اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ پیسے کا پجاری اگر دلاور ہے تو پیسے کی پجارن تو میں بھی ہوں۔ پھر مجھے اس سے شکوہ کیوں ہے۔ انسان کو اپنی نیت کا پھل ملتا ہے اور میری نیت ٹھیک ہی کب تھی ضمیر خود ہی اپنا احتساب کرنے لگا۔ میں شرمندہ سی دلاور کے بارے میں سوچ جا رہی تھی اور اس کی محبت میرے دل پہ غالب آتی جا رہی تھی میں اس کے چاہت کی شیرینی میں ڈوبے لفظوں کو سوچتے ہوئے مسکراتی ہوئی وارڈ روب کی طرف بڑھی۔ آج مجھے اپنے ہم سفر کا استقبال دلکش سراپے اور بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

گولڈن اور ریڈ امبرائیڈڈ سوٹ پہنے میں خاصی دلکش لگ رہی تھی بالوں کو میں نے شانوں پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ نفاست سے کیے گئے لائٹ سے میک اپ میں' میں نے اپنے آپ کو دیکھا تو اپنا بھرا بھرا جسم دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ آج تو دلاور مجھے اس روپ میں دیکھ کر کھل اٹھے گا۔ میرے لبوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ کمرے کے باہر آہٹ ہوئی تو میں سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ دلاور تھکے قدموں سے کمرے میں داخل ہوا اور بیڈ پر دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔ میں جو اس کی طرف خندہ لب بڑھی تھی اس کی سرد مہری نے پل میں میری مسکراہٹ چھین لی۔ اس نے ایک نگاہ بھی میری طرف نہ ڈالی تھی۔ میری ساری تیاری بے کار گئی جس کے لیے بجی تھی اسے پرواہی نہ تھی۔ میں اس بے اعتنائی پر جل کر رہ گئی۔ غصے سے میں نے اپنے لبوں پر سجے شوخ رنگ کو ٹشو پیپر سے رگڑ ڈالا۔ بالوں کو کیچر میں جکڑا۔

"ہونہہ اگر تمہیں میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی تمہاری بے رخی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" میں نے کڑھتے ہوئے وارڈ روب سے سادہ سا سوٹ نکالا اسی دم دروازے پر دستک ہوئی۔ آپا اور سخاوت بھائی سنجیدہ چہرے لیے باہر کھڑے تھے۔ میں نے اندر آنے کا راستہ دیا' دلاور بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میں ان کے حد درجہ سنجیدہ چہرے دیکھ کر حیران تھی

کہ انہیں کیا ہوا ہے۔

"جو نقصان قسمت میں لکھا ہو وہ ہو کر ہی رہتا ہے شکر کرو جو اس پر ہی ٹل گئی سوچو اگر وہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا تا تو کیا کر لیتے تم۔ تم نے بھی تو اس پر اندھا اعتماد کیا ہوا تھا۔" سخاوت بھائی نے دلاور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تو میں نے نا سمجھی کے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

دلاور کی چار لاکھ کی کمیٹی نکلی تھی اس نے ملازم کو لینے بھیجا تھا اس کا ملازم اس دن کی سیل اور کمیٹی لے کر رفو چکر ہو گیا تھا۔ آپا نے مجھے بتایا تو میں بھونچکا رہ گئی ایک ایک روپے کو گن گن کر خرچ کرنے والے شخص کو ایک دم ہی لاکھوں کا نقصان ہو گیا۔ میں نے اتنے بڑے نقصان پر اپنے دل کو ٹٹولا تو میرا دل مجازی خدا کے نقصان پر بالکل بھی افسردہ نہ تھا۔ جس دولت کو اپنے اہل و عیال پر خرچ نہ کی جائے تو وہ ایسے ہی چلی جاتی ہے۔ میں اس کے نقصان پر خوش تو نہ تھی مگر افسردہ بھی نہ تھی۔ آپا اور سخاوت بھائی گئے تو میں نے بھی اس کی دل جوئی کے لیے چند جملے بول دیے۔ میری باتوں کی طرف اس نے کوئی توجہ نہ دی اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ میں نے بھی لائٹ آف کی اور آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼
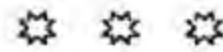
کئی دنوں تک دلاور ملازم کو ڈھونڈنے میں گھن چکر بن گیا، مگر اس کا کوئی اتا پتا نہ تھا جس کے کرائے کے گھر میں وہ رہتا تھا اسے کب کا چھوڑ چکا تھا، کسی دوست کے فلیٹ میں رہائش تھی اور اس دوست کا بھی کچھ پتا نہ تھا۔ لاکھوں روپے ڈوب جانے کے غم میں وہ گھل کر رہ گیا تھا۔ پہلے ہی مخنی وجود تھا اور اب تو وہ حروف تہجی کے الف سے بھرپور مشابہت رکھتا تھا۔ مجھے اس پر ترس آنے لگا' آخر کو وہ میرا مجازی خدا تھا' میری ہونے والی اولاد کا بخیل باپ اور سب سے بڑھ کر میرے پچاس ہزار روپے کا مقروض شخص تھا اور کوئی انسان اپنے قرض دار کو کیسے بھول سکتا ہے' سو میں اس سے خود ہی ہم کلام ہونے لگی اس کا خیال رکھنے لگی۔

سارے بھائی بھابھیاں رات کو رقم ڈوب جانے کا ایسے پرسہ دینے آتے گویا کسی نوبیاہتا نے بیوگی کی چادر اوڑھ لی ہو اور سب کو اس کی جوانی کا غم رلائے دے رہا ہو۔ کئی کئی گھنٹے اسی غم و اندوہ کی کیفیت میں گزر جاتے میں چپ چاپ ایک طرف بیٹھی ان کے درد بھرے جملے سنتی رہتی۔ ناصرہ بھابھی نے تو آئندہ کا لائحہ عمل بھی دلاور کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"بھئی اب یہ اللے تللے ختم کرو بریانی قورمے چھوڑ کر سادہ غذا کھاؤ یونہی پیسا پھونکتے رہے تو کنگال ہو جاؤ گے۔ آج دو ہو کل کو تین ہو جاؤ گے خرچے بڑھیں گے کہاں سے پورا کرو گے۔ دانش مندی اسی میں ہے کہ انسان کفایت شعاری سے کام لے۔" مخاطب وہ دلاور سے تھیں اور نگاہیں مجھ پر ٹکی تھیں۔

"ہونہہ کفایت شعاری۔۔۔!" ان کی نظر میں بخیل پن کفایت شعاری تھا۔ دلاور صرف سر ہلا کر رہ گیا ان کی بات کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا۔

رات گئے نشست برخاست ہوتی تو میں سکون کا سانس لے کر بیڈ پر دراز ہو جاتی۔

ابھی اس واقعہ کو دو ہفتے ہی گزرے تھے کہ نیچے سخاوت بھائی کا واویلا شروع ہو گیا ان کی لکڑی کی الماری میں کہیں سوراخ تھا جس کا فائدہ چوہے میاں نے اٹھا کر سخاوت بھائی کا نقصان کر ڈالا۔ چوہوں نے ان کے نوٹوں کی محنت سے کمائی اور سجائی گئی گڈیوں کو اپنے مشاق دانتوں سے بے دردی سے کتر ڈالا جس طرح لوگ شادی میں کئی اقسام کے کھانوں پر ٹوٹ کے پڑتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا پہلے فرنی کھائیں یا بریانی سے انصاف کریں۔ کبھی چکن پکوڑا منہ میں رکھا تو کبھی چیچ بھر ٹرائفل سے منہ اور مونچھیں بھریں۔ اسی طرح چوہوں نے بھی کبھی ہزار کے نوٹ کا ذائقہ چکھا تو کبھی پانچ سو کے ہرے ہرے نوٹ کی ہریالی میں جا گھسے۔ سب سے زیادہ تو انہیں پانچ ہزار کے کھلے کھلے رنگ نے متاثر کیا تھا۔ پانچ ہزار کا کوئی نوٹ ایسا نہ تھا جس کو نہ چکھنے کی سنگین غلطی ان سے ہوئی ہو۔

سخاوت بھائی تو یہ دیکھتے ہی اسٹور میں غش کھا کر گر پڑے۔ سب ہی ٹوٹکے آزمائے مگر انہیں ہوش نہ آیا آخر کار محلے کے ڈسپنسر کی خدمات حاصل کی گئیں۔

"چوہے۔۔۔ میری عمر بھر کی ریاضت۔۔۔" کے الفاظ منہ سے ادا کرتے وہ ہوش میں آئے تو ڈسپنسر نے نا سمجھی کے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ صداقت بھائی نے اس کی فیس شام کو دینے کا وعدہ کر کے انہیں رخصت کرنا چاہا، مگر وہ ان کی عادات سے بخوبی واقف تھا۔

"مجھے میری فیس نقد چاہیے آپ کی شام تو پتا نہیں کون سے سن کی شام ہو گی۔" اس نے ادھار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ صداقت بھائی نے اس کے نہ ٹلنے کے ارادے کو جان کر سخاوت بھائی کی جیب سے پیسے نکال کر ڈسپنسر کے حوالے کیے۔ بقیہ پیسے انہوں نے اپنی جیب میں ایسی تیزی سے رکھے جیسے کسی خطرے کے پیش نظر مرغی اپنے بچوں کو پروں میں چھپا لیتی ہے۔ سب بھائیوں نے اپنے نام کی لاج نہ رکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ مجھ سمیت سب سخاوت بھائی کے غم میں برابر کے شریک تھے، چوہوں نے ان کے نوٹوں کی خوب دعوتیں اڑائی تھیں۔ جانے کب صومالیہ سے یہاں منتقل ہوئے۔ مجھے سچ میں ان کے پائی پائی جوڑ کر پیسے سنبھالنے کے نقصان پر افسوس ہوا۔ وہ کترے ہوئے نوٹوں کو دن رات دیکھے جاتے اور اشک روانی سے ان کے گریبان کو بھگوتے جاتے۔ میں نے کسی مرد کو اس طرح اشک بہاتے پہلی بار دیکھا تھا اوپر اور نیچے والے پورشن میں سرد آہوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ فضا میں آنسوؤں کی نمی پھیلی تھی ماحول میں سوگواریت چھائی تھی۔

شجاعت بھائی جو پہلے ہی دل کے مریض تھے بھائیوں کا غم نہ سہار سکے ایسا دل کا دورہ پڑا کہ اسپتال کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی جمع پونجی یوں ٹھکانے لگنے لگی روپیہ پانی کی طرح بہایا جانے لگا۔ تجوریوں میں بند روپوں کو لوگوں کے ہاتھ کا لمس نصیب ہوا ورنہ ان کے بدن تو اب ایسی کنواری دوشیزہ کا روپ دھارنے لگے تھے کہ جس کی بڑھتی عمر نے چہرے پہ زردیاں گھلا دی ہوں۔ اب تو سب کو بس ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح شجاعت بھائی کی جان بچ جائے وہ جلد صحت یاب ہو کر لوٹ آئیں۔ میں نے شکر ادا کیا کہ ان کو اتنی عقل تو آئی کہ پیسے سے زیادہ رشتے عزیز ہوتے ہیں کسی کی جان پیاری ہوتی ہے۔

"پتا نہیں کس کی نظر کھا گئی میرے بچوں کے بستے گھروں کو۔ آگ لگے اس دنیا کو کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ سالوں سے اس خاندان کی دولت ان کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی آج ٹھنڈ پڑ گئی دشمنوں کے دلوں کو قرار آ گیا۔ سکون کی نیند سوتے ہوں گے آج کل میرے بچوں کے نقصان پر۔" اماں کے پاس ان کی کچھ رشتہ دار خواتین اور پڑوس کی عورتیں بیٹھی تھیں اب پتا نہیں وہ دشمن پڑوسیوں کو کہہ رہی تھیں یا رشتہ داروں کو واللہ اعلم۔

"جس دولت کو محلہ پڑوس یا رشتہ دار پر خرچ نہ کیا جائے وہ اسی طرح جاتی ہے۔ ہمسایوں کی دیگوں کے چاول تو تم نے خوب کھائے، مگر اپنی دیگیں پکا کر اپنے ہی پیٹ اور فریج بھر لیے۔

محلے والے تو تمہاری دیگوں کے چاولوں کی دید سے ہمیشہ محروم ہی رہے۔ کسی سائل کو تمہارے بیٹوں کے در سے ڈانٹ پھٹکار کے علاوہ کبھی کچھ نہ ملا۔ گلی میں کتنے ہی گھر ایسے ہیں جہاں جوان بیٹیوں کے جہیز کی کمی کی وجہ سے شادیوں میں تاخیر ہو رہی ہے اس کار خیر میں تم لوگوں نے کبھی حصہ لینے کا نہ سوچا۔ جو پیسا اللہ کے احکام کے مطابق خرچ نہ کیا جائے وہ اپنے باہر نکلنے کے راستے اسی طرح تلاش کر لیتا ہے۔

اللہ کے گھر کو دیکھنے کی آس کو تم دل میں چھپائے بیٹھی ہو، اچھی طرح جانتی ہو کہ نہ مرحوم شوہر نے تمہاری تمنا پوری کی اور نہ اولاد یہ آرزو پوری کریں گے۔ ماں کی خوشی سے زیادہ نوٹوں کی خوشبو انہیں عزیز ہے۔"

کسی منہ پھٹ عورت نے اماں کے منہ پر صاف لفظوں میں ان کی کنجوسی کے قصے بیان کیے تو اماں تلملا کر رہ گئیں بات تو سچ تھی مگر تلخ بھی تھی۔ میری

سوچوں کو اس عورت نے زبان دی تھی میں مسکرا کر رہ گئی شکر ہے اماں نابینا تھیں ورنہ میری اس مسکراہٹ پر وہ میرا منہ نوچ لیتیں۔ میں تصور کر کے جھرجھری لے کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

کتنے ہی دن ہو گئے تھے نیند سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے۔ میرا اور سخاوت بھائی کا نقصان 'شجاعت بھائی کی بیماری۔ پے در پے کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا زندگی کیسی پر سکون گزر رہی تھی 'اچانک اتنی افتاد ہم کیسے آن پڑیں۔ کون سے گناہ ہم سے سرزد ہوئے 'جس کا ہم نے دل دکھایا 'جو آج یہ دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بازوؤں کا تکیہ بنائے کب سے اسی سوچ میں مبتلا تھا۔ دل کی بے قراری تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی وہ بے چین ہو کر اماں کے پاس چلا آیا۔ سخاوت بھائی بھی اداس چہرہ لے کر ماں کے پاس بیٹھے تھے۔

"اماں ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی شجاعت بھائی زندگی و موت کی کشمکش میں ہیں۔ ہمارے مسکراتے گھروں میں یہ اداسیوں نے کیسے ڈیرے ڈال لیے۔" وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر سسک پڑا تو اماں بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکیں 'بیٹے کی بیماری نے انہیں چند دنوں میں ہی مضمحل کر دیا تھا۔

"میرے بچو غم نہ کرو یہ دکھ 'بیماری 'نقصان سب اس کی آزمائش ہیں۔ یہ مصیبتیں ہم جیسے سوئے ہوؤں کو بے دار کرنے کے لیے آتی ہیں۔ اپنے بندوں کو اپنے سے قریب کرنے کے طریقے ہیں یہ۔ اس کی محبت ہے وہ ہر حال میں ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ وہ دوزخ کے انگاروں سے بچانا چاہتا ہے۔ ہم جو دنیا اور دنیاوی مال و متاع کو ہی سب کچھ سمجھ کر اس میں کھو جاتے ہیں وہ ہمیں کسی تکلیف کا جھٹکا دے کر اس دنیاوی سحر سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس غم کو اپنے لیے غنیمت جانو اپنی سابقہ زندگی پر نظر ڈالو اپنی کوتاہیوں پر آنسو بہاؤ اپنے رزق کو حلال بناؤ۔ بالکل درست کہہ رہی تھی سائرہ کہ تم نے اپنے مال کو بس تجوریوں تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس کو کبھی نیک کاموں میں خرچ کرنے کا خیال تمہارے دلوں کو نہ چھوا۔ کل سے اس کی باتیں میرے دل کی دنیا بدلنے کے در پے ہیں کیسی سچی اور کھری باتیں کر کے گئی کہ مجھے پشیمانیوں نے آگھیرا ہے۔"

اماں آبدیدہ نظروں سے بولے جا رہی تھیں اور وہ دونوں چپ سادھے ماں کی باتوں کو بغور سن رہے تھے

"آج سے سبق حاصل کر کے اپنا کل درست کر لو میرے بچے تا کہ کل کو اپنے رب کے حضور شرمسار نہ ہونا پڑے۔ گزرے کل پہ ندامت ہو گی تو ہمارا رب معاف کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔"

زم زم کی طرح شفاف باتیں ان کے دلوں پر قطرہ قطرہ پھوار کی طرح برسیں اور تن من کو بھگو ڈالا ہدایت پانے کے لیے کبھی کسی کا ایک جملہ ہی زندگی کے مفہوم بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ اپنی زندگیاں گزارنے کا راز پا گئے تھے۔ ماں کے ہاتھوں کو چوم کر انہوں نے ان کی باتوں کی سچائی پر مہر ثبت کی۔ دلوں کی دنیائیں بدل جائیں تو زندگی کو قرار مل جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

صبح سے گھر میں چہل پہل تھی بچے بڑے سب ہی کے چہرے مطمئن تھے۔ شجاعت بھائی کی حالت سنبھل چکی تھی 'وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر آ گئے تھے۔ اماں نے ان کی صحت یابی کی خوشی میں شکرانے کے نفل ادا کیے اور قرآن خوانی کا اہتمام کروایا۔ محلے کی سب ہی خواتین ان کے گھر پر جمع تھیں۔ کئی ایک خواتین تو ایسی تھیں کہ عرصہ دراز سے اس محلے میں آباد تھیں مگر ان کے گھر کے دیدار کا شرف آج حاصل ہوا تھا۔

"کیسا پیارا گھر ہے آج دیکھا ہے ہم نے اتنے بڑے گھر کا گیٹ کیسا بدرنگ و پرانے ڈیزائن کا ہے۔ میں سمجھی اندر سے گھر ادھڑے فرش و بوسیدہ دیواروں والا ہو گا۔"

"گھر کا پرانا گیٹ بھی کسی مقصد کے تحت لگایا گیا ہے۔" دوسری خاتون نے کان کے قریب سرگوشی کی۔
"کیسا مقصد۔۔۔؟" وہ چونکی۔
"یہی کہ ہماری دولت کا راز نہ فاش ہو جائے کوئی ڈاکو' چور گھر کے مالی حالات کا اندازہ نہ لگا لے بوسیدہ گیٹ دیکھ کر فقیر بھی مانگنے سے شرم کھاتے ہیں کہ اس گھر کی تو اپنی حالت خراب ہے مجھے کیا خاک دیں گے۔" وہ خاتون ہنسی تو کئی اور عورتوں کی ہنسی بھی اس میں شامل ہو گئی۔
"بھئی اب تو سوچ اور حالت بدلے سے لگ رہے ہیں لگتا ہے تبدیلی آ رہی ہے۔"
"تبدیلی آ نہیں رہی تبدیلی آ چکی ہے۔ دیکھ نہیں رہیں جنہوں نے کبھی بریانی کی خوشبو نہ سنگھائی آج ٹھنڈی یخ بوتلوں کے ساتھ کیسے بھر بھر کر کھلا رہے ہیں۔" ایک خاتون نے ہنستے ہوئے ٹھنڈی بوتل کا سپ بھرا۔
"بالکل صحیح کہہ رہی ہو اللہ جب چاہے کسی کو ہدایت دے میں نے سنا ہے چھوٹا بیٹا ماں اور بیوی کو عمرے پر لے کر جا رہا ہے۔"
"ماشاء اللہ۔۔۔ اللہ سب کو اپنے گھر کی زیارت نصیب کرے۔" وہ سب دعائیں دیتی پھر سے بریانی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
"لگتا ہے چاولوں کے دانوں کے برابر بوٹیاں ڈلوائی ہیں۔" ہر نوالے کے ساتھ ایک بوٹی وہ حلق سے اتار رہی تھیں ساتھ ساتھ بوتل بھی گلے میں اٹکے بڑے سے نوالے کو نیچے اتارنے میں مددگار ثابت ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

الجھنوں و پریشانیوں سے اللہ نے ان کو ایسے نکالا کہ لگتا تھا کبھی زندگی میں کسی غم سے واسطہ ہی نہ پڑا تھا۔ دلاور کو اللہ نے بہت ہی خوب صورت و صحت مند بیٹا عطا کیا تھا۔
"شکر ہے اپنے تنکے سے وجود کے مالک باپ پر نہیں گیا' ورنہ یہ بچے تو اس کا حشر خراب کر دیتے۔" ناصرہ بھابھی بشارت کو ایک سے دوسرے بچے کے پاس منتقل ہوتے دیکھ کر بولیں۔
"اپنی تائی امی پر گیا ہے۔" ندا ان کے فربہی وجود کو دیکھ کر شرارت سے بولی۔
"ہاں۔۔۔ ہاں بالکل کھایا پیا حلال کر رہے ہیں ان کے چچا تایا کی طرح نہیں کہ "کھائیں بکری کی طرح اور سوکھیں لکڑی کی طرح" مثال دے کر انہوں نے ہنستے ہوئے لپک کر بچوں سے بشارت کو پکڑا جو اس معصوم کی درگت بنانے کے درپے تھے۔ کھکھلاتے سب کے چہروں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی۔ اماں نے دلاور کے بیٹے کا نام بشارت رکھا تھا سب کو ہی یہ نام پسند آیا۔ ندا نے بھی ان کی پسند کو ترجیح دی تھی۔
"اللہ اسے اسم بامسمیٰ بنائے۔" سب کی لیے خوشیوں کا سامان بنے اس کے دل سے دعا نکلی۔
دلاور بے پناہ خوش تھا بشارت کو دیکھ دیکھ کر اس کا سیروں خون بڑھ رہا تھا۔ واقعی اولاد کی دولت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نعمت نہیں وہ شرم سار سا دل میں اعتراف کر رہا تھا اور ندا اس کی دیوانگی پہ مسکرا رہی تھی۔ بشارت کے لیے اس نے ڈھیروں شاپنگ کی کھلونوں کے ڈھیر لگا دیے۔
"کیا ہو گیا ہے دلاور پورے کمرے کو آپ نے ٹوائے شاپ بنا دیا ہے ابھی یہ بہت چھوٹا ہے جب اس قابل ہو گا تو لے آتے۔"
"تمہیں اس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے' یہ میرا اور میرے بیٹے کا معاملہ ہے۔" مسکراتے ہوئے اس نے ایک بڑا سا ٹیڈی بیئر بشارت کے قریب کر کے اسے خوش کرنے کی کوشش کی وہ بے چارہ آنکھیں کھولے دیکھے جا رہا تھا جسے نہ ابھی ٹیڈی بیئر کی پہچان تھی اور نہ باپ کی۔
"اچھا ایک سرپرائز تمہارے لیے بھی ہے آنکھیں بند کرو۔" اس نے زبردستی ندا کی آنکھیں بند کروائیں چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو خوب صورت کنگن اس کی سفید نازک کلائیوں میں سجے تھے

ندا حیرت زدہ سی مسکرا دی۔ دلاور نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم ٹھیک کہتی تھیں ندا اس شخص سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بدنصیب نہ ہوگا جو روپیہ کما کر اس سے خدمت نہ لے۔ آج مجھے احساس ہو رہا ہے روپیہ گاڑ کر یا داب کر رکھنے کی چیز نہیں اگر یہ صرف اس لیے ہوتا تو اینٹ پتھر سے زیادہ اس کی اہمیت نہ ہوتی روپیہ تو اپنے اہل و عیال اور خانگی ضروریات پر خرچ کرنے کا نام ہے خدا کے نیک کاموں میں خرچ کر کے رحمت و برکت اور اطمینان قلب کا موجب بنتا ہے۔

کسی دانشور نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

"تم درخت نہیں ہو کہ اپنا پھل اپنے ہی پاؤں میں گراؤ اینٹ پتھر کھا کر کسی کو دو۔ تمہاری کمائی سے بغیر مانگے محتاجوں کو فیضیاب ہونا چاہیے۔"

دلاور اپنی غلطیوں کا معترف ہو کر پیسے کا مصرف بخوبی سمجھ چکا تھا میں نے پرسکون ہو کر اس کے کاندھے پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ مجھے دولت کو خرچ کرنے کے بارے میں اس وقت کسی کا قول یاد آ رہا تھا جو صد فیصد سچائی پر مبنی تھا کاش کہ ہر ایک اس کی حقیقت کو جان لے۔

"تیشہ نہ بنو جو سب کچھ اپنے آگے ڈالتے جاؤ‘ رندہ بھی نہ بنو جو سب کچھ باہر نکالتے جاؤ بلکہ آرہ بنو کچھ آگے ڈالو اور کچھ باہر نکالو۔ یعنی خود بھی کھاؤ پیو اور محتاجوں اور غریبوں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔"

رات تاریک تھی مگر دونوں کے دل اجلی کرن کی طرح روشن تھے جس میں نہ گلے شکووں کی کثافت تھی اور نہ ہی بے یقینی کی لکیریں۔ محبت‘ اعتماد‘ خوشی‘ بھروسا سے ان کے دل اٹے پڑے تھے دلاور نے اسے اپنا شریک سفر بنایا تھا تو اسے اپنی ہر شے میں بھی شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا چاہے وہ دولت ہو‘ خوشی ہو یا غم سب میں وہ ساتھ تھے۔

☆ ☆

فرح بخاری

دوسری قسط ۲

"ہاں... میں اسے کچھ بھی نہیں ہونے دوں گی۔ اس پر آنچ بھی آنے نہیں دوں گی' لیکن کیسے...؟" بان بار بار جس ایک سوال پر آکر ٹوٹ رہی تھی اس کے آگے بجائے دماغ کھلنے کے مزید جامد ہو رہا تھا۔ اس نے زبردستی اپنے ذہن کو ادھر ادھر دوڑنے سے روک کر اس ایک سوال پر یکسو کیا۔

"کیا میں خان بیگم کو بتا دوں... لیکن وہ سب سے پہلے وجہ پوچھیں گی۔ بھلا رات کے اس پہر مجھے کہاں سے یہ خبر ملی...؟ کیا سیدھے خان کا دروازہ بجا کر اسے روکوں جانے سے' لیکن میں نے تو آج تک اس کا کمرا ہی نہیں دیکھا۔ کس کس دروازے کو بجاؤں جا کر..."

اچانک اس کی توجہ ہتھیلی پہ دھرے اپنے موبائل فون کی طرف گئی۔ "فون پر بات کروں... اور نمبر... خان کا نمبر کہاں سے لوں..." وہ بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹنے لگی تب ہی ایک خیال کوندے کی طرح لپکا اس نے بنا سوچے زیبا کا نمبر ملا دیا۔

"ہیلو..." کافی دیر بعد اس کی نیند میں ڈوبی آواز گل آویزہ کے کانوں سے ٹکرائی' لیکن اس نے مطلق پروا نہیں کی۔

"تمہارے پاس اسجد کا نمبر ہے؟"

"ہیں...؟" زیبا نے ہوش میں آنے کی کوشش کی۔ "ہاں شاید حمدان کے پاس ہے... سامان بھیجنے سے پہلے لالہ نے یہاں فون کیا تھا۔" وہ اب مکمل بیدار ہو چکی تھی۔

"مجھے ابھی پانچ منٹ میں نمبر چاہیے۔"

"ہوا کیا ہے اور لالہ کا نمبر ہم سے کیوں مانگ رہی ہو؟" اس کی حیرت بھی بجا تھی۔

"او ہو زیبا... بعد میں بتا دوں گی۔ اسجد گھر پر نہیں ہے اور میں نے نمبر کبھی مانگا نہیں... بس تم جلدی کرو۔"

"اچھا اچھا... اس نے فوراً" فون رکھ دیا اور پانچ منٹ بعد ہی میسج کر کے نمبر بھیج دیا... گل آویزہ نے ذہن میں جملہ ترتیب دے کر لکھنا شروع کیا۔

"شہر جانے میں آپ کی جان کو خطرہ ہے خان! بہت ضروری ہو تو اکیلے جانے کے بجائے ساتھ محافظ رکھ لیں۔ اور جانا ضروری نہیں ہے تو گھر پر رہنے میں بہتری ہے۔"

آپ کا۔ خیر خواہ۔

اور میسج بھیج دیا۔ اندھیرے میں تیر چلایا تھا' جانے نتیجہ کیا نکلتا۔ لیکن بہرحال بنا اس کے منظر پر آئے کام ہو گیا تھا۔ اس نے موبائل آف کر کے الماری میں رکھ دیا۔ یقیناً" میسج پڑھ کر اسجد اس کا نمبر ٹرائی کرتا للذا اس کا بند ہونا ہی ٹھیک تھا۔

☼ ☼ ☼

اسجد عالم خان پہاڑوں کا بیٹا تھا۔ ڈر یا بہادری وقت' ماحول اور تربیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ تو خون میں منتقل ہوتے ہیں۔ شفاف کشادہ پیشانی پر گھبراہٹ کی لکیر تک نمودار نہیں ہوئی تھی۔ نہایت پرسکون انداز میں اس نے پیغام پڑھ کر کال بیک کی لیکن نمبر آف

تھا۔ بریخنہ ناشتے کی ٹرے لیے اندر آئی وہ تب بھی نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔
"ناشتا کرلیں لالہ۔ اماں جان بتا رہی تھیں آپ شہر جا رہے ہیں۔ دراصل یہ کچھ سامان منگوانا تھا۔" کھانے کی ٹرے میز پہ رکھ کر ایک لسٹ اس کی طرف بڑھائی۔
"فی الحال اپنے پاس رکھو۔ بلکہ باقیوں سے بھی پوچھ لو۔ وہ کچھ اور منگوانا چاہیں تو ایڈ کرلو۔ میں کل شہر جاؤں گا۔"
"اماں جان تو کہہ رہی تھیں آپ آج۔۔۔"
"ہاں انہیں نہیں پتا۔ آج ذرا یہاں مصروف ہوں۔" اس نے آئینے کے سامنے آکر بالوں میں کنگھی پھیری۔
"اچھا۔" وہ لسٹ ہاتھ میں تھامے واپس مڑ گئی۔
اسجد نے کرسی پر بیٹھ کر ناشتے کی میز سامنے گھسیٹی۔ اس کا خیر خواہ سامنے آنے کو تیار نہیں تھا۔ اب پتا نہیں خیر خواہ تھا یا بد خواہ۔ بہرحال رپورٹ اس کے پاس درست تھی۔ تو چلو دشمن ہے یا دوست۔۔۔ اسے بھی چکر دے کر دیکھتے ہیں۔ وہ اسی پر سوچتے ناشتے پر جھک گیا۔ خیر خواہ کا مشورہ اس حد تک تو اسے پسند آیا تھا' اب اسے محافظ ساتھ رکھنے چاہئیں تھے۔
بہادری کو ہمیشہ عقل کے دائرے میں رہنا چاہیے یہ شعور اسے تعلیم نے دیا تھا۔ وہ اپنی ماں کی امیدوں کا سہارا اور گاؤں والوں کی آرزوؤں کا محور تھا۔ اسے اپنی حفاظت خود سے زیادہ اوروں کے لیے کرنی تھی۔ علاقے کی ترقی اور بہتری کے لیے اس نے بہت سارے خواب دیکھے تھے۔ سچ تو یہ ہے صبح سویرے اس نامعلوم پیغام کی آمد سے پہلے اسجد نے محافظ ساتھ رکھنے کے پہلو پر 'غور نہیں کیا تھا۔ شہر جانے کا فیصلہ بھی یہ سوچ کر اگلے روز پہ موخر کیا کہ آج وہ اس معاملے پر کچھ لائحہ عمل ترتیب دینا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆
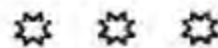
"اطلاع تو غلط نکلی بلاور۔۔۔" زرتاج خان نے کچھ جتاتی نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔
"ہاں! شاید کسی وجہ سے پروگرام ادھر ادھر ہو گیا ہو۔ ورنہ گل آویزہ مجھ سے غلط بیانی نہیں کر سکتی۔" وہ جانے کیوں پر اعتماد تھا۔ زرتاج خان ہنسا۔
"مت بھولو کہ وہ اس کی بیوی ہے۔"
"تو میں نے کون سا اسے اصل بات بتائی تھی۔ یوں ہی حال احوال کے دوران پوچھ لیا۔"
"بہتر ہے کہ اس سے ذرا ہوشیار رہو۔۔۔ اور وہ تمہارا اولی بخش کہاں مر گیا۔ پہلے تو ساری اطلاعیں وہاں سے آتی تھیں نا۔۔۔" زرتاج خان نے پگڑی سائڈ پہ رکھ کر چلم کا پائپ نزدیک کیا۔
"ڈر گئی کیا ہوا ہے کسی رشتہ دار کی شادی میں۔۔۔ وہ ہوتا تو مجھے کیا پڑی تھی آویزہ سے پوچھنے کی۔۔۔" بلاور کا موڈ اب بگڑنے لگا تھا۔ زرتاج نے بغور اس کے تاثرات جانچے۔
"گل آویزہ کو صنوبر سمجھنے کی بھول مت کرنا۔۔۔ کہنے کو بھلے بہنیں ہیں' لیکن شکل اور عقل میں دونوں کا دور تک کوئی واسطہ نہیں ہے۔۔۔ اس آویزہ سے ذرا کم ہی رابطے میں رہا کرو۔ اسے تو بس اسی غلط فہمی میں رہنے دو کہ وہ وہاں صنوبر کے قاتلوں کو ڈھونڈنے گئی ہے۔" زرتاج خان کے لبوں پر طنزیہ ہنسی پھیل گئی جبکہ بلاور کا رنگ لحظے کو متغیر ہوا۔
"کہیں پہنچ ہی نہ جائے اس کے قاتلوں تک۔۔۔"
"کچھ نہیں ہوگا۔" زرتاج خان نے لاپروائی سے ہاتھ لہرایا۔ "اس دھوکے باز صنوبر کا آج تک جس نے بھی پیچھا کیا اپنا ہی دامن خراب کر بیٹھا۔ تم آویزہ کو بھی اس کے حال پر چھوڑ دو ہم نے اس سے جو کام نکلوانا تھا وہ تو ہو چکا۔۔۔ اسجد عالم کی ناک تو مزارع کی بیٹی بیاہتے ہی کہیں کی نہیں رہی۔ خان بیگم کا غرور بھی اسے گھر لاتے ہی خاک میں مل گیا۔ سردار بیٹے کو بیاہنے کے لیے خانوں کی بیٹی ڈھونڈ رہی تھی۔ ایسا چکر دیا کہ یاد کرے گی۔" وہ بھرپور ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے اپنا تجزیہ بیان کرنے لگا۔ بلاور کے لب بھی مسکرا اٹھے۔
"اب تو اس غرور کو خاک میں ملانے کے لیے بس

ایک اور کیل ٹھونکنا باقی ہے۔ ماحول ذرا میرے دام تلے آ جائے، پھر دیکھتا ہوں کیسے بچ کر جائے گا یہ بے غیرت خان۔۔۔" بلاور کے لہجے اور تاثرات سے اسجد کے لیے صاف صاف نفرت جھلک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اماں جان۔۔۔ وہ لالہ آئے ہیں۔۔۔" ولنا زا ہانپتی ہوئی بڑے کمرے میں داخل ہوئی تو خان بیگم نے پیچھے آتی جمال بی بی کو دیکھا۔

"خان کہہ رہے ہیں پھاٹک کھولو اور پردہ بنالو۔۔۔ کوئی سامان والی ڈاٹسن اندر آ رہی ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" وہ مطمئن ہوئیں۔ اسجد نے بتایا تھا کہ ایک دو دن میں اس کے پشاور کے گھر والا سامان اس کا دوست یہاں بھجوا رہا ہے۔

"اماں جان۔۔۔" زرمین نے دبی دبی آواز میں ماں کو باورچی خانے کی طرف متوجہ کیا۔ گل آویزہ معمولی کی طرح شال اچھے طریقے سے اوڑھے کھانا پکانے میں مصروف تھی۔ خان بیگم نے تسلی دینے کے انداز میں ہاتھ اٹھایا جیسے کہہ رہی ہوں کہ کوئی بات نہیں۔

جمال بی بی نے برآمدے کی چقیں گرا دی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں دو گاڑیوں کی حویلی کے بڑے صحن میں رکنے کی آواز آئی اور چند منٹوں میں اسجد تیز قدموں سے چلتا بڑے کمرے میں آیا۔ یہ بڑا کمرا ایک طرح سے حویلی کے باقی کمروں کو جانے والی گزرگاہ تھی۔ تقریباً" سب ہی راستے یہیں سے ہو کر جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا رانی طرز کا لاؤنج تھا۔ یہیں کے بڑے تخت پر خان بیگم کا سارا دن گزرتا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہاں سے ہر جگہ کے معمولات پر ان کی نظر رہتی تھی۔

"سلام اماں جان۔۔۔" اونچی بارعب آواز ہال میں گونجی تو گل آویزہ کا دل عجیب انداز میں سکڑ کر پھیلا۔۔۔ بظاہر وہ کام میں مگن تھی لیکن ہر آہٹ سے آگاہ۔ خان کو دیکھ لینے کی چاہ میں بے ساختہ مڑنے کو دل بے چین ہوا لیکن جانے کمرے میں کتنوں کی نگاہیں اس کی جانب متوجہ تھیں۔ وہ ضبط کر کے رہ گئی۔ اس کا محسن، اس کا محبوب۔۔۔ اس سے چند قدم کی دوری پر تھا۔ تجسس کی گرہ بس ایک نگاہ کے اٹھنے پر کھل جاتی۔۔۔ لیکن کیسے اٹھے وہ ایک نگاہ؟

"نسیمہ۔۔۔ لالہ کو پانی دے دو۔۔۔" خان بیگم نے پکارا۔

"سنو۔۔۔ کچھ شربت یا چائے وغیرہ کا بندوبست ہو جائے تو بھجوا دو۔۔۔ باہر ڈرائیور اور سامان اتارنے والے دو بندے ہیں۔" اسجد نے باورچی خانے میں گھستی نسیمہ کو باقاعدہ مڑ کر آرڈر دیا اور تب ہی نیلی شال میں ڈھکے چھپے ایک اجنبی سراپے پر بے ساختہ نظر پڑی۔ دیگچے میں لکڑی کا چمچ ہلاتا وہ سفید مرمریں چوڑیاں بھرا ہاتھ اور نیلی شال کا چمکتا سنہری بارڈر جو ایک عجیب سی رنگینی اور دلکشی کا تاثر لیے ہوئے تھا۔ اس کی بہنوں میں سے تو ہرگز کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اسجد بس چند لمحے ہی اس سوچ اور کیفیت کے زیراثر رہا اور پھر فوراً" قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔

مہینہ بھر پہلے حویلی میں ایک نئے مکین کے اضافے

سے وہ اتنا بے خبر اور انجان رہا تھا کہ فوری طور پر اسے خیال ہی نہیں آیا کہ وہ اس کی دلہن ہو سکتی ہے۔ برآمدہ عبور کر کے حویلی میں اترتے وقت دماغ کی کھڑکی کھلی کہ ہاں شاید یہ وہی ہوگی۔ ادھر گل آویزہ نے اسجد کو دیکھنے کے لیے تیزی سے ذہن لڑایا اور جگ اٹھا کر پانی بھرنے کے بہانے کچن کے نل کے قریب آئی۔ نل کے عین اوپر کی کھڑکی برآمدے میں کھلتی تھی اس نے ہلکا سا ہاتھ مار کر فوراً" ہی ایک پٹ کھولا اور تب ہی برآمدے کی چق ہٹا کر باہر نکلتے اسجد کو اس نے پوری کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ لب آپوں آپ مسکرا اٹھے اور دل گویا کسی خوش گوار حیرت کی انگلی تھامے محو رقصاں ہو گیا۔

"کیا بات ہے بھابھی۔۔۔ لالہ کو دیکھ کر ہنسی نہیں رک رہی۔" نسیمہ نے اچانک ہی نل کے قریب منہ نکالا۔ گل آویزہ نے جھینپ کر ہتھیلی میں آیا پانی اس کے منہ پر پھینکا اور وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔

"چل بے شرم۔۔۔ بھاگ یہاں سے۔۔۔۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں تنبیہہ کی۔ نسیمہ اور رحیمہ چونکہ اس کے ساتھ پچھلے حصے میں رہتی تھیں تو مہینہ بھر گزرنے پر وہ ان کے ساتھ کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ اسجد کی بہنوں میں البتہ وہ ابھی تک نورینہ اور بانو کے قریب ہو پائی تھی۔۔۔ فطرتاً" وہ دونوں ہی بہت خوش مزاج اور شوخ سی تھیں۔۔۔ گل آویزہ کو بھابھی کہہ کر بلانا بھی انہوں نے شروع کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہاں سب آپ سے بہت پیار کرتے ہیں چاچی۔ لگتا ہی نہیں آپ ہمارے گاؤں کی ہیں۔" گل آویزہ نے بہت رشک سے نورزادہ چاچی کے سسرالیوں کے ان سے سلوک کو دیکھا۔

"پچیس، چھبیس سال بھی کم عرصہ تو نہیں ہوتا۔" نورزادہ نے مسکرا کر کھیر کا پیالہ گل آویزہ کی طرف بڑھایا۔ آویزہ آج دوسری مرتبہ ان کے گھر آئی تھی۔ پہلی مرتبہ اماں اور زیبا کی گاؤں آمد پر ان کے یہاں آئی تھی۔۔۔ اور اب مہینہ ڈیڑھ گزرنے کے بعد ان ہی کے بے حد اصرار پر دوسری مرتبہ۔۔۔ خان بیگم چونکہ بہت بار ان کا کہا خاموشی کی زبان میں ٹال چکی تھیں تو اس بار مروت میں بھیج ہی دیا۔ البتہ آتے وقت دلنازا اور نورینہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ یہ اور بات کہ وہ دونوں آتے ہی خوش بخت کے ساتھ مصروف ہو گئی تھیں۔ شاید بیچ کے دروازوں سے ہوتی کسی اور حویلی میں نکل گئی تھیں۔

گل آویزہ کو جمال بی بی نے بتایا تھا کہ بہت سال پہلے یہ سارے گھر ایک ہی حویلی کا حصہ ہوا کرتے تھے۔ پھر جب مشعل خان، اورنگ زیب خان اور قربان خان کی شادیاں ہو گئیں تو سب کو اپنا اپنا حصہ دے دیا گیا، اس لیے درمیان میں دیواریں آگئیں۔ البتہ ایک دوسرے کے گھر آنے جانے کی سہولت کے لیے سب ہی راستے اندر سے ہی بنائے گئے تھے۔ اور ان سب حصوں کے درمیان ایک باغ، جتنی جگہ بھی تھی جہاں پھلوں کے بہت سارے درخت، کئی قسم کے پھول اور گھاس اگی تھی۔

"کیا میں آپ سے ایک بات پوچھوں چاچی۔" گل آویزہ نے بہت جھجک کر آغاز لیا۔ دونوں اس وقت اکیلی بیٹھی تھیں۔ اس نے موقع غنیمت جان کر بات چھیڑی۔

"پوچھو آویزہ۔۔۔" وہ باقاعدہ آلتی پالتی مار کر اب اطمینان سے بیٹھی تھیں۔

"چاچی میں آپ سے صنوبر کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔۔۔ وہ یہاں آپ کے گھر آئی تھیں نا۔۔۔ معاف کریں میرا خدانخواستہ کچھ اور مطلب نہیں ہے۔ بس بہن ہونے کے ناطے جاننا چاہتی ہوں کہ کیا ہوا تھا۔۔۔" گل آویزہ کو اگر یہاں کسی سے کچھ معلومات ملنے کی امید تھی تو وہ یہی تھیں۔

"میں سمجھ سکتی ہوں۔۔۔" انہوں نے ایک آہ بھری۔ "لیکن افسوس سے کہوں گی کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔۔۔ سچ کہوں تو اصل بات آج تک کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ نہ قاتل کا کوئی سراغ، نہ قتل کی

وجہ۔۔۔۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ تمہاری بہن اس رات اپنی مرضی سے چوری چھپے میرے گھر سے نکلی تھی۔ ہم سب رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔ اور اگلی صبح وہ خان بیگم کے ڈیرے کے باہر مردہ پائی گئی تھی۔ اب اس دوران نہ تو ہمارے گھر کوئی واردات ہوئی۔ نہ کوئی آیا گیا تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود چپکے سے باہر نکلی تھی۔۔۔۔ لیکن وہ گھر سے کیوں نکلی اور کہاں گئی یہ آج تک ایک معمہ ہے۔۔۔۔"

"لیکن وہ پانچ ماہ سے آپ کے ساتھ تھی۔۔۔۔ کبھی کوئی غیر معمولی بات ایسی ہوئی ہو کہ۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔۔ پانچ ماہ کے دوران میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ جانا تھا، لیکن پہلے میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔۔۔۔ تمہاری تو وہ بہن تھی آویزہ۔۔۔۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟" انہوں نے الٹا سوال کر دیا۔

"وہ مجھ سے پانچ سال بڑی تھی جاجی۔۔۔۔ بہت ہوشیار اور چست تھی۔ سوائے پڑھائی کے ہر معاملے میں اس کا خوب دماغ چلتا تھا۔ میں اور زیبا آج جتنے ایک دوسرے کے قریب ہیں، صنوبر ویسے ہم سے قریب نہیں تھی۔ حتیٰ کہ اماں سے بھی اس کی خاص نہیں بنتی تھی۔ آٹھویں میں تھی کہ پڑھنا بھی اپنی مرضی سے چھوڑ دیا۔ اس کا زیادہ وقت سہیلیوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ جب تک بابا زندہ تھے تو تھوڑا بہت قابو میں تھی، لیکن ان کی وفات کے بعد تو بالکل ہی اماں کے ہاتھ سے نکل گئی۔۔۔۔ اماں سے اس کی خوب لڑائی ہوتی۔ حمدان بھی ڈانٹتا تھا لیکن وہ کسی کی ایک نہیں سنتی تھی۔ بس ہر وقت اس کے دماغ پر گھومنا پھرنا سوار رہتا تھا۔ ہاں لیکن وہ کریکٹر کی بری نہیں تھی۔ جتنا میں جانتی ہوں۔" گل آویزہ نے صاف گوئی سے بہن کا تجزیہ کیا تو نور زادہ مسکرانے لگی۔

"میں نے اورنگ زیب سے کہا تھا، اسجد کے لیے گل آویزہ سے بہتر بیوی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ اور یہ رائے بھی میں نے کچھ عرصہ پہلے قائم کی ہے۔ ورنہ تم سے

ملنے اور تمہیں دیکھنے سے پہلے جب مجھے صرف اتنا پتا چلا کہ اسجد کی شادی صنوبر کی بہن سے ہو رہی ہے تب میں نے ہی کہا تھا کہ اسجد کے نصیب پھوٹ گئے..... لیکن سچ تو یہ ہے آویزہ کہ آج میں اپنی رائے پر خود ہی شرمندہ ہوں۔ انسان کی اصل پہچان اس کا اپنا عمل اور اس کی ذاتی شخصیت ہوتی ہے' کسی سے اس کی نسبت اور تعلق ہرگز کوئی معنی نہیں رکھتے۔ اسجد جیسے سیدھے اور صاف شفاف انسان کے لیے تم جیسی سچی اور کھری لڑکی سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی..... پھر تمہاری تعلیم' ذہانت اور خوب صورتی سب مل کر تمہیں اسجد کا مکمل جوڑ بناتے ہیں۔" نورزادہ چاچی اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھے اپنائیت سے اس کی تعریف کر رہی تھیں اور وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"پڑھی لکھی کہاں چاچی..... میں نے تو صرف دس جماعتیں ہی پڑھی ہیں۔" اس کی آنکھوں کے آگے شاہوں کی سی آن بان والے اسجد عالم کا سراپا لہرا گیا..... کہاں میں اور کہاں وہ خوابوں کا شہزادہ.....

"تم نے جس سچائی سے بہن کے بارے میں مجھے بتایا' میرا خیال ہے تجھے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی یہ نہیں کہتی کہ وہ بری تھی یہاں لیکن وہ نڈر اور بے جھجک سی تھی..... مہینے ڈیڑھ سے تم بھی ہمارے ساتھ ہو' لیکن ایک دن بھی مجھے تمہارے انداز اطوار صنوبر والے نہیں لگے۔ تم دونوں نہ صرف شکل و صورت بلکہ عادات میں بھی ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہو..... تمہارے اندر اتنی حیا ہے کہ گھر کی عورتوں کے درمیان بھی سلیقے سے شال اوڑھے ڈھکی چھپی سی رہتی ہو۔" وہ اتنا کہہ کر ہی چپ ہو گئی تھیں اور گل آویزہ بنا کہے ان کی پوری بات سمجھ گئی تھی۔ صنوبر کو فیشن کرنے اور ماڈرن نظر آنے کا اتنا شوق تھا' کہ اس چکر میں وہ اپنے ماحول اور یہاں کی روایات تک کو فراموش کر بیٹھتی تھی۔ ان علاقوں میں جہاں لڑکیاں دسویں سال میں قدم رکھتے ہی بڑا سا دوپٹا نماز کے انداز میں اپنے گرد اوڑھنے کی عادات اپنا لیا کرتی تھیں' صنوبر گلے میں رسی کی طرح لٹکائے آزادی سے یہاں وہاں گھومتی رہتی تھی۔

"کہاں کھو گئیں آویزہ....." نورزادہ چاچی نے اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ اس نے فوراً" نفی میں سر ہلایا۔

"تم بس اپنی زندگی' اس گھر اور اپنے شوہر پر دھیان دو' ماضی میں جو ہوا' اسے بھول کر آگے بڑھو..... خوش قسمت ہو جو تمہیں اسجد جیسا شوہر ملا ورنہ دیکھ لو..... بلاور نے تو کتنے روڑے اٹکائے تھے اس شادی کے نہ ہونے میں....."

"لیکن لالہ تو کہتا ہے' میں نے تمہاری اتنے اچھے گھر میں شادی کروائی۔"

"یوں ہی احسان جتاتا ہے..... ورنہ وہ تو دنی وغیرہ کے حق میں ہی نہیں تھا..... پھر اسجد سے تو ویسے اللہ واسطے کا بیر ہے اسے....."

"لیکن کیوں.....!" وہ چونکی "اسجد خان سے بیر کی وجہ.....؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی پر اس کے ذکر سے سخت چڑ ہے بلاور کو..... تمہارا تو بھائی بنا ہوا ہے۔" پر میرا بھی بھتیجا ہے سگا..... خوب اچھی طرح پہچانتی ہوں اسے..... انتہا کا بد نیت آدمی ہے..... دوستی نہ نبھائے پہ..... دشمنی ضرور قبر تک نبھائے گا۔ پچھلے سال یاد نہیں خانوں کی مکئی کو آگ لگانے کا پروگرام بنایا تھا اس نے..... وہ تو عین وقت پر زرتاج لالہ کو دل میں تکلیف اٹھی اور اسے انہیں شہر کے اسپتال لے جانا پڑا۔ مجھے بھابھی نے یہ بات بتائی تھی اور مارے شرمندگی کے یہاں میں نے کسی سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔" نورزادہ چاچی روانی میں اسے ہوشیار کر رہی تھیں اور گل آویزہ کو بھی یاد آ گیا۔ پچھلے سال اس نے اپنی اماں سے اڑتی اڑتی ایسی ایک خبر سنی تھی۔ لیکن تب آویزہ کے لیے بھی یہ قاتلوں اور دشمنوں کا گاؤں تھا۔ اس کی بلا سے کچھ بھی ہو..... لیکن اب..... آویزہ کی ذہنی رو دوسری سمت مڑ گئی۔ اگر بلاور قبر تک دشمنی نبھانے کا قائل ہے' تو کیا اس بار بھی وہ فصل کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا..... مکئی کی فصل تو پک کر تیار تھی۔ اور آج کل میں کٹائی شروع ہونے والی تھی۔

جانے اس کی اسجد سے کیا دشمنی تھی لیکن بہرحال
نورزادہ چاچی کی اس کے بارے میں رائے کو وہ ہرگز نظر
انداز نہیں کرسکتی تھی۔ اس شام وہ بڑا بھاری دل لیے
حویلی واپس آئی۔

☼ ☼ ☼

"سب تیاری مکمل ہے خان۔۔۔ دشمن قبیلے کی
ساری فصل گودام میں جاچکی ہے۔"
"یعنی ڈیرے پر۔۔۔" بلاور مستعدی سے اٹھ
بیٹھا۔
"جی خان' بس وہیں سمجھ لیں۔۔۔ ڈیرے کے
بالکل پیچھے ہے گودام۔" شمشیر نے بندوق کندھے پر ٹکا
کرادب سے جواب دیا۔
"تمہارے آدمی تیار ہیں۔۔۔؟" بلاور اپنی چمکتی
نگاہیں کسی ایک نقطے پر جمائے اپنے ذہن میں جانچ پرکھ
کرنے لگا۔
"جی خان۔۔۔! بس آپ کے حکم کی دیر ہے۔"
"کتنے لوگ جاؤ گے۔۔۔؟" وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔
"خان۔۔۔ میرے ساتھ ٹوٹل پانچ۔۔۔ باقی جیسا
آپ بہتر سمجھیں۔" شمشیر اب بلاور کے پیچھے چلتا باہر
نکل آیا تھا۔
"بس چار لوگ ٹھیک ہیں۔۔۔ تم سب کو میں خود
درے تک چھوڑنے جاؤں گا۔۔۔ شاکر تم میرے آنے
تک بیٹھک میں رہو۔" بلاور نے آدمیوں کی تیاری پہ
ایک نظر ڈال کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔
وہ رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ بلاور نے اپنے
چاروں ساتھیوں کو درے سے گزرنے کے بعد ایک
ویران گوشے میں اتارا۔ یہاں سے وادی میں اتر کر
اسجد کے ڈیرے تک جانے کے راستے میں کسی کے
حائل ہونے کا امکان کم سے کم تھا۔ مدھم چاند کی
آخری تاریخیں اندھیروں کی راہ کو مزید آسان بنارہی
تھیں۔
"کام پورا کرکے آنا۔۔۔" بلاور نے آخری ہدایات
جاری کیں۔ "کوئی اچانک سامنے آجائے تو زخمی یا بے
ہوش کرکے چھوڑ دینا۔ مارنے کی غلطی کی تو جان نکال
دوں گا۔ قبیلوں میں اگلا قتل تو بس کسی ایک ہی شخص
کے ہاتھوں انجام پانا ہے۔۔۔" بلاور کی ذہنی رو اچانک
ہی جیسے کسی اور سمت بھٹکی۔ "خیر اب تم لوگ وقت
ضائع مت کرو۔۔۔ سب سے بہتر یہی ہے کہ آگ دکھا
کر فوراً" پلٹ آؤ۔ جب تک اوروں کو خبر ہو تم لوگ
واپس یہاں بھی پہنچ جاؤ۔ بس ایک بار اپنے گاؤں کی حد
میں داخل ہوجاؤ' پھر بھلے رک کر فون کردینا' میں شاکر
کو بھیج دوں گا۔"
"کوئی بات نہیں خان۔۔۔ ہم آجائیں گے۔۔۔"
شمشیر نے جلدی جلدی آدمیوں میں لکڑی کی بجھی
مشعلیں' مٹی کے تیل کی بوتلیں اور ماچس وغیرہ
بانٹیں اور احتیاط سے نیچے اترنا شروع کردیا بلاور نے
کچھ دور تک ان کو جاتے دیکھا اور پھر جیپ میں بیٹھ کر
واپس چلا گیا۔
ڈھلان اترنے کے بعد انہوں نے درختوں کے
سائے سائے کافی لمبا سفر بنا کسی کی نظروں میں آئے
کامیابی سے طے کرلیا۔ لیکن آگے اب کھلے میدان
اور کھیت آگئے تھے۔ بس اصل خطرہ اسی جگہ سے
گزرنے میں پیش آسکتا تھا۔۔۔ لیکن اس معاملے میں
ہلکی سردی اور کالی اندھیری رات نے ان کی خوب مدد
کی۔ رات کے اس پہر وہاں صرف کتوں کے بھونکنے
اور جھینگروں کی سرسراہٹ کی آوازیں تھیں' وہ
چاروں کہیں جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے' تو کہیں
گھروں کی پشت سے ہوتے ہوئے' آگے ہی آگے
بڑھنے لگے۔۔۔ اور پھر سب سے آگے چلنے والے نے
ایک جگہ رکنے کا اشارہ کیا۔
"وہ دیکھو سامنے۔۔۔ خان کا ڈیرا۔۔۔" اس نے
درمیان کی کھلی جگہ کے بعد نظر آنے والی بڑی عمارت
کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ سامنے کی لمبی دیوار ڈیرے کی
ہے۔۔۔ اور ادھر پیچھے گودام ہے۔۔۔ وہ اونچے کمروں
والا۔۔۔ ہم گودام کے پاس پہنچ کر ایک آدمی کو اوپر
چڑھائیں گے' وہ اندر کود کر ہمارے لیے کنڈی کھولے
گا۔ اور اس کھلی جگہ سے ہمیں اب بھاگ کر کسی

طرح وہاں تک جاتا ہے۔۔۔ لگتا ہے یہاں بھی کوئی نہیں ہے۔۔۔ چلو۔۔۔" اگلے آدمی نے تیز قدموں سے میدان میں قدم رکھا اور باقی تین نے بھی پیش قدمی کی۔

"کون ہے۔۔۔؟" ویرانے میں ایک تیز چیختی آواز گونجی اور وہ تینوں جیسے پتھر کے ہو گئے۔

"کون ہے وہاں۔۔۔؟" ایک اور آواز کے ساتھ ہی سامنے ڈیرے کی طویل دیوار کے ساتھ ساتھ بیسیوں ٹارچ' لالٹین اور مشعلیں جل اٹھیں۔۔۔ خوف نے گویا ان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی چھین لی تھی۔۔۔ ڈیرے کی دیوار تو جیسے شب برات کا منظر پیش کر رہی تھی۔

"بھاگو۔۔۔" پہلے والے شخص نے فوراً" ہاتھ میں پکڑا سامان پھینک کر پیچھے کو دوڑ لگائی' باقی تین نے بھی یہی عمل دہرایا۔ جلی ہوئی لالٹین بھی اب قریب آنا شروع ہو گئی تھیں۔۔۔ لیکن درمیانی فاصلہ ابھی بھی دشمن کے حق میں تھا۔ یہ چاروں سابقہ روٹ پر بجلی کی سی تیزی سے دوڑتے بہت جلد لالٹینوں کی حد سے باہر نکل آئے لیکن بھاگنے کی رفتار میں ذرہ برابر کمی نہیں آنے دی اور جلد ہی چاروں وادی کو چھوڑ کر درہ کراس کر گئے۔

☼ ☼ ☼

"وہ لوگ بھاگ کیسے گئے۔۔۔ کیا گاڑیوں میں تھے۔۔۔؟" اسجد کی پیشانی کے لاتعداد بل اس کی اندرونی کیفیت کے غماز تھے۔ بابر' رستم' داؤد اور حاضر جان نے آگ لگانے کا سامان۔ سامنے لا کر رکھا تو اس نے پہلا سوال یہی کیا۔

"خان۔۔۔ ہم نے وقت سے پہلے انہیں للکار کر غلطی کر دی وہ لوگ ابھی میدان کے بیچ میں بھی نہیں پہنچے تھے کہ سب نے روشنی کر دی۔ ہمیں ان کے قریب آنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔" رستم سخت شرمندگی کے عالم میں نظریں جھکائے اعتراف کر رہا تھا۔ اسجد نے آگے بڑھ کر ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ اللہ پاک نے بہت بڑے نقصان سے بچا لیا۔ پھر اپنے واحد دشمن سے تو ہم ویسے بھی واقف ہیں۔" اسجد کے نرم رواں لہجے پر رستم نے خوش گوار حیرت سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں تشکر کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ برسوں انہوں نے بخت خان کا دھونس جمانے والا جابرانہ رویہ سہا تھا۔ خان "ایسے" بھی بات کرتے ہیں۔ وہ محض سوچ کر رہ گیا۔

"اچھا جاؤ۔ اب تم لوگ آرام کرو۔ گودام کے پہرے پر تین تین کی ڈیوٹیاں لگا دو۔ اتنی لمبی رات مسلسل جاگ کر نہیں گزاری جا سکتی۔۔۔ ویسے بھی اب وہ اتنے احمق تو ہرگز نہیں کہ دوبارہ آئیں۔"

"جی خان۔۔۔ اب آپ بھی آرام کریں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔ یہیں اصطبل سے حویلی میں داخل ہو جائیں۔"

"نہیں' میں آج رات ڈیرے پر اپنے کمرے میں سو رہا ہوں۔ گھر پر سب بے آرام ہوں گے۔۔۔ تم باہر کے دروازے وغیرہ سب سنبھال لو۔"

"ٹھیک ہے خان' پھر میں بھی ڈیرے پر رک جاتا ہوں۔ یہیں ساتھ والے کمرے میں۔۔۔ ان سب کو ڈیوٹی وغیرہ سمجھا کر آجاتا ہوں۔" بابر نے چابیاں اٹھائیں اور باقیوں کو لے کر باہر چلا گیا۔۔۔ اسجد نے موبائل نکال کر ان باکس میں سے ایک میسج نکال کر دوبارہ پڑھا۔

"خان۔۔۔ گودام کو اکیلا نہ چھوڑیں' دشمن کی نظر غریبوں کے اناج پر ہے۔ اس کی حفاظت کا خاص خیال رکھیں۔"

آپ کا خیر اندیش۔

اسجد نے ریپلائی کا بٹن دبا کر "تھینکس" لکھا اور بھیج دیا۔ خیر اندیش کی پہلی مہربانی اسجد کو بلاوجہ کئی ابہام میں مبتلا کر گئی تھی' لیکن اس کی آج کی مہربانی سے اسجد کا اس کے خلوص پر یقین بہت پختہ ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح یہ خبر پورے گاؤں میں آگ کی طرح پھیل چکی

تھی گل آویزہ نے بھی حویلی میں اس کے تذکرے سنے اور دل ہی دل میں نورزادہ چاچی کا شکریہ ادا کیا۔۔۔۔ بڑے وقت پر جن کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے۔۔۔۔ یقیناً" بے شمار غریبوں کے منہ سے نوالہ چھینتے چھینتے رہ گیا تھا۔

"تم تو بالکل بھی بھروسے کے لائق نہیں ہو بلاور۔۔۔۔ غریبوں کی محنت کو راکھ کرنے سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو مجھے تمہارے ہر پروگرام کے پورا ہونے سے پہلے اسے جاننا ہے کیونکہ اگر تم یہ کر سکتے ہو تو پھر کچھ بھی ممکن ہے۔" اپنے کمرے کی صفائی کے کرتے اس نے نئے ارادے باندھے۔

٭ ٭ ٭
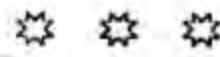
شدید کڑکڑاتی سردی اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی۔ شام کو جمال بی بی کوئلے کی انگیٹھی جلا کر پچھلے حصے میں لے آئی اور وہ چاروں برآمدے کی چقیں گرا کر وہیں بیٹھ کر ہاتھ سینکا کرتیں پھر باری باری دونوں کمروں میں انگیٹھی رکھ کر انہیں بھی گرم کرلیا کرتیں۔ سردی اس غضب کی تھی کہ گل آویزہ کو اپنی رضائی برف کا گولا محسوس ہوتی' وہ رات کو جرابیں' سوئٹر اور شال اوڑھ کر سونے لگی تب کہیں جاکر آدھی رات کے بعد نیند آمہربان ہوتی۔

اسے حویلی کو رونق بخشے۔۔۔۔ بلکہ اس کے حساب سے اپنی بدنصیبی کے سائے یہاں پھیلائے تین ماہ ہوگئے تھے۔۔۔۔ کبھی کبھار اس خوش جمال کی جھلک بھی دکھائی دے جاتی اور گل آویزہ کو اپنی کالی سیاہ رات جیسی زندگی میں' کسی چاند کی موجودگی کا احساس جینے کی امنگ پر اکسائے رکھتا۔ اور وہ بیچے چلی جارہی تھی کہ محبت کا وسیع دامن بنا حاصل و حصول کی چاہ کے فقط اپنے محبوب پر کرم کے پھول نچھاور کرنے کی لگن سے سرشار تھا۔ زندگی اس گل تر کی موجودگی کے احساس سے پررونق اور پربہار تھی۔

موبائل فون اب وہ باقاعدگی سے ہر رات آن کرتی تھی جس میں کبھی کبھار زیبا کا کوئی پیغام آیا ہوتا یا وہ خود کبھی رات اماں سے بات کرلیا کرتی۔ اس رات بھی آویزہ نے روٹین کے مطابق موبائل آن کیا تو زیبا کی طرف سے اکھٹے تین چار پیغام موصول ہوئے۔ اس نے لکھا تھا کہ بلاور خان' اسجد کے خلاف کوئی بہت خطرناک منصوبہ ترتیب دے رہا ہے۔ منصوبے کی تفصیل اسے بھی معلوم نہیں تھی۔۔۔۔ بس اتنا معلوم ہوسکا کہ وہ ایسا ماحول پیدا کرے گا کہ اسجد کے ہاتھوں ان کے گاؤں کے کسی آدمی کا قتل ہوجائے۔ اور جب اسجد کو سزا سنائی جائے گی تو بلاور اس موقع پر ونی کا مطالبہ کرتے ہوئے اسجد کی بہن بریخنہ بدلے میں طلب کرے گا۔

منصوبہ یقیناً" بہت خطرناک تھا۔ گل آویزہ کو بلاور کی اشارتاً" کہی گئی بات یاد آگئی۔ تب وہ یہ سمجھی تھی کہ شاید اس کے حویلی میں بیاہ کر آجانے کی وجہ سے قبیلوں کے آپس میں شادی بیاہ کی راہ ہموار ہوگی۔۔۔۔ اسے جی بھر کر اپنی کم عقلی پہ غصہ آیا۔۔۔۔ بھلا دشمن قبیلوں کے آپس میں رشتے شادیاں ہنسی خوشی کے ماحول میں کہاں ہوا کرتے ہیں۔ یہاں تو پہلے چوٹ لگتی ہے پھر درد اٹھتا ہے اور پھر ماتم جیسی فضا میں بے شمار پابندیوں اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے ونی کی سواری کسی آنگن میں اترتی ہے۔ بلاور پر اسے سخت طیش آیا۔ دل چاہا ابھی فون کرکے کھری کھری سنادے' لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا بلاور انتہائی ڈھیٹ اور بے حس آدمی تھا۔۔۔۔ گل آویزہ نے جوش کے بجائے ہوش سے کام لیتے ہوئے زیبا کا آخری میسج کھولا۔۔۔۔ لکھا تھا۔

"جلدی اس کا کوئی حل تلاش کرو۔۔۔۔ بلاور کا ارادہ وہاں تمہارے گاؤں میں کل پرسوں ہونے والی کسی شادی کے اختتام پر اسجد کی جیپ پر حملہ کرنے کا اور ایسا ماحول پیدا کرنے کا ہے کہ اسجد جوابی فائر کھول دے۔"

شادی کا انتخاب کیوں۔۔۔۔ وہاں تو اتنے لوگ ہوتے ہیں۔ اور۔۔۔۔ وہ الجھی الجھی سی کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔ بھلا بلاور کے آدمی اپنی مرضی سے خود پر گولی

کھانے کیوں آئیں گے۔۔۔ وہ بھی ایسے کہ کسی ایک کا جان سے جانا لازمی ہے۔ تو یعنی بلاور لالہ نے اپنے آدمیوں کو بھی اصل منصوبے سے آگاہ نہیں کیا ہوگا۔ اس نے فوراً" زیبا کو جواب لکھا کہ خدا کے لیے کچھ مزید تفصیل معلوم کرکے دو' کیونکہ ایک شادی تو یہاں اگلے ہی روز ہے۔ بلکہ آج۔۔۔ اس نے گھڑی دیکھی رات کے ایک بجے تھے نئی تاریخ نیا دن شروع ہوچکا تھا۔ زیبا یقیناً" سوئی ہوئی تھی اس نے جواب کے انتظار میں موبائل سرہانے رکھ دیا اور تسبیح لیے بستر پر آگئی۔ اسجد کی حفاظت کی دعائیں مانگتی جانے کب وہ نیند میں چلی گئی۔ صبح نماز کے وقت آنکھ کھلی تو پہلا ہاتھ موبائل کو مارا۔ زیبا نے لکھا تھا کہ وہ یاسمین سے آج باقی تفصیل معلوم کرکے بتادے گی۔

گل آویزہ نے دل ہی دل میں یاسمین کے حق میں بھی دعا کی۔۔۔ وہ اور زیبا ایک ہی کلاس میں پڑھتی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کی بہت گاڑھی سہیلیاں تھیں۔ وہ اپنے بھائی کو دھوکا دے کر اپنی سہیلی سے دوستی نبھارہی تھی۔ لیکن جانتی تھی کہ وہ ایک اچھے مقصد کے لیے ایسا کررہی ہے اس لیے پوری نیک نیتی سے جب اور جتنا اس کے علم میں آتا' زیبا کے ذریعے اس تک پہنچارہی تھی۔۔۔ گل آویزہ نے موبائل الماری میں چھپاتے ہوئے آن ہی رہنے دیا تاکہ حویلی کے کاموں کے دوران وہ بیچ بیچ میں آکر چیک کرتی رہے۔۔۔ کیونکہ تفصیل معلوم ہونے پر ہی وہ اسجد کو میسج کرکے ہوشیار کرسکتی تھی۔

"اسجد" جو اب اس پر بھروسا کرنے لگا تھا اسے اپنا دوست سمجھتا تھا۔ اس کی طرف سے بھیجا گیا ایک "تھینکس" کا میسج گل آویزہ کے لیے بہار کا جھونکا تھا۔

صبح کی نماز پڑھ کر جمال بی بی' نسیمہ اور رحیمہ سامنے جانے لگیں تو اس کا دل چاہا آج وہ بھی ان کے ساتھ چل پڑے لیکن اسجد کی موجودگی میں خان بیگم کہاں اسے آگے کے حصے میں برداشت کرتی تھیں۔۔۔ دن کے دوران اگر کبھی کبھار اسجد اچانک گھر واپس آجاتا تو وہ بے چینی سے پہلو بدلتی رہتی تھیں البتہ گل آویزہ کے لیے وہ عید کا دن ہوتا جب خان حویلی واپس آکر انجانے میں اس کے دل کی کلی کھلا جایا کرتا۔

ناشتا اسے اول روز سے کمرے میں ہی پہنچادیا جاتا اور خان بیگم کی یہ مہربانی اسے' اسجد سے دور رکھنے کے لیے ہوا کرتی تھی۔

"بھابھی۔۔۔ اماں جان کہہ رہی ہیں' آج کوئی کام والے بھاری کپڑے نکال رکھنا۔ رات کو ہم سب شادی میں جارہے ہیں۔" وہ کچن میں آٹا گوندھ رہی تھی جب دلنازا نے آکر خان بیگم کا پیغام دیا۔

"شادی۔۔۔" گل آویزہ کے کان کھڑے ہوئے "کس کی شادی ہے دلنازا۔۔۔ کہاں جانا ہے۔۔۔؟"

"یہاں کے بڑے مشر ہیں آغا جی۔۔۔ ان کی بیٹی کی شادی ہے۔ گھر کافی دور ہے' تقریباً" گاؤں کے اینڈ پہ۔۔۔ درے کے قریب۔۔۔"

"اوہ۔۔۔" گل آویزہ پر الجھی گرہیں کھلنے لگیں۔ بلاور کے شاطر ذہن کا آئیڈیا بھی کچھ کچھ سمجھ آنے لگا۔

"آٹا میں نے گوندھ لیا ہے۔۔۔ میں ذرا کمرے میں جاتی ہوں' کپڑے وغیرہ نکالنے۔" وہ دلنازا کو آگاہ کرکے فوراً" پیچھے آئی۔ اور باقاعدہ کنڈی چڑھا کر الماری سے موبائل نکالا۔ زیبا نے لکھا تھا کہ۔

"آغا جی کی بیٹی کی شادی ہے اور ان کا گھر کھیتوں میں ہے۔۔۔ گاڑیاں لے جانے کے لیے اوپر پہاڑ سے چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہے۔ بلاور کا ارادہ ہے کہ واپسی پر اسجد کی گاڑی پر حملہ کیا جائے گا۔"

"اوہ۔" گل آویزہ کی آنکھوں کے آگے نقشہ پھر گیا۔ اسجد کو فوراً" اطلاع کرنا بہت ضروری تھا۔ اس نے ذہن میں الفاظ ترتیب دے کر میسج لکھا اور ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد اسجد کے نمبر پر بھیج دیا۔ "لیکن یہ کیا۔" گل آویزہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔۔۔ میسج سینڈنگ فیل ہوگئی تھی۔۔۔ اس کا پریشان دل پوری شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔۔۔ لیکن

ہمت نہ ہارتے ہوئے اس نے دوبارہ کوشش کی ' پر نتیجہ وہی۔۔۔ شاید موبائل میں پیسے ختم ہوگئے تھے۔

"اف۔۔۔ اب کیا کروں۔" اس نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ موبائل فون استعمال کیا تھا۔ اور بہت کوشش سے بس چند ایک موٹی موٹی باتیں ہی سمجھ پائی تھیں۔۔۔ اب اس میں پیسے ڈلوانے کے لیے کس کی مدد لوں۔ خان سے کیسے رابطہ کروں۔۔۔!

نسیمہ کے ہاتھ پیغام بھجوادوں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں ' رقعہ لکھ لیتی ہوں۔ وہ ممکنات پہ غور کررہی تھی جب دروازے کی کنڈی بجی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ موبائل فون الماری کے نچلے خانے میں ڈال کر دروازہ کھولا۔۔۔ سامنے بریخنہ اور دلنازا کھڑی تھیں۔

"کپڑے نکال لیے بھابھی۔۔۔ مجھے اور بریخنہ کو دکھاؤ۔" دلنازا نے آمد کی وجہ بتائی ' تو اس نے راستہ چھوڑا۔ کپڑے تو اس نے نکالے ہی نہیں تھے۔ بریخنہ خود الماری کی طرف بڑھ گئی گل آویزہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔ موبائل اس نے عجلت میں نیچے کے خانے میں پھینکا تھا۔ اگر بریخنہ کو نظر آجاتا تو۔۔۔

"یہ کیسا ہے۔۔۔؟" اس نے آتشی گلابی سوٹ دلنازا کے سامنے لہرایا۔

"ہاں یہ بھی اچھا ہے۔۔۔" "لیکن بھابھی۔۔۔ میں نے تمہارا ایک منقش والا نیلا سوٹ دیکھا تھا۔"

"ہاں۔ ہاں۔" گل آویزہ بہانہ ملنے پر فوراً" آگے آئی۔ "میں نکال دیتی ہوں۔۔۔" بریخنہ خود ہی سائیڈ پر ہوگئی۔ گل آویزہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کپڑے نکال کر سامنے کیے۔

"ہاں واقعی۔۔۔ یہ تو بہت پیارا ہے۔۔۔" بریخنہ نے ستائشی نظر ڈالی۔ بس ٹھیک ہے یہی پہنو۔۔۔ اور سنو بھابھی تم ہمارے ساتھ ہی آجاؤ۔ بانو تمہیں مہندی لگادے گی۔" وہ باقاعدہ حکم کے انداز میں کہتی آگے چل پڑی۔۔۔ مجبوراً" اسے بھی ساتھ نکلنا پڑا۔ ویسے بھی یہاں رہنے کا فائدہ ہی کیا تھا۔ سامنے کے حصے میں شاید کسی موقعے کا امکان نکل آتا۔

مہندی لگوانے کے دوران بھی وہ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ دن تو ہاتھ سے پھسلتا ہی جارہا تھا۔ مہندی دھونے کے بعد کپڑے استری کرنا ' نہانا ' تیاری۔۔۔

"اف کہاں سے وقت نکالوں اور کیسے اس تک اطلاع پہنچاؤں۔۔۔" خان کا کمرا تو اب وہ دیکھ چکی تھی لیکن وہاں جاکر کیا کرتی ' خان تو اپنے ڈیرے پر تھا تیاری کے وقت تک نہ اس کے دماغ میں کوئی حل آسکا تھا نہ خان تک اطلاع پہنچانے کا کوئی ذریعہ۔۔۔ بس ایک بات طے تھی کہ چاہے اسے کتنا بڑا خطرہ کیوں نہ مول لینا پڑے ' وہ پیغام اسجد تک پہنچائے بنا آرام سے نہیں بیٹھے گی۔۔۔ جس کی محبت کے آگے اپنی جان بھی بے وقت لگتی ' چھوٹے موٹے خطرے رسک اس کے سامنے کیا شے تھے۔

نورینہ نے چلنے کا بتایا تو وہ چادر اوڑھ کر مرے قدموں سے باہر نکلی۔۔۔ آج وہ خان کی سنگت میں اپنی زندگی کے پہلے سفر پر جارہی تھی۔۔۔ وہ دن جو ہواؤں میں اڑنے اور خوشیوں کے گیت گانے میں گزرنا چاہیے تھا۔ شدید اعصابی جنگ کی نذر ہورہا تھا۔

وہ لوگ دو گاڑیوں میں جارہے تھے۔ خان بیگم ' زرمینہ باجی اور بانو ساتھ نہیں جارہی تھیں۔۔۔ اس کے ساتھ تین نندوں کے علاوہ دلشادا چاچی ' ناز بھابھی اور جبین بھابھی جارہی تھیں۔ اسے شاید خان بیگم کی خصوصی ہدایت کی وجہ سے بخت لالہ کی گاڑی میں بٹھایا گیا۔ جس میں ان کی ماں دلشادا چاچی بھابیاں جبین ' ناز اور خود شامل تھی۔۔۔ دوسری گاڑی رستم چلا رہا تھا۔ ساتھ اسجد بیٹھا تھا اور پیچھے بریخنہ ' دلنازا اور نورینہ بیٹھی تھیں۔۔۔ قربان چاچا اور زیب چاچا پہلے ہی جیپ میں آگے چلے گئے تھے۔ تو مطلب یہ موقع بھی ضائع ہوگیا۔ اس نے حسرت سے آگے جاتی گاڑی کو دیکھا ' وہ اس وقت سادہ کالی چادر اپنے گرد اوڑھے ہوئے تھی۔ خان نے ایک نگاہ غلط بھی اس پر ڈالنے کی زحمت نہیں کی تھی۔۔۔ اور کیوں کرتا۔۔۔ کسی کو ڈھونڈنے اور دیکھ لینے کی لگن کے پیچھے جس ایک جذبے کا کارفرما ہونا ضروری ہوتا ہے اسجد خان اس

سے بالکل عاری تھا۔ یہ تو وہ تھی۔ جس کی دھڑکنیں اس بے مہر کا نام سن کر بے ترتیب ہونے لگتی تھیں اور فی الحال اس مشکل گھڑی میں جو ہر گزرتے لمحے کو موت کی طرح خود پر گزرتا محسوس کر رہی تھی۔۔۔ گاڑیاں اوپر کے راستے سے ہوتی آغا جی کے گھر کے پچھلے میدان میں رک گئیں۔۔۔ سامنے کھیتوں کی طرف سے پیدل چل کر آنے والوں کا خوب رش تھا۔ وہ سب گاڑیوں سے اتر کر داہنی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے سامنے کے رخ پر آگئے۔ عورتیں شامیانے سے ہو کر گھر کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئیں۔ مردوں کے لیے اس سے بھی ذرا آگے ایک اور حویلی تھی۔۔۔ بخت گل، اسجد اور رستم آگے آگے چلتے ہوئے مردانہ شامیانے میں داخل ہو گئے۔

بارات ابھی نہیں آئی تھی۔۔۔ دلشادا چاچی نے اسے کئی عورتوں سے ملوایا اور پھر وہ سب باہر رکھی چارپائیوں پر آبیٹھے۔ گل آویزہ کو اس سارے رونق میلے سے قطعاً "کوئی سروکار نہیں تھا۔۔۔ ذہن میں مسلسل بس ایک ہی جملے کی گردان تھی۔۔۔ کہ نہ تو بلاور کو اپنے منصوبے میں کامیاب ہونا چاہیے اور نہ ہی اسجد کے ہاتھوں کسی انسان کی جان جانی چاہیے۔

پندرہ بیس منٹ بعد بارات آگئی۔۔۔ شور ہنگامے میں اچانک کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ بڑا سا صحن عورتوں اور بچوں سے بھر گیا۔ گل آویزہ کے ڈھیلے پڑتے اعصاب میں ایک حوصلہ سا بے دار ہوا۔ دلشادا چاچی سے پانی کی اجازت لے کر وہ چپکے سے کھسک گئی۔ بریخنہ وغیرہ پاس ہی بیٹھی تھیں لیکن کسی نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ وہ عورتوں کی بھیڑ میں سے گزرتی گھر کے عمارت والے حصے کی طرف آگئی۔ لمبا سا برآمدہ بھی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سامنے کے ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

اب تک کے وقت میں وہ بس یہی سوچ پائی تھی کہ شاید گھر میں ٹیلی فون کی سہولت ہو یا کسی عورت کے ہاتھ میں موبائل دکھائی دے تو وہ کچھ دیر کے لیے مانگ لے، لیکن اپنی سوچ کے ناقابل عمل ہونے کا اسے بھی احساس تھا، تب ہی سارے کمرے دیکھ لینے کے بعد اور سب ہی کے چہرے پڑھ لینے پر بھی مایوسی ہی اس کے حصے میں آئی تھی۔ گل آویزہ کو شدید ٹھنڈی رات میں بھی گھبراہٹ سے پسینہ آگیا۔ بارات اگر زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ بھی یہاں رکتی تو اس کے فوراً" بعد انہوں نے واپسی ہی کرنی تھی۔۔۔ اور پھر۔۔۔ درے پر بلاور کا حملہ۔ جس کا نتیجہ وقت سے پہلے کسی کے خیال میں نہیں آسکتا تھا۔

اس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر ایک نظر عورتوں کے اژدھام پر ڈالی اور ایک خیال جیسے بجلی کے کوندے کی طرح دماغ میں لپکا۔ گل آویزہ کو اپنی کم عقلی پر لحظے بھر کو غصہ بھی آیا کہ یہ قابل عمل حل پہلے اس کے ذہن میں کیوں نہیں آگیا اور کیوں اس نے بلاوجہ بہت سارا وقت کمرے چھاننے میں ضائع کر دیا۔ اس نے جلدی سے بازو پہ دھری اپنی چادر کو وہیں برآمدے میں کھڑے کھڑے خود پر اوڑھ لی اور چہرا ڈھانپ کر اپنے گھر والوں سے چھپتی چھپاتی ڈیوڑھی تک آگئی۔ یہاں اس قدر شور اور رش تھا کہ کسی کو خبر نہیں تھی کون آرہا ہے اور کون جا رہا ہے۔ وہ بھی غیر محسوس انداز سے چلتی ہوئی ڈیوڑھی اور پھر شامیانے سے نکل کر باہر آگئی اور پھر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے عمارت کے پچھلے میدان میں جہاں ان کی گاڑیاں کھڑی تھیں وہاں پہنچ گئی۔ یہاں اب بھی خاموشی اور اندھیرا تھا۔۔۔ پہلا خیال اس کے دل میں یہ آیا تھا کہ شاید رستم گاڑیوں کے پاس موجود ہو اور اگر ایسا ہو تا تو وہ رستم کو ہی بلاور کے عزائم سے آگاہ کر کے واپس آجاتی، لیکن وہاں کسی کو نہ پا کر اس نے آس پاس دیکھا۔ تھوڑے فیصلے پر کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ اس نے ایک دس، بارہ سال کے نسبتاً" بڑے بچے کو آواز دے کر بلایا۔ وہ فوراً" بھاگتا ہوا آگیا۔

"سنو بیٹا۔۔۔ کیا تم وہاں مردانے حصے میں جا سکتے ہو۔۔۔ کسی کو بلانا ہے۔"

"جی۔۔۔ کیسے۔۔۔؟" لڑکا بغور اسے گھور رہا تھا۔

"گاؤں کے بڑے خان کو دیکھا ہے۔ اسجد عالم۔ وہ

خان بیگم کا بیٹا!"

"ہاں۔ ہاں۔۔۔ ہمارا نیا خان۔۔۔ وہ شہری۔۔۔" لڑکا پرجوش ہوا۔

"ہاں۔ شاباش، تم تو واقعی جانتے ہو۔" گل آویزہ نے پہلا سکون کا سانس لیا۔ "دیکھو اسے یہاں بلالاؤ' کہنا ایک عورت بلا رہی ہے۔"

"اچھا۔" وہ فوراً" مڑا" لیکن گل آویزہ نے لپک کر اس کا بازو پکڑا وہ حیرت سے مڑا تو گل آویزہ نے اس کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے۔

"دیکھو' تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔۔۔ خان کو لیے بغیر مت آنا میں بہت مصیبت میں ہوں۔ میرا ان سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔" لڑکے نے پہلی مرتبہ اس کے چمکتے چاند سے چہرے کی جھلک دیکھی اور مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ اثبات میں سر بھی میکانکی انداز میں ہلایا اور گل آویزہ نے جانے کا اشارہ کیا تو بھاگ کھڑا ہوا۔

سرما کی تیز خشک ہوا پوری شدت سے چل رہی تھی۔۔۔ کھلے میدان میں جس کے زور میں اور بھی اضافہ ہوا تھا۔ اس نے سرد ہوا کے تھپیڑوں سے بچنے کے لیے اپنی چادر کو کچھ اور سمیٹا۔ جسم کے آرپار ہوتی ہوا سے ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ لیکن دل کی کیفیت اس وقت بالکل مختلف تھی۔۔۔ اس کی بے خوفی کا عالم یہ تھا کہ اگر یہیں کھڑے کھڑے اس کی جان چلی جاتی' تب تو ضرور کوئی نہ کوئی اسے یہاں سے ہٹادیتا ورنہ جیتے جی وہ بنا اسجد سے بات کیے یہاں سے ایک انچ ہٹنے والی نہیں تھی۔۔۔ اپنے پیچھے کے اونچے پہاڑی درے کو دیکھ کر اس نے بلاوروکو دل ہی دل میں للکارا۔

"اسجد عالم کے ہاتھوں کو خون سے رنگنے والے پہلے اس کی بیوی کو راہ سے ہٹا کر دکھائیں۔" نفرت سے منہ پھیر کر اس نے سامنے دیکھا تو وہ بچہ سچ مچ اسجد کو ہمراہ لیے میدان میں آتا دکھائی دیا گل آویزہ کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اس کی بڑھتی پکڑ دھکڑ سے وہ خود بھی گھبرا گئی۔۔۔ خان اکیلا ہی آرہا تھا۔ شاید اس نے سمجھا تھا کہ اپنے گھر کی عورتوں میں سے کوئی بلا رہا ہے۔ تب ہی رستم کو بھی ساتھ نہیں لایا۔۔۔ لڑکے نے ہاتھ سے آویزہ کی طرف اشارہ کیا اور وہیں سے پلٹ گیا۔ اسجد نے ایک حیرت بھری نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ سر سے پیر تک کالی چادر میں لپٹی عورت کا چہرہ بھی مکمل چھپا ہوا تھا۔

"کون ہے۔۔۔؟" وہ جھجک کر چند قدم پہلے ہی رک گیا۔

"السلام علیکم خان۔۔۔" گل آویزہ نے اپنی ساری ہمت مجتمع کرکے محبوب کا نام لبوں سے ادا کیا اور کائنات کی چلتی سانسوں کی لگام جیسے یک لخت کسی نے کھینچ دی ہو۔۔۔ آویزہ کی جھرنوں سی سریلی رواں آواز نے اسجد کی پوری توجہ ایک نقطے پر مرکوز کردی وہ اب اس کے اگلے جملے کا منتظر تھا۔ سلام کا جواب بھی یاد نہیں رہا۔

"خان۔۔۔ آپ واپسی پر کوئی اور راستہ اختیار کریں۔۔۔ درے پر حملے کا خطرہ ہے۔" اس نے بنا وقت ضائع کیے اسے آگاہ کیا۔

"کون ہو تم۔۔۔ اور کیسا حملہ۔۔۔ تمہیں کس نے بتایا؟" اسجد بے خیالی میں دو قدم آگے آیا۔

"مم۔۔۔ میں اس سے زیادہ نہیں بتا سکتی خان۔۔۔ مجھے جانا ہے۔" گل آویزہ نے گھبرا کر اپنی چادر مزید نیچے کھینچی اور ایک کونا دانت میں دبایا۔۔۔ پیغام تو خان تک پہنچ ہی چکا تھا اب ہر صورت خود کو چھپانا تھا۔

"تمہیں کیسے پتا کہ درے پر حملہ ہونے والا ہے۔۔۔ حملہ کون کرے گا۔"

اسجد اس کا گھیرا تنگ کرتا اس کے بے حد قریب آیا۔ "بتاؤ لڑکی کون ہو تم۔۔۔ اور کیسے جانتی ہو یہ سب۔۔۔؟" اسجد اپنے اونچے لمبے سراپے سمیت اس پر حاوی سا ہونے لگا۔

آویزہ نے گھبرا کر تھوک نگلا اور کچھ بولنے کی کوشش میں منہ کھولا۔۔۔ دانتوں میں دبا چادر کا کونا تو لبوں سے جدا ہوا ہی۔۔۔ تیز ہوا کے جھونکے نے یک لخت اس کا گھونگھٹ بھی الٹ دیا۔ اس نے فوراً" ہاتھ سے تھام کر چادر کو دوبارہ سر پر ٹکایا لیکن اپنا چہرہ وہ اسجد

سے چھپانے میں ناکام رہی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے چادر جوڑنے کی کوشش میں سرگرداں ہوگئی لیکن دوپٹا جانے کیسے سر پر لگی پنوں میں الجھ گیا تھا۔ اور اسجد اتنا بے تحاشا حسن ایک ساتھ دیکھ کر مبہوت سا کھڑا رہ گیا۔ اس کی ہرنی جیسی معصوم سیاہ آنکھوں میں گہری شام کی اداسیاں تھیں تو سرخ عنابی رخساروں میں جلتے انگاروں کی دہک۔۔۔ بھرا بھرا چھوٹا سا دہانہ جیسے انار کی کھلی کلی۔۔۔ چمکتی سفید پیشانی پر دائیں بائیں سیاہ بالوں کی مینڈھیاں گندھی ہوئی تھیں جن کے درمیان میں چھوٹا سا گولڈن ٹیکا لٹک رہا تھا۔ گھور سیاہ آنکھوں، کالی گھنی بھنوؤں اور گہرے کالے بالوں کے بیچ وہ دودھ ملائی سا نرم سفید چہرا، اسجد چاہ کر بھی نگاہ ہٹا نہیں پا رہا تھا۔ اور وہ جو ابھی تک پنوں اور دوپٹے میں الجھی تھی، اچانک ایک خیال کے آتے ہی سرپٹ بھاگ کھڑی ہوئی۔۔۔ اسجد جب تک سنبھلتا وہ بھاگتی ہوئی زنانہ حصے میں داخل ہوگئی۔۔۔ ایک ڈھیلی سانس خارج کرتے ہوئے اسجد نے گاڑی سے ٹیک لگائی اور موبائل نکال کر ایک پرانا میسج اپنے سامنے کھولا۔

"کیا وہ تم ہو۔۔۔؟" وہ اپنے آپ میں مسکرانے لگا۔

حسن۔۔۔ اور اتنا مہربان۔۔۔! وہ انجان حسینہ ابھی ابھی اسے جس خطرے سے آگاہ کر گئی تھی، وہ اچھا خاصا پریشان کن تھا۔ لیکن اسجد ہر غم سے بے نیاز کچھ دیر پہلے کے لمحات سے دل و دماغ کو معطر کر رہا تھا۔۔۔

"جانے اس بار میری خیر اندیش نے موبائل فون کا سہارا کیوں نہیں لیا۔۔۔؟ چلو اچھا ہی ہوا۔۔۔!" وہ زیر لب مسکراتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

کھیتوں کے بائیں جانب کنارے کنارے ایک اونچا نیچا ناہموار کچا راستہ ایسا تھا جسے بامر مجبوری استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے رستم کو سمجھا دیا کہ واپسی کہاں سے کرنی ہے۔ بخت کو پتا چلا تو وہ چونکا ضرور لیکن یہاں پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

بارات دلہن کو لے کر جوں ہی رخصت ہوئی، گل آویزہ نے دلشاد اور چاچی پر زور دینا شروع کر دیا کہ اب انہیں چلنا چاہیے۔۔۔ وہ چاہتی تھی اسجد وغیرہ کے باہر نکلنے سے پہلے وہ گاڑی میں گھس کر بیٹھ جائے تاکہ اسجد کی اس پر نظر نہ پڑے۔ چاچی نے اس کی بات مان لی اور وہ سب باہر آگئے۔ وہاں صرف رستم کھڑا تھا، اس نے سب کے لیے گاڑیاں کھول دیں اور وہ اپنی پرانی جگہ پر اچھی طرح پردہ جوڑ کر بیٹھ گئی۔ اب اسے ڈر تھا تو صرف ایک یہ کہ کیا خان اس کی بات پر عمل کرتے ہوئے راستہ تبدیل کرتا ہے یا نہیں۔۔۔ لیکن جلد ہی اس کا خوف اطمینان میں بدل گیا کیونکہ خان نے پیچھے پہاڑی کی طرف چڑھنے کے بجائے کھیت کے کنارے کچے راستے کا انتخاب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کہیں تو کچھ گڑبڑ ضرور ہے بلاور۔۔۔" زرتاج خان نے چائے ختم کر کے پیالی سامنے میز پر رکھی۔۔۔ بلاور ہاتھ پیچھے باندھے ڈیرے کی حویلی میں دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ آدھی رات تک اس کے آدمیوں نے اسجد کی گاڑی کا درے پر انتظار کیا تھا، لیکن جانے اسے زمین کھا گئی تھی یا آسمان نگل گیا۔۔۔ حالانکہ شادی پر جاتے ہوئے جھاڑیوں میں چھپے اس کے آدمیوں نے صاف اسے اور بخت کو دو گاڑیوں میں جاتے دیکھا تھا۔ لیکن چونکہ حملے کا پروگرام واپسی کے لیے ترتیب دیا گیا تھا اس لیے وہ لوگ سامنے نہیں آئے تھے۔

"تیسری بار ایسا ہو رہا ہے۔۔۔ تیسری بار۔۔۔" بلاور کی خونخوار آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔۔۔ ملازموں کو زرتاج خان نے آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کو کہا اور وہ تینوں فوراً" کمرا چھوڑ گئے۔

"ہوش سے کام لو بلاور۔۔۔ بیٹھو یہاں اور آرام سے ہر پہلو پر غور کرنے دو۔"

"غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے بابا جان۔۔۔ بات بالکل صاف ہے۔" وہ اب چلتے چلتے رک گیا تھا۔

زرتاج خان چونکا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔ کیا کوئی نوکر ہے اپنا۔۔۔!" زرتاج خان کی حیرت صدمے سے کم نہیں تھی۔

"نوکر ہوتا تو اس کی لاش سامنے رکھ کر آپ کو بتاتا۔"

"پھر کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔ کس پر شک ہے تمہیں؟"

"گل آویزہ پر۔۔۔ وہ شعبان کی بیٹی بہت دلیر ہے بابا جان ہمیں نے اس پر بھروسا کر کے اپنے ساتھ برا کیا ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو' ثبوت کیا ہے؟" زرتاج خان کی آنکھوں سے حیرت مترشح تھی۔ بلاور کے اعتماد بھرے لہجے سے کچھ الگ ہی کہانی ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں نے صرف ایک بار اس سے اسجد کے کہیں آنے جانے کا پروگرام پوچھا تھا۔۔۔ اس کے بعد کبھی کچھ نہیں بتایا لیکن میرا خیال ہے اس کے تب ہی کان کھڑے ہو گئے تھے۔"

"لیکن تم پر یقین نہیں ہو۔۔۔ پھر تم خود کہہ رہے ہو کہ بعد کے وہ منصوبے تم نے اسے بتائے ہی نہیں۔۔۔ پھر اس تک کیسے پہنچے؟"

"وہ تو پتا لگانا پڑے گا لیکن اب تک کے واقعات سے یہی لگتا ہے کہ جب سے وہ بیاہ کر گئی ہے۔ سارے منصوبے چوپٹ ہو رہے ہیں۔۔۔ اور یقین کریں بابا جان۔۔۔ اگر ان معاملات میں کہیں بھی اس کا ہاتھ نکلا تو اس کا انجام ٹھیک نہیں ہو گا۔" بلاور کی آنکھیں جیسے شعلے اگل رہی تھیں۔۔۔ زرتاج خان پگڑی سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم جانو بھئی۔۔۔ تمہارا انتخاب تھی وہ مزارع کی بیٹی۔۔۔ ورنہ گائے کی طرح کھونٹے سے بندھنے والیاں تم نہیں تھیں۔۔۔ اس وقت یہ تیز طرار پڑھی لکھی تمہیں ہر لحاظ سے بہترین لگ رہی تھی۔۔۔ اب بھگتو۔" وہ کندھے پر شال ڈال کر بکتے جھکتے باہر نکل گئے اور بلاور کو کئی سوالوں کے ساتھ جاگتا چھوڑ گئے۔

☼ ☼ ☼ ☼
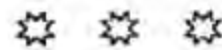
حسن و خوبصورتی کائنات میں جس کسی شکل میں بھی ہوں دیکھنے والی آنکھ کی توجہ حاصل کیے بنا نہیں رہتی۔۔۔ اسجد کے پاس حسن کو پرکھنے والی آنکھ بھی تھی اور وہ فطرتاً "حسن پرست" بھی تھا' لیکن اتفاق کی بات ہے کہ آنکھ کی پتلی میں جتنے بھی حسین منظر اب تک ثبت ہوئے تھے ان میں صنف نازک کا کہیں ذکر نہیں تھا۔ اب وہ جانے واقعی صنف نازک سے بے زار تھا یا کوئی حسین چہرہ اب تک اس کی نظر سے گزرا نہیں تھا۔۔۔ البتہ یہ طے تھا کہ اب برہم چاری کا چولا اتارنے کا وقت آ گیا تھا۔ خود کو دھوکا دینے کے جس مشن پر اس نے پچھلے چند روز سے اپنے دل کو لگا رکھا تھا' اس کی ہر کوشش رائگاں گئی تھی۔ سینکڑوں مرتبہ وہ کالا گھونگھٹ ہوا میں لہرایا اور وہ پری چہرا' چھم سے تصور میں اتری۔۔۔ حد تو یہ ہے کہ اب وہ حقیقی تصویر کئی دوسری خیالی تصویروں میں بدل بدل کر سامنے آنے لگی تھی۔

کبھی اسجد کو لگتا کہ وہ اسے اپنی شرمگیں مسکراہٹ سے نواز رہی ہے۔۔۔ کبھی محض پلکیں جھکا لیتی۔۔۔ کبھی آنکھوں میں سوالیہ حیرت لیے بس تکتی رہتی' کبھی پیار سے تو کبھی خفگی سے۔۔۔ وہ دل سے تھک کر یہی سوچ پایا کہ اس نے اس لڑکی کو ڈھونڈنا ہے۔۔۔ چاہے یہ جیسے بھی ہو۔۔۔ دل و دماغ پر ان دنوں بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ موبائل والے خیر خواہ اور سامنے آ کر خطرے سے آگاہ کرنے والی کے ربط کا کسی طرح پتا چلا لے۔۔۔ جانے کتنی مرتبہ اس نے وہ پرانے مسیج کھول کر نمبر کو غور سے دیکھا۔۔۔ اور اس مرتبہ ریپلائی کا بٹن دبا کر لکھنا شروع کیا۔

"اگر کوئی اپنے محسن کا شکریہ روبرو ادا کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو بھلا اس کی صورت کیا ہو گی۔۔۔؟" اور پھر بنا کچھ سوچے سینڈ کر دیا۔

"خان۔ آج ڈیرے پر رکیں گے یا حویلی جائیں گے۔۔۔؟ وہ۔۔۔ خان بیگم پوچھ رہی ہیں۔" حاضر جان' جمال بی بی کا بھانجا بھی تھا۔ حویلی کی ڈیوڑھی میں زیادہ تر لین دین اور پیغام رسانی کا کام ان ہی دو کے ذریعے سے انجام پاتے تھے۔ یقیناً وہ وہیں سے آ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔" اسجد چونکا۔ "رستم اور بابر کہاں ہیں؟

انہیں بلاؤ ذرا۔۔۔ وہ آج یہاں ہیں تو میں گھر چلا جاتا ہوں۔"

"خان اگر آپ کی اجازت ہو تو درمیانی دروازہ کھلوا دیتے ہیں۔ آج کل آپ دیر تک یہاں رہتے ہیں۔ باہر سے حویلی کا راستہ لمبا بھی پڑجاتا ہے اور ٹھنڈ بھی بہت بڑھ گئی ہے۔۔۔" حاضر جان ساتھ ساتھ برتن بھی سمیٹ رہا تھا۔ اسجد اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔ تیسری وجہ وہ زبان پہ نہیں لانا چاہتا تھا لیکن اسجد بنا اس کے کہے جان گیا۔ جس دن سے گودام پر حملے کا واقعہ ہوا تھا اس کے نوکر کہیں بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو ڈیرے سے جب وہ ڈیرے سے حویلی کی طرف جاتا وہ تب بھی اس کے ساتھ ہوتے۔۔۔ بہر حال حاضر جان کی بات دل کو لگتی تھی، جب ڈیرے کا ایک راستہ اصطبل سے ہوتا ہوا حویلی میں جاتا تھا تو باہر سے رسک لے کر جانے کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ اس پوری جگہ کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ اصطبل، حویلی اور ڈیرے کے بالکل سینٹر میں تھا۔۔۔ اور ڈیرے کا دروازہ مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے گھر آنے کے لیے لمبا چکر کاٹنا پڑتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ کسی دن کھلوا دو وہ راستہ، پھر میرے لیے یہاں دیر تک کام کرنے کا مسئلہ نہیں رہے گا۔۔۔ فی الحال میں باہر سے ہی جارہا ہوں۔۔۔ بابر سے کہہ دو، یہاں کوئی رکتا ہے تو ٹھیک ورنہ ڈیرے کو بند کردو۔"

وہ اپنی ضروری چیزیں سمیٹ کر باہر نکل آیا۔۔۔ کسی امید پر ایک نظر موبائل کی طرف دیکھا لیکن کوئی جواب نہ پا کر مایوسی سے جیب میں رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے بلاور۔۔۔ یہ حمدان یہاں کیوں آیا تھا۔" ڈیرے میں داخل ہوتے زرتاج خان نے بندوق کندھے سے اتار کر کھاٹ کی پائنتی کی طرف رکھی۔ دو خادم بھاگتے ہوئے نزدیک آئے اور خان کے لیے تکیہ، چادر درست کرنے لگے جو آج کافی صبح سویرے آگئے تھے۔

"قہوہ تیار ہے خان۔" ضمیر نے دست بستہ اجازت طلب کی۔

"ہاں لے آؤ۔" انہوں نے سوالیہ نظریں بلاور پر گاڑی جو خاصی معنی خیزی سے مسکرا رہا تھا۔

"خیریت۔۔۔ کیا حساب کتاب کے سودے میں کسی نفع کا امکان نکل آیا ہے۔" بیٹے کا چہرہ وہ خوب پڑھ لیتے تھے۔

"نقصان کو نفع میں بدلنا بلاور کو خوب آتا ہے۔" وہ دوسری کھاٹ پر آرام دہ حالت میں بیٹھ گیا۔

"اس کی تو سنا ہے ماں بیمار ہے۔"

"ہاں۔۔۔ گردے میں تکلیف رہتی ہے۔ علاج میں مدد مانگنے آیا تھا۔ میں نے وعدہ بھی کرلیا اور سود بھی پیشگی وصول کرلیا ہے۔"

"سود۔۔۔؟" زرتاج کی تیوری پہ کئی بل آئے بلاور نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"میں نے اس سے کہا ہے کہ تمہاری ماں کی بیماری کی اصل وجہ گل آویزہ ہے۔ اسے بلوا بھیجو کچھ دن کے لیے، پرور خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اوہ۔" زرتاج خان نے ڈھیلا سا ہو کر دیوار سے پشت ٹکائی۔ "تو پھر۔۔۔؟"

"کہتا ہے آپ بلوانے میں مدد کریں۔ خان بیگم کے ساتھ صرف خوشی غمی کی بات طے ہوئی تھی۔ خیر میں نے کہہ دیا ہے کہ نور زادہ پھوپھی سے پہلے بات کر کے دیکھتے ہیں۔۔۔ ہوسکتا ہے وہ خان بیگم سے اجازت دلوا دے۔"

"تو آویزہ کے یہاں آنے سے تمہیں کیا ملے گا۔" بات ابھی بھی بڑے خان کی سمجھ سے بالا تھی۔ بلاور محض مسکرا دیا۔

"دیکھو بلاور۔۔۔ تم اس سے بدلہ لینے کی حماقت بالکل نہ کرنا۔ وہ اب دوسرے قبیلے کی امانت ہے۔ یہاں اسے آنچ بھی نہیں آنی چاہیے۔ اس معاملے میں اپنا دماغ ابھی سے صاف کرلو۔" زرتاج خان اب نارمل سے قدرے اونچی آواز میں بات کررہے تھے۔

سرداری حیثیت سے ان کے اصول قانون بہت پکے تھے۔ جن پر سب سے پہلے وہ خود کاربند تھے۔

"ارے وہ بہن ہے میری۔۔۔ اسے کیوں آنچ آنے لگی۔" بلاور کے لبوں پر ہنوز شرارتی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ "اچھا فی الحال تو میں شہر جا رہا ہوں۔۔۔ کل واپس لوٹوں گا۔ حمدان کو کسی قسم کی مدد درکار ہو تو اس کا کام کروا دیجیے گا۔" بلاور نے صدری، شال وغیرہ پہن کر چیلی کو ٹھیک سے بند کیا۔ زرتاج نے اس مرتبہ کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔

☼ ☼ ☼

"یار۔۔۔ ایک نمبر کا پتا کرنا ہے کہ کس کے استعمال میں ہے۔"

"لینڈ لائن ہے۔۔۔؟" فراز پوری طرح متوجہ ہوا۔

"لینڈ لائن ہوتا تو مسئلہ ہی کیا تھا۔۔۔ موبائل نمبر ہے۔" اسجد نے مجبوری بیان کی۔

"خیریت، کوئی دھمکا رہا ہے، خدانا خواستہ۔" فراز کو تشویش لاحق ہوئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔" اسجد کے لب اس پری چہرا کو یاد کر کے مسکرا دیے۔

"تو کیا تم نے کسی کو دھمکانا ہے۔۔۔" پتا نہیں فراز کیا سمجھا۔

"دھمکی سے آگے کچھ سوچو۔" اسجد نے سر کھجایا۔

"دھمکی سے آگے۔۔۔؟" فراز کی آواز میں حیرت تھی۔ "مطلب، قتل خون وغیرہ۔"

"لاحول ولا۔۔۔" اسجد نے ماتھا پیٹا۔ "اچھا تم دھمکی سے پیچھے سمجھ لو۔"

"دھمکی سے پیچھے۔۔۔ یعنی پیار محبت۔۔۔"

"ہیں۔۔۔" اسجد ایسے درست اندازے پر گڑبڑا گیا۔

"کسی حسینہ کا معاملہ ہے۔۔۔" فراز اب کے کھل کر ہنسا۔ "تو کھامڑ صاف صاف بولو نا، گھما کس کو رہے ہو۔"

"ارے یار میں تو خود پورا گھوم گیا ہوں۔" اسجد نے ہار مانی۔

"پوری بات بتاؤ۔ اب اندازوں میں میرا مزید ایک گھنٹا ضائع نہ کروا دینا۔" فراز نے صاف کورا انداز اپنایا تو اسجد نے مسکراتے ہوئے اب تک کے حالات تفصیل سے اس کے گوش گزار کیے۔

"واؤ انٹرسٹنگ۔" فراز کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"دوست تو عشق میں پور پور ڈوبا دکھائی دے رہا تھا۔" میرا خیال ہے وہ تارزن کی بہن پھر کسی نہ کسی موقع پر خود ہی سامنے آجائے گی۔۔۔" فراز کو واقعہ سن کر کسی مردمار قسم کی لڑکی کا ہی تصور ابھرا۔ "یعنی اگلی مرتبہ جب میں پھر خطرے میں گھروں گا۔۔۔؟" اسجد نے جتایا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔ اب میں یہ تو نہیں کہنا چاہتا تھا۔ بہرحال نمبر پتا کروانے کے لیے دیکھتا ہوں کیا کر سکتا ہوں۔ شاید کچھ جان پہچان لڑوانی پڑے۔"

"اچھا۔۔۔؟" اسجد سوچ میں پڑ گیا۔ "چلو پھر رہنے دو۔۔۔ اپنی سناؤ۔ کب آ رہے ہو میرے پاس۔"

"یار سی ایس ایس کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ اسی کی تیاری میں لگا ہوں۔ فی الحال تو بہت مشکل ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ فارغ ہو کر ہی آنا لیکن زیادہ دنوں کے لیے او کے پھر۔۔۔" اسجد کا انداز اجازت طلب تھا۔

"سنو۔۔۔" فراز نے جاتے جاتے روکا۔ "گانے سن کر اب کسی کی یاد آتی ہے۔۔۔؟" لہجہ بھرپور شرارت لیے ہوئے تھا۔ اسجد کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا۔

"دفع ہو جاؤ۔"

☼ ☼ ☼

وہ ایک ضخیم رجسٹر پر جھکا کسانوں اور ہاریوں کے حصے میں آنے والی فصل کا حساب کر رہا تھا، جب باہر کے سوئے ہوئے خاموش ماحول میں کسی ہلچل کا احساس پیدا ہوا۔ اسجد نے کام چھوڑ کر دروازہ کھولا۔

"وہ۔" سرما کی مدھم جھڑی۔۔۔ ہلکی ہلکی ٹپ ٹپ کے ساتھ سامنے منتظر تھی۔ بلکہ یقیناً اس عمل کو کچھ دیر گزر چکی تھی کیونکہ زمین خاصی بھیگ چکی تھی۔

سامنے گیٹ کے پاس سو والٹ کا پیلا بلب جل رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں حاصر جان غالباً" سو چکا تھا۔ بابر اور رستم اپنے اپنے گھروں کو گئے تھے۔ اسجد نے شال اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ کر فرصت کی ایک نگاہ سامنے پھیلے کشادہ صحن پر ڈالی۔ رات کے بارہ' ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ لگاتار برستی بارش جانے کیوں ماحول کے فسوں کو گہرا تر کیے جارہی تھی۔ اس نے گھر جانے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنے پیچھے کمرا بند کر کے تالا لگادیا۔ ڈیرے اور اصطبل کا درمیانی دروازہ کھول کر قدم اصطبل میں رکھے۔ گھوڑے شاید کھڑے کھڑے نیند پوری کررہے تھے کیونکہ ان کے سکون میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا تھا۔

یہاں داخل ہوتے ہی جانے کیوں اسجد کے وجود میں سنسنی سی دوڑی۔ جمی ہوئی یخ بستہ رات کے پر ہول سناٹے میں ہر شے ایک سہمی چڑیا کی طرح سمٹ سکڑ کر اپنی جگہ ٹھہرا رہی تھی۔ وقت کی رگیں کسی کمان کی طرح تن گئی تھیں۔ جانے قدرت کی کچی نشانیاں کیوں کچھ ہونے کا پتا دینے لگی تھیں۔ جیسے کسی حقیقت کے آشکار ہونے کا لمحہ۔۔۔ ایک ایسی حقیقت جو ظہور میں آنے سے پہلے آپ کے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ اسجد نے اصطبل کا صحن عبور کر کے حویلی کے اندر جانے والے دروازے پر ہاتھ رکھا تو جانے کیوں اس لمحے وہ ظالم محسنہ کالے گھونگھٹ کی اوٹ سے بارش میں بھیگا بھیگا چہرا لیے مسکراتی تصور میں اتری۔۔۔ ہاں یہ ایک تصور وہ اپنے ذہن میں دہرانا بھول گیا تھا۔۔۔ اس نازک اندام کا خیال آتے ہی وہ ساری تھکان بھول کر مسکراتے ہوئے حویلی میں داخل ہوا۔ حویلی کے آنگن میں پانی کی اب اتنی تہ بن چکی تھی کہ ٹپ ٹپ گرتے قطروں سے چھوٹے چھوٹے دائرے بننے لگے تھے۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا اور جوں ہی مڑا' برآمدے میں ایک سایہ سا لہرایا۔ کوئی تھا جو شاید برآمدے کی سیڑھیوں کے قریب بیٹھا تھا یا جانے ستون کے پیچھے چھپا تھا کہ دروازے کی آواز سے بھاگا تھا۔

"کون ہے۔۔۔؟" اسجد تیز قدموں سے صحن پار کر کے برآمدے میں آیا۔۔۔ میرون شال میں وہ کوئی لڑکی تھی جو ایک کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھے اس کی جانب پیٹھ کیے کھڑی تھی۔

"کون ہو۔۔۔؟" اس نے فی الفور ہاتھ میں پکڑی ٹارچ جلائی۔ لڑکی بدستور پیٹھ کیے کھڑی تھی۔۔۔ سیکنڈ کے بھی دسویں حصے میں اسے یاد آیا کہ حویلی کے اس حصے میں اس کی اکلوتی بیوی بستی ہے۔ لڑکی کی جھجک نے بھی صاف کردیا کہ یہ "وہی" ہے۔ اسجد نے مزید اصرار ترک کر کے پلٹنے کی کوشش کی تب ہی لڑکی نے پیٹھ موڑے موڑے ہی بائیں ہاتھ سے اپنی شال کو سر پر جمایا اور بس اسی ایک پل میں اسجد کے مڑتے قدم پورے واپس پلٹے۔۔۔ درمیانی انگلی میں وہ بڑے سے سبز پتھر کی انگوٹھی اسے بری طرح چونکا گئی۔۔۔ اس رات کالی چادر اور پنوں سے الجھتی اس لڑکی کی درمیانی انگلی میں سب سے قابل توجہ یہی سبز انگوٹھی تھی۔۔۔ سامنے کھڑے اس پراسرار وجود سے پہلی مرتبہ اسجد کو ایک خوف سا محسوس ہوا۔ گلے سے سینے تک صدیوں کی پیاس در آئی۔

لڑکی نے چپکے سے دروازے کی کنڈی کھول لی تھی۔ دروازہ بے آواز طریقے سے وا ہوا اور وہ پلک جھپکتے میں اندر داخل ہوگئی۔۔۔ یقیناً" اب وہ دروازہ بند کر کے اسے اندر سے لاک کرنے والی تھی' جب بجلی کی سی سرعت سے اسجد نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ دو دروازوں کے بیچ میں ڈال دیا۔ لڑکی چونکہ اس حقیقت سے انجان پوری شدت سے دروازہ بند کررہی تھی تو اسجد کا ہاتھ تقریباً" کچل سا گیا اور جب اسے پتا چلا کہ بے دھیانی میں وہ کیا کر بیٹھی ہے تو بجائے اسجد کے لڑکی کے منہ سے کراہ نکل گئی۔ بے ساختہ اس نے دروازہ دوبارہ کھول کر اوپر دیکھا۔ اسجد اپنی چوٹ سے بے نیاز ناک تک آئے اس کے گھونگھٹ کے نیچے ان عنابی ہونٹوں اور ٹھوڑی کے سبز ٹیکے کو دیکھ رہا تھا۔۔۔ نہ شک باقی رہا نہ تجسس۔۔۔ سارا خوف ساری پراسراریت ایک لطیف گدگداتی' سرما کی جھڑی جیسی وجود پر برستی

رم جھم کی طرح چاروں جانب پھیلنے لگی۔ اسجد نے جیب سے رومال نکال کر تختی سے ہاتھ پر لپیٹا اور اندر آکر اطمینان سے پہلے لائٹ آن کی پھر دروازہ پیچھے بند کر کے باقاعدہ کنڈی چڑھا دی۔

جنون کی تلاش کے "اس" طرح ختم ہونے پر کیسے محسوسات جاگتے ہیں اسے ٹھیک اندازہ ہو رہا تھا۔ لڑکی ایک مرتبہ پھر رخ موڑ گئی تھی لیکن اسجد کے نصیب نے اب پیٹھ دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ نرم ریشمی لمحوں کے تار اس کی مٹھی میں قید ہونے کو بے تاب تھے۔ اسجد نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں مضبوط ہاتھ گل آویزہ کے شانوں پر جمائے جس نے بے ساختہ اپنی سانس روک لی تھی۔۔۔ اسجد نے دھیرے دھیرے اس کا رخ اپنی جانب موڑا اور پھر ایک ہاتھ سے اس کا گھونگھٹ اوپر کو اٹھا دیا۔ وہ اپنی گہری غزالی آنکھوں میں گھبراہٹ لیے پلکیں کپکپا رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے چھو کر گل آویزہ کی ٹھوڑی اونچی کی۔

"بدنصیبی نے اسجد عالم کا گھر نہ دیکھ رکھا ہوتا تو یہ ماہ تاب مہینوں بعد کیوں اپنے کرم کی چاندنی برساتا۔"

وہ بے اختیار ہو کر بولا تو گل آویزہ نے جھینپ کر چہرا جھکا لیا۔

ہم بھی رستوں میں پھر رہے تھے منیر
وہ بھی تھا رہگذار میں بیٹھا۔۔۔!

وہ سرگوشی سے بھی کچھ مدھم لہجے میں بولتے اس کے بہت قریب آیا تو گل آویزہ کا ٹھنڈا یخ وجود ایک دم ڈھیلا پڑا سانسوں کی رفتار مدھم ہوتے ڈوبنے سی لگی اور وہ تیورا کر اسجد کے سینے سے ٹکرائی' وہ بروقت سنبھال نہ لیتا تو یقیناً "اس کے قدموں میں پڑی ہوتی۔

اسجد نے بازوؤں میں اٹھا کر اسے پلنگ پر لٹایا اور گال تھپتھپانے لگا۔ گل آویزہ کی آنکھیں بھی بند تھیں اسجد نے قریب رکھے گلاس میں انگلیاں ڈبو کر اس کے چہرے پر چھینٹا مارا۔ وہ ہوش میں تو آگئی لیکن اب خالی خالی نظروں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اسجد نے پلنگ کے دائیں کنارے پر بیٹھتے ہوئے اپنا بایاں بازو پلنگ کے دوسرے کنارے پر ٹکایا ایک طرح سے لیٹی ہوئی

گل آویزہ پر اس وقت وہ پورا حاوی تھا۔

"کوئی مہربان اتنا بھی سنگ دل ہو سکتا ہے۔" وہ اس پہ جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "سمجھ نہیں پا رہا۔ تم سے معافی مانگوں اپنی کوتاہیوں پر یا شکوہ کروں تمہارے گریز کا۔۔۔" اسجد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' گل آویزہ نے اپنے آنکھیں بند کر لیں۔۔۔ پر شاید نہیں کرنی تھیں۔۔۔ اس کے محبوب کی دلیری میں کچھ اور اضافہ ہوا۔۔۔ گل آویزہ نے اس کی گرم سانسوں کو اپنے بہت قریب محسوس کیا اور پھر اپنی پیشانی پر اس کے ہونٹوں کا لمس۔۔۔ جان سکڑ کر شاید پیروں سے جا چکی تھی۔۔۔ وہ اتنی بے بس کبھی بھی نہیں تھی۔ اسجد کی جان بچانے کی خاطر ہر خطرے میں کود پڑنے والی کو ایسے نازک لمحوں کی ڈوریاں سلجھانے کا کچھ سلیقہ نہیں تھا۔ وہ اپنی پسینے سے تر مٹھیوں کو بھینچے ہوئے تھی۔ اسجد کی بے خودی بڑھتی جا رہی تھی۔

تو کیا چاہے جانے کی خواہش کسی کو فقط چاہے چلے جانے کے جذبے پر اتنی بھاری ہو جاتی ہے۔۔۔ گل آویزہ کا احساس بے بسی کب خود سپردگی میں تبدیل ہونے لگا فرق کرنا مشکل تھا۔ اور اس کا خان جو ہرگز اپنی والہانہ محبت کو کل تک ٹالنے کے موڈ میں نہیں تھا اس کی خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھتے ہوئے اس کے اتنے قریب آگیا کہ واپسی کی راہ پر اپنا اختیار بھی کھو بیٹھا۔

☆ ☆ ☆

"ناشتا کر لیا اسجد۔۔۔" آج تو دیر تک سوتے رہے' خیریت تو ہے نا؟" خان بیگم نے پلنگ پر اپنے قریب جگہ بناتے ہوئے اسجد کا ماتھا چھوا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہوں۔" اس نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے ایک چور نگاہ دروازے کی باہر ڈالی۔

"آج ڈیرے پر نہیں جانا۔۔۔؟" خان بیگم نے لہجے کو سرسری بنا کر استفسار کیا۔ ایک تو وہ معمول سے ڈیڑھ دو گھنٹے لیٹ اٹھا تھا اور اس کے بعد بھی جھٹ

پٹ تیار ہونے کے بجائے ان کے پاس آرام سے بیٹھا تھا۔ یوں تو آنکھوں کے سامنے بیٹھا آنکھوں کا نور باعث سکون و اطمینان تھا لیکن اس وقت وہ یہ سوچ کر بے چین ہو رہی تھیں کہ گل آویزہ اس حصے میں آچکی ہوگی۔

"اچھا خیر سیانی ہے، پردہ تو بنا ہی رکھا ہوگا۔" انہوں نے خود کو تسلی دی۔

"اچھا اماں جان۔ چلتا ہوں۔" وہ آخری گھونٹ بھر کر کپ اٹھائے ہی کمرے سے نکل کر ہال میں آیا۔۔۔ یہاں کسی کو نہ پاکر بڑے بڑے قدم اٹھاتا خود ہی باورچی خانے میں داخل ہو گیا۔ اور دل کی مراد بھی اللہ نے فوراً" سن لی۔۔۔ وہ سامنے ہی پرپل شال پیچھے پھیلائے نل کے نزدیک نیچے چوکی پر بیٹھی برتن دھو رہی تھی۔ اسجد کی طرف اس کی مکمل پشت تھی لیکن اس حسن لاپروا کے انداز اب وہ بہت حد تک پہچاننے لگا تھا۔۔۔ پانی کے کولر تک آکر اسجد ہلکی آواز میں کھانسا تو گل آویزہ نے بے ساختہ سر موڑا' نظر اسجد پر پڑی اور ہاتھ میں پکڑی تین چار پلیٹیں ایک زوردار آواز سے نیچے جاگریں۔

"آہستہ میری جان۔" اسجد نے مسکرا کر گلاس کولر کے نیچے کر کے بھرا۔ گل آویزہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسجد کے بجائے اس کی پریشان نگاہیں ہال میں کھلنے والی کھڑکی کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ چہرا چھپانے کا جانے آج اسے خیال نہیں آیا تھا یا شاید ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اسجد گلاس ہاتھ میں لیے اسے فرصت سے دیکھ رہا تھا۔

"ج۔ جائیں آپ۔۔۔" اس نے شال اپنے گرد لپیٹ کر نظریں چرائیں بے چینی سے وہ مسلسل اپنی انگلیاں مسل رہی تھی۔ "اگر خان بیگم کو پتا چل گیا تو۔۔۔" تان اسی ایک خدشے پر آکر ٹوٹ رہی تھی۔

"دیکھنے آیا تھا میری دلہن کے چہرے کی شادابی میں آج کتنا اضافہ ہوا۔" وہ بے خوفی سے مسکراتا ہوا اس کے قریب آگیا۔ گل آویزہ کا دل مارے خوف کے پتے کی طرح کانپنے لگا۔

"آئندہ میرا ناشتا تم ہی میرے کمرے میں لاؤ گی۔" وہ ایک گہری کچھ جتاتی نگاہ اس پر ڈال کر باہر نکل گیا کیونکہ خان بیگم زرمین کو آوازیں دیتی ہال میں داخل ہو رہی تھیں۔ اسجد کو باورچی خانے سے نکلتے دیکھ کر بری طرح ٹھٹکیں۔

"تم ابھی یہیں ہو بیٹا!" وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور ایک اچٹتی نگاہ اندر بھی ڈال لی۔

"یہ پانی بھر رہا تھا۔" اس نے قدرے نروس ہو کر گلاس آگے کیا۔

"چائے کے بعد پانی۔۔؟" وہ حیرت سے اس کا چہرا تک رہی تھیں۔

"نہیں۔۔۔" وہ ذرا دیر کو رکا۔ "دراصل کلی کر رہا تھا۔" اس نے فوراً" ہی گلاس قریبی میز پر جمایا اور بنا ان کا ردعمل دیکھے باہر نکل گیا۔ انہوں نے اسجد کی گھبراہٹ پر غور و خوض میں وقت ضائع کرنے کے بجائے کچن کی راہ لی۔ جہاں گل آویزہ دروازے کی طرف پیٹھ کیے برتن دھونے میں مصروف تھی۔ اور اس لگن سے کہ خان بیگم کے اندر آنے پر بھی نہ چونکی نہ مڑی۔ چہرا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ خان بیگم نے پہلا سکون کا سانس لیا اور باہر چلی گئیں۔ ان کے باہر جاتے گل آویزہ نے بھی ڈھیلے انداز میں سانس چھوڑ کر نل بند کیا بھلا ان کانپتے ہاتھوں سے کیا خاک برتن دھوئے جاتے۔

"کیا کر دیا خان۔۔۔؟" اس نے پشیمان ہتھیلی اپنے ماتھے پر ماری۔ آگے کا سوچ سوچ کر تو سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور اس نادان شہزادے کو کچھ پروا ہی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

اورنگ زیب لالہ اور نورزادہ بھابھی کچھ بے وقت ہی حویلی میں داخل ہوئے تھے۔ صحن کی چارپائی پر دھوپ سینکتی خان بیگم نے حیرت سے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ نورزادہ تو ہمیشہ سے سہ پہر میں ملنے آتی تھی۔۔۔ لہٰذا دن کے گیارہ بجے وہ بھی دونوں

میاں بیوی ایک ساتھ۔ انہیں اچنبھا ہوا۔ حضور بی بی نے بھاگ کر دو چارپائیاں اور بھی دھوپ میں لا بچھائیں۔ خان بیگم کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا' آمد کا عقدہ جلد ہی کھل گیا۔ اورنگ زیب لالہ نے شاید اسجد کو فون پر اپنی آمد کی اطلاع کردی تھی' کیونکہ تھوڑی دیر بعد وہ بھی ڈیرے سے گھر آگیا۔ نور زادہ نے اس کے آنے کے بعد ہی گل آویزہ کی ماں کی بیماری کا ذکر چھیڑا۔ برآمدے کی صفائی کرتی گل آویزہ کام چھوڑ کر ستون کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ اورنگ زیب نے گل آویزہ کے جانے کی بات کی تو' خان بیگم نے دل ہی دل میں قدرے سکون محسوس کیا۔ صبح ناشتے کے بعد بیٹے کے رویے پر وہ اب تک سوچ بچار میں مبتلا تھیں۔ خان بیگم کے نزدیک تو اس کا یہاں ہونا نہ ہونا ایک برابر تھا۔ نہ وہ اس کو بہو سمجھتی تھیں اور نہ ہی چاہتی تھیں کہ اسجد اسے اپنی بیوی سمجھے۔۔۔ انہوں نے متانت سے سرہلایا۔

''اللہ اس کی ماں کو صحت دے۔ ہماری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔۔۔ پہنچانے کا بندوبست بھی کردیں گے۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے بھابھی جان۔۔۔'' اورنگ زیب نے لقمہ دیا۔ ''اس کے بھائی سے میری بات ہوگئی ہے۔ ہم اسے علاقے کی حد تک لے جائیں گے۔ آگے وہ آیا ہوا ہوگا۔'' وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بہت مہربانی بھابھی جان۔۔۔ بس اب اجازت چاہتے ہیں' گھر میں بہت کام پڑے ہیں۔'' نور زادہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تو پھر کب۔۔۔؟'' اورنگزیب نے اسجد کی طرف دیکھا۔

''یہ تیاری وغیرہ کرلے۔۔۔ میرا خیال ہے کل صبح۔۔۔'' اسجد بھی کھڑا ہوا۔

''نن۔۔۔ نہیں۔۔۔'' ستون کے پیچھے سے بے ساختہ ایک سرسراتی سی آواز آئی۔ ''میں آج جانا چاہتی ہوں۔'' ہر مصلحت بالائے طاق رکھ کر گل آویزہ نے مدعا بیان کیا۔ ان تینوں نے بیک وقت پریشانی سے خان بیگم کو دیکھا جنہوں نے کمال ضبط سے اس جرات کو حلق سے اتارا۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تو کافی دن پڑا ہے۔ آج ہی بھجوانے کا بندوبست کرو۔'' انہوں نے اسجد کی طرف دیکھا جو تھکے قدموں سے مایوس سا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دنیا کی مجبوریاں ایک طرف اور اس دل کی بے حد و حساب مجبوریاں ایک طرف۔۔۔ گل آویزہ کی عجلت پر جانے کیوں دل ٹوٹ سا گیا۔ اس نے ڈیرے پر پہنچتے ہی رستم کو جیپ تیار رکھنے کو کہا۔ ادھر گل آویزہ نے فوراً" ہی اپنے کمرے کی راہ لی اور کنڈی لگا کر سب سے پہلے زیبا کو فون ملایا۔ پچھلے دنوں ہی حمدان سے کہہ کر اس نے موبائل میں لوڈ ڈلوالیا تھا۔ بنا اماں کی آواز سنے اس کے لیے ایک ایک لمحہ گزارنا کٹھن تھا۔ جانے پردیس میں رہنے والوں کو بیماری کی خبر سن کر کیوں عجیب عجیب وسوسے گھیرنے لگتے ہیں۔ زیبا نے اماں سے بات کروائی تب کہیں جاکر اس کے بے چین دل کو قرار نصیب ہوا اور پرسکون ہوتے ہی اس دشمن جاں کی شکایتی نگاہ تصور میں در آئی۔

''کیا مجھے کل جانا چاہیے۔۔۔؟'' دیوار سے ٹیک لگاتے اس نے خود سے سوال کیا۔

''نہیں۔۔۔'' ریشمی لمحوں کی گرفت میں جاتے اپنے نادان دل کو اس نے زبردستی قابو میں کیا۔ ''خان کے مایوس ہوجانے میں ہی سب کی بہتری ہے۔۔۔ نہ اسجد کی خوشیاں مجھ سے جڑی ہیں اور نہ ہی میرا مستقبل اس سے وابستہ ہے۔ یہاں سے نکل کر بھلے کسی اندھے کنویں میں ڈال دی جاؤں' لیکن خان بیگم کی بہو کے روپ میں قبول کیے جانے کی یہاں کوئی امید نہیں یہ دکھاوے کا رشتہ تو محض ایک سودا ہے' جو اسجد کی زندگی اور سلامتی کی خاطر خان بیگم کو مارے باندھے کرنا ہی پڑگیا اور اسجد عالم۔۔۔ اس نے بھی تو چار ماہ اس لیے مجھ سے لاتعلقی میں گزار دیے کہ میرا اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔۔۔ اور اب۔۔۔ جس ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تلے پروان چڑھتے جذبے کو وہ ''محبت'' تصور

کر رہا ہے وہ ایک سراب کے سوا کچھ نہیں۔
گل آویزہ تمہاری نظر کا دھوکا ہے خان۔۔۔ یہ چند دن کی دوری جب اس فریب کے پردے کو تمہاری نظر سے ہٹا دے گی تو سب صاف اور واضح سمجھ آنے لگے گا۔ میری قسمت میں خوابوں کی بس ایک ہی رات کا گزر لکھا تھا۔ جسے میں کبھی نہیں بھولوں گی۔" وہ ایک جذبے سے اٹھ کر الماری سے اپنی چیزیں نکالنے لگی۔
گل آویزہ زیرک تھی اس لیے سمجھتی تھی کہ اگر ایک رات اور یہاں رہ گئی تو خان کا جنون' عادت میں بدل جائے گا۔ اور یہ عادت بہت جلد حویلی میں ان کی عزت کا اشتہار لگا دے گی۔ تب ظاہر ہے خان بیگم اسے گل آویزہ کی کوئی سازش ہی تصور کریں گی۔۔۔ وہ گل آویزہ جو کبھی حویلی کے ماتھے کا ٹیکا نہیں بن سکتی تھی۔ چار ماہ مسلسل اسے اسجد سے دور رکھنے کا مشن یہ ثابت کرتا تھا کہ وہ سب اس سے کتنی نفرت کرتے تھے اور اب جو کچھ ہو چکا تھا وہ ان سب کے لیے خطرناک حد تک ناقابل برداشت تھا۔
جانے اسجد کو اس کی سنگینی کا احساس کیوں نہیں ہو رہا۔ کیا وہ سیدھا بہت ہے۔۔۔؟ یا پھر اتنا دیوانہ کہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ گل آویزہ ایک جھرجھری لے کر دوسرے تصور سے باہر آئی۔ وہ تو خود دیوانی تھی۔ دوسرے تصور کو خود پر حاوی کرنے کا مطلب خود کو بہتی ٹکراتی موجوں کے حوالے کرنا تھا دونوں طرف کی آگ ذرا سا ذہن بھٹکنے کی منتظر تھی۔ آویزہ کی ایک جھلک نے اگر اسجد کو مجنوں بنایا تھا تو وہ بھی لیلیٰ سے کم کہاں تھی۔ جانے تقدیر کو کیوں اس کا کڑا امتحان لینا مقصود تھا' محبت بھی جھولی میں ڈالی تو کیسے رنگ میں۔۔۔ شرعاً" سب جائز ہوتے ہوئے بھی خود اپنی نگاہ میں چور اور مجرم سی بن گئی تھی۔ نسیمہ اور جمالی بی بی اسے بلانے آئیں تو وہ سامان کا بیگ تیار کر چکی تھی۔
"خان بیگم کہہ رہی ہیں کپڑے وغیرہ زیادہ رکھ لو۔۔۔ جانے کتنے دن لگ جائیں۔ ماں کے ٹھیک ہونے تک ان کے پاس ہی رہنا۔"
"جی بی بی۔۔۔ رکھ لیے ہیں۔" اس نے شال اتار کر بڑی چادر خود پر اوڑھ لی۔ نسیمہ نے بیگ اٹھالیا اور وہ بی بی کے پیچھے چل پڑی۔ خان بیگم کو خدا حافظ کہہ کر پھاٹک تک آئی۔ حاضر جان نے نسیمہ سے بیگ لے کر جیپ کی پچھلی سائڈ میں جمایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو ساتھ کھڑے بابر نے دروازہ بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ گل آویزہ کا چہرہ ڈیرے کی طرف تھا۔ اس نے ڈیرے کے بڑے دروازے سے اسجد کو باہر نکلتے دیکھا۔ وہ ہلکے نسواری سوٹ کے ساتھ ہم رنگ واسکٹ پہنے ہوئے تھا۔ شوخ نسواری شال کو اس نے لپیٹ کو مفلر کے انداز میں گلے میں ڈالا اور تیز قدموں سے جیپ کی طرف آنے لگا۔ گل آویزہ دم سادھے ایسے مناظر کو اپنے اندر اتارا کرتی کہ پلک جھپکنے پر کہیں یہ حسین نظارہ اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہو جائے۔
چمکتے ریشمی بالوں کو ماتھے سے ہٹاتا وہ ایک شان بے نیازی سے بڑھا چلا آرہا تھا۔ جانے کیوں' پر اس لمحے خان کی پیشانی کے بل سے گل آویزہ کو خوف محسوس نہیں ہوا بلکہ ایک عجیب سی اپنائیت اور دوستانہ پن سا' لپک کر اسجد کے وجود سے اس کے وجود کو لپٹا۔۔۔ جس کا ماخذ یقیناً" گزشتہ رات کا حسین حادثہ تھا۔ گل آویزہ نے بے ساختہ نگاہ پھیرلی۔
"ہائے اللہ۔۔۔" خان تو آکر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ "تو کیا وہ ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔۔۔؟" وہ تو سمجھ رہی تھی بابر سے کوئی بات کرنے آرہا ہوگا۔ علاقے کی سرحد تک جانے کا مطلب خود کو خطرے کے منہ میں ڈالنا تھا اور بلا اور بھلا ڈرے والے واقعے کی چوٹ اتنی جلدی کہاں بھولا ہوگا۔ بابر نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ سفر کا بمشکل آغاز ہوا کہ اسجد نے جیپ رکوا دی۔
گل آویزہ نے گردن گھما کر بے ساختہ سامنے دیکھا۔
"تم ڈیرے پر رہو۔ جیپ میں خود چلا کر جاؤں گا۔"
"لیکن خان۔۔۔ اکیلے۔۔۔" بابر کی بات منہ میں رہ گئی اور وہ بونٹ کے آگے سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آیا۔ بابر تو نیچے اتر کر ادب سے ذرا دور ٹھہر گیا' لیکن گل آویزہ کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔۔۔

پر خان کو کیسے سمجھاتی اور کیا کہتی۔۔۔ ہار ماننے والے انداز میں سانس کھینچی اور اسجد نے زن سے، جیپ کچے راستے پر آگے بڑھادی۔ گل آویزہ نے اپنا دھیان پیچھے کے مناظر میں لگانے کی کوشش کی۔ دن کے وقت وہ پہلی مرتبہ گاؤں دیکھ رہی تھی۔ کچے راستے کے دونوں طرف کھیتوں میں جواگی تھی۔۔۔ دور تک پھیلے کھیتوں سے بہت پرے آخری کنارے پر پہاڑی سلسلہ تھا اور پہاڑ تو گاؤں کے چاروں طرف ہی گھیرا ڈالے کھڑے تھے جب تک وہ اپنے گاؤں میں تھی یعنی پہاڑوں کی دوسری جانب تو اس گاؤں کا تصور اس کے ذہن میں ایک پیالے کی مانند تھا۔ اونچے اونچے پہاڑوں میں پھنسا چھوٹا سا اندھیرا گاؤں۔۔۔ لیکن خیر یہ تو بس تخیل کی پرواز تھی' وہ اپنے مفروضوں پر مسکرادی۔ ہرے بھرے کھیتوں اور کہیں کہیں آبادی پر مشتمل یہ گاؤں تو بہت کشادہ، بہت روشن تھا۔ جیپ مشکل سے پانچ یا سات منٹ کا راستہ طے کرنے پر اچانک رک گئی۔ گل آویزہ نے چونک بلکہ گھبرا کر سامنے دیکھا۔

"آگے آؤ۔۔۔" اسجد نے بیک ویو مرر میں اپنی چمکتی تیز نگاہ اس پر جمائی ہوئی تھی۔

"ج۔۔۔ جی۔۔۔" وہ گھبرا کر محض اتنا کہہ پائی جب کہ اسجد نیچے اتر کر پیچھے آیا اور دروازہ اس کے لیے کھول دیا۔ وہ بنا کچھ کہے باہر آگئی۔ جیپ ایک مرتبہ پھر روانہ ہوچکی تھی اور گل آویزہ کا سابقہ شغل بھی۔۔۔ وہ کھڑکی کے باہر ایک مرتبہ پھر گاؤں کے مناظر میں کھوگئی۔۔۔ اسجد نے شاید پلیئر آن کیا تھا یا آواز قدرے زیادہ کھولی تھی گاڑی میں میوزک سنائی دینے لگا تھا۔۔۔ گل آویزہ کے کان ضرور متوجہ تھے' لیکن اس نے گردن نہیں گھمائی۔

وہ ایک پشتو نغمہ تھا۔ مدہم سروں اور نہایت سریلی زنانہ آواز پر دھیان لگاتے وہ ایک مرتبہ اسجد کی چوائس پر حیران ضرور ہوئی۔ شاید اسے ماڈرن تصور کرتے ہوئے۔۔۔ حالانکہ پشتو میوزک اتنا رچ تھا کہ ہر طبقے میں اس کے چاہنے والے موجود تھے۔ پہلی مرتبہ گل آویزہ نے گانے کے بولوں پر دھیان دیا تو اس کی سوالیہ نظر اسجد کی طرف اٹھتے اٹھتے رہ گئی۔

نوچہ یہ تورو سترگو
تورانجہ کم گورے مورے
زوانی مے گورے مورے
اوجد الیارا۔۔۔

(میں اپنی کالی آنکھوں میں جب کالا سرمہ لگاتی ہوں۔ اے میری ماں میری جوانی دیکھ' میں اپنے محبوب سے جدا ہوں)

چار گل مے گورا و سر زرو
پہ غاڑا ہار دا ملغلو و
اثر لرم دا جادوگرو
زک امزولے راتہ واہی دا
بدرے خورے مورے
زوانی مے گورے مورے
اوجد الیارا

(میں نے اپنی ناک میں کوکا لگایا ہے اور اپنے گلے میں موتیوں کا ہار پہنا ہے۔۔۔ ان چیزوں سے مجھ میں جادوگروں کا اثر آگیا ہے' میری ہم جولیاں کہتی ہیں میری ماں کہ میں بدر جمال کی بہن لگتی ہوں)

تمہیں کیسے سمجھاؤں خان۔۔۔ یہ میل کتنا بے جوڑ ہے۔۔۔ آج سے ڈیڑھ دو سال پہلے جس محسن کو بے ارادہ دل دے بیٹھی تھی۔ کبھی اسے پالینے کی خواہش نہیں کی تھی۔ اس کشادہ' سجل پیشانی کو دیکھ کر ہی اس کی اونچی شان پہچان لی تھی اور آج مقدر کے اس عجیب رنگ نے ثابت کردیا کہ وہ شہزادہ میرا ہو کر بھی میرا نہیں ہوسکتا۔۔۔ تمہاری بے اعتنائی نے مجھے کبھی درد نہیں پہنچایا خان۔۔۔ لیکن یہ مہربانی میری جان لے لے گی۔۔۔ اس نے کرب سے لب کاٹے۔ بظاہر اسجد سے لاپروا وہ مسلسل اسی کے بارے میں سوچے جارہی تھی۔ اس کا اپنا اسجد عالم خان۔۔۔ جذباتی' جلد باز' دیوانہ اور۔۔۔ جنگلی۔۔۔ گل آویزہ کے شانوں پر پچھلی رات کے دباؤ کی یاد تازہ ہوئی۔۔۔ جانے کیا کیانہ تصور میں لہرا گیا۔ اس نے حقیقتاً" سر جھٹک کر پاس سے گزرتے درختوں پر نظریں جمائیں' تب ہی گود میں دھرے اپنے

ہاتھ پر اس کی گرم مضبوط انگلیوں کا لمس محسوس ہوا۔ وہ ال بھی نہیں پائی' بس آنکھیں بند کیے سانس روکے اس لمس کی گرمی کو اپنے اندر اترتا محسوس کرنے لگی اسجد نے اس کی انگلیاں اپنی انگلیوں میں پھنسا کر اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھا۔

"ناراض ہو.....؟" بھاری جذب سے بوجھل لہجہ وہ سختی سے لب بھینچے بیٹھی رہی۔

"آئی ایم سوری....." بظاہر پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ "یہ" "اب کس لیے.....؟ البتہ منہ میں جواب ضرور آیا کہ اس کی ضرورت نہیں' پر چپ رہی۔

"مجھے یاد تو کروں گی نا.....؟" اسجد کے لہجے میں واضح اصرار بلکہ التجا چھپی تھی۔ عالم غرور میں اس کا دل جیسے ستاروں کو چھو آیا۔

"ایسی بے مول تو تم بھی نہیں گل آویزہ....." خوش گمانی نے سر ابھارا۔

"واپس جلدی آنا۔" اسجد نے مزید کہا تو گل آویزہ نے اچانک کسی خیال سے پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ وہ لوگ درے کے قریب پہنچنے والے تھے' تب ہی اسے خان کا جملہ الوداعی لگا تھا۔

"بس خان..... مجھے یہیں اتار دیں۔" گھبرا کر اسجد کی طرف دیکھتے اس نے پرزور انداز میں کہا تو اسجد اس کا "کنسرن" دیکھ کر مسکرا دیا۔

"کیوں.....؟"

"آگے کا راستہ مجھے پتا ہے۔ یہیں روک دیں خان؟" اس کے لہجے میں منت در آئی تھی۔

"راستہ تو مجھے بھی پتا ہے۔" وہ اب تنگ کر رہا تھا' لیکن گل آویزہ ہرگز مذاق کے موڈ میں نہیں تھی۔ بے ساختہ اس نے اسٹیئرنگ پہ رکھے اسجد کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔

"آگے مت جائیں خان' آپ کو اللہ کا واسطہ....."

"ہوں....." ایک جتاتی نگاہ اس کے ہاتھ پہ ڈال کر وہ مسکرایا۔ "اب تو کہنا ماننا ہی پڑے گا۔" گل آویزہ نے فوراً" اس کے ہاتھ پر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا۔ اسجد نے جیپ روک دی تھی۔ وہ تیزی سے باہر آئی۔ یہ جگہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

وادی سے کافی اونچائی پر تھی۔ ہوا بھی اسی حساب سے زیادہ تیز تھی وہ اپنی چادر کو اچھی طرح درست کرنے لگی۔ اسجد نے بیگ نکال کر اس کے قریب رکھا۔ گل آویزہ نے چادر اچھی طرح اوڑھ لینے کے بعد اب گھونگھٹ نیچے کرنا چاہا۔

"ایک منٹ..." اسجد نے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر ایسا کرنے سے روک دیا۔ گل آویزہ نے پہلی مرتبہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اسے دیر تک دیکھنا چاہتا تھا تو بس دیکھے جارہا تھا۔

"تم اتنی خوب صورت ہو گل آدی کہ تمہیں سامنے بٹھا کر گھنٹوں دیکھا جاسکتا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا تو گل آویزہ نے نظر جھکالی۔ اسجد نے واسکٹ کی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ رکھ لو... اس میں کچھ رقم تمہاری اماں کے علاج کے لیے ہے اور اندر دوسرے لفافے میں کچھ روپے تمہارے لیے ہیں۔" اسجد نے زبردستی لفافہ اسے تھمادیا تھا۔ وہ لینا تو نہیں چاہتی تھی' لیکن جانتی تھی کہ خان ہدیہ دے کر واپس کسی قیمت پر لیا نہیں کرتے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا بیگ اٹھایا۔ وہ ہاتھ سینے پر لپیٹے بھرپور توجہ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"خدا حافظ..." نظریں چرا کر وہ بس یہی بول پائی۔

"جاتے جاتے کچھ کہو گی نہیں...؟" اسجد کا تقاضا بہت فطری تھا خصوصاً" اس صورت میں جب کہ بحیثیت میاں بیوی دونوں کی یہ پہلی باضابطہ گفتگو تھی۔

"میری طرف ایسے مت دیکھیں خان... نگاہ چھڑانا مشکل ہوجائے گا۔" وہ محض دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

"ہوسکے تو مجھے بھول جائیں خان... ہماری راہیں الگ ہیں ایک دوسرے سے..." نہایت تحمل سے ٹھہر ٹھہر کر جو جملہ ادا کیا اسے دل کے راستے معلوم نہ تھے۔ وہ کہتے ساتھ ہی تیز قدموں سے درہ کراس کر گئی' جب کہ اسجد کو ان بے رحم الفاظ پر یقین کرنے کے لیے بہت وقت درکار تھا۔

☆ ☆ ☆

گل آویزہ نے آتے ہی اماں کو علاج کے لیے مینگورہ بھیجنے کا بندوبست کیا۔ حمران کے دوست اماں کی سہولت کے لیے اسے ڈاٹسن میں لے جارہے تھے۔ وہ اور زیبا گھر پر رک گئیں۔ مینگورہ سے ان کی واپسی تین دن بعد ہوئی۔ اماں کی طبیعت اب پہلے سے بہت بہتر لگ رہی تھی۔ وہ اور زیبا خوب دل لگا کر ان کی خدمت کررہی تھیں۔ گل آویزہ کی ذمہ داری تو بلکہ دہری تھی۔ اس نے اماں کے سامنے خود کو خوش اور مطمئن بھی ظاہر کرنا تھا۔ وہ اسے حویلی' گاؤں اور اسجد کی جھوٹی سچی باتیں سنا کر خوش رکھنے کی کوشش کرتی' لیکن اماں بہت چپ اور اداس رہنے لگی تھیں۔ وہ اسجد عالم کا نام لیتی اور اماں اسے خالی خالی نظروں سے گھورنے لگتیں۔ حالانکہ آج اسی کی وجہ سے اماں کا شہر کے پرائیویٹ اسپتال میں اچھا علاج ہوپایا تھا۔

اور ہوک تو گل آویزہ کے دل میں بھی اٹھتی تھی اس کے نام پر جو اپنے ساتھ کیے کڑے وعدوں میں چاہ کر بھی نرمی اور لچک پیدا نہیں کرسکتی تھی۔ جتنا اس معاملے پر سوچتی اتنا ہی خود کو اسجد سے چند قدم مزید دور کھڑا محسوس کرتی۔ بیسیوں مرتبہ اس نے حویلی کے کچن میں کام کرتے خان بیگم اور اس کی بیٹیوں کی باتیں سنی تھیں۔ اسجد کی دوسری شادی کے لیے کئی بڑے خانوں کی بیٹیاں زیر بحث آتیں اور ایسا کرتے ہوئے وہ ذرا برابر اس کی موجودگی کی پروانہ کیا کرتیں۔

خان سے اس روز آخری ملاقات میں وہ آخری جملہ ادا کرتے جانے کیوں اسے یوں محسوس ہوا کہ اب وہ کبھی اس سے مل نہیں پائے گی۔ کہیں ایک خیال پیدا ہوا کہ شاید کچھ ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے اپنی اماں کے گھر رہ جائے گی۔ حالانکہ یہ خیال تو تب ہی اس کے دل میں جگہ پاگیا تھا جب شادی کے بعد اس نے خان بیگم اور اسجد کا اپنے ساتھ اجنبیوں جیسا سلوک دیکھا تھا' اسی وقت سے وہ خود کو

حویلی میں چند دن کا مہمان تصور کرنے لگی تھی۔ البتہ اب آخری دنوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بعد اس خیال کا دل میں آنا واقعی حیران کن تھا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ اپنی سب سے قیمتی متاع اپنا دل اس بہت اپنے، بہت مہربان کے قدموں میں نچھاور کر آئی تھی۔ جانے کیوں اس وہم سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی کہ اب وہ ہمیشہ کے لیے اسجد سے بچھڑ چکی ہے۔

لیکن چند دن مزید گزرنے پر یک لخت خیالات میں ایک اور تبدیلی آئی۔ اب تنہا ہونے پر وہ اکثر یہ سوچنے بیٹھ جاتی کہ اسجد نے اسے فون کیوں نہیں کیا۔ نہ ہی ماں کا حال پوچھا۔ اس کے نمبر پہ نہ سہی حمدان کے نمبر پہ کال کر لیتا۔ دل میں اچانک اداسیوں نے گھیرے ڈال دیے۔ کبھی چولہے کے پاس بیٹھے آگ جلاتے، روٹیاں پکاتے آنکھوں میں دھواں بھر جاتا تو آنکھوں سے بہتے پانی کے ساتھ وہ رو کر دل کا بوجھ بھی ہلکا کر لیا کرتی۔ کبھی بلاوجہ مغرب کی اذان ہوتے ہی دل گھبرانے لگتا۔ ایسا لگتا وہ اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے اور تن تنہا ایک صحرا میں کھڑی ہے۔ دل کسی ننھے بچے کی طرح جلد از جلد اپنے گھر پہنچ جانے کو بے تاب ہونے لگتا۔۔۔ اس ظالم کی یاد بھی جانے کہاں کہاں چھپی بیٹھی تھی۔۔۔ کونے کے کچے کوٹھے سے ایندھن اٹھانے جاتی تو نظر خان کی بھیجی گندم اور چاولوں کی بوریوں پر پڑتی۔ وہ بلاوجہ ہی ان پر ہاتھ پھیرتے آنسو بہانے لگتی اور ایسے ہی ایک دن روتے روتے یہ سوچ کر ہنس پڑی کہ

"گل آویزہ اب کیوں اس کے فون اور رابطوں کا انتظار کرتی ہو۔۔۔ خود ہی تو کہہ آئی تھیں کہ ہماری راہیں جدا ہیں۔۔۔ اب اگر وہ وقتی جنون کے اثر سے نکل کر سچ مچ تمہیں بھول بیٹھا ہے تو رو رو کر آنکھیں سجالی ہیں تو کیا اسجد نے پہلی اور آخری مرتبہ مجھے اتنے پیار سے پکارا تھا۔۔۔؟ ہر طرف "گل آوی، گل آوی" کی بازگشت سنائی دینے لگتی۔۔۔ اپنے نام کی خوب صورتی پر اب سے پہلے کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

یہ پیار کا نام اسجد کے علاوہ کبھی کسی کے منہ سے نہیں سنا تھا۔ گھر والے اسے "گلے" اور اسکول میں آویزہ کہتے تھے۔۔۔ اتنی محبت سے گل آوی کہنے والا کیا واقعی ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو گیا ہے۔۔۔" وہ اس تکلیف دہ خیال کے آتے ہی ایک بار پھر رونے بیٹھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

شہر سنسان ہے کدھر جائیں
خاک ہو کر کہیں بکھر جائیں
رات کتنی گزر گئی لیکن
اتنی ہمت نہیں کہ گھر جائیں
یوں تیرے دھیان سے لرزتا ہوں
جیسے پتے ہوا سے ڈر جائیں
رات اندھیری ہے اور کنارا دور
چاند نکلے تو پار اتر جائیں

دونوں ہاتھ سر کے نیچے لپیٹے وہ بلا ارادہ ہی چھت کو گھورے جا رہا تھا۔ رستم اور بابر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ حاضر جان اور داؤد گودام کی طرف سونے گئے تھے اور وہ بجائے حویلی جانے کے ڈیرے میں موجود اپنے دوسرے کمرے میں آکر لیٹ گیا تھا جسے کچھ سال پہلے اسجد نے اپنی مرضی سے ترتیب دیا تھا۔ روایتی اور ماڈرن کے امتزاج سے سجا یہ کمرہ اسے اپنے حویلی والے کمرے سے بھی زیادہ پسند تھا اور چونکہ یہاں وقت بھی زیادہ گزرتا تھا تو اس حساب سے انسیت بھی زیادہ تھی۔ وہ تھک کر سکون لینے کے لیے پلنگ پر لیٹا تو تصور میں چھم سے وہ جان کی دشمن اتر آئی جو دل کا سارا چین و آرام لوٹ لینے کے بعد بھی باعث سکون و آرام تھی۔ دل جس کے خیال سے جدا ہونے کو ایک لمحہ بھی تیار نہ تھا۔ عشق نے تو جیسے سزا کی طرح اس کا پیچھا لے لیا تھا۔

آج اسے نظروں سے اوجھل ہوئے بارہ دن بیت گئے تھے اور بارہ دنوں میں اسے اس ایک سوال کا

جواب ہی نہیں مل پایا تھا کہ گل آویزہ نے اسے بھلا دینے کی بات کیوں کی تھی۔۔۔ کیا وہ اس کے پچھلے چار' پانچ ماہ کے بیگانے رویے پر خفا تھی یا حویلی کے پچھلے حصے میں نوکروں جیسی رہائش پر ناراض تھی یا پھر۔
اچانک ہی بارش میں بھیگی اس رات کا منظر چھم سے ذہن کے پردے پر تازہ ہوا تو اسجد نے ندامت سے لب بھینچے۔۔۔ ٹھیک ہے کہ وہ ان جذباتی لمحوں کی زد میں بہت آسانی سے آگیا تھا' لیکن سامنے موجود وہ محبوب ہستی اس کی بیوی تھی جسے وہ پوری دنیا کے سامنے رخصت کروا کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ تو کیا صرف اس لیے کہ میں نے اس کی مرضی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ لیکن کب تک۔۔۔ آخر کب تک میں اندازوں سے مغز ماری کروں' خفا ہو کر جانے والی کم از کم ناراضی کا سبب تو بتا کر جاتی۔
اسجد نے اس کے جانے کے بعد صرف ایک مرتبہ حمدان سے اس کی والدہ کی طبیعت پوچھنے کے لیے فون کیا تھا تب وہ لوگ چیک اپ کروا کر مینگورہ سے واپس لوٹ رہے تھے۔ گل آویزہ سے رابطہ کرنے کی اس نے دانستہ کوشش نہیں کی تھی۔ دل میں ایک گمان سا تھا کہ وہاں جا کر ضرور وہ اپنے الفاظ پر پچھتائے گی اور رابطہ بھی کرے گی اور اگر وہ ایسا کرتی تو اسجد کا اپنی ذات پر اعتماد بحال ہو جاتا۔ لیکن شاید اسے پچھتاوا نہیں تھا تب ہی اسجد کے دل میں یہ سوال اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا تھا' کہ کیوں آخر کیوں اس نے بھول جانے کی درخواست کی تھی۔ ابھی تو خوابوں کے حسین جزیرے پر پہلا قدم رکھا تھا۔ ابھی تو ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا بہت کچھ بتانا تھا۔ اس قربت کو پوری اپنائیت اور شدت سے محسوس کرنا تھا۔۔۔ اب حالانکہ نہ تو وہ جنونی تھا نہ آوارہ' لیکن قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ سمجھ ضرور لیا گیا تھا۔ بے چینی کچھ اور بڑھی تو اس نے فراز کو فون کر دیا۔
"اوئے یار! ابھی تمہیں ہی یاد کر رہا تھا۔ بڑی لمبی عمر پاؤ گے۔" فراز شوخی سے چہکا۔
"کیا کروں گا لمبی عمر لے کر۔" اسجد کے فوری جواب نے اس کا دل دہلا دیا۔
"نہ کر میرے بھائی۔۔۔ کیوں مایوسی کی باتیں کر رہے ہو۔"
"سناؤ۔ کیا چل رہا ہے۔۔۔ ایگزامز شروع ہو گئے؟" اسجد نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"ہاں۔ بس دو پیپر زباقی ہیں۔ تم سناؤ۔ کچھ ہوا ہے کیا؟" فراز کو اچنبھا سا ہوا' اسجد کا لہجہ ہی کافی تھا اس کے دل کا حال بتانے کے لیے۔ "کیوں اتنے اداس اور مایوس لگ رہے ہو۔ سب ٹھیک تو ہے نا۔۔۔؟"
"ہاں یار' سب ٹھیک ہے۔ آخری پیپر کب ہے۔۔۔؟" اسجد کو بلانے کی جلدی تھی۔
"بس ہفتے بھر کی بات ہے۔ اچھا اس کا کچھ پتا چلا' وہ نارزن کی بہن' دوبارہ بھی ملی۔۔۔؟"
"ہاں۔" اسجد بے ساختہ ہنس پڑا۔ "ملی بھی تھی' جدا بھی ہو گئی۔"
"ہائیں۔۔۔" فراز ٹھٹکا۔ "بتاؤ نا کیا ہوا تھا' کہاں ملی' مزید اس کے بارے میں کیا معلوم ہوا۔۔۔؟"
"ابے نہیں۔۔۔ پہلے یہاں آؤ۔۔۔ پھر تفصیل سے بات ہو گی۔" اسجد مسکرانے لگا۔
"خان' تم کوئی بلیک میلر زیادہ لگتے ہو۔" فراز نے دانت کچکچائے تو اسجد نے قہقہہ لگایا۔
"یہی سمجھ لو۔" فراز سے بات کر کے دل کے بھاری پن سے بہت حد تک نجات ملی۔ موبائل آف کر کے اس نے بھی گھر کی راہ لی۔

☼ ☼ ☼

"آویزہ سے کسی نے بات کی۔۔۔؟" حمدان نے باری باری ماں اور بہن کی طرف دیکھا تو زیبا نے ڈرتے ڈرتے نفی میں سر ہلایا۔
"ارے تو کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ پندرہ دن گزر گئے اسے آئے ہوئے۔ اماں بھی اب بہت بہتر ہے۔ کسی بھی وقت خان بیگم یا اسجد کی طرف سے واپسی کا بلاوا آسکتا ہے۔" وہ جھنجلا سا گیا۔
"اماں کی طبیعت تو ابھی ٹھیک ہوئی ہے لالہ۔۔۔

کرتے ہیں بات۔" زیبا دھیرے سے منمنائی تو کمرے میں داخل ہوتی آویزہ ٹھٹکی۔

"کون سی بات۔۔۔؟" اس کے کانوں میں بس خان بیگم اور اسجد کا نام پڑا تھا۔

"جاؤ ڈائری لے آؤ۔" حمدان نے حتمی انداز میں زیبا کو مخاطب کیا تو وہ فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں گلے کو ساتھ لے جاتی ہوں۔۔۔ آرام سے ہر بات سمجھا دوں گی۔" بھائی کو اس نے آنکھوں کے اشارے سے سمجھا دیا کہ اماں کے سامنے بات نہیں کرنی چاہیے۔ وہ سرہلا کر خاموش ہو گیا۔

"کیا بات ہے زیبی۔۔۔ سب اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں۔۔۔ وہاں گاؤں میں سب خیریت ہے نا۔۔۔ اسجد تو ٹھیک ہے؟" زیبا اسے بازو سے پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے آئی اور اس نے راستے میں ہی سوال جواب شروع کر دیے تھے۔

"اسے کیا ہونا ہے۔۔۔ دھوکے باز' آوارہ کہیں کا۔۔۔" وہ اچانک ہی پھٹ پڑی۔ آویزہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"کیا بک رہی ہو پاگل۔۔۔ بھائی کو کوئی ایسے بولتا ہے۔ شرم نہیں آتی۔"

"شرم تو اسے آنی چاہیے تھی۔" وہ غصے سے بولتی الماری کا سامان الٹ پلٹ کرنے لگی اور پھر جلد ہی ایک کالے کور والی ڈائری لے کر مڑی۔

"صنوبر کی ڈائری۔۔۔؟" آویزہ نے حیرت سے زیبا کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

"لو پڑھو اسے۔۔۔ پھر بات کرتے ہیں۔" اس نے ایک صفحہ نکال کر گل آویزہ کے سامنے کیا اور اس نے بنا کچھ بولے ڈائری ہاتھ میں لے کر سطروں پر نظریں دوڑانا شروع کیں۔

"کک۔۔۔ کیا ہے یہ سب۔۔۔؟" گل آویزہ کی آواز حقیقتاً" ہکلا گئی تھی۔ ہاتھ بے ساختہ سینے پر گیا۔۔۔ حیرت اور صدمے سے ڈائری بھی چھوٹ گری۔

"یہ وہ سچ ہے گلے' جو تقدیر اس وقت ہمارے سامنے لے آئی جب ہمارے اختیار میں کچھ نہیں رہا۔" وہ دوپٹے میں منہ دے کر باقاعدہ رونے لگی تھی۔ آویزہ نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری اٹھا کر دوبارہ اس نام کو دیکھا۔ کاش اس نام کو یہاں سے مٹا دینے سے حقیقت بدل سکتی' لیکن یہ ناممکن تھا۔

صنوبر کی ڈائری میں موجود وہ چھ صفحات بلاشک و شبہ صنوبر کی اپنی لکھائی میں درج تھے۔ جن میں صاف اور واضح الفاظ میں اس کی مرحومہ بہن نے اسجد کو اپنا محبوب تسلیم کیا تھا۔۔۔ اسجد عالم خان جو نہ صرف اس کا محبوب تھا بلکہ بقول صنوبر اس کا عاشق بھی تھا۔ گل آویزہ کو یہ سب پڑھ کر صحیح معنوں میں زمین آسمان ہلتے نظر آ رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

کنیز نور علی

کیسے ڈانٹ سے گاؤں

میں ایک مشہور رائٹر ہوں ڈھیروں ڈھیر ناولٹ اور ناول لکھ ڈالے ہیں کہ اب شمار میں نہیں آتے۔ جو ملتا ہے تعریفوں کے پل باندھ دیتا ہے۔ فیس بک کھولوں تو اپنی فینز کے تبصرے پڑھ کر میں ہنس دیتی ہوں۔ بالکل ایسے جیسے بچوں کی باتوں پر انہیں پچکارا جاتا ہے۔ میری ساری بہنیں اور کزنز اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ دور دراز کے ملنے والے کو بھی میرا حوالہ دیں۔ یہ سب تعریف توصیف کوئی ایسے ہی نہیں ہے۔ میں لکھتی بھی تو بہت اچھا ہوں۔ میری تحریریں منفرد ہوتی ہیں۔ اعلا معیار کی محبت سے لبریز۔ سیدھی لڑکیوں کے دلوں میں اتر جاتی ہیں... اور مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب کوئی مجھے پڑھ کر ایک لمحے کے لیے اپنے مسائل اور غم بھول سا جاتا ہے۔

لیکن اتنا سب کچھ اچھا ہونے کے باوجود مسائل تو ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں سو میں بھی ان سے آزاد نہیں۔ اب میری تحاریر کے حوالے سے ہی سن لیں جہاں اتنے لوگ تعریف کرتے ہیں۔ وہاں جلنے والے بھی کچھ کم نہیں۔ بھئی اپنے ہی ارد گرد کے لوگ ہوتے ہیں جو آپ کا اتنا اعلا کام دیکھ کر برداشت نہیں کرپاتے۔ اب گھر بھر میں سب ہی میری کہانیوں کے دیوانے ہیں۔ لیکن ایک یہ میرا کزن ابرار ہے جو مارے حسد کے مجھے ہر وقت اپنی تنقید کے نشانے پر رکھتا ہے۔ پہلے میری کوئی بھی کہانی بہت غور سے پڑھے گا۔ پھر نرم نرم سا طنز شروع کردے گا۔ لیکن میرے دوٹوک جواب بھی آگے سے تیار ملتے ہیں۔ حالانکہ میں حتی الامکان کوشش کرتی ہوں کہ اسے نظر انداز کردوں۔ لیکن بندہ بشر ہوں تنگ آہی جاتی ہوں۔

☼ ☼ ☼

آج اس ماہ کا تازہ شمارہ آیا ہے اور میری کہانی شائع ہوئی ہے۔ آج سارا دن میں اسی خوشی میں بلاوجہ مسکراتی رہی۔ بس ابرار صاحب کو جیسے ہی پتا چلا کود آئے میدان میں۔

"ارے رائٹر کیسی ہو..." اس سنجیدگی اور دوستانہ پن کے پیچھے کہیں مذاق بھی تھا۔ میں اب فوراً "بھانپ جاتی ہوں۔ سو سنجیدگی سے اپنے کام میں لگی رہی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"جو اس ماہ تمہاری اسٹوری چھپی ہے وہ بہت کمال ہے بھئی... لیکن..." اس نے حسب عادت بات سنجیدگی سے شروع کی تھی۔ لیکن اس "لیکن" کے بعد تیا پانچہ ہوتا تھا۔ یہ بھی میں اب فوراً "بھانپ جاتی ہوں۔ (رائٹر بننے کے بعد کافی عقل مند جو ہو گئی ہوں۔)

"وہ تمہاری ہیروئن... کیا نام ہے اس کا..." یادداشت پر زور دینے کا ڈراما... ہونہہ...

"ابھی اسٹوری پڑھ کر آئے ہو۔ اتنی جلدی بھول گیا نام..." میں نے تپی ہوئی مسکراہٹ سے جواب دیا تھا۔

"نہیں بھولا نہیں ہے۔ اصل میں کافی مشکل سا ہے۔ ہاں یاد آگیا... اچار... یہ ہی ہے نا..." سنجیدگی کے لبادے میں مذاق شروع ہوچکا تھا۔

"جو لوگ روز ناشتے میں اچار کھاتے ہوں انہیں ایسے نام ہی سوجھ سکتے ہیں۔ لمازیہ نام ہے ہیروئن کا..."

"اوف... ا... لما... ز... یہ..." بھئی اتنے مشکل نام کہاں سے یاد رہتے ہیں۔ پتا نہیں تم ڈھونڈ کہاں سے لاتی ہو ایسے مشکل اور اوکھے نام..."

"یہ یونیک نیمز ہوتے ہیں۔ اسی لیے اچھے لگتے ہیں۔" میں نے بہت ناصحانہ انداز میں اسے بتایا تھا۔ لیکن وہاں کون سا اثر ہونا تھا۔ میری تحاریر کا دشمن کہانی کے کسی نہ کسی پہلو پر چوٹ کیے بنا وہ رہ ہی نہیں

سکتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ حملے وہ ایک پہلو پر کیا کرتا تھا اور وہ کیا تھا بھلا۔

☆ ☆ ☆
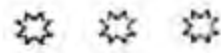
میری کہانیاں تو خاص ہوتی ہی ہیں، لیکن میرے یہ ہیروئنز کے نام بالکل منفرد اور اچھوتے ہوتے ہیں۔ بہت ڈھونڈ ڈھانڈ کر میں اپنی ہیروئنز کو نام دیتی ہوں۔

اس کام کے لیے باقاعدہ ریسرچ کرتی ہوں اور اکثر میری ہیروئنز کے ناموں کا مطلب جاننے کے لیے بہت سی قارئین خط بھی لکھتی ہیں۔ پھر تو مجھے اور بھی خوشی ہوتی ہے اور میں مزید توانا ہو کر نئے سے نیا نام سامنے لانے کی کوشش کرتی ہوں۔

میں نے اتنے منفرد نام کہانیوں میں دیے تھے کہ کچھ نام تو اتنے مشہور ہوئے کہ بہت سی قارئین نے اپنی بیٹیوں و بھتیجیوں اور بھانجیوں کے رکھے بھی۔ اس حوالے سے ان کے خطوط میرے پاس اس بات کا ثبوت ہیں۔ لیکن یہ بات اس کھڑوس کو بتاؤں گی تو بھی مذاق اڑائے گا۔ جلتا جو ہے' کہتا ہے عام نام کیوں نہیں استعمال ہو سکتا۔ منفرد نام ہونا چاہیے' یہ پہلو میرے نزدیک جس اہمیت کا حامل ہے۔ ابرار کو اسی قدر کھٹکتا ہے کہ مجھے زچ ہی تو کر دیتا ہے طنز کے تیر مار مار کر۔

"آخر کسی ہیروئن کا نام تمہارے ارد گرد لینے والی عام سی لڑکی جیسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ جیسے ثریا۔"

"یہ آج کل کا نام نہیں ہے۔ پرانے زمانے کا نام ہے۔" میں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"اچھا۔۔۔ چلو آج کل کی۔۔۔ اپنے محلے۔۔۔ اسکول' کالج میں ساتھ پڑھنے والی لڑکیوں کے نام تو آج کل کے ہیں نا۔"

"ابرار میں نے تمہیں کتنی بار بتایا ہے ڈفرنٹ اور یونیک نیمز مجھے اٹریکٹ کرتے ہیں۔"

"بہت زیادہ آئیڈیلزم انسان کو حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔" یہ واحد بات تھی جو اس نے حقیقتاً سنجیدگی سے کہی تھی۔

"تھوڑی سی آئیڈیلزم زندگی کو خوب صورت بنانے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔"

"ہاں بھئی تم ٹھیک ہی کہتی ہوگی۔ آخر کو مشہور رائٹر ہو' ہم کیا جانیں یہ علم۔۔۔ اچھا سنو رائٹر۔۔۔" آئی ہو مجیشن فار یو

اپنے اگلے ناول کی ہیروئن کا نام رکھنا پنسار یہ۔۔۔ تم یونیک (انفرادی نام) نیمز کی تلاش میں رہتی ہو نا۔ بس دیکھ لو۔۔۔ میں نے تمہاری مشکل آسان کر دی۔

ہیروئن ہوگی پنساریہ۔۔۔ اس کا یہ نام اس لیے نہیں ہوگا کہ اس کے ابا کی پنساری کی دکان ہے۔ ابا تو ظاہر ہے بزنس مین ہوں گے یا کسی اعلا عہدے پر بڑی آسامی ہوں گے۔ کوئی چھوٹے موٹے آدمی تو ہو نہیں سکتے۔ آخر کو پنساریہ کے ابا ہیں اور اس پنساریہ کی بڑی بہن کا نام ہوگا بلغاریہ۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ کیا ناموں میں یونیک نیس (انفرادیت) کی انتہا کر دی ہے میں نے۔۔۔ اور یہ

نام تو جغرافیہ اور ہسٹری کا حسین ملاپ بن کر سامنے آیا ہے۔ بلغاریہ۔۔۔ واؤ۔۔۔ واؤ۔۔۔ اور پنساریہ۔"

"شٹ اپ۔۔۔" اس کی اتنی طویل فضول تقریر سن کر میرے کانوں سے دھواں نکل رہا تھا۔

"تمہاری یہ فضول بکواس مجھے نہیں سننا۔ اب مزید وقت مت ضائع کرو۔"

"یہ لو! میں تمہاری ہیلپ کر رہا ہوں۔ اچھی رائٹر ہو تم۔ لکھاری ایسے بدلحاظ بھی ہوتے ہیں کیا۔" میں غصے سے اس کو گھورا تھا۔

"ہو سکتے ہیں۔ اگر قاری تم جیسا بدتہذیب ہوگا تو لکھاری بھی بدلحاظ ہو جائیں گے۔" میری سنجیدگی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔

"اچھا۔۔۔ تمہیں اعتراض کس چیز پر ہے۔ بلغاریہ پر یا پنساریہ پر۔۔۔" کیا منہ چڑاتی ہوئی ہنسی تھی۔ ہونٹوں کے ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی۔

"مجھے تم پر اعتراض ہے، تم نہ پڑھا کرو میری اسٹوریز اور نہ ہی زحمت کیا کرو میری ہیلپ کرنے کی۔" میں نے تنگ آکر کہا تھا۔

"چچازاد ہونے کے ناطے میرا فرض ہے اور ویسے بھی ایک قاری ہونے کی حیثیت سے بھی میں یہ حق رکھتا ہوں کہ تعریف، تنقید یا تنقیص کروں۔

اب تم تنقیص کا مطلب مجھ سے مختلف بہانوں سے پوچھوگی۔ لیکن ڈائریکٹ سوال نہیں کروں گی۔ اف یہ جھوٹی انا۔۔۔ مار ڈالو اسے رائٹر۔۔۔ ڈائریکٹ پوچھ لو مجھ سے آج کہ کیا ہوتی ہے تنقیص۔" وہ پورا ایکٹر تھا۔ ڈائیلاگ سچویشن کے مطابق آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ادا کرنا اس کے لیے عام سی بات ہے۔

ڈرامے باز۔۔۔ ایک نمبر کا۔

"لعنت تم پر اور تمہارے حقوق پر۔۔۔ چچا کو بتاتی ہوں میں آج۔۔۔" میں وہاں سے واک آؤٹ کر جانا چاہتی تھی۔ لیکن اتنی بڑی رائٹر ہونے کے بعد اچھا نہیں لگتا یوں کسی کی باتوں پہ ری ایکٹ کر کے بھاگوں۔ ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ اندر سے آواز آئی ہے۔ اس ڈھیٹ پر کوئی اثر اب بھی نہیں تھا۔

"ابھی اگلے ناول کا ایک نام رہتا ہے۔ وہ تو سن لو۔۔۔ پنساریہ اور بلغاریہ کا ایک بھائی بھی ہوگا جس کا نام ہوگا۔۔۔ کباڑیہ۔۔۔ کیسا نام ہے۔۔۔ منفرد۔۔۔ سب سے منفرد۔۔۔ واہ واہ۔۔۔" آنکھوں میں۔۔۔ ہونٹوں پر تمسخر۔ میں نے دانت کچکچائے۔۔۔ ہونہہ۔۔۔

"بتاؤ پھر ہے نا یونیک اور ڈفرنٹ نام، کسی اور اسٹوری میں ایسے نام ہوئے تو نام بدل دینا۔"

"ہاں تمہارا نام بدل کر کباڑیہ رکھوں گی۔ بالکل ردی سوچ ہے تمہاری، کسی ناکام کی۔ جسے کوڑیوں کے مول بیچ دینا چاہیے۔" میں نے ازحد سنجیدگی سے کہا تھا اور دل سے بھی۔۔۔ لیکن دوسری طرف کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ وہی جلا ڈالنے والی مسکراہٹ۔۔۔

"یہ تو آپ مشہور رائٹر صاحبہ مائنڈ کر گئی ہیں۔"

"ظاہر ہے۔ جن میں مائنڈ ہو وہ ہی اس کا استعمال کرتا ہے نا۔ لوگ تو بے عزتی پر بھی ڈھیٹوں کی طرح ہنستے رہتے ہیں۔" میں نے ایک اور چوٹ کی تھی۔

"اسے خوش اخلاقی کہتے ہیں، لیکن آپ کو اس سے کیا کام۔۔۔"

"مجھے کسی سے بھی کچھ کام نہیں اور تم سے تو بالکل بھی نہیں، نا پڑھا کرو میری اسٹوری۔ پڑھنا بھی ہے اور مذاق بھی اڑانا ہے۔ جلنے والوں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔" میں اپنی فل فارم میں آگئی تھی۔ بندہ آخر کب تک ایسے فضول چخ چخ سنے۔ اسے ایسی کھری کھری سنائیں کہ بالآخر وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا رخصت ہو گیا۔

اس کو تو میں نے بھگا دیا تھا۔ لیکن اب خود سوچ میں الجھ گئی تھی۔

"کیا واقعی منفرد ہونے کی خواہش میں ہم حقیقت سے دور ہو گئے ہیں۔"

قارئین آپ ہی بتائیے کیا واقعی انفرادیت کی خواہش میں ہم نے عجیب و غریب نام ایجاد کر دیے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ قارئین آپ ہی بتائیے۔۔۔ ناموں کے حوالے سے آپ کیا کہتی ہیں۔

☆ ☆

ناولٹ

سباس گل
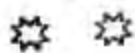
"ممی! کیا میں ایشال سے مل نہیں سکتا؟" فرجاد حسین نے بے کل ہو کر صائمہ بیگم سے سوال کیا۔

"شادی کے بعد مل لینا۔" صائمہ بیگم نے اطمینان سے اپنے نیلز فائل کرتے ہوئے جواب دیا تو وہ چڑ کر بولا۔

"ممی! میں اکیسویں صدی کا لڑکا ہوں اور آپ مجھ سے سولہویں صدی کی باتیں کر رہی ہیں۔"

"تصویر تو دیکھی ہے نا تم نے اس کی؟"

"تصویر دیکھ کر ہی تو ملنے کو بے تاب ہو رہے ہیں بھائی!" فرجاد حسین سے چار سال چھوٹی رائمہ شوخ لہجے میں بولی۔

"ہاں بالکل، تصویر دیکھ کر آدھا پاگل ہوا ہوں، ملنے کے بعد پورا پاگل ہو جاؤں گا۔"

فرجاد حسین چڑ کر منہ بنا کر بولا تو وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"خیر مل تو میں لوں گا ہی اس سے۔" وہ بولا۔

"وہ تمہیں نہیں ملے گی۔" صائمہ بیگم بولیں۔

"شادی کر کے بھی نہیں۔" اس نے تحیر سے آنکھیں پھیلائیں۔

"پاگل ہو تم دونوں، ہمیں اس رشتے پر اعتراض نہیں ہے انہیں بھی اعتراض نہیں ہے تو باقی کیا رہ جاتا ہے؟"

"ہمارا ملنا رہ جاتا ہے، ہماری ملاقات پر اعتراض رہ جاتا ہے۔" فرجاد حسین شدید خفگی سے بولا۔

"فرجاد بیٹے! ساری باتیں طے کرنے کے بعد اب ہم ان سے یہ کہیں گے کہ لڑکا، لڑکی سے ملنا چاہتا ہے تو وہ سوچیں گے کہ لڑکے کو اعتراض ہے اس رشتے پر جبھی پہلے دیکھنا ملنا چاہتا ہے اور لڑکی بھی یہی سوچے گی کہ تمہیں ملاقات کیے بغیر اعتراض ہے شادی پر۔"

صائمہ بیگم نے سنجیدگی سے جواز پیش کیا تو وہ بری طرح جھلا کر بولا۔

"ممی! ابھی تو صرف فون پر بات ہوئی ہے نا، یا اس کے پیرنٹس سے اتفاقیہ ملاقات میں یہ ذکر چھڑا تھا، لیکن ابھی آپ لوگ باقاعدہ میرا رشتہ لے کر تو نہیں گئے نا ان کے گھر، اب جب جائیں گے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیے گا میں بھی ان محترمہ کے درشن کر لوں گا۔ اتنے ماڈرن ہو کر دقیانوسی باتیں کرتے ہیں آپ لوگ۔" فرجاد حسین ناراضی سے اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے چلا گیا۔

"ممی! بھائی ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں، اگر ملاقات ہو جائے گی ان کی ایشال سے تو حرج کیا ہے اس میں؟" یہ بات طریقے سے بھی تو کی جا سکتی ہے ضروری ہے کہ انہیں بھائی کا نام لے کر کہا جائے کہ وہ ایشال سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم سب گھر والے بھی ایشال کے گھر والوں سے اور ایشال سے نہیں ملے ہیں، نہ ہی سوائے انکل آنٹی کے فرجاد بھائی سے ان کی فیملی میں کوئی مل سکا ہے اب تک۔۔۔ اس بہانے ہم سب ایک دوسرے سے مل لیں گے اور ویسے بھی ممی! سو طریقے ہو سکتے ہیں ان دونوں کی ملاقات کے، آپ ایشال کی امی سے بات کریں نا وہ ضرور کچھ حل نکال لیں گی اس مسئلے کا۔ کیونکہ ہمارے مذہب نے بھی لڑکی لڑکے کو اپنی پسند اور مرضی ظاہر کرنے کا حق دیا ہے اور ماں باپ اور

گھر والوں کی موجودگی میں آمنے سامنے اگر دونوں کی ملاقات ہو جائے تو اس میں تو کوئی برائی نہیں ہے۔۔۔ ؟" رائمہ نے سنجیدہ اور مدلل لہجے میں کہا تو وہ بے زاری سے بولیں۔

"بس تم لوگ اپنی ضرورت کے تحت مذہب کو ڈھال بنا لیتے ہو حد ہے بھئی' ویسے نہ نماز پڑھیں گے نہ روزے رکھیں گے۔ پسند کی شادی کرنی ہو تو سب کو اسلام کا دیا ہوا حق اور تعلیمات یاد آجاتی ہیں۔"

"اوکے ممی! کچھ نہ کریں آپ' بھائی خود ہی کوئی راستہ نکال لیں گے اور میں بھائی کے ساتھ ہوں۔"

رائمہ بھی ہار مانتے ہوئے بولی اور اپنا شولڈر بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"اپنے بھائی کو سمجھا دینا کے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرے کہ وہ لوگ رشتے سے ہی انکار کر دیں۔"

"تو کر دیں انکار' میرے بھائی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے اور نہ ہی یہ بھائی کی لو میرج ہے جو وہ ایشال کے گھر والوں کے انکار سے پریشان ہو جائیں گے۔"

رائمہ نے رکھائی سے جواب دیا اور صائمہ بیگم کو فکر میں مبتلا کر گئی۔

امجاد حسین اور صائمہ بیگم کا تعلق خوش حال گھرانے سے تھا۔ امجاد حسین ایک مل اونر تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ فرجاد حسین جو اٹھائیس برس کا ہو چکا تھا اور فرجاد حسین سے چار برس چھوٹی رائمہ۔ جس کی دو سال پہلے ایم ایس سی کرتے ہی شادی کر دی گئی تھی اور اب وہ ایک بیٹے کی ماں بھی بن چکی تھی۔ فرجاد حسین اونچا' لمبا خوش شکل جوان تھا۔ کھلی کھلی گندمی رنگت' ڈارک براؤن آنکھیں جن میں اکثر ذہانت اور سنجیدگی جھلکا کرتی تھی تو لہجے اور انداز میں شائستگی اور رکھ رکھاؤ بھی تھا۔ تعلیم یافتہ تھا۔ اسے شروع سے ہی کاروبار میں دلچسپی تھی۔

امجاد حسین نے اس کی کاروباری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اسے ٹیکسٹائل مل کا کام سونپ دیا تھا۔ جو وہ بہت عمدگی سے چلا رہا تھا' بڑھا رہا تھا۔ امجاد حسین ابھی خود بھی صحت مند اور ایکٹو تھے اور اپنی شوگر مل کے کام خود ہی دیکھا کرتے تھے۔ سو سہولت سے اپنے بزنس کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

ایشال ظفران کے زمانہ طالب علمی کے دوست محمد ظفر احسان کی لاڈلی بیٹی تھی۔ محمد ظفر احسان اور ان کی بیوی صباحت کے چار بچے تھے دو بیٹے اطہر اور اشعر وہ دونوں شادی شدہ تھے اور الگ الگ گھروں میں رہتے تھے شادی کے بعد ——— ان دونوں سے چھوٹی فریال اور ایشال تھیں۔ فریال کی منگنی اس کی خالہ کے بیٹے فہد کے ساتھ ہو چکی تھی اور آئندہ چند ماہ میں ان کی شادی متوقع تھی۔ فریال نے ایم اے اردو میں ماسٹرز کی ڈگری لی تھی ابھی سال اور اس سے سوا سال چھوٹی ایشال ماس کمیونی کیشن میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ دونوں بہنیں خوب صورت اور خوب سیرت تھیں گھر داری بھی ساتھ ساتھ سیکھ رہی تھیں۔ ایشال چونکہ سب سے چھوٹی لہٰذا سب کی لاڈلی تھی۔ خاص کر محمد ظفر احسان کی تو گڑیا' چڑیا تھی وہ۔

موتیے کے پھولوں جیسی سفید رنگت' سیاہ بڑی بڑی آنکھیں' گھنے لمبے سیاہ سلکی بال' متناسب قد کاٹھ کے ساتھ وہ کسی شاعر کا حسین تخیل ہی لگا کرتی تھی۔ اس کے حسن کو دیکھ کر خاندان کے ہر لڑکے والے گھر سے اس کے لیے رشتہ آچکا تھا مگر محمد ظفر احسان اور صباحت نے طریقے سے سب کو انکار کر دیا تھا۔ کبھی اس کی تعلیم کا بہانہ کر کے اور کبھی کم عمری کا بہانہ بنا کر۔

محمد ظفر احسان محکمہ انہار میں ملازم تھے۔ صباحت گھریلو خاتون تھیں۔ گزر اوقات اچھی ہو رہی تھی۔ محمد ظفر احسان کے والد نے کچھ زمین ان کے نام کر دی تھی اس کا ٹھیکہ آجاتا تھا۔ اطہر بینک منیجر تھے۔ اشعر کالج میں لیکچرار تھے اور اپنی اپنی زندگیوں میں مگن اور مطمئن تھے۔ امجاد حسین اور محمد ظفر احسان اسٹوڈنٹ لائف کے بعد جب عملی زندگی میں داخل ہوئے تو بھی

ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہے۔ خط و کتابت ہوتی رہتی تھی اور فون پر رابطہ رہتا تھا۔ ملاقات بھی رہا کرتی۔ پھر کچھ سال پہلے امجاد حسین مستقل لاہور شفٹ ہو گئے اپنی مل کی وجہ سے اور محمد ظفر احسان گوجرانوالہ میں ہی مقیم رہے۔ بچوں کی تعلیم اور شادیاں ہوئیں ایشال کی یونیورسٹی کی وجہ سے انہیں بھی ایک سال پہلے لاہور شفٹ ہونا پڑا۔ فریال نے تو پرائیویٹ ایم اے کیا تھا لیکن ایشال کو یونیورسٹی میں پڑھنے کا شوق بھی بہت تھا اور اس کے مارکس بھی بہت شاندار آئے تھے اسی لیے محمد ظفر احسان نے اسے یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت بخوشی دے دی تھی۔

اور یوں اچانک ایک ہی شہر میں آجانے سے امجاد حسین اور محمد ظفر احسان نے ایک دن آپس میں ملنے کا پلان بنایا تو امجاد حسین کے گھر وہ صباحت کے ساتھ بچیوں فریال اور ایشال کو بھی لے گئے تھے۔ فرجاد حسین کراچی گیا ہوا تھا مل کے کام سے وہ ان سب سے ملاقات نہیں کر سکا تھا لیکن صائمہ نے اپنے موبائل میں ایشال کے ساتھ کئی تصاویر بنوالی تھیں یہ وہی تصاویر تھیں جو انہوں نے فرجاد حسین کو دکھائی تھیں کیونکہ آج کل اس کے لیے اچھی، خوب صورت اور تعلیم یافتہ لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں اور انہوں نے جب ایشال کو دیکھا تو انہیں وہ اپنے بیٹے کے لیے بہت مناسب محسوس ہوئی تھی۔ اسی طرح امجاد حسین بھی ایک دن بنا اطلاع کے محمد ظفر احسان سے ملنے چلے گئے۔ یوں اب ان میں مسلسل رابطہ رہنے لگا تھا اور فون پر گفتگو کے دوران ہی امجاد حسین نے ان سے ایشال اور فرجاد حسین کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا محمد ظفر احسان کو تو کوئی اعتراض نہیں تھا اس رشتے سے انہوں نے بس اتنا کہا۔

"امجاد یار! ایسی باتیں فون پر کرنے والی تھوڑی ہوتی ہیں کسی دن گھر آؤ بھابھی کو لے کر پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

☆ ☆ ☆

سنو!
رنج و الم کے ڈھول بجا کر
چاہت کے کشکول اٹھا کر
در در پھرنا ٹھیک نہیں ہے
سنو! محبت بھیک نہیں ہے

آج دوسرا دن تھا۔ وہ یونیورسٹی سے گھر جا رہی تھی بس ملنے سے پہلے وہ لڑکا اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ جونہی وہ بس سے نیچے اتری وہ ایشال کے تعاقب میں چلتا بہت قریب آن پہنچا تھا۔ ایشال تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔" لڑکے نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔ تو ایشال کے قدم یکدم تھم گئے۔ دل خوف سے بہت زور سے دھڑکا تھا سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھا تو وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔

"میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اونہہ۔۔۔ پاگل۔" ایشال تحیر آمیز نظروں سے

اسے دیکھتے ہوئے بولی اور سائیڈ سے ہو کر آگے بڑھ گئی۔ وہ ایک ہی جست میں اس کے قریب آ کر بولا۔

"جتنی چاہو اسپیڈ بڑھا لو لیکن میں اپنے دل کی بات کہہ کر ہی جاؤں گا ایشال جی!"

"تم میرا نام بھی جانتے ہو۔" ایشال اس کی زبان سے اپنا نام سن کر حیرت سے بولی۔

"جی ہاں مس ایشال ظفر! میں آپ کا نام ہی نہیں رہائش و مقام بھی جانتا ہوں۔" جادی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" وہ آہستہ آہستہ سست روی سے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی' وہ بھی اس کے برابر چلتے ہوئے یوں ظاہر کرنے لگا جیسے وہ دونوں ساتھ ہوں آتے جاتے لوگوں کو شک نہ ہو سکے کہ ایک لڑکا راہ چلتی لڑکی کو تنگ کر رہا ہے۔

"شادی کرنا چاہتا ہوں تم سے۔" جادی نے اس کے چہرے کی سندرتا کو اپنی آنکھوں کے آئینوں میں جذب کرتے ہوئے دھیمے پن سے کہا۔ تو وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

"اچھا تو شادی کرنے والوں کے یہ ڈھنگ ہوتے ہیں' شریفانہ طریقے سے رشتہ بھیجا ہوتا اگر پیار کرتے ہو یوں بیچ سڑک میرا راستہ نہ روکا ہوتا پیچھا نہ کیا ہوتا میرا۔"

"میں پہلے تم سے بات کرنا چاہتا تھا تمہاری ہاں چاہتا تھا۔" وہ سنجیدگی اور قدرے شرمندگی سے بولا۔

"جو میرے امی' ابو کی ہاں' ناں ہو گی وہی میری ہاں' ناں ہو گی۔ آئی بات سمجھ میں اور تم تو میری طرف سے نا ہی سمجھو ایسی حرکتیں کرنے والے کو صرف "ناں" ہی بولی جا سکتی ہے۔ شریف ہوتے تو گھر آتے تمہیں تو میرا نام پتا سب معلوم تھا نا؟ پھر بھی یہ حرکتیں ہیں۔ اب پرے ہٹو ورنہ وہ حشر کروں گی کہ ساری زندگی یاد رکھو گے۔" ایشال نے اسے دیکھتے ہوئے کھری کھری سنا دی تھی۔

"ابھی کوئی کمی کسر چھوڑی ہے کیا حشر کرنے میں؟" وہ معنی خیز جملہ بولتا اسے مزید تپا رہا تھا۔

"ہونہہ' مار کھائے گا اب یہ لڑکا مجھ سے۔" وہ غصے سے بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بھائی! پھر کیا سوچا آپ نے؟" رائمہ نے چائے کا سپ لے کر سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"کس بارے میں؟" وہ فائل چیک کرتے ہوئے بولا۔

"ایشال کے بارے میں۔"

"ایشال کے بارے میں کیا سوچنا ہے مجھے؟"

"بھئی ایشال سے ملاقات نہیں کرنی کیا؟" رائمہ نے پوچھا۔

"چھوڑو یہ بحث لاحاصل ہے کوئی اور بات کرو' یہ بتاؤ اپنے گھر میں دل نہیں لگتا تمہارا؟ روز یہاں چلی آتی ہو۔"

فرجاد حسین نے فائل بند کرتے ہوئے سائیڈ پر صوفے پر ہی رکھ دی اور چائے کا کپ میز پر سے اٹھاتے ہوئے بولا۔

"تو کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟ آپ کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگتا۔" رائمہ نے ناراضی سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"اچھا لگتا ہے بہت اچھا لگتا ہے تم میری اکلوتی بہن اور یہ تمہارا اپنا گھر ہے' تم کبھی بھی یہاں آ سکتی ہو۔" فرجاد حسین نے نرمی سے جواب دیا۔

"پھر؟" وہ سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"پھر یہ میری بہنا کہ' بہن بیٹی شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے وہ محاورہ تو سنا' پڑھا ہو گا تم نے "قدر کھو دیتا ہے ہر روز کا آنا جانا۔" فرجاد حسین نے چائے پیتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔

"یعنی میں یہاں روز آ کر اپنی قدر گنوا رہی ہوں اہمیت کھو رہی ہوں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"ہاں لیکن یہاں نہیں وہاں اپنے سسرال میں' اپنے شوہر کے گھر میں قدر کھو رہی ہو دھیرے دھیرے

...میکا قریب ہو تو لڑکی کو بھاگ بھاگ میکے نہیں جانا چاہیے' شوہر اور سسرال والے برا مان سکتے ہیں۔ ان کے دل میں تمہاری قدر کم ہو سکتی ہے۔ اور ایسے میں جبکہ تم اپنے ڈیڑھ برس کے بیٹے کو بھی اس کے دادی دادا اور ملازموں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر آجاتی ہو تمہیں اپنے بیٹے کاشان کو تو اپنے ساتھ لے کر آنا چاہیے رائمہ! اتنا چھوٹا بچہ ماں کے بغیر اتنے گھنٹے ہر روز کیسے گزارتا ہو گا۔"

فرجاد حسین نے جو بات بہت دنوں سے کہنے کی ہمت نہیں کی تھی آج بالآخر کہہ ہی دی تھی اور رائمہ کے چہرے کا رنگ مارے شرمندگی کے فق ہو گیا تھا۔ صائمہ بیگم خاموشی سے چائے پی رہی تھیں۔ وہ بھی فرجاد کی باتوں سے متفق تھیں اسی لیے خاموشی سے سن رہی تھیں۔ خود کبھی بیٹی کو منع نہیں کیا روز میکے آنے سے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ اس کا شوہر اور سسرال والے بھی یقیناً" محسوس کرتے ہوں گے۔ اچھے لوگ ہیں جو ابھی تک شکایت نہیں کی ان سے ان کی بیٹی کی غیر ذمے داریوں کی۔

"بھائی! وہاں انکل آنٹی اور ملازم ہیں کاشان کے پاس۔" رائمہ نے کمزور سا جواز پیش کیا۔

"کاشان کی ماں تو نہیں ہے نہ وہاں؟"

"جی۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"رائمہ! شرجیل نے تم سے محبت کی شادی کی ہے شاید اسی محبت کی وجہ سے وہ تمہارے اس غیر ذمے دارانہ رویے کو اگنور کر رہا ہے۔ تمہاری بے نیازی اور لاپروائی پر خاموش ہے تمہارے یوں روز روز میکے چلے آنے پر چپ سادھ لیتا ہے۔ میری بہن' محبت کرنے والوں کو اتنا نہیں آزمانا چاہیے کہ ان کا ضبط' صبر اور ظرف سب جواب دے جائیں... اور تم اپنے شوہر کے دل سے ہی اتر جاؤ... محبت ایک ہاتھ کی تالی نہیں ہے میری بہن' یہ دونوں طرف سے ہو تب ہی امر ہوتی ہے۔ شادی دونوں کے نبھانے نبھتی ہے اور بیوی کی توجہ اور محبت شوہر کو کہیں جانے نہیں دیتی۔ محبت کے دعوے دونوں کریں اور کیئر' پروا اور خیال صرف ایک

فریق کرے تو ایسا کب تک چلے گا؟"

فرجاد حسین نے رسانیت سے اسے اس کی غلطیاں، کوتاہیاں یاد دلاتے ہوئے سمجھاتے ہوئے سوال کیا۔

"بھائی! وہ میں...." وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"وہ بہت اچھے لوگ ہیں تمہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے ہوں گے گھر میں بدمزگی اور خفگی کا ماحول نہیں چاہتے ہوں گے اسی لیے خاموش رہتے ہیں.... شاید وہ سوچتے ہوں گے کہ تمہیں خود اپنی ذمے داریوں اور غلطیوں کا احساس ہو جائے اور تم ان سب کو اپنی فیملی سمجھنے لگو اور ان سے بھاگ کر میکے نہ جایا کرو ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھو اور اسے سجانے، سنوارنے کے لیے کام کرو وہاں دل لگاؤ، ان سب سے پیار کرو انہیں اہمیت دو۔"

"چلو بازار چلتے ہیں تمہارے سسرال والوں کے لیے، شرجیل کے لیے کچھ گفٹس خرید کر انہیں دینے جائیں گے۔ اور آج سے تم نے سب کا بہت خیال رکھنا ہے وہاں سب کو وقت دینا ہے، شرجیل کے کام اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرنا۔ ملازم کبھی اپنائیت کا وہ احساس نہیں دلا سکتے جو گھر کے افراد کے آپس میں جڑے رشتوں میں ہو سکتا ہے.... شرجیل کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا کاشان کو پورا وقت اور توجہ دینا سب کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں اور خواہشوں کا فرمائشوں کا احترام رکھو گی خیال رکھو گی تو بدلے میں ان سب سے مزید محبتیں اور پیار پاؤ گی اور یاد رکھنا کے پیار سے ہی رشتے پائیدار بنتے ہیں.... اپنی ذمے داریوں کو فرض سمجھو گی پیار سے کرو گی تو وہ کبھی بھی تمہیں بوجھ محسوس نہیں ہوں گی۔ وہ لوگ، وہ رشتے جو پہلے ہی تم سے پیار کرتے ہیں وہ تمہارا پیار اور توجہ پا کر کیسے خوشی سے کھل جائیں گے، تمہیں پہلے سے زیادہ پیار کرنے لگیں گے۔ رائمہ! تم خود کو شرجیل کی ہی نہیں اپنے ساس سسر کی بھی ضرورت اور محبت بناؤ پھر دیکھنا تمہارا گھر کیسے جنت بنتا ہے۔" فرجاد حسین اسے سمجھاتے سمجھاتے گاڑی میں بٹھا کر گھر سے مارکیٹ تک آ گیا تھا۔

"لیکن بھائی! میں شرجیل سے معافی کیسے مانگوں گی؟"

"مجھے یقین ہے کہ وہ معافی کی نوبت آنے نہیں دے گا کیونکہ محبت کو صرف محبت کی ضرورت ہوتی ہے معافی کی نہیں.... اور انسان کبھی اپنی محبت کو شرمسار یا معافی مانگتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا اور نہ ہی کبھی دیکھنا چاہتا ہے۔" فرجاد حسین نے گاڑی شاپنگ مال کے قریب روکتے ہوئے بہت ملاحت سے کہا تو وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"واہ بھائی! آپ تو کسی سچے، اچھے عشق کے احساسات بیان کر رہے ہیں کہیں سچ مچ تو عشق نہیں ہو گیا۔" رائمہ شوخی سے بولی۔

"کس سے ہو گا مجھے عشق؟"

"ایشال سے۔"

"دل نہ جلاؤ میرا۔" وہ روٹھا روٹھا سا بولا تو وہ ہنس پڑی۔

☆ ☆ ☆

"تم کیوں دل جلا رہی ہو؟ شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے اس میں غلط کیا ہے؟" فریال نے اسے غصے کے عالم میں کمرے میں چکر لگاتے دیکھ کر کہا۔ ایشال گھر آ کر اسے سب کچھ بتا چکی تھی۔

"غلط یہ ہے کہ اس نے سڑک پر میرا راستہ روک کر یہ سب کہا ہے.... تمہیں کوئی لڑکا بیچ سڑک پہ راستہ روک کے یہ سب بولے تو پتا چلے کے کیا فیل ہوتا ہے؟" ایشال غصیلے لہجے میں بولی۔ تو فریال نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ہائے میری ایسی قسمت کہاں؟ مجھے تو کبھی فہد نے بھی آئی لو یو نہیں کہا۔ سال ہونے کو آیا ہے ہماری منگنی کو مجال ہے جو کبھی کوئی ٹیکسٹ میسج ہی کر دے۔"

"اچھا جھوٹ مت بولو مجھ سے میں اچھی طرح جانتی ہوں فہد بھائی تم سے بہت پیار کرتے ہیں گھنٹہ

بھر فون پہ کیا باتیں ہوتی ہیں؟ عالمی منڈی میں پیٹرول کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی ہے یا بجلی اور ڈیزل کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ سب پتا ہے مجھے ان کے ایس ایم ایس پڑھ کر جو تمہارے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے' وہ کسی کے آئی لو یو کہنے جیسی بات پر ہی پھیل سکتی ہے۔" ایشال نے اسے کڑے ہاتھوں لیا اور اس کے جھوٹ کا پول کھولتے ہوئے کہا تو وہ خجل سی ہو کر بولی۔

"اف ایشال! کتنی شارپ ہو تم' آنکھیں ہیں کہ ایکسرے مشین' جو آر پار دیکھ لیتی ہو؟ مجھے نہیں پتا تھا کہ تم میری مسکراہٹ تک کا مطلب سمجھ لیتی ہو۔ تم سے تو اب بچ کر رہنا پڑے گا۔"

"مجھے تو خوشی ہے تمہارا ہونے والا شوہر تم سے پیار کرتا ہے' ہاں! ایک بات ضرور کہوں گی کے ہر وقت' آتی مین ہر روز اپنے منگیتر صاحب کو ایس ایم ایس اور کالز مت کیا کرو' بلکہ کال تو بالکل مت کیا کرو' شادی سے پہلے بے تکلفی مناسب نہیں ہے اور اپنے رشتے میں کوئی چارم بھی تو رہنے دو' آج کل کے نوجوانوں کو پتا نہیں کیا بیماری ہے شادی سے پہلے ساری اچھی' میٹھی اور پیار بھری باتیں کر لیتے ہیں اور شادی کے بعد صرف لڑتے جھگڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو طعنے دیتے ہیں اور لڑکی کو شک کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا ہے۔ محبت سر جھکائے پتلی گلی سے نکل جاتی ہے اور اس شادی سے وابستہ امیدیں' توقعات اور خواہشات سب پر پانی پھر جاتا ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر بات کرو' ایسی بات نہ کرو جس سے آگے چل کر بات بگڑنے کا احتمال ہو۔"

ایشال نے اپنی وارڈ روب میں استری شدہ کپڑے ہینگ کرتے ہوئے بڑے ناصحانہ انداز میں کہا تو فریال اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔

"توبہ ہے شالی! تم اخلاقیات کی پروفیسر لگتی ہو قسم سے' مجھے لگتا ہے تمہارے دل میں بھی دماغ فٹ ہے' جو پیار سے زیادہ اس کے سائیڈ افیکٹس کو دیکھتا ہے سوچتا ہے۔ اللہ ہی رحم کرے اس شخص پر جو تم سے پیار کر کے شادی کرنا چاہتا ہے۔" فریال نے بے چارگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یاد مت دلاؤ مجھے اس شخص کی۔" ایشال چڑ کر بولی۔

"اچھا سچ بتاؤ مشکل صورت سے کیسا لگتا ہے؟" فریال نے شریر لہجے میں دلچسپی سے پوچھا۔

"شکل سے تو اچھا' شریف' پڑھا لکھا اور ڈیسنٹ فیملی سے لگتا ہے۔ لیکن عمل سے چھچھورا لگتا ہے۔" وہ ایمان داری سے بولی۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ وہ برا ہو' چھچھورا ہو' پیار میں ایسا ہو جاتا ہے مجھے تو وہ سچا اور اچھا لگا ہے۔" فریال مسکراتے ہوئے اس انجان لڑکے کی حمایت کر رہی تھی۔

"اچھا اور سچا ہے تو سیدھی طرح اپنے گھر والوں کو رشتے کی بات کرنے بھیجے نا۔ یہ کون سا طریقہ ہے لڑکی کو بیچ سڑک پر روک کر حال دل سنانا' شادی کے لیے پروپوز کرنا۔" ایشال تیز اور غصیلے لہجے میں بولتی چلی گئی۔

"تم نے اسے بس دور سے دیکھا ہی ہے نا؟ آزمایا تو نہیں ہے نا؟"

"ایسے لڑکے صرف دیکھنے جوگے ہی ہوتے ہیں آزمانے' پرکھنے لائق نہیں ہوتے۔" ایشال نے اس کی بات کا ٹکا سا جواب دیا۔

"نام کیا بتایا تھا تم نے اس کا؟" فریال کندھے اچکا کر بولی۔

"کوئی نام نہیں بتایا تھا میں نے اس کا' نہ ہی اس نے مجھے اپنا نام مبارک بتایا تھا۔" ایشال چڑ کر بولی۔

"تو تم نے پوچھ لیا ہوتا نا۔" فریال نے کہا۔

"کیوں؟ جس دیس جانا ہی نہیں ہے اس کا نام پتا پوچھ کر مجھے اپنے جنرل نالج میں اضافہ کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

"چلو مرضی ہے تمہاری' ویسے انسان کو اپنے عاشق نامراد کا نام تو معلوم ہونا چاہیے نا؟" فریال نے اسے دیکھتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بولی کچھ

نہیں بس اسے گھورے گئی۔ فریال نے اپنی ہنسی چھپانے کے لیے رخ پھیر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امجاد اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے گھر آنا چاہ رہا ہے۔" محمد ظفر احسان نے گھر پہنچ کر صباحت کو بتایا۔

"خیر سے آئیں ان کا اپنا گھر ہے۔"

"وہ لوگ اپنے بیٹے فرجاد حسین کے لیے باقاعدہ ہماری ایشال کا رشتہ مانگنے آرہے ہیں۔ مجھے تو فرجاد بہت پسند آیا تھا سلجھا ہوا' محنتی اور قابل بچہ ہے وہ ہماری ایشال کے لیے بہت مناسب رہے گا۔"

محمد ظفر احسان نے خوشی خوشی ان کے آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ فریال نے خوش ہو کر پوچھا۔

"تو کیا فرجاد بھی ساتھ آرہا ہے؟"

"نہیں میرے خیال میں اس کا آنا مناسب نہیں ہو گا۔"

شادی سے پہلے لڑکا اپنے سسرال میں لڑکی کو دیکھنے' ملنے آئے یہ انتہائی غلط بات ہے۔" صباحت غصے سے بولیں۔

"فریال صحیح کہہ رہی ہے ہمیں امجاد کے بیٹے کو بھی اپنے ہاں مدعو کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے' ہمارے سامنے ہی ملیں گے نا یہ دونوں کہیں باہر کسی پارک یا ہوٹل میں تو ملاقات نہیں کریں گے' گھر میں سب ایک جیسے ماحول میں ملیں گے اچھا رہے گا۔" محمد ظفر احسان نے سنجیدہ اور نرم لہجے میں کہا۔

"لو آپ بھی بیٹی کی زبان بولنے لگے۔" صباحت خفا ہوئیں۔

"ہماری بیٹی صحیح بات کر رہی ہے بیگم صاحبہ۔" وہ مسکرائے۔

"ہاں تو اور کیا... اب دیکھیں نا ابو! ایشال ہر روز اپنی یونیورسٹی جاتی آتی ہے بے نقاب چہرے کے ساتھ اور کو ایجوکیشن میں پڑھتی ہے بس' ٹیکسی' رکشے میں بھی آتی جاتی' سفر کرتی ہے تو کتنے ــــ غیر مردوں کی نظریں اس کے چہرے پر پڑتی ہوں گی؟ کتنے ــــ

غیر مردوں سے اسے مجبوراً "ضرورتاً" بات کرنا پڑتی ہو گی تو اگر اس سب پر آپ دونوں کو اعتراض نہیں ہے تو فرجاد حسین تو وہ لڑکا ہے جس کے ساتھ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ طے کرنے والے ہیں۔ پھر اس سے ایشال کا ہمارے سامنے ملنا غلط اور نامناسب کیسے ہو سکتا ہے؟ فرجاد حسین کا ہمارے گھر آنا غلط کیسے ہو گیا اس کے ساتھ تو آپ اپنی بیٹی کو بیاہنا چاہتے ہیں نا اس کا آنا تو سر آنکھوں پر ہونا چاہیے ہمارے لیے... ہے نا ابو؟" فریال نے موقع غنیمت جانتے ہوئے مزید مثالیں' دلیلیں پیش کر دیں۔

"دیکھ رہے ہیں آپ کتنی لمبی زبان ہو گئی ہے آپ کی بیٹی کی' سسرال والے اتنی لمبی زبان والی بہو کو پسند نہیں کرتے اسی طرح وہاں بھی زبان چلاؤ گی تو مار کھاؤ گی اور ہمیں بھی شرمندہ کرواؤ گی۔" صباحت نے اس کی باتیں سنی ان سنی کرتے ہوئے شوہر سے اس کی شکایت کرتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"صباحت بیگم! بیٹیوں میں درست اور جائز بات کہنے کے لیے ڈر' خوف پیدا مت کرو' فریال بیٹی! بہت سمجھ داری کی بات کر رہی ہے۔" محمد ظفر احسان نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی مگر بیٹیوں کو زیادہ سر نہیں چڑھانا چاہیے۔ دماغ خراب ہو جاتا ہے ان کا پھر سسرال جا کر من مانیاں کرتی ہیں گھر' شوہر سے زیادہ اپنے حق اور صحیح' غلط کے چکر میں پڑی رہتی ہیں۔" صباحت نے سپاٹ لہجے میں کہا تو ایشال اور فریال نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ ایشال تو کندھے اچکا کر چائے کے برتن اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

"تعلیم انسان کو اپنے حقوق و فرائض سے آگاہی دیتی ہے۔ تمیز و تہذیب کے دائرے میں رہ کر اپنے حق کی بات کرنا' اپنی ذمے داریاں نبھانا اپنے فرائض ادا کرنا ایک اچھے انسان اور اچھی تعلیم یافتہ' سگھڑ' سلیقہ مند بیٹی کی نشانی ہے اور مجھے اپنی بیٹیوں کی تعلیم اور تربیت پر پورا بھروسا ہے یہ دونوں شادی کے بعد اچھی بیوی' اچھی بہو ہونے کا فرض بھی بخوبی ادا کریں گی

ان شاء اللہ۔"

محمد ظفر احسان نے فریال کے سر پر دست شفقت رکھ کر سنجیدگی سے کہا تو صباحت نے بھی دل سے کہا۔

"ان شاء اللہ۔"

☆ ☆ ☆

"ہیلو بھائی جان! آپ کے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔" رائمہ نے فرجاد حسین کو فون کرتے ہی کہا۔

"ہاں تو جلدی سناؤ نا۔" وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر بولا۔

"اس سنڈے کو ہم سب ایشال کے گھر جا رہے ہیں باقاعدہ آپ کا رشتہ لے کر۔"

"وہ تو میں کب سے سن رہا ہوں کے اب گئے کہ تب گئے اس میں "گڈ نیوز" کہاں ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا اب بنیں مت سب پتا ہے مجھے آپ ایشال کو پسند کرتے ہیں ورنہ یوں ملنے کے لیے بے تاب نہیں ہوتے۔" رائمہ نے تیزی سے کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"اچھا میری جاسوس اب "گڈ نیوز" تو سنادو۔"

"اور گڈ نیوز یہ ہے کہ ظفر انکل نے آپ کو بھی انوائٹ کیا ہے اپنے گھر' ہمارے ساتھ آپ بھی ان کے گھر جائیں گے اور ایشال سے بھی آپ کی ملاقات کا قوی امکان ہے۔" رائمہ نے پرجوش لہجے میں بتایا۔

"آں ہاں' ویسے یہ معرکہ سر ہوا کیسے؟"

"یہ تو آپ کی ہونے والی سالی کا کمال ہے اس کا شکریہ ادا کیجیے گا۔" رائمہ نے جواب دیا۔ وہ فریال سے رابطے میں تھی اور اس بات سے ایشال قطعی بے خبر تھی۔

"وہ تو میں کردوں گا لیکن۔۔۔!"

"لیکن کیا بھائی!" وہ بے تابی سے بولی۔

"ایشال مجھے دیکھ کر انکار تو نہیں کرے گی نا؟"

"کیوں؟ وہ کیوں انکار کرے گی؟ ماشاء اللہ! اتنی ڈیشنگ ہینڈسم اور زبردست پرسنالٹی ہے آپ کی' آپ کو کوئی بھی لڑکی انکار نہیں کر سکتی۔" رائمہ نے بھائی کی محبت میں ڈوبے لہجے میں کہا تو وہ ہنس کر بولا۔

"تم تو اپنے بھائی کی محبت میں کہہ رہی ہو نا تمہارے لیے تو میں سب سے اچھا' ہینڈسم مرد ہوں کیونکہ تمہارا بھائی ہوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے بھائی! میرے کالج کی لڑکیاں بھی آپ پر مرتی تھیں اور یونیورسٹی فیلوز بھی آپ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھیں جب آپ مجھے پک اینڈ ڈراپ کرنے جاتے تھے۔" رائمہ نے ایمانداری سے بتایا۔

"اچھا! بڑی گھنی ہو تم' پہلے کیوں نہیں بتایا تھا ہم بھی ذرا غور فرما لیتے کے کون کتنی حسین ہے اور کون تمہاری بھابھی بننے کے لائق ہے؟" وہ شرارت بھرے لہجے میں شوخی سے بولا۔

"جی نہیں مجھے وہ لڑکیاں بالکل بھی پسند نہیں تھیں جو میرے پیارے بھائی کو بری نظر سے دیکھتی تھیں۔" رائمہ نے تیزی سے کہا تو وہ ہنستا چلا گیا۔

"لڑکوں کی بری نظر کا تو بہت سن رکھا تھا لڑکیاں بھی لڑکوں پر بری نظر رکھتی ہیں یہ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"اُفوہ بھائی جان! آپ بھی نہ لفظ پکڑ لیتے ہیں بس آپ ایشال کے گھر جانے کی تیاری کریں۔"

"سنڈے دو دن بعد ہے اور مجھے کیا تیاری کرنی ہے؟ تیاری تو تم لڑکیاں کرتی ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"او کے پھر میں تو تیاری کر رہی ہوں آپ سوچ لیں کہ ایشال سے کیا کیا باتیں کرنی ہیں' بات کرنے کا موقع میں اور فریال آپ کو فراہم کردیں گی۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولی۔

"بہت مہربانی ہو گی آپ کی جیتی رہیے' خوش رہیے۔"

"آپ بھی بھائی جان! اللہ حافظ!" رائمہ نے ہنس کر کہا۔ جواباً فرجاد حسین نے بھی "اللہ حافظ" کہہ کر رابطہ منقطع کردیا۔

☆ ☆ ☆

میں اپنی روح کی پوشاک اس کو پہنا دوں
مگر یہ شرط ہے کہ وہ بھی تمام میرا ہو

ایشال نے سفید چوڑی دار پاجامے پر ہلکے نیلے رنگ کی لمبی سی اسٹائلش قمیص اور سفید دوپٹا زیب تن کیا تھا۔ بہت نازک سا ایک ایک سفید موتی والا لاکٹ سیٹ پہنا تھا۔ بالوں کی چٹیا گوندھ کر بائیں جانب سینے پر ڈال لی تھی۔ چٹیا میں بھی سفید پنس سجی ہوئی تھیں۔ ہلکا سا میک اپ کیے سفید نازک سے اسٹریپ والے جوتے پہنے وہ مشرقی حسن کا پیکر دکھائی دے رہی تھی۔

"ایشال! تم تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟" فریال کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"میں بالکل تیار ہوں۔" ایشال اپنا دوپٹا سر پر سیٹ کرتے ہوئے اس کی جانب گھوم کر بولی۔

"شادی کے لیے۔" فریال شرارت سے بولی۔

"جی نہیں' مہمانوں سے ملنے کے لیے' شادی فائنل ایگزامز سے پہلے نہیں کروں گی میں۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اس کا فیصلہ تو امی' ابو کریں گے نا' ایگزامز شادی کے بعد بھی دیے جا سکتے ہیں۔" فریال نے آرام سے کہا۔

"شادی تو خود ایک ایگزام ہے اور تمہیں بڑی جلدی ہے میری شادی کی۔۔۔ خود تو آرام سے ماسٹرز کر لیا اب میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔" ایشال نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کمرے میں گھسی کیا کر رہی ہو باہر آؤ مہمان آگئے ہیں' باہر آؤ فوراً۔" اسی وقت صباحت کمرے میں آئیں اور انہیں مہمانوں کی آمد کی اطلاع دینے کے ساتھ ہی باہر آنے کا کہہ کر تیزی سے واپس چلی گئیں۔

"چلیے' مہمانوں سے ملئے۔" فریال نے مسکراتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کی جانب اشارہ کر کے ایشال کو چلنے کے لیے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ فریال بھی اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔

"السلام علیکم!" ایشال اور فریال نے یک زبان ہو کر ڈرائنگ روم میں بیٹھی امجاد حسین کی فیملی کو دیکھتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم سلام' جیتی رہیے۔" امجاد حسین اور صائمہ نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے انہیں جواب دیا' اٹھ کر ان کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ رائمہ سے گلے ملتے ہوئے ایشال کی نظر صوفے پر بیٹھے فرجاد حسین پر پڑی تو اس کی آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"یہ یہاں بھی پہنچ گیا یا مجھے ہی ہر جگہ اس سڑک چھاپ عاشق کی شکل دکھائی دے رہی ہے یا الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے؟" وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ رائمہ سے الگ ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ایشال! یہ میرے بھائی جان ہیں فرجاد حسین!" رائمہ نے فرجاد حسین کا تعارف کراتے ہوئے اس کی حیرت دور کرتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں اٹھتے سوال کا جواب دے دیا۔

ایشال' صائمہ اور امجاد حسین سے اخلاقاً" چند باتیں کرنے کے بعد چائے کے بہانے سے کچن میں چلی آئی۔

"تمہیں کیا ہوا؟ منہ پہ بارہ کیوں بجے ہیں؟" فریال بھی اس کا موڈ خراب دیکھ کر کچن میں ہی آگئی اور آہستگی سے پوچھا تو وہ اسے دیکھتے پوچھنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے فرجاد حسین کون ہے؟"

"امجاد انکل کا بیٹا ہے اور کون ہے؟"

"ہاں اور یہ وہی لڑکا جس نے مجھے راستہ روک کر شادی کے لیے پرپوز کیا تھا۔" اس نے انکشاف کیا۔

"کیا سچ؟" فریال نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں میں نے کہا تھا نا تم سے کہ اچھی فیملی کا لگتا ہے اب دیکھ لو اتنا ڈیسنٹ تعلیم یافتہ' میچور شخص ہو کر اس نے اتنی عامیانہ حرکت کی میرے ساتھ۔" ایشال غصے سے سرخ ہو رہی تھی مگر بہت ضبط سے دبی دبی

آواز میں بول رہی تھی۔

"اس کا عشق سچا تھا نا جبھی تو وہ شریفانہ طریقے سے اپنے پیرنٹس کو رشتے کی بات کرنے لایا ہے۔" فریال نے فریج میں سے جوس کا ڈبا نکالتے ہوئے کہا تو جھلا کر بولی۔

"تم تو بس رہنے ہی دو' اسے میرے بارے میں سب معلوم تھا اور یہ بھی کے اس کے پیرنٹس میرا رشتہ مانگنا چاہتے ہیں اس کے لیے' پھر اسے وہ چھچھوری حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور پہلے تو کبھی وہ مجھے یونیورسٹی کے راستے میں دکھائی نہیں دیا تھا۔ اچانک سے آگیا اور پرپوز کرنے کے دو دن بعد اپنی فیملی کے ساتھ یہاں آگیا۔ سب معلوم تھا اسے پھر وہ گھٹیا حرکت کیوں کی فرجاد حسین نے؟"

"صرف آپ کو دیکھنے اور آپ کی اس رشتے کے لیے رضامندی جاننے کے لیے بھائی جان کو آپ کا تعاقب کرنا پڑا' کیونکہ آپ کے پیرنٹس نے فرجاد بھائی کی اور آپ کی ملاقات کی بات اس وقت ٹال دی تھی اور بھائی نہیں چاہتے تھے کہ آپ محض اپنے پیرنٹس کی وجہ سے فادر کی دوستی کی وجہ سے یہ رشتہ قبول کر لیں وہ چاہتے تھے کہ اس رشتے میں آپ کی مرضی اور پسند بھی شامل ہو۔"

رائمہ ادھر ہی آگئی تھی اور ان دونوں کی باتیں سن کر مدھم لہجے میں تفصیل سے اس نے ساری بات اس کے گوش گزار کردی۔

"اور آپ کو لگتا ہے کہ کسی لڑکی کو راستے میں روک کر پرپوز کرنے سے لڑکی کی مرضی اور پسند لڑکے کے حق میں ہو جاتی ہے؟ معاف کیجیے گا یہ نہایت غیر مہذب طریقہ ہے کسی لڑکی کو پرپوز کرنے کا اور ایک ویل ایجوکیٹڈ شخص جب اتنی چھوٹی حرکت کرتا ہے تو وہ اپنا امیج ڈیمج کرلیتا ہے میرے جیسی لڑکی کی نظر میں۔" ایشال نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا اور چائے کا اہتمام کرنے لگی۔

فریال اور رائمہ نے ایک دوسرے کو فکرمندی سے دیکھا اور ڈرائنگ روم میں چلی آئیں۔

"وہ بہت غصے میں ہے۔" رائمہ نے فرجاد حسین کو ایس ایم ایس کیا تو فرجاد حسین اس کا ٹیکسٹ پڑھ کر بے چین ہو گیا۔

"مجھے بات کرنی ہے ایشال سے کوئی ترکیب نکالو۔" فرجاد حسین نے اسے جوابی ٹیکسٹ کیا' جسے پڑھنے کے بعد رائمہ نے "اوکے" کا جواب دیا۔

"بھابھی! اتنے سارے تحائف لانے کی کیا ضرورت تھی' بہت تکلف کیا آپ نے۔" صباحت ان کے لائے ہوئے تحائف' کیک مٹھائی اور فروٹس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں۔

"یہ تکلف نہیں ہے ہماری محبت کی بے تکلفی ہے اور ہم اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کی بات کرنے آپ کے گھر آئے ہیں تو یہ اہتمام تو ضروری تھا نا؟" صائمہ مسکراتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں بولیں تو وہ سب خوش دلی سے مسکرا دیے۔

"اللہ ہمارے بچوں کے نصیب اچھے کرے۔" محمد ظفر احسان نے دعا کی۔

"آمین!" سب نے کہا۔

اتنی دیر میں ایشال چائے کی ٹرالی لیے دیگر لوازمات کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور سنجیدگی سے آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ فریال نے سب کو چائے پیش کی۔

"ایشال! ہم پہلی بار آپ کے گھر آئے ہیں آپ ہمیں اپنا گھر نہیں دکھائیں گی؟" رائمہ نے پرتکلف چائے کے اہتمام سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایشال کو مخاطب کر کے کہا۔

"ایشال! بیٹا لے جاؤ انہیں اپنا گھر دکھاؤ' اپنا کمرہ دکھاؤ۔"

"جی امی!" وہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"آپ بھی آجائیں فرجاد بھائی! آپ بڑوں میں بیٹھ کر کیا کریں گے ہم نہیں بات کرنے دیں' آپ آئیں ہم انکل کا گھر دیکھتے ہیں۔" رائمہ نے دانستہ فرجاد حسین کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"فرجاد حسین کو وہاں سے اٹھنے کا موقع چاہیے تھا جو بآسانی مل گیا تھا سو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رائمہ'

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

فریال اور ایشال کے ساتھ وہاں سے اوپر سیڑھیاں چڑھتا ہوا آگیا۔ ان کا گھر بہت سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ ہر چیز سلیقے، قرینے سے کمرے میں سیٹ کی گئی تھی۔ ایشال کو سمجھ میں آرہا تھا کہ گھر دکھانے کے بہانے سے رائمہ نے فرجاد حسین کے ملنے کا موقع بنایا تھا۔ اس پر اسے اور غصہ آرہا تھا۔ فرجاد حسین یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رائمہ اور فریال کو آپس میں باتیں کرتے دیکھ کر فوراً" ایشال کے قریب آکر اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو، کیسی ہیں آپ؟"

"بہت غصے میں ہوں۔" ایشال نے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

"وہ کیوں؟"

"واہ! اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا؟"

"ہم مرمٹے ہیں آپ کی سادگی پر۔" فرجاد حسین نے اس دل کش سراپے کو نگاہوں میں سموتے ہوئے کہا۔

"آپ کے گھر والے آپ کا رشتہ لے کر تو آنے والے تھے ناہمارے گھر پھر آپ کو فلمیانہ، عاشقانہ اور عامیانہ ہیرو بننے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ سپاٹ اور سرد لہجے میں جرح کررہی تھی۔ رائمہ نے فریال کو ان کے پاس جانے سے روک دیا تھا اور وہ دونوں کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"دراصل، میں آپ سے مل کر آپ کی رائے جاننا چاہتا تھا۔" فرجاد حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور اس کے لیے آپ کو یہ طریقہ ٹھیک لگا؟ تعجب ہے۔"

"ممی، پاپا نے آپ کی تعریفیں کرکر کے میرے اندر آپ سے ملنے کا اشتیاق پیدا کردیا تھا اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا تھا کے آپ کے پیرنٹس شادی سے پہلے میرا اور آپ کا ملنا پسند نہیں کریں گے اس لیے مجھے آپ کو یونیورسٹی سے واپسی پر ملنے اور بات کرنے کا یہی طریقہ مناسب لگا۔" فرجاد حسین نے سنجیدگی سے ساری سچائی بتادی۔

"اور آپ کے اس طریقے کی وجہ سے میں آپ سے رشتہ جوڑنے سے انکار کرتی ہوں۔ ویسے تو شاید میں "ہاں" کردیتی کیونکہ ہم بیٹیاں اپنے ماں باپ کے فیصلوں کو قبول کرتی ہیں ہمیشہ، لیکن آپ کو شاید اپنے ماں باپ کی پسند پر ان کی زبان سے کی گئی میری تعریف پر یقین نہیں تھا تبھی آپ سڑک پر میرا راستہ روکنے چلے آئے اور مجھے آئی لو یو بول کر پرپوز کرکے آپ میرا مزاج، میرا کردار چیک کررہے تھے، پرکھ رہے تھے۔ کہ میں کیسی لڑکی ہوں؟ اگر اس رشتے کے حوالے سے ملتے تو حوالہ بھی دیتے مگر نہیں... آپ نے سڑک چھاپ عاشق والی حرکت کی جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ مجھے چیک کررہے تھے کہ میں آپ کے "پرپوزل" کے جال میں پھنستی ہوں کہ نہیں؟ چونکہ میں آپ کے طے کردہ معیار پر پوری اتری، لہٰذا آپ یہاں رشتہ لے کر چلے آئے... اگر آپ کے مزاج و معیار پر پوری نہ اترتی تو آپ اس رشتے سے پہلے ہی انکار کردیتے اور اپنے گھر والوں کے سامنے میرے کردار کی دھجیاں بکھیرتے، مجھے ریجیکٹ کردیتے۔"

ایشال سپاٹ اور غصیلے لہجے میں بولتی چلی گئی۔

فرجاد حسین شرمندگی سے نظریں جھکائے سنے گیا۔

"میرا یہ مزاج نہیں ہے ایشال! میں لڑکی کی عزت کرنا جانتا ہوں صرف آپ کو آپ کی مرضی سے اپنی زندگی میں شامل ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔ آپ کو تو میں پہلے ہی پسند کرچکا تھا آپ کی تصویر دیکھ کر آپ کی تعریف سن کر... آپ کا پیچھا کسی غلط نیت یا مقصد سے نہیں کیا تھا۔ رائمہ اور فریال کو علم تھا کہ میں آپ سے بات کرنے کے لیے آپ سے مل رہا ہوں۔ ان فیکٹ آپ کی بہن فریال نے ہی مجھے آپ کے یونیورسٹی روٹ اور ٹائمنگ کا بتایا تھا اور وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ وہ جانتی تھیں کے میں آپ کو پسند ہی نہیں کرتا بلکہ آپ سے پیار بھی کرتا ہوں اور انہیں پیار کرنے والے انسان کی ہیلپ کرنا اچھا لگا تھا۔ بس میری نادانی نے آپ کو مجھ سے بدگمان کردیا ہے اور آج کی یہ ملاقات بھی فریال کی بدولت ہی ممکن ہوئی ہے انہوں نے ہی آپ کے پیرنٹس کو میرے یہاں

آنے پر آمادہ کیا تھانا۔"

"اوہ! تو یہ آپ تینوں کی ملی بھگت ہے۔" ایشال نے فرجاد حسین کے دھیمے لہجے میں ساری حقیقت جان کر اپنی نا سمجھی پر سر پیٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔" فرجاد حسین نرمی سے بولا۔

"جیسی بھی بات ہے مجھے نہیں کرنی آپ جیسے شکی مرد کے ساتھ شادی۔ بتا دیجیے گا اپنے گھر والوں کو بھی اور اپنے قیمتی تحائف بھی لے جائیے گا واپس 'میں ایسی رشوت سے امپریس نہیں ہونے والی۔" ایشال نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔

"ایشال! میں مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی ہے میں معافی مانگتا ہوں۔" فرجاد حسین نے بے کل ہو کر کہا۔

"غلطی۔" ایشال نے بھنویں سکیڑ کر اس کی وجیہہ صورت کو دیکھتے ہوئے رکھائی سے پر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"غلطی بے دھیانی میں بھولے سے ہوتی ہے جبکہ آپ نے یہ ناٹک باقاعدہ پلان کر کے کیا تھانا۔ سوچ سمجھ کر میرا پیچھا کیا تھا آپ نے۔ یہ غلطی نہیں تھی جرم تھا جس کی معافی آپ کو نہیں ملے گی۔"

"پلیز' اتنی سنگدل مت بنیں۔ میں مان رہا ہوں نا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی محبت میں انسان اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے اسے صحیح غلط سے زیادہ 'دل کی خوشی اور چاہ پوری کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ میں بھی دیوانگی میں جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا آپ سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ اپنے جذبات سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ محبت دل سے سوچتی ہے عقل سے نہیں اس لیے اسے معافی دے دینی چاہیے۔" فرجاد حسین نے بے کل و بے چین ہو کر ملتجی لہجے میں کہا۔

"معافی آپ کو ایک شرط پر ملے گی۔" ایشال اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے بولی۔

"مجھے منظور ہے۔" وہ فوراً بولا۔

"اچھا!"

"ہاں بولیے۔"

"شرط یہ ہے کہ آپ آج کے بعد اس گھر کا رخ نہیں کریں گے نہ ہی مجھ سے دوبارہ ملنے یا میرا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے 'یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔" ایشال نے سنجیدگی سے اسے سزائے موت سناتے ہوئے بے دم سا کر دیا تھا۔

"مرنا ہی ہے تو آپ کے ہاتھوں مرنا پسند کروں گا۔" فرجاد حسین نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

ابھی خاموش رہنا تھا مگر اظہار کر ڈالا
جو تھا دشوار اس کو اور بھی دشوار کر ڈالا

"دشوار تو خیر نہیں تھا فرجاد بھائی! اور نہ ہی اتنے مایوس نہ ہوں۔" فرجاد حسین نے شعر پڑھا تو فریال نے ان کے پاس آتے ہوئے کہا۔ رائمہ بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔

"اب میں سمجھی کہ تم امی ابو کو اور مجھے قائل کرنے کے لیے اتنے دلائل کیوں پیش کر رہی تھیں۔" ایشال نے فریال کو ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے خفگی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے کندھے اچکا کر بولی۔

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے؟"

"غلط یہ ہے کہ جب گھر پہ ملنے کے لیے راضی کرنا ہی تھا تو انہیں باہر کا راستہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم عقل سے کام نہیں لے سکتی تھیں اگر ان کی عقل پر عشق کی پٹی بندھی تھی تو تم کو کچھ سوچنا چاہیے تھانا؟ خیر مجھے تو ان کی اس حرکت سے کوئی فرق نہیں پڑا البتہ ان کا اپنا امیج خراب ہوا ہے۔ فرسٹ امپریشن از ویری بیڈ امپریشن۔" ایشال نے فریال کو کھری کھری سناتے ہوئے آخری جملہ فرجاد حسین کو دیکھتے ہوئے ادا کیا تھا اور ایک شعلہ بار نگاہ سے اسے خاکستر کرتی تیزی سے وہاں سے نیچے چلی گئی تھی وہ تینوں بے بسی اور فکر مندی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"امی ابو تو ایک دو دن میں ہاں کر دیں گے امجاد انکل کو اور وہ دوڑے چلے آئیں گے انگوٹھی پہنانے اور

انگوٹھا لگوانے۔" فریال کمرے میں آئی تو اسے اپنے ہاتھوں کی کلینزنگ کرتے دیکھ کر کہا۔ وہ اسے ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں نہ تو انگوٹھی پہنوں گی نہ ہی انگوٹھا لگاؤں گی۔"

"چلو نہ سہی دستخط کر دینا نکاح نامے پر، رونمائی میں کنگن پہن لینا۔ میں فرجاد بھائی سے کہہ دوں گی کہ آپ ایشال کو کنگن اور گولڈ کا لاکٹ گفٹ کیجئے گا اسے بہت پسند ہے۔" فریال نے ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ کر اسے دیکھتے شوخ و شریر لہجے میں کہا تو وہ تنگ کر بولی۔

"کہہ کر تو دیکھو تم!"

"تو کیا تم خود کہو گی ان سے؟" فریال نے اسے مزید ستایا۔

"ان سے کہتی ہے میری جوتی۔"

"کہہ ہی نہ دے کہیں، تمہاری طرح اسے بھی زبان لگ گئی تو بے چارے فرجاد بھائی تو رہ جائیں گے کنوارے۔" فریال نے افسوس کرنے والے انداز میں کہا۔

"کیوں؟ نہ ان میں کسی چیز کی کمی ہے، نہ ہی ان کو لڑکیوں کی کمی ہے کر لیں گے کسی سے بھی شادی۔" ایشال نے ٹشو پیپر ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اپنے بیڈ کی طرف آ گئی۔

"چلو تم نے یہ تو مانا کہ فرجاد بھائی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔" فریال مسکراتے ہوئے بولی۔

"سوائے عقل کے۔" ایشال نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

"پیار محبت میں عقل کی نہیں دل کی چلتی ہے اور دماغ تو بس چل ہی جاتا ہے۔"

"اب ایسی بھی کیا محبت؟" ایشال بے زاری سے بولی۔

"تم کو ہو گی تو بات ہو گی، لگ پتا جائے گا ایشال ظفر کو کہ پیار کتنا بے خود اور دیوانہ کر دیتا ہے انسان کو۔ وہ بس محبوب کو دیکھنے، سوچنے اور پانے کے سپنے ہی دیکھتا رہتا ہے، اس سے ملن کے مواقع ڈھونڈتا ہے، بہانے تلاش کرتا ہے۔ اچھے بھلے عاقل، بالغ اور قابل انسان کی عقل پر عشق کا پردہ پڑ جاتا ہے تو اسے سوائے محبوب کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ پیار میں چھوٹی چھوٹی بے وقوفیاں اور معمولی سی چوریاں ہو جاتی ہیں، غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ ہم عاشق کو نامراد و نا ہنجار کہنے لگیں اس کے خلوص پر شک کریں، اس کے جذبے کی سچائی و صداقت پر یقین ہی نہ کریں، اچھے بھلے انسان کو پیار کے جرم میں جیتے جی پھانسی کی سزا سنا دیں اور وہ تا عمر سولی پہ لٹکا رہے۔ نہ موت ملے نہ رہائی۔۔۔ نہیں یار، ایسا بے حس لوگ کرتے ہیں تم تو بہت احساس والی، محبت بھرا دل رکھنے والی لڑکی ہو تم یہ ظلم نہ کرو اس محبت پر جو فرجاد بھائی کو تم سے ہے۔"

"توبہ ہے فری، اب بس کر دو لگتا ہے کوئی بہت ہی رومانٹک ناول پڑھ لیا ہے تم نے یا پھر لکھنے کا ارادہ ہے جو محبت، محبت کی گردان کیے جا رہی ہو۔" ایشال نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"ہاں لکھنے کا ارادہ ہے اور اس ناول کا نام رکھوں گی "عشق والا لو۔""

"اچھا بس اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔"

ایشال نے دانت پیس لیے اور تکیہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا، تاکہ فریال کی کوئی بات اب اس کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ فریال نے بھی مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے سونے کی ٹھانی اور لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر آ گئی۔

☼ ☼ ☼

"امی! ایشال شادی نہیں کرے گی۔" اگلے دن فریال نے صباحت کو سبزی کاٹتے دیکھ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شادی نہیں کرے گی تو کیا ہمارے سینے پہ مونگ دلے گی؟"

"مونگ، ماش کا تو پتا نہیں البتہ شادی کرنے کا موڈ نہیں لگ رہا اس کا۔" فریال نے کھیرا کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"شادی اس کا موڈ دیکھ کر نہیں کریں گے ہم، موقع دیکھ کر کریں گے سمجھا دینا اسے کہ باپ کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کرے ہم سب بہت خوش ہیں اس رشتے سے 'اتنے امیر گھر کی بہو بنے گی سسرال کا اپنا بزنس ہے مل اونر کی بہو بننا اس کی خوش بختی ہوگی۔ لوگ تو ترستے ہیں ایسے اچھے گھر اور بر کے لیے۔" صباحت نے تیز لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی! مجھے بھی فرجاد بھائی اور ان کی فیملی بہت پسند آئی ہے اور میری تو دل سے دعا ہے کہ شالی کی شادی جلد فرجاد بھائی سے ہو جائے۔"

"آمین' اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔" صباحت نے قدرے نرم لہجے میں یقین سے کہا۔

"میں تو ایشال کی پڑھائی کے خیال سے کہہ رہی تھی کہیں وہ امتحانات سے پہلے شادی طے پانے پر اپنا موڈ نہ خراب کرلے' آپ تو جانتی ہیں اسے پڑھنے کا کتنا شوق ہے۔" فریال نے ڈرتے ڈرتے کہا تو صباحت ایک نظر اس پر ڈال کر دوبارہ اپنے میں لگ گئیں اور اپنے مخصوص دو ٹوک لہجے میں گویا ہوئیں۔

"لڑکیاں شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم مکمل کرتی ہی ہیں ایشال بھی کرلے گی اس کے سسرال والوں کو اس کی پڑھائی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سنا نہیں تھا تم نے صائمہ بھابھی کہہ رہی تھیں کہ آپ آج ہاں کریں ہم کل بارات لے کر آجائیں گے۔ وہ تو تاؤلی ہوئی جا رہی تھیں ایشال کو انگوٹھی پہنانے اور شادی کی تاریخ لینے کے لیے۔ یہ تو ہم نے ہی رسماً" کچھ وقت مانگ لیا ہے سوچنے کے لیے کہ اگلے یہ نہ سمجھیں کہ ہم لوگ تو ان کی طرف سے رشتہ مانگے جانے کے منتظر تھے۔ ادھر انہوں نے بات کی اور ادھر ہم نے ہاں کردی۔ اب ایک آدھ دن میں تمہارے ابو امجاد بھائی کو فون کر کے رشتہ قبول کرنے کی خبر دے دیں گے انہیں پھر جیسا وہ لوگ کہیں گے ویسا کریں گے۔"

"مطلب منگنی یا نکاح یا شادی جو بھی؟"

"ہاں۔" صباحت نے سبزی اٹھا کر کچن کا رخ کیا۔

"لو بھئی ایشال ظفر! تمہاری دال نہیں گلنے والی' فرجاد بھائی شادی کے زردے' پلاؤ' قورمے' روسٹ بنوا کر ہی یہاں سے ٹلیں گے۔" فریال نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے ابو نے تمہارے بھائیوں سے مشورے کے بعد فرجاد کے والد کو اس رشتے کے لیے ہاں کردی ہے اور اگلے جمعہ کو آرہے ہیں وہ نکاح کے لیے ہو سکتا ہے رخصتی کا فیصلہ بھی وہ دو چار دن میں کرلیں۔" صباحت نے ایشال اور فریال کے مشترکہ کمرے میں آ کر یہ خبر دی تھی جس نے ایشال کے دل میں افسردگی اور بے چینی بھر دی۔ وہ "ہاں" کیسے کرے اس پر یقین کر کے جو فرجاد حسین نے اس کے گھر آ کر اس روبرو ہو کر کہا تھا اور جو اس کے گھر والوں کی اس کے بارے میں مثبت اور اچھی رائے تھی اسے سامنے رکھ کر؟ یا "ناں" کر دے فرجاد حسین کا اسے راہ چلتے سڑک پر پیچھا کرتے ہوئے پرپوز کرنے کو جواز بنا کر۔ اس کے اور اپنے گھر والوں کے سامنے اس حرکت کا انکشاف کر کے اسے سب کے سامنے شرمسار کر کے؟ اس کی فطرت اور مزاج ایسا نہیں تھا کہ وہ کسی کو شرمندہ و شرمسار کرے یا کسی کو اس کے اپنوں کی نظروں میں گرائے۔

"تم رائی کو پہاڑ بنا رہی ہو ایشال! ساٹھ' ستر برس کی عمر میں بھی اگر انسان کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے نا تو ٹین ایجرز والی حرکتیں کرتا ہے اور فرجاد حسین کی عمر تو ابھی خواب دیکھنے اور محبت کو پانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کی ہے۔۔۔ محبت میں ہو جاتا ہے ایسا۔ یہ محبت ہی ہے جو انسان کو اتنا بے خود کر دیتی ہے اس کی اتنی بڑی سزا دو گی انہیں تم۔" فریال نے اسے مزید باتیں سنا کر اس کی سوچوں اور ذہن کو مزید الجھا دیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم بیٹھی تھی کہ اس کے فون کی بیل بجی

رائمہ نے اسے کال کی تھی۔ اس نے رسمی سلام دعا کے بعد پوچھا۔
"میرا سیل نمبر آپ کو فریال نے دیا ہے؟"
"نہیں فرجاد بھائی نے دیا تھا۔" رائمہ نے بتایا۔
"ان کے پاس میرا سیل نمبر کہاں سے آیا؟" وہ حیران رہ گئی۔
"جہاں سے آپ کا پیار ان کے دل میں آگیا سیل نمبر بھی آگیا۔" رائمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ حیا آمیز کوفت میں جتلا ہو کر بولی۔
"اچھا! کیا کر رہے ہیں آپ کے فرجاد بھائی؟"
"نماز ادا کر رہے ہیں۔" رائمہ نے جواب دیا۔
"بڑی بات ہے' نامحرم لڑکی کو سڑک پر روکتے ہیں اظہار محبت کرتے ہیں پرپوز کرتے ہیں اور پھر نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔" ایشال نے طنزیہ لہجے میں کہا اس کے لہجے کا طنز رائمہ کو غصہ دلا گیا مگر بہت ضبط سے بولی۔
"نماز تو پہلے بھی پڑھتے تھے مگر پانچ وقت کی اب پڑھنے لگے ہیں کہتے ہیں غلطی سرزد ہو گئی گناہ کما لیا' انجانے میں ایشال کی پریشانی کا سبب بن گیا جب ہی اللہ سے معافی مانگ رہا ہوں اور ساتھ ساتھ ایشال کو بھی پانا چاہتا ہوں۔ اس کی دلی خوشی اور رضامندی سے۔"
"سب کچھ تو طے ہو چکا ہے رائمہ جی!" ایشال نے کہا۔
"بھائی کے پاس تمہارا سیل نمبر بھی کب سے ہے لیکن انہوں نے چاہتے ہوئے بھی تمہیں کال نہیں کی کہ کہیں تم برا نہ منا جاؤ' ناراض نہ ہو جاؤ۔" رائمہ نے سنجیدگی سے کہا وہ فرجاد حسین کی شان میں قصیدے سن سن کر بے زار ہوتی جا رہی تھی۔ جسے دیکھو اس کے گن گا رہا تھا۔ اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا جس سے وہ چڑتی جا رہی تھی۔
"اچھا!" ایشال بس اتنا ہی بولی۔
"ہاں ایشال! محبت ایسی ہی پاگل ہوتی ہے۔ نادانیاں کراتی ہے۔ اچھے بھلے بالغ عقل مند اور پڑھے لکھے انسان کی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ آنکھوں پر عشق میں نادانی کی پٹی بندھ جاتی ہے۔ سمجھ ہی نہیں آتا صحیح کیا ہے؟ غلط کیا ہے؟ بڑا زعم ہوتا ہے محبت پر کہ سب مفروضے سچ ثابت کر دے گی' ساری غلطیاں معاف کرا لے گی' سارے قلعے فتح کرا لے گی۔۔۔ یہ نہیں سوچتی کہ اگر بنیاد میں ذرا سی نادانی' ذرا سی کم عقلی' بے یقینی' آزمائش اور بے اعتباری کی اینٹ چن دی جائے تو عمارت کھڑی نہیں ہو پائے گی اگر کھڑی ہو بھی گئی تو ریت کی دیوار ثابت ہو گی پل بھر میں زمین بوس ہو جائے گی۔ فرجاد بھائی کو ان کی محبت نے رد کیا ہے تو انہیں احساس ہوا ہے کہ محبت سے ملنے اور اس کی مرضی معلوم کرنے کا طریقہ جو انہوں نے اپنایا تھا وہ نہ صرف غلط تھا بلکہ بچکانہ اور احمقانہ بھی تھا۔ وہ بہت شرمندہ ہیں تم سے بھی اور اپنے آپ سے بھی کہ محبت سچی کی پر حرکتیں اچھی نہیں کیں۔ اب اعتبار دلائیں تو کیسے دلائیں تم کو وہ کہ تم سے سچی محبت کرتے ہیں ان کے من میں کوئی کھوٹ نہیں تھا' ہے' نہ ہو سکتا ہے۔" رائمہ بولتی چلی گئی۔
"آپ اور فریال مل کر محبت میں پی ایچ ڈی کر رہی ہیں کیا؟" ایشال نے کہہ ہی دیا تو وہ ہنس کر بولی۔
"جب تمہیں فرجاد بھائی سے پیار ہو جائے گا نا؟ تب تم بھی ایسی ہی باتیں کرو گی۔"
"اچھا جی!" وہ دھیرے سے ہنسی۔
"ہاں ایشال! پلیز معاف کر دو نا بھائی جان کو۔۔۔ پیار محبت میں ہو جاتا ہے ایسا۔ اب ہر کوئی تمہاری طرح افلاطون تھوڑی ہوتا ہے ہر چیز' ہر جذبے' ہر احساس کا ہر ہر پہلو سے جائزہ لے کر' نفع نقصان کا تخمینہ لگا کر' دوسرے کے دل کا پوسٹ مارٹم کر کے عمل کرنے والا۔ فرجاد بھائی نے تمہارے عشق میں تمہارا پیچھا کیا تھا۔" رائمہ نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ بولی۔
"جی نہیں' آپ کے بھائی جان مجھے' میرے کردار کو پرکھ رہے تھے۔ چیک کر رہے تھے کہ میں کس سوچ و کردار کی مالک ہوں۔"
"نہیں ایشال! وہ تو تمہاری تصویر دیکھ کر ہی تمہیں پسند کر چکے تھے۔ اس رشتے کے لیے ہاں کر چکے تھے۔ انہیں اپنے پیرنٹس کی پسند اور تعریف و انتخاب پر

پورا بھروسا تھا۔ وہ تو تمہاری دلی مرضی جاننا چاہتے تھے تو اسی لیے تم سے ملنے کو بے تاب و بے قرار ہو رہے تھے جب کوئی راستہ نہیں سوجھا تو تمہیں راستے میں روک کر محبت کا اظہار کر دیا اب پیار میں اتنی سی غلطی تو معاف کی جا سکتی ہے نا ایشال!"

رائمہ نے بھائی کی وکالت اور دفاع کرتے ہوئے کہا تو ایشال بولی۔

"پیار انہوں نے مجھ سے کیا ہے، میں نے ان سے نہیں کیا۔"

"نہیں کیا تو کرنے لگو گی دیکھ لینا، ان کی محبت تمہیں ان سے محبت کرنے پر مجبور کر دے گی۔ اور ایشال! تم فرجاد بھائی کو ٹھکرا کر کبھی خوش نہیں رہ سکو گی۔۔۔ کیونکہ سچی محبت اور اچھی قسمت بار بار مہربان نہیں ہوتی۔ فرجاد بھائی کو رشتوں کی اہمیت اور فرائض سب کا ہم سے زیادہ سمجھ اور احساس ہے اور وہ نبھانا بھی جانتے ہیں۔ تمہیں بھی بہت جلد اس بات کا احساس ہو جائے گا۔" رائمہ نے تیزی سے سپاٹ لہجے میں کہا۔ وہ ایشال کی سرد مہری کی وجہ سے چاہ کر اپنے لہجے میں نرمی برقرار نہ رکھ سکی۔ جسے ایشال بھی محسوس کر رہی تھی۔

"رائمہ جی! میں اتنی ناسمجھ نہیں ہوں کہ کسی کے خلوص اور پیار کو سمجھ نہ سکوں میری جگہ اگر آپ بھی ہوتیں تو فرجاد صاحب کی اس حرکت پر ایسا ہی ری ایکٹ کرتیں جیسا میں نے کیا۔ ہم پتا نہیں کیوں ایسا چاہتے ہیں کہ ہم سے اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو دوسرے پچ جاتے ہی ہمیں معاف کر دیں، ہماری دلیل اور جواز قبول کر لیں سب چیزیں وقت لیتی ہیں، مگر بہتر ہوتی جاتی ہیں اور جن چیزوں کو ٹھیک نہیں ہونا ہوتا ان کو وقت بھی ٹھیک نہیں کر سکتا۔ مگر انسان بہت بے صبرا ہے، چوری اور غلطی کرتے ہوئے نہیں سوچتا لیکن پکڑے جانے پر چاہتا ہے اسے فوراً معاف کر دیا جائے، اسے غلط نہ سمجھا جائے۔۔۔ لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ لڑکی کے بارے میں دوسرے لوگ کیا سوچیں گے؟ راستے میں روک کر "لو یو" کہتے ہوئے آتے جاتے کتنے لوگ دیکھ رہے ہوں گے اور وہ اس لڑکی کے بارے میں، اس کے کردار کے بارے میں کیسی باتیں بنائیں گے، یہ خیال نہیں آیا آپ کے بھائی کو۔۔۔ ہاں جب میں نے انہیں ان کی اس حرکت پر غلط کہہ دیا تو وہ اپنے کردار کی، اپنے جذبے کی صداقت اور صفائی پیش کرنے لگے۔"

"تم صحیح کہہ رہی ہو ایشال!" رائمہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"رائمہ جی! اگر آپ کی غلطی یا غلط حرکت کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، کسی کی نظروں میں نہ آسکے تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ وہ غلطی، غلطی نہیں ہوتی۔" ایشال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اچھا اب معاف بھی کر دو، بھائی جان اپنی اس غلطی پر پچھتا رہے ہیں۔"

"غلطیوں پر پچھتانا نہیں چاہیے بلکہ ان سے سبق سیکھنا چاہیے۔" ایشال نے سنجیدگی سے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

"تم شادی سے انکار تو نہیں کرو گی نا؟"

"میں اتنے سارے لوگوں کی خوشی خراب نہیں کر سکتی خاص کر اپنے پیرنٹس کی۔ والدین اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ اچھا سوچتے ہیں اور بہتر فیصلہ کرتے ہیں اللہ پاک میرے والدین کو اپنے اس فیصلے سے سچی اور حقیقی خوشی نصیب کرے۔" ایشال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آمین!"

"اوکے میری نماز کا وقت نکل رہا ہے قضا ہونے سے پہلے ادا کر لوں۔" ایشال نے وال کلاک پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"اللہ حافظ۔" رائمہ نے کہا اور کال منقطع کر دی۔

"ہاں بھئی سسٹر، کس سے بات ہو رہی تھی؟" فرجاد حسین نماز کی ادائیگی کے بعد لاؤنج میں چلا آیا اور رائمہ کو سیل فون پر اللہ حافظ کہتے سن کر پوچھا۔

"ایشال سے بات کر رہی تھی۔" رائمہ نے جواب دیا۔

"خیریت؟" فرجاد حسین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"جی اچھی طرح کلاس لی ہے میں نے اس کی وہ ہوتی کون ہے میرے بھائی کو انکار کرنے والی۔" رائمہ نے جان بوجھ کر غصیلے انداز میں جھوٹ بولا تھا۔ فرجاد حسین پریشان ہو گیا۔

"رائمہ! پاگل ہوئی ہو کیا؟ کیا کہا ہے اس کو؟"

"یہی کہ میرے بھائی کو ٹھکرا کر بہت پچھتاؤ گی۔"

"واٹ؟ یہ کیا کیا تم نے؟ میری جان لو گی کیا؟" فرجاد حسین نے تڑپ کر مضطرب ہو کر کہا۔

"وہ پہلے ہی غصے میں تھی تم نے جلتی پہ تیل کا کام کیا ہے رائمہ!"

"کچھ نہیں ہوتا بھائی! ڈونٹ وری۔" رائمہ نے آرام سے کہا اور اپنے موبائل فون پر بٹن پریس کرنے لگی۔

"میری جان پہ بنی ہے اور تم کہہ رہی ہو ڈونٹ وری۔" وہ بے چین ہوتے ہوئے بولا۔

"اوہو، تو وہ اب آپ کی "جان" ہو گئی۔" اس نے چھیڑا۔

"اور تم میری "جان" لینے پر تلی ہو۔" وہ خفا ہوا۔

"آپ کے سیل فون پر اپنی اور ایشال کی ہونے والا فون کال کی ریکارڈنگ سینڈ کی ہے سن لیجئے آپ کو تسلی ہو جائے گی کہ آپ کی "جان" نے مجھے ٹھیک ٹھاک لاجواب اور شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے بھائی! میری دعا ہے وہ بھی آپ کو دل سے چاہے۔" رائمہ نے فرجاد حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ریکارڈنگ کیوں کی تم نے؟ اب اس کی بھنک بھی پڑ گئی نا ایشال کو تو میری رہی سہی ریپو بھی گئی سمجھو۔" فرجاد حسین نے بے قراری سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے مضطرب لہجے میں کہا۔

"میں نے یہ ریکارڈنگ آپ کو سینڈ کر کے ڈیلیٹ کر دی ہے آپ بھی سن کر ڈیلیٹ کر دیجیے گا اللہ اللہ خیر صلا۔" رائمہ نے بے نیازی سے کندھے اچکا کر کہا۔

"حد کرتی ہو تم بھی۔" فرجاد حسین نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ان کی شکل دیکھ کر ہنس پڑی۔

☼ ☼ ☼

"میں انکار نہیں کر سکتی کیونکہ یہ رشتہ میرے ماں باپ کی پسند ہے سب خوش ہیں۔ فرجاد حسین انکار نہیں کریں گے کیونکہ بقول ان کے وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں اور اگر میرے کہنے پر انہوں نے انکار کر بھی دیا تو جانتی ہو ایشال ظفر کہ کیا ہو گا؟" اس کے دل نے سوال کیا۔

"ابو اور امجاد انکل کی تیس، پینتیس سال پرانی دوستی ختم ہو جائے گی۔ فرجاد حسین کے گھر والے ان سے ناراض ہو جائیں گے اور میرے گھر والے بھی فرجاد حسین کو لعن طعن کریں گے کہ پہلے رشتہ لے کر آ گئے ہم نے قبول کر لیا تو انہوں نے انکار کر کے ہماری بے عزتی کر دی۔" دماغ نے ایشال کو سمجھایا تو وہ بری طرح الجھ گئی۔ جس دن سے فرجاد حسین اس کی زندگی میں آیا تھا وہ مسلسل ذہنی الجھن کا شکار تھی۔ اس پر ہر کسی کا فرجاد حسین کی شان میں قصیدے پڑھنا اس کی صفائیاں پیش کرنا، اس کی حمایت میں زمین آسمان کے قلابے ملانا ایشال کو بری طرح عاجز کر چکا تھا۔ وہ چڑ سی گئی تھی۔ ذہنی الجھن کے ساتھ ساتھ اب اذیت میں بھی مبتلا ہو رہا تھا۔ اس کی اس ذہنی الجھن، انتشار اور کشمکش کا اندازہ اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی، بے زاری اور بے چینی سے صاف لگایا جا سکتا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" صباحت نے اسے لاؤنج میں بیٹھے دیکھا تو وہاں آ کر اس کی اتری ہوئی شکل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ چونک کر ان کو دیکھ کر بولی۔

"دیکھ رہی ہوں، جس دن سے فرجاد کی فیملی ہمارے گھر سے ہو کر گئی ہے تم نے مرے جیسا سوگ ڈال رکھا ہے بات کیا ہے آخر کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟" صباحت کے اس سوال نے ایشال کے چودہ طبق روشن کر دیے۔ فریال چائے کا کپ لیے ادھر ہی آ رہی

تھی ماں کی بات سن کر وہ شاکڈ رہ گئی۔
"امی!... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
"میں جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب دو مجھے۔ مخلوط یونیورسٹی میں پڑھتی ہو لڑکے لڑکیاں آپس میں دوستی کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو پسند بھی کرنے لگتے ہیں اور پیار بھی... تم یہ بتاؤ کہ تمہارا چکر کس کے ساتھ چل رہا ہے؟ کلاس فیلو سے یونیورسٹی فیلو کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ۔"
"امی! بس کریں حد کرتی ہیں آپ بھی آپ کو اپنی بیٹی پر بھروسا نہیں ہے آپ کو لگتا ہے کے ایشال باہر کسی لڑکے کے ساتھ افیئر چلا سکتی ہے؟" فریال نے تیز اور ناراض لہجے میں کہا۔ ایشال تو بے اعتباری اور شک کے اس کوڑے کو کھا کر ادھ موئی ہوئی بیٹھی تھی۔ دکھ کے کہتے ہیں یہ اسے اس لمحے محسوس ہو رہا تھا۔ اپنوں کا شک کیسے روح کو کاٹتا ہے اس کا احساس روم روم میں زخم بن کر دوڑ رہا تھا۔ وہ اپنی ہی نظروں میں گر گئی اپنی ماں کی بدگمانی اور شک کے سبب امی فریال کو کوئی جواب دیے بنا کمرے سے چلی گئی تھیں اور فریال نے اپنا سر پکڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

فرجاد حسین نے ایشال اور رائمہ کی ٹیلی فونک گفتگو سننے کے بعد ڈیلیٹ کر دی تھی۔ اس کی شرمندگی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ صحیح ہی تو کہہ رہی تھی کہ اس نے اپنی صفائی پیش کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ میں اپنے کردار کو بے داغ ثابت کرنے کے لیے بے کل ہو گیا تھا اور اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ الٹا سب مل کر اسے میرے لیے کنوینس کرنے میں جت گئے تھے اس کی فیلنگ کا جذبات کا کسی کو خیال ہی نہیں آیا تھا۔ فرجاد حسین نے بے قراری سے ٹہلتے ہوئے سوچا۔
جتنا اڑا دیا گیا۔
اتنا غبار تھا نہیں۔
چہرے واقعی کھلی کتاب ہوتے ہیں خوشی اور غم کے، بے چینی، بے زاری کے، تاثرات تو چہروں سے عیاں ہو جاتے ہیں اور سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کے ہم کتنے خوش ہیں اور کتنے ناخوش؟ ہاں انسان کا ہنر تو یہ ہے کے وہ اپنے اندر کے دکھ، اپنے دل و جان پہ بیتنے والے کرب و اذیت کے احساسات اپنے چہرے سے عیاں نہ کرے۔
"شالی! تم رو رہی ہو۔" فریال کب اس کے پاس آ کر بیٹھی تھی اسے پتا ہی نہیں چلا اس کی آواز پر ایشال چونک گئی۔
"تو کیا یہ رونے کا مقام نہیں ہے فری! میری ماں نے میرے کردار کو ایک پل میں سوالیہ نشان بنا دیا۔ ایسا کیا کر دیا میں نے؟" ایشال نے بھیگتی آواز میں کہا۔
"ڈونٹ وری، امی کو جلد اپنی زیادتی کا احساس ہو جائے گا۔" فریال نے اس کے آنسو اپنے آنچل سے صاف کرتے ہوئے کہا۔
"اس احساس کا کیا فائدہ جو کسی کی جان لینے کے بعد ہو؟ جو کسی کو آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی میں پھینکنے کے بعد ہو؟" ایشال نے بھیگتی آواز میں کرب سے کہا۔
"پتا نہیں لڑکی کے انکار یا رشتے کے معاملے میں خاموشی کو ماں باپ یہ کیوں سمجھ لیتے ہیں کے ان کی بیٹی کسی دوسرے لڑکے کے عشق میں مبتلا ہے جب ہی ان کی پسند کے رشتے سے انکار کر رہی ہے۔" فریال نے تاسف زدہ لہجے میں کہا۔
"تم کو فرجاد حسین کی غلطی معمولی لگ رہی تھی نا، قابل معافی بھی اب دیکھو اس سے بھی بڑا شاک ملا ہے مجھے اور میں فرجاد حسین کی غلطی کو اس کی محبت کا پاگل پن سمجھ رہی ہوں۔"
ایشال نے بے بسی سے زخمی سی ہنسی ہنس کر کہا۔
"شالی! کیا کہہ رہی ہو؟" فریال نے دکھی ہو کر اسے دیکھا۔
"کہہ دو ان کو کہ ایشال ظفر کو ان کی محبت قبول ہے۔" ایشال نے بھیگتی آواز میں کہا آنسو ایک بار پھر بہہ نکلے تھے۔

"شالی! تم امی کی باتوں کو دل پہ نہ لو۔" فریال بھی اس کی حالت پر رو پڑی۔

"تو کیا فرجاد حسین کی باتوں کو دل پہ لیے رکھوں؟ پھر تو شادی کے بعد مشکل ہو جائے گی میرے لیے۔"

"میں بتاؤں گی ابو کو کہ امی نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے آج؟"

"ابو کو بتانے سے میرے درد میں تو کمی نہیں ہو گی نا اور کوئی ضرورت نہیں ہے ابو کو بتانے کی خواہ مخواہ گھر میں بدمزگی ہو گی۔ ابو امی پر غصہ کریں گے اور میں نہیں چاہتی کے میرے نکاح سے پہلے میرے ماں باپ میری وجہ سے آپس میں جھگڑیں یا غصہ کریں۔"

ایشال نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم بہت اچھی ہو شالی!" فریال نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر پیار سے پرنم لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں میں کتنی اچھی ہوں۔" ایشال نے سرد آہ بھری۔

"فرجاد بھائی تمہیں بہت چاہتے ہیں وہ تمہیں بہت خوش رکھیں گے ان شاء اللہ!" فریال نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا۔

"میں ناحق ان پر غصہ کرتی رہی' انہیں چھچھورا کہتی رہی۔ انہیں الزام دیتی رہی کہ وہ میرے کردار کو پرکھ رہے تھے۔ آزما رہے تھے۔ جس کی سزا انکار کی صورت میں دینا چاہتی تھی ان کو۔ ہاہاہا.... قسمت نے دیکھو کیسے میرے گال پر طمانچہ مارا ہے.... میری ماں کو میرے کردار پر شک ہے وہ مجھ سے بدگمان ہیں۔ انہیں لگتا ہے میں گھر سے باہر کسی لڑکے کے چکر میں پڑی ہوں.... جب میری سگی ماں نے اپنی پیٹ جنی بیٹی پر شک کر لیا اس کے کردار پہ اتنا بڑا الزام لگا دیا۔ تو فرجاد حسین کی گنتی میں آتا ہے؟ وہ تو میرے لیے انجان تھا' غیر تھا' ایک راہ چلتا شخص۔ اس نے میرے کردار کو پرکھنا' آزمانا چاہا تو اس سے کیسا گلہ؟ اور کیسا غصہ؟ امی کے رویے نے فرجاد حسین پر آنے والا غصہ ختم کر دیا ہے۔ کم از کم وہ تو مجھ پہ شک نہیں کرے گا نا اب وہ تو آزما چکا ہے میرا کردار' میری گفتار' میری سوچ۔ سب پرکھ لیا اس نے۔ بتا دینا اسے میرا غصہ ختم ہو گیا ہے.... میں نے دل سے اس کے رشتے کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

ایشال نے درد بھرے لہجے میں بہت کرب سے کہا تو فریال نے تڑپ کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

☆ ☆ ☆

"ایشال دل سے مان گئی ہیں اس رشتے کے لیے مجھے یقین نہیں آرہا۔" فریال نے اسے فون کر کے بتایا تو وہ خوش گوار حیرت میں گھر کر بولا۔

"یقین کیوں نہیں آرہا؟ کیا آپ کی محبت وقتی تھی یا ایشال کی سمجھ داری اور حساسیت پر کوئی شک ہے آپ کو؟" فریال نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"شک تو میں ان پر بھولے سے بھی نہیں کر سکتا سسٹر۔"

"کیجئے گا بھی نہیں کیونکہ ایشال کے لیے اپنی ذات اور کردار کا وقار سب سے زیادہ اہم ہے وہ پہلے ہی آپ کی اس حرکت سے یہ سوچ کر شاکڈ رہی ہے کہ آپ اس کے کردار کو جانچ' پرکھ رہے تھے۔ اسے آزما رہے تھے جانتے ہیں ناں آپ؟" فریال نے سنجیدگی سے انہیں باور کرایا۔

"جی بہت اچھی طرح جانتا ہوں مجھے احساس ہے کہ ایک لڑکی کے لیے یہ بات کس قدر دکھ کا باعث ہوتی ہے کہ جس انسان کو اس کی زندگی کا شریک بنایا جا رہا ہے' وہ اس کے کردار کے بارے میں شک و شبے کا شکار ہے اسے آزما رہا تھا۔ میں اپنی اس غلطی پر بہت نادم ہوں آپ اطمینان رکھیے ان شاء اللہ آئندہ ایشال کو میری ذات سے' میرے کسی رویے سے کوئی دکھ نہیں پہنچے گا۔ میں انہیں ہمیشہ بہت محبت اور عزت سے رکھوں گا۔ انہیں ہر خوشی دینے کی کوشش کروں گا یہ میرا وعدہ ہے اپنے آپ سے۔ آپ ایشال کو بھی مطمئن کر دیجئے گا میری طرف سے۔" فرجاد حسین نے ایمان داری سے کہا۔

"یہ اطمینان آپ خود کیوں نہیں دلا دیتے شالی کو؟"

"وہ تو میں شادی کے بعد اپنے رویے اور عمل سے دلاؤں گا ہی۔" فرجاد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں لیکن نکاح سے پہلے اگر آپ ایشال کو اپنی محبت کا یقین دلا دیں اس سے ایک بار بات کر کے تو اس کا دل مطمئن ہو جائے گا۔" فریال نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ مجھے ایشال سے بات کرنی چاہیے؟"

"بالکل۔"

"دیکھ لیں سسٹر، کہیں وہ پہلے سے زیادہ خفا نہ ہو جائیں میرا سابقہ ریکارڈ خاصا خراب ہے ان کی نظر میں۔" فرجاد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"تو نیا ریکارڈ بنایئے نا فرجاد بھائی! خراب ریکارڈ کو ضائع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نیا اور اچھا ریکارڈ بنایا جائے۔ اور میں نے بتایا نا ایشال آپ کی اس بے کلی اور نادانی کو سمجھ چکی ہے یقین کر لیا ہے اس نے کہ یہ سب آپ نے محبت میں کیا تھا۔ اور وہ کسی کو شرمسار کرنے والی لڑکی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو آپ کی اس حرکت کے بارے میں سب کو بتا چکی ہوتی اور یہ شادی کی بات کب کی ختم ہو گئی ہوتی۔" فریال نے کہا۔

"آپ درست فرما رہی ہیں، ٹھیک ہے میں انہیں کال کروں گا، لیکن پلیز اچھی طرح سوچ سمجھ لیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی محبت کے لیے آہیں بھرتا رہ جاؤں۔" فرجاد حسین نے اس انداز میں کہا کے فریال کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"بہت ڈرپوک ہیں آپ تو۔"

"محبت کے چھن جانے یا دور ہو جانے کا خیال انسان کو ڈرپوک بنا ہی دیا کرتا ہے۔۔۔ اور میں واقعی ایشال کو کھونے سے ڈرتا ہوں۔" فرجاد حسین نے سچ سچ اعتراف کر لیا۔

"فرجاد بھائی! ڈرنا چھوڑ دیں ان شاء اللہ! ایشال آپ کی زندگی میں اپنی دلی رضامندی اور خوشی سے آئے گی۔"

"ان شاء اللہ۔" فرجاد حسین نے دل سے کہا اور پھر ایک آدھ رسمی بات کے بعد فون بند کر دیا۔

"کس سے بات ہو رہی تھی؟" ایشال پارلر سے فیشل کروا کر آئی تھی فریال کو فون سے چپکے دیکھ کر پوچھا۔

"فرجاد بھائی سے۔"

"خیریت۔" ایشال نے اسے دیکھا۔

"ہاں وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ ان فیکٹ میں نے ہی ان سے کہا ہے کہ وہ تمہیں کال کر لیں تم سے بات کر لیں۔" فریال نے سنجیدگی سے بتایا۔

"کیوں؟ تم نے ان سے ایسا کیوں کہا؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ ایک بار تم دونوں کی بات ہونی چاہیے اس سے بہت بہتری آئے گی تم دونوں کے ریلیشن شپ میں۔" فریال نے اپنی سوچ کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"جب ری لیشن شپ بن جائے گا ہم ساتھ رہیں گے ایک دوسرے کو سمجھیں گے تو بہتری اپنے آپ آ ہی جائے گی اس کے لیے فی الحال بات کرنا ضروری نہیں ہے۔"

"اچھا تم اپنی منطق اپنے پاس رکھو میں نے ان سے کہہ دیا ہے وہ کال کریں تو اچھے سے بات کر لینا ان سے۔ مجھے اصل ایشال والا موڈ چاہیے بس۔" فریال نے رعب سے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"فیشل کروا کے تو تمہارا حسین چہرہ مزید کھل گیا ہے فرجاد بھائی تو تمہیں دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔" فریال نے کہا تو وہ اس کی بات سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس پڑی۔

☼ ☼ ☼

صباحت نے غصے میں ایشال سے جانے اتنا کچھ کہہ دیا تھا لیکن انہیں اب پشیمانی ہو رہی تھی۔ وہ مسلسل

اضطراب کے عالم میں تھیں۔ نیند آنکھوں سے اڑ چکی تھی۔ وہ اپنے غصے اور شک میں آکر اپنی لاڈلی بیٹی کو بہت دکھ سے دوچار کر چکی تھیں۔

"کیا بات ہے صباحت بیگم! اتنی بے چین کیوں ہو طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" محمد ظفر احسان نے ان کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"ہاں ٹھیک ہوں میں، پتا نہیں اس کے دل پہ کیا بیت رہی ہوگی؟" وہ کھوئے کھوئے بے چین لہجے میں بولیں۔

"کسی کے دل پر؟ تم کس کی بات کر رہی ہو؟" محمد ظفر احسان نے الجھن آمیز نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"ایشال کی۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ایشال؟ کچھ کہا ہے تم نے اس سے؟" وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئے اور پوچھنے لگے۔

"کچھ نہیں، بہت کچھ کہا اور برا کہا ہے میں نے اسے، دل توڑ دیا میں نے اپنی بچی کا۔۔۔ بہت گہرا دکھ دیا ہے اسے۔"

"کچھ بتاؤ گی تم، کیا کہا ہے تم نے ایشال کے ساتھ؟" محمد ظفر احسان نے متفکر لہجے میں پوچھا تو صباحت نے شرمندگی سے پر لہجے میں پرنم آنکھوں کے ساتھ انہیں ساری بات بتا دی۔ جسے سن کر وہ بھی شاکڈ رہ گئے۔

"ایشال! کیسی ہے میری بیٹی؟" محمد ظفر احسان نے اگلی صبح ناشتے کی میز پر اس سے بڑے پیار سے پوچھا۔ صباحت شرمندہ سی چپ چپ سی بیٹھی تھیں۔ فریال نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھ دیا اور خود بھی کرسی کھسکا کر ناشتا کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں ابو!" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم خوش تو ہو نا؟"

"کس بات سے ابو!"

"فرجاد حسین کے ساتھ اپنے رشتے سے؟"

"ابو! اگر آپ دونوں خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں۔" ایشال نے انہیں اور صباحت کو دیکھ کر کہا۔

"جیتی رہو، مجھے یقین ہے کہ فرجاد حسین تمہارے لیے اچھا جیون ساتھی ثابت ہوگا مجھے یہ بات تم سے رشتہ طے کرنے سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی۔۔۔ لیکن خیر اگر تم نہیں چاہو گی تو ہم زبردستی نہیں کریں گے۔" محمد ظفر احسان نے سنجیدگی سے کہا تو ایشال کے ساتھ ساتھ فریال بھی چونک گئی اور تحیر آمیز نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ مطمئن رہیں ابو! مجھے آپ کے فیصلے پر اعتراض نہیں ہے آپ جہاں میری شادی کرنا چاہیں گے میں انکار نہیں کروں گی۔" ایشال نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ مطمئن ہو گئے۔

"جیتی رہو بیٹی، مجھے تم سے یہی امید تھی۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

"ابو! خیر تو ہے آج ناشتے کی میز پر یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں؟" فریال کی بے چینی کو زبان نے سوال بنا کر ان کے سامنے رکھ ہی دیا آخر۔

"خیر ہی ہے بیٹی، تم دونوں چار چھ مہینے کی مہمان ہو اسی گھر میں، پھر بیاہ کے سسرال چلی جاؤ گی تو میں نے سوچا پوچھ لوں تمہیں ہم سے کوئی شکایت تو نہیں ہے کیوں ایشال بیٹی؟" محمد ظفر احسان نے چائے کا گھونٹ بھر کر کہا اور ایشال کا چہرہ دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"ابو! ماں باپ سے شکایت نہیں کی جاتیں ان کی عزت کی جاتی ہے، ان سے محبت کی جاتی ہے، خدمت کی جاتی ہے اور ان کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔"

"تو تمہیں اپنے امی ابو سے کوئی شکایت نہیں ہے؟"

"نہیں ابو!"

"بیٹی! ماں باپ سے بھی غلطیاں ہو جایا کرتی ہیں بعض اوقات وہ بھی اپنے بڑے پن کے زعم میں آ کر اولاد پر بے جا حکم چلانے لگتے ہیں انہیں دکھ دینے کا باعث بن جاتے ہیں، لیکن وہ ایسا جان بوجھ کر نہیں کرتے اپنا حق سمجھ کر کرتے ہیں۔"

محمد ظفر احسان اسے صباحت کے رویے کے

حوالے سے کلیئر کرنا چاہ رہے تھے اس کا احساس ایشال اور فریال دونوں کو ہو رہا تھا اب۔

"تو امی نے ابو کو بتا دیا کے انہوں نے ایشال کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟" فریال نے دل میں سوچا۔

"میں جان گیا ہوں تمہاری ماں نے ناحق الزام دیا تمہیں' دل دکھایا تمہارا تم دل پر مت لو' ان کا مزاج تو تمہیں معلوم ہی ہے پہلے غصہ کرتی ہیں پھر کڑھتی ہیں' پریشانی ہوتی ہیں اب تمہیں دکھ دے کر یہ سکون میں تھوڑی ہیں' ماں ہیں ناں دل سے پیار کرتی ہیں تم۔۔۔ تم بھی ان کی باتیں دل میں مت رکھنا بیٹی!" محمد ظفر احسان نے اب کی بار صاف صاف بات کرتے ہوئے کہا۔

"ابو! کچھ سبق یاد رکھنے کے لیے ہوتے ہیں زندگی میں کبھی بھی کہیں بھی کام آسکتے ہیں ہر غلطی اور ناکامی سے جس طرح ہمیں سیکھنا چاہیے ناں۔۔۔ اسی طرح ہر دکھ' ہر الزام اور ناحق رویے سے بھی ہمیں سبق سیکھنا چاہیے اور میں جانتی ہوں ابو کہ چھوٹی چھوٹی باتیں دل میں رکھنے سے بڑے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔۔۔ بعض اوقات ٹوٹ جاتے ہیں' اپنے معنی کھو دیتے ہیں اس لیے میرے دل میں امی کے لیے کوئی شکوہ' گلہ یا ناراضی نہیں ہے سوچوں پہ اختیار تھوڑی ہوتا ہے۔"

ایشال نے سنجیدہ مگر دھم لہجے میں کہا تو وہ اس کی سوچ پر حیران رہ گئے کتنی سمجھ داری کی باتیں کر رہی تھی وہ۔

"میری بیٹی تو بہت بڑی ہو گئی ہے اتنی سمجھ داری کی باتیں تو تمہاری ماں نے بھی کبھی نہیں کیں۔"

محمد ظفر احسان نے اس کے سر پہ دست شفقت رکھ کر تو وہ ہنس دی۔ فریال نے بھی اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔

"ہاں میں تو ہوں ہی ناسمجھ' جبھی تو ساری زندگی آپ کے ساتھ گزار دی سمجھ داری ہوتی تو بھلا آپ کے ساتھ بیاہتی نبھاتی۔" صباحت نے سلگ کر کہا تو وہ تینوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"ولیں ابو! اب آپ اپنا مسئلہ سلجھائیں۔" فریال بولی۔

"بیٹی' یہ مسئلہ تو مرتے دم تک حل نہیں ہو گا یہ اپنی ازلی عادت سے مجبور ہیں زیادہ دیر خاموش نہیں بیٹھ سکتیں۔" محمد ظفر احسان مسکراتے ہوئے بولے تو صباحت پہلے تو کھسیانی سی ہو کر نظریں چرا گئیں پھر خود بھی ہنس پڑیں۔

☆ ☆ ☆

اتنے خلوص سے تجھے سوچتا ہوں
تیرا عشق میری بخشش کا وسیلہ ہو جیسے

ایشال کے موبائل پر فرجاد حسین کا ایس ایم ایس اس شعر کی صورت میں موصول ہوا تھا۔ اس کا نمبر شام ہی اس نے فریال کے اصرار پر اپنے موبائل میں سیو کیا تھا۔ اب جو یہ شعر پڑھا تو ایشال کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ کل تک اسے فرجاد حسین کے نام سے چڑ تھی اس پر غصہ تھا اور اسے لمحے جس طرح اس کا دل دھڑک رہا تھا وہ اپنی اس کیفیت پر حیران ہو رہی تھی۔

"مجھے ایسا کیوں فیل ہو رہا ہے؟ وہ غصہ جو تھا ان پر وہ کیوں نہیں محسوس ہو رہا اب؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

"کیونکہ تمہیں بھی ان سے محبت ہو گئی ہے۔" دل نے جواب دیا تو اس کا چہرہ حیا سے تپ کر سرخ ہو گیا اگلے ہی پل فرجاد حسین کی کال آ گئی۔ وہ حیران سی چند سیکنڈ تک تو فرجاد حسین کا نام جگمگاتا ہوا تکتی رہی پھر خود کو کمپوز کرتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! میں فرجاد حسین بات کر رہا ہوں۔"

"جی' فریال نے آپ کا نمبر سیو کر دیا تھا میرے سیل فون میں۔" ایشال نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بتایا۔

"او کے گڈ کیسی ہیں آپ؟" وہ مطمئن ہو کر بولا۔

"بہت اچھی ہوں۔"

"اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"شک کبھی کیجیے گا بھی نہیں ایسا کر کے آپ اپنا ہی نقصان کریں گے۔"

"ارے نہیں ایشال جی! میں آپ پر شک کرنے کی بیوقوفی نہیں کر سکتا نہ ہی آپ کی خفگی کا نقصان افورڈ کر سکتا ہوں۔" فرجاد حسین نے فوراً کہا تو اس نے بھی فوراً پوچھ لیا۔

"فون کرنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں اور۔۔۔"

"اور!" ایشال نے استفسار کیا۔

"آپ کی محبت بھی۔"

"محبت بھیک تھوڑی ہے جو مانگنے سے مل جائے۔" ایشال نے سنجیدگی سے کہا تو وہ پوچھنے لگا۔

"تو کیسے ملے گی مجھے آپ کی محبت؟"

"میں ہر رشتہ پوری ایمانداری سے اور دل سے نبھاتی ہوں اس کے لیے آپ کو زیادہ ایفرٹ نہیں کرنی پڑے گی۔" ایشال مدھم لہجے میں اس کی سماعتوں میں سحر بکھیر رہی تھی۔

"اوہ۔۔۔ تھینکس ایشال! تھینک یو سو مچ آئی ایم سوری میں آپ کی پریشانی کا سبب بنا یقین کیجیے آپ کے کردار کو آزمانا مقصود نہیں تھا۔ بس یوں سمجھ لیں کے عشق کا عین عقل کے عین کو کھا گیا تھا اور میرے جیسا میچور' ایجوکیٹڈ آدمی وہ نادانی کر بیٹھا۔ آئی ایم سوری اگین۔"

"اٹس او کے۔" وہ بس اتنا ہی بولی۔

"اور کچھ نہیں کہیں گی؟" وہ اس کی آواز سننا چاہ رہا تھا۔

"کیا کہوں؟"

"ہوں میں کچھ کہوں؟" وہ بولا۔

"جی کہیے۔"

"آئی لو یو۔" فرجاد حسین نے دل سے کہا تو وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔ ایک ان دیکھی آگ اس کے وجود میں سرایت کرنے لگی۔ تین لفظوں کا طلسم اس کے

رگ و پے میں چلنے لگا تھا۔

"یقین کرلیا ہے میں نے۔" ایشال نے کہا۔

"یقین رکھیے، آپ کے اس یقین کو کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا۔"

"اگر توڑا تو یاد رکھیے گا، میرا یقین اور آپ کی ہڈیاں ایک ساتھ ٹوٹیں گی۔" ایشال نے مسکراتے ہوئے کہا تو فرجاد حسین بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ایشال کے چہرے پر خوشی اور حیا کے پھول مسکرانے لگے۔

"آپ میری سوچ سے زیادہ خطرناک ہیں، ایک بات کہوں مانیں گی؟" فرجاد حسین نے چاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"جی۔"

"زندگی میں مجھ سے کبھی خفا مت ہوئیے گا، ہڈیاں بے شک توڑ دیجیے گا۔" فرجاد حسین نے خوشگوار موڈ میں کہا تو ایشال کو بھی ہنسی آگئی۔ اور فرجاد حسین کے من کے اندر جلترنگ بجنے لگا سماعتوں کو زندگی کا سر مل گیا تھا وہ نہال ہو گیا۔

"اب میں اتنی خطرناک بھی نہیں ہوں آپ اطمینان رکھیں اور آپ کی سلامتی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہو گی۔" ایشال نے مسکراتے لہجے میں کہا وہ ہنس کر بولا۔

"جی جی... میں سمجھ رہا ہوں... ایشال! میں بہت خوش ہوں تین دن بعد ہمارا نکاح اور مجھے لگتا ہے کہ میں رخصتی کروا کر ہی آپ کے گھر سے لوٹوں گا۔"

"جی نہیں، ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔" ایشال نے گھبرا کر کہا تو وہ بولا۔

"طے تو یہ بھی نہیں ہوا تھا کے میں آپ سے پیار کرنے لگوں گا لیکن کرنے لگا نا... اور آپ بھی تو۔"

"جی نہیں... میرے ایگزامز ہونے ہیں۔" وہ اس کی بات اگنور کرتے ہوئے بولی تو وہ کہنے لگا۔

"ایگزامز شادی کے بعد دے لیجیے گا۔"

"شادی کے بعد کہاں پڑھا جاتا ہے، ذہن بٹ جاتا ہے میں فیل ہو جاؤں گی۔" ایشال نے جواز تراشے۔

"میں تو پاس ہو جاؤں گا نا... آپ کے..." وہ معنی خیز جملہ بول کر اسے حیا سے دوچار کر گیا۔

"بڑی خوش فہمی ہے آپ کو۔" وہ مسکرائی۔

"کیوں؟ تو کیا غلط ہے میری خوش فہمی؟"

"پتا نہیں، میں سو رہی ہوں، مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ہماری نیند اڑا کر آپ مزے سے سوئیں گی۔ دیٹس ناٹ فیئر۔" فرجاد حسین نے پیار بھرا گلہ کیا۔

"ایوری تھنگ از فیئر ان لو اینڈ وار۔" وہ ہنسی تھی۔

"وار تو آپ کی طرف سے شروع ہوئی تھی جناب! ہم تو صرف لو کرتے ہیں آپ سے۔"

فرجاد حسین نے کہا تو وہ ہنس پڑی اور پھر شرما کر فون بند کر دیا۔ فرجاد حسین بھی اس کی اس شرمیلی ادا پر خوش دلی سے ہنس دیا۔ اس کے دل پر اب کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اس کا لو سچا تھا سو ایشال نے اسے قبول کر لیا تھا۔ سچائی کے ساتھ، پیار کے ساتھ اور پورے دل کے ساتھ۔

☆ ☆

عامرہ قریشی

زندگی تجھ کو جیا ہے کیسے

بہت دن سے ثریا بیگم نے گھر کی تفصیلی صفائی شروع کی ہوئی تھی' اسی سلسلے میں آج ان کے شوہر کے اسٹڈی روم کی باری تھی۔ ویسے تو وہ ہر ماہ گھر کی تفصیلی صفائی کروائی تھیں مگر اسٹڈی روم کو ان کے شوہر سجاد خود صاف کرواتے تھے۔ آج انہوں نے سوچا کہ چند دن سے وہ اپنے بھائی کے گھر کراچی گئے ہوئے ہیں میرے پاس وقت بھی ہے۔ اس لیے میں صفائی کروا دیتی ہوں۔

"نسرین تم جھاڑو بعد میں لگانا پہلے صفائی کے لیے کپڑا لے آؤ۔" انہوں نے چیزوں پر پڑی گرد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ثریا بیگم وہاں رکھی اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ سامنے رکھی کتابوں کو ترتیب سے رکھا۔ ٹیبل کی دراز کو کھولا تو اس میں دو ڈائریاں پڑی تھیں ساتھ ہی ایک لفافہ پڑا تھا وہ لفافے کو کھول کر دیکھنے لگیں۔

"اوہ میرے اللہ!" ان پر تو جیسے آسمان ہی ٹوٹ پڑا ہو۔

"باجی کتابیں باہر دھوپ میں رکھ دوں۔ یا باہر رکھ کر جھاڑ دوں؟" نسرین کب کمرے میں آئی وہ کیا کہہ رہی تھی ان کو کچھ سنائی یا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو جیسے سکتے میں آگئی ہوں۔ اس لفافے میں ان کے شوہر کا کسی عورت کے ساتھ نکاح نامہ تھا۔ ساتھ ہی ایک ڈیتھ سرٹیفکیٹ بھی تھا وہ انہوں نے لفافے کے اندر ہی ڈال دیا اور نکاح نامہ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"نسرین تم جاؤ یہ کام ہم کل کریں گے۔" انہوں نے بڑی ہمت کر کے بولا۔

"تم کچن کا باقی کام کرو اور چلی جاؤ۔"

وہ نکاح نامہ لے کر اپنے کمرے میں آگئیں۔ تینتیس سال سے جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کسی اور کا بھی ہے۔ نکاح نامے پر جو تاریخ لکھی تھی اس کے مطابق اس نکاح کو پچیس سال گزر چکے تھے۔

"اوہ میرے اللہ 28 اگست کو جب سجاد نے یہ نکاح کیا ہوگا تو میں کہاں تھی۔ میں اس رات آرام سے کیسے سو گئی ہوں گی' مجھے پتا ہی نہ چلا ہوگا کہ وہ کسی اور کا ہو گیا۔ اس رات اس دن وہ مجھے کیا کہہ کر گھر سے گئے ہوں گے؟ وہ ان کے ساتھ کہاں رہتی ہوگی؟ ان سب سوالوں نے ان کا دماغ ماؤف کر دیا تھا ستاون سالہ ثریا بیگم کو لگا کہ جیسے وہ دنیا کی سب سے زیادہ بے وقوف اور کم عقل خاتون ہیں۔

"میرے اللہ یہ کیا ہو گیا یہ آپ کی مرضی سے میرے ساتھ ہوا۔ سجاد کی محبت صرف آٹھ برس ہی میری تھی مجھے پتا کیوں نہ چل سکا۔" سوچتے سوچتے وہ تھک گئیں۔ صبح گیارہ بجے سے اس کرسی پر بیٹھی تھیں تین بج گئے تھے نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔

سجاد کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی کا ہر لمحہ یاد کرنا چاہ رہی تھیں کہ کسی طرح مجھے یاد آئے کہ جس سے یہ پتا چلے کہ یہ واقعہ بھی ہماری زندگی میں ہوا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھیں تھکے تھکے قدموں کے ساتھ کچن میں گئیں سجاد کو قیمہ مٹر بہت پسند تھے انہوں نے جیسے تیسے وہ پکایا۔ سجاد تو میرے کھانے کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ کیا پکاتی ہوگی ان کے لیے؟ کیا سجاد اس کی بھی اتنی تعریف کرتے ہوں گے؟ سجاد اس سے کیا پکانے کی فرمائش کرتے ہوں گے؟ یہ

سوچتے سوچتے ان کا دماغ شل ہونے لگا۔ خیر انہوں نے کھانا تیار کیا' روٹیاں بنانے کا اصغر کو کہا اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر بیل ہوئی۔ ثریا بیگم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ یہ سجاد ہی ہوں گے۔ وہ جلدی سے باتھ روم میں چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

ثریا بیگم آج ان کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ مگر کب تک اپنے آپ کو کچھ نارمل کرکے جلدی سے باہر آئیں' سجاد باہر لاؤنج میں بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ سجاد جب بھی سگرٹ پیتے تو ثریا کو بہت اچھا لگتا" وہ ان کے پاس بیٹھ کر ان سے باتیں کرتیں اور ان کو دیکھتی رہتی تھیں۔ مگر آج.....

"اصغر کھانا لگاؤ۔" ثریا نے سجاد سے نظر چراتے ہوئے کہا پھر ان کی طرف آئیں۔

"آپ کب آئے۔" سجاد کھڑے ہو گئے حسب معمول ان کو اپنے ساتھ لگایا۔

"کیسی طبیعت تھی اب بھائی جان کی۔" ثریا فوراً ہی پیچھے ہوتے ہوئے بولیں۔

"بس یار ان کی طبیعت کچھ اتنی اچھی نہیں تھی۔ آج قدرے بہتر تھی تو میں آگیا' مجھے تمہاری بھی فکر تھی کہ تم اتنے دن سے اکیلی ہو۔"

"آپ کھانا کھالیں۔" ثریا نے جلدی سے بات کاٹی۔ سجاد ہاتھ دھو کر ٹیبل کے پاس آئے۔

"واہ! کیا خوشبو ہے ثریا! بہت دن سے تمہارے ہاتھ کے کھانے کو miss کر رہا تھا۔" ثریا کے چہرے پر خاموشی تھی جیسے کسی طوفان سے پہلے ہوتی ہے۔

"اصغر چائے کمرے میں ہی لے آنا۔" کھانا کھانے کے بعد ثریا نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ کمرے میں جاتے ہی انہوں نے وہ نکاح نامہ بیڈ پر رکھ دیا' سجاد نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سگریٹ لگایا ہی ان کا دھیان نکاح نامے پر پڑا فوراً ہی ثریا کی طرف دیکھا وہ کھڑکی کے سامنے پڑی ایزی چیئر پر بیٹھ گئیں۔

"سجاد کو اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا' جلدی سے ثریا کی طرف بڑھے" ثریا میں بتاتا ہوں ساری بات..."

"پلیز مجھے یہ مت کہنا ۔ کہ میں مجبور تھا۔" ثریا نے بات کاٹی۔ "مگر مجھے یہ ضرور بتانا کہ آپ کو مجھ میں کیا کمی نظر آئی تھی جو آپ کسی اور کے ہو گئے۔"

"نہیں' نہیں ثریا! اللہ کی قسم میں اب بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں تم میری جان ہو۔" سجاد ثریا کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

"آپ کی جان کوئی اور بھی ہے۔ آپ اس کو بھی یہی کہتے ہوں گے۔" ثریا سرد لہجے میں بولیں۔

"وہ اب ہے ہی نہیں وہ مرچکی ہے۔ تم میری زندگی میں تینتیس سال سے ہو اور وہ صرف پانچ سال رہی۔" سجاد تڑپ کر بولے۔

"نہیں سجاد میں آپ کی زندگی میں صرف آٹھ سال رہی وہ آپ کی زندگی میں پچھلے پچیس سال سے ہے۔ آپ کو مجھ میں کوئی کمی محسوس ہوئی تو آپ نے اس کو میری جگہ دی۔"

"نہیں ثریا نہیں تم میں کوئی کمی نہیں تم سے آج بھی اتنی محبت کرتا ہوں جتنی شروع میں کرتا تھا۔" سجاد سوچنے لگے۔ پھر بولے۔

"اصل میں ثریا تم ایک امیر باپ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ جب سے ہماری شادی ہوئی تھی میں تمہارے لیے بہت کچھ کرتا تھا۔ میں ہر وقت تمہیں امپریس کرنے کی کوشش کرتا مگر تمہیں جیسے میری پروا نہیں ہوتی تھی سب تم سے امپریس ہوتے۔ تم گھر کا خیال رکھتیں مگر مجھے لگتا کہ جیسے تم مجھے اگنور کرتی ہو پھر جب ہماری بیٹی زرنش پیدا ہوئی تو جیسے اس کے پیار میں سب کو بھول گیا۔ تم بھی ہر وقت مصروف رہنے لگیں۔"

"مگر جب ہمارا بیٹا حمزہ پیدا ہوا تھا تو آپ بہت خوش تھے آپ نے میرا شکریہ ادا کیا مجھے تو کبھی نہیں لگا کہ آپ ایسا سوچتے ہیں۔"

"ہاں میں بہت خوش تھا۔ مگر مجھے لگا کہ تم اس کے پیدا ہونے کے بعد زیادہ مغرور سی ہوگئی ہو تمہاری نظر میں جیسے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ان ہی دنوں رابعہ میرے آفس میں آئی ایک سال ہماری دوستی رہی مجھے لگا کہ اس کی زندگی کی خوشیاں اور محبت مجھ سے شروع ہو کر مجھ پر ہی ختم ہوتی ہیں۔ نکاح کے بعد میں اس کو بہت کم ٹائم دیتا تھا وہ بہت اداس رہتی تھی، پھر وہ بیمار رہنے لگی وہ مجھ سے ہر وقت ٹائم ساتھ گزارنے کا مطالبہ کرتی تھی مگر میں بچوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بتا دیتا ہوں مگر ایک رات اس کے فون آتے رہے اور میں نے اٹینڈ نہیں کیے اس کی طبیعت بہت خراب تھی ٹائم پر ہسپتال نہ جانے کی وجہ سے اس کی ڈیتھ ہوگئی پھر میں نے سوچا اب تمہیں کیا بتاؤں۔ تم اب مجھے ٹائم دیتی ہو جب بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ ثریا مجھے تمہاری محبت کی پہچان نہیں ہوئی۔ مجھے معاف کر دو میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔ کاش تم مجھے ٹائم دیتیں تو ایسا نہ ہوتا۔"

"کاش، مجھے یہ پتا ہوتا کہ محبت کے اظہار کے لیے الفاظ ہی ضروری ہوتے ہیں۔" بے بسی سے ثریا کے منہ سے صرف اتنا ہی نکلا۔

"ثریا میری جان مجھے معاف کر دو۔ میری جان میں تمہارے لیے کیا ایسا کروں کہ تم مجھے معاف کر دو۔" سجاد نے ثریا کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔ سخت گرمی میں بھی ثریا کے ہاتھ سرد تھے۔

سجاد نے پھر سے کہا۔

"ثریا تم میری زندگی ہو مجھے معاف کر دو۔" ثریا خاموش تھیں۔

"ثریا پلیز مجھے جو سزا دینی ہے دے دو مگر اس طرح خاموش نہ رہو۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا سر ان کے گھٹنوں سے اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ثریا بیگم اپنی موت کی صورت میں ان کو سزا سنا چکی تھیں۔

"ثریا تم میری جان ہو۔ تم میری زندگی ہو پلیز مجھے اس طرح اکیلا چھوڑ کر مت جاؤ۔" وہ پاگلوں کی طرح رونے لگے۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ عورت جب عورت سے شکست کھاتی ہے تو اپنی ذلت کے احساس کو بھول نہیں سکتی ٹوٹ جاتی ہے اپنے آپ کو بہت حقیر سمجھنے لگتی ہے۔

☆ ☆
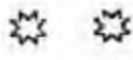
سرورق کی شخصیت

ماڈل	ماریہ رضوی
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

مدف آصف

زندگی میں کچھ لمحے در آگاہی وا کرتے ہیں۔ یوں انسان کی خود سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ حاصل زندگی ہو جاتے ہیں۔ تو کبھی باعث آزار ہوتے ہیں۔ اس لمحے کی برکت سے جب لاعلمی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے تو خود سے غافل رہنا آساں نہیں رہتا۔ انعم نے محبت کی پٹی ایک آنکھ سے اتار دی اور خود کو تلاشا۔ اپنی ذات کو ڈھونڈا جو شاید حصوں میں بٹ چکی تھی۔ دوسری آنکھ پر ہنوز خوش فہمی کی پٹی بندھی تھی۔ جینے کے لیے خود کو دھوکے میں رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ تلخ سچائیاں مار ہی ڈالیں۔

"بہو جی۔ آج رات میں کیا پکے گا؟" اشرفی بابا کی آواز پر اس نے سر میں درد کر دینے والی سوچوں کو جھٹکا۔

"چکن پلاؤ اور دم کا قیمہ۔ آپ قیمے کا پیکٹ فریزر سے نکال دیں۔ میں آتی ہوں۔" انعم نے جواب دیتے ہوئے ربڑ پائپ کا رخ پودوں کی طرف موڑا۔ اور پانی کے قطرے سبز پتوں کو نہلاتے ہوئے کچی مٹی میں جذب ہو گئے۔ اس نے جھک کر زمین کو ہموار کیا، پتوں اور تنے کا معائنہ کیا، سفید پھپھوندی نما دھبے دکھائی دیے۔

"اشرفی بابا۔ پلیز آج پودوں پر دوا اسپرے کر دیں۔" انعم نے مٹی میں لتھڑے ہاتھوں کو دھوتے ہوئے کہا اور وہیں خشک گھاس پر بیٹھ گئی۔

"اچھا۔ بہو جی۔" اشرفی بابا نے گرل میں سے منہ نکال کر جواب دیا۔ وہ فوزیہ رزاق کے کپڑے استری کر رہے تھے۔

"کاش زندگی پر جمنے والی کائی اور پھپھوندی کو دور کرنے کی بھی کوئی دوا مل جائے تو یہ اتنی حبس اور بے مزا نہ رہے۔" انعم نے سبز پتے کو انگلی سے چھو کر محسوس کیا اور کھوکھلا قہقہہ لگایا۔ وجدان نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنے دوست کی طرف جانے کے لیے باہر نکل رہا تھا۔

"بھابھی۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وجدان اس کے ابنارمل انداز پر پلٹا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر تشویش سے پوچھنے لگا۔

"ہونہہ۔ ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔" انعم نے دیور سے اپنی کیفیت چھپانے کے لیے منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

"پلیز۔ اگر کوئی ایشو ہے تو۔ شیئر کریں۔" اس نے نرمی سے پوچھا تو انعم کو اپنے دیور پر پیار آ گیا۔

"کچھ۔ تم کہیں جا رہے ہو؟" انعم نے بات بدلی اور جلدی سے اس کے سنورے بال مسکرا کر بکھیر دیے۔

"جی۔ میں ذرا ارحم سے ملنے جا رہا ہوں اور آپ چھوڑیں یہ فالتو کام۔ اشرفی بابا کو بھی کچھ کرنے دیا کریں۔ ہر وقت خود کو گھر میں کھپائے رکھتی ہیں۔ آفس میں بھائی خود کو مصروف رکھتے ہیں۔ دونوں روبوٹ لگتے ہیں۔" اس نے مان سے غصہ کیا۔

"بھائی۔ یہ کام نہیں۔ میرا شوق ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"تھیں۔ یہاں سے۔ کمرے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کریں۔ میں بابا کو کہہ دیتا ہوں وہ باقی کے یہ

سارے کام کریں گے۔" وجدان نے زبردستی بھابھی کو زمین سے اٹھایا۔

"دیور۔۔۔ بھابھی میں بڑی دوستی چل رہی ہے۔"

فوزیہ بیگم نے اپنا سوٹ اشرفی بابا سے لیتے ہوئے لان کا منظر دیکھا تو بڑبڑائیں' اشرفی نے چونک کر اپنی بڑی بیگم کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھا۔ فوزیہ نے جیسا چاہا' ویسا ہوتا چلا گیا' پھر بھی ان کے دل میں لگا عدم تحفظ کا پودا مرجھایا نہیں' بلکہ بدگمانی کے پانی سے پھل پھول کر اب تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔

☆ ☆ ☆

دن' رات تو ایک سے ہوتے ہیں' گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ گزرتے چلے جاتے ہیں' مگر کبھی کبھی وقت ٹھہر بھی جاتا ہے' سیکنڈ کی سوئی رک جاتی ہے' گھنٹے طویل ہو کر صدیوں پر بھاری ہونے لگتے ہیں' رئیسہ کے لیے لیبر روم کے باہر گزارے جانے والے لمحے کچھ ایسے ہی جان گسل ہو رہے تھے۔ ان کی بیٹی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔ ڈاکٹر راحمہ اکرام ابھی بہت ناراض ہو کر اندر گئی تھیں۔ ان کے منع کرنے کے باوجود سلطانہ شوہر کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایک بار پھر ماں بننے کا اعزاز حاصل کرنے چلی تھی۔ اس کی حالت لحہ بہ لحہ بگڑنے لگی۔ رئیسہ بیگم' لیبر روم کے دروازے تک جا کر اندر جھانک کر بیٹی کو دیکھنے کی کوشش کرتیں' کبھی لیڈی ڈاکٹر کے پاس بھاگتی اور پھر کچھ دیر بعد مایوس ہو کر واپس کرسی پر بیٹھ جاتیں جو لیبر روم کے باہر رکھی تھیں۔ فوزیہ بہت دیر سے ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے مالک۔۔۔ اس بار رزاق میاں کی خواہش پوری ہو جائے' تاکہ میری بچی کو دوبارہ اس امتحان سے نہ گزرنا پڑے۔" رئیسہ بس ایک ہی دعا کر رہی تھیں۔

"بڑی بیگم پریشان کیوں ہوتی ہیں؟۔ رب نے چاہا تو لڑکا ہی ہوگا۔" اسٹاف نرس فوزیہ رحمان نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"میری بیٹی کو۔ ایسی۔۔۔ بددعا تو نہ دو۔" رئیسہ نے عجیب یاس بھرے انداز میں کہا تو وہاں موجود خواتین چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔؟ میں بیٹے کی دعا دے رہی ہوں۔۔۔ یہ تو وہ دعا جو یہاں ماں بننے والی ہر ماں اور ان کے رشتے دار سننا چاہتے ہیں۔" فوزیہ نے رسانیت سے سمجھایا' اسے لگا بڑی بی کو سننے میں مغالطہ ہوا ہے۔

"جی۔۔۔ مجھے پتا ہے۔۔۔ بس اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ بیٹے کی نہیں بیٹی کی دعا دو۔" وہ نم آنکھوں کو پونچھتے ہوئے بولیں۔ فوزیہ انہیں عجیب نگاہوں سے دیکھتی ہوئی لیبر روم کی طرف مڑ گئی۔

اس کی ڈیوٹی ڈاکٹر راحمہ اکرام کے ساتھ لگائی گئی تو وہ خوش ہو گئی گائنی میں ان کا بڑا نام تھا۔ بیگم رزاق کی ڈیلیوری کیس بھی انہوں نے کرنا تھا۔ فوزیہ نے رزاق احمد کا نام شہر کی مشہور کاروباری شخصیت کے طور پر سنا تھا' ڈاکٹر راحمہ اکرام' رزاق احمد کی فیملی ڈاکٹر تھیں' شروع سے ان کی مسز کا کیس پیچیدہ تھا۔ وہ اپنی اولاد کے معاملے میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتے تھے اسی لیے شہر کے مہنگے ترین میڈیکل سینٹر میں ان کا نام لکھوایا گیا۔ فوزیہ کو دوسرے اسٹاف نے یہاں ڈیوٹی لگنے پر مبارک باد دی' تو وہ سوکھا سا منہ بنا کر سر ہلانے لگی۔ وہ ایسی ہی تھی اپنے دل کی بات کبھی چہرے سے ظاہر ہونے نہیں دیتی تھی۔

رئیسہ بیگم کے لبوں پر دعائیں اور آنکھوں میں نمی تھی۔ رزاق احمد کسی ضروری میٹنگ میں پھنسے ہوئے تھے' اس کے باوجود انہوں نے ساس کو کئی فون کر کے بیوی کی خیریت معلوم کی۔ جب ان کو پتا چلا کہ سلطانہ کو لیبر روم میں لے جایا گیا ہے تو وہ فوراً" اسپتال کے لیے نکلے۔ شیشے کا دروازہ کھلا اور رزاق احمد طمطراق کے ساتھ داخل ہوئے۔ فوزیہ جو لیبر روم سے نکلی' ان کی مردانہ وجاہت پر مر مٹی۔ وہ اپنی ساس کے پاس کھڑے تسلی دینے کے لیے تھوڑا جھک کر باتیں کرتے بہت شاندار لگ رہے تھے۔

"سر مبارک ہو۔۔۔ بیٹا ہوا ہے۔" ڈاکٹر راحمہ اکرام

ڈیلوری سے فارغ ہو کر تھکے تھکے انداز میں باہر آئیں۔ انہیں خوش خبری سنائی۔

"آئے بیٹا۔ آج خاندان میں ایک نئے پھول کا اضافہ ہوا ہے۔۔۔ منہ تو میٹھا کراؤ۔" اسپتال میں صفائی کرنے والی آپا نے بھی نمبر بڑھائے' مگر ان میں جنبش نہیں ہوئی' فوزیہ منہ کھولے ان کا ری ایکشن دیکھ رہی تھی۔

"میری مسز کیسی ہیں؟" رزاق احمد کو تھوڑی دیر میں خیال آیا تو پوچھا۔ ڈاکٹر ان کے روکھے پھیکے انداز پر بجھ گئی۔

"شی۔۔۔ از۔۔۔ ناؤ۔۔۔ او کے۔ کافی۔۔۔ مشکل کیس تھا خیر زچہ اور بچہ دونوں نارمل ہیں۔۔۔ مگر۔۔۔" رحمہ اکرام کا لب ولہجہ بھی پروفیشنل ہو گیا۔

"مگر کیا ڈاکٹر؟" رزاق احمد نے راحمہ کو گھورا۔

"ایک بار پھر بیٹی کی خواہش میں اپنی مسز کو مزید اس امتحان میں مت ڈالیے گا' ورنہ ان کے جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر راحمہ کا انداز خاصا خشک تھا' ان کی فیملی ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے وہ سلطانہ کی کیس ہسٹری سے اچھی طرح سے واقف تھیں۔

"او کے" وہ تپے چہرے کے ساتھ جواب دے کر پلٹ گئے۔ ان کے پیچھے کھڑی فوزیہ رحمان نے حیرت سے اس بڑے آدمی کو دیکھا جو بیوی سے ملے بنا' نومولود کو دیکھے بغیر اسپتال کے ایگزٹ ڈور کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کیسا پاگل مرد ہے' جسے بیٹے کی نہیں بیٹی کی خواہش نے دیوانہ بنایا ہوا ہے۔" ڈاکٹر راحمہ ان کو جاتا دیکھ کر غصے سے بڑبڑائیں تو فوزیہ کو رزاق صاحب کے لیے اپنی میڈم کا انداز تخاطب برا لگا۔

"ویسے۔۔۔ رزاق صاحب پاگل تو کہیں سے نہیں لگتے۔۔۔ بڑے ہینڈسم ہیں۔" فوزیہ کی نگاہوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا۔ یہ حقیقت بھی تھی رزاق احمد' سلطانہ کے مقابلے میں کافی خوبرو تھے خوش لباسی ان پر ختم تھی' تھری پیس سوٹ کی جگہ جب بھی جینز اور ٹی شرٹ پہنتے تو اپنی عمر سے کئی سال پیچھے چلے جاتے'

گندمی رنگت' لمبا قد' متناسب جسم' سر کے بال گھنے اور لہریے دار تھے' صرف سفید قلمیں ہی ان کی عمر کی چغلی کھاتیں' مگر ان سے وقار میں اضافہ ہوتا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلطانہ رزاق ایک گھریلو خاتون تھیں' گزرتے وقت کے ریلے میں ان کی نازک اندامی اور خوب صورتی بہہ گئی تھی۔ وہ اپنے شوہر رزاق احمد کی دیوانی تھیں۔ سلطانہ پر' شوہر کا بہت رعب دبدبہ تھا' مگر ان میں فرمانبرداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی' اسی لیے زندگی آسان ہو گئی۔ ان کی دونوں بیٹوں عرفان اور اعیان میں جان تھی' شاید اس لیے بھی کہ وہ اپنے باپ کی رسمی محبت ہی حاصل کر پائے۔

دنیا سے نرالی باتیں رزاق ہاؤس میں ہوتیں' زمانہ بیٹوں کے پیدا ہونے پر خوشیاں مناتا پر یہاں جیسے سوگ طاری ہو جاتا۔ رزاق کو شروع سے ہی بیٹی کے خواہش تھی۔ انہیں بے بی پنک اور اسکائی بلو میکسی پہنے' سنہری بالوں کو بینڈ میں جکڑے باربی ڈولز پسند

تھیں۔ سلطانہ جب بھی پریگنینٹ ہوتیں وہ دل سے بیٹی کے لیے دعائیں مانگتے شاپنگ کرتے ہوئے بھی زیادہ تر بابا کی جگہ بے بی اسٹف خریدتے بیوی سے بھی اسی بات کا اظہار کرتے کہ اس بار تو اسپتال سے میرے لیے ننھی پری لے کر لوٹنا۔ یہ جانے بنا کہ ان کی یہ خواہش سلطانہ کے لیے ایسے لمحوں میں باعث آزار ہو جاتی ہے، جب کہ ذہنی سکون کی ضرورت ہو۔

قسمت سے ہر بار بیٹوں کی خوش خبری سننے کے بعد رزاق احمد کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ جاتی۔ وہ کئی دنوں تک سلطانہ سے دور دور رہتے' سلطانہ کا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں تھا' وہ اس بات کا اقرار کرتے' پھر بھی جانے کیوں بیٹی کی خواہش دن بہ دن جنون بنتی جا رہی تھی۔ سلطانہ تھک ہار کر ہر بار شوہر کو مناتیں۔ کچھ نہ کرتے ہوئے بھی' انہیں اس معاملے میں اپنی صفائیاں دینے کی پوری کوشش کرتیں' تب جاکر کہیں ان کا موڈ نارمل ہوتا۔

وجدان کی پیدائش پر تو رزاق احمد نے حد ہی کر دی' اس سے ایک دن بعد ملنے آئے' یہ وقت سلطانہ نے جیسے کانٹوں پر گزارا۔ اس کے روم میں فوزیہ رحمان کی ڈیوٹی تھی۔ اس نے تکلیف کے دنوں میں انہیں اخلاقی طور پر بہت سہارا دیا۔ وہ وجدان کو بھی سنبھال لیتی۔ سلطانہ اور اس کی امی رئیسہ کو اس وقت درحقیقت اخلاقی مدد کی ضرورت تھی' جو فوزیہ نے مکمل طور پر کی۔ اس کے ذرا سے کریدنے پر انہوں نے اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"یہ رکھ لو۔ اپنے گھر والوں کے لیے مٹھائی لے جانا۔" سلطانہ کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ رزاق احمد نے خود آنے کے بجائے گاڑی اور ڈرائیور بھیج دیا۔ فوزیہ ان کا سامان اور دوائیں وغیرہ سمیٹ کر ایک شاپر میں رکھ رہی تھی کہ سلطانہ نے ایک خطیر رقم کا لفافہ اسے چپکے سے پکڑا دیا۔ وہ ایک دم خوش ہو گئی۔ درحقیقت گھر کے حالات اتنے خراب تھے یہ پیسے اس کی کئی ضرورتیں پوری کر دیتے۔

"یہ میرا نمبر اور ایڈریس رکھ لو۔۔۔ کبھی بھی کسی چیز کی ضرورت ہو اپنی آپی کو یاد کر لینا۔" سلطانہ نے ایک کارڈ اس کی جانب بڑھایا اور اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ فوزیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

"بی بی کس سے ملنا ہے؟" وہ رکشے سے اتری تو رزاق ہاؤس کے گیٹ پر بیٹھے چوکیدار نے روک کر پوچھا۔ فوزیہ نے جھینپ کر اپنا جائزہ لیا' گھبرا سی رہی تھی۔ اس کا زیب تن کیا ہوا قدرے بہتر جوڑا بھی کثرت استعمال کا مظہر تھا' کالی سینڈل کو بھی موچی سے ٹانکے لگوا کر پاؤں میں پہنا تھا' پرس کی حالت بھی بہت ردی ہو رہی تھی' ہاں اس کی اپنی شخصیت چاند کی مانند چمک رہی تھی۔ اس نے سلطانہ کا دیا ہوا کارڈ دکھا کر اپنا تعارف کروایا۔ چوکیدار نے انٹرکام پر کسی سے بات کی اور پھر دروازہ کھول کر اسے اندر لے گیا۔ وہ تو جیسے کسی اور دنیا میں آ گئی تھی۔

"رزاق ہاؤس" اپنے منفرد طرز تعمیر کا منہ بولتا ثبوت تھا' بڑے سے نقشین دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی فوزیہ مسحور ہو گئی' اس نے اپنی زندگی میں اتنا مکمل اور خوب صورت گھر نہیں دیکھا تھا جس کا کونا کونا وہاں رہنے والوں کے اعلا ذوق کی گواہی دے رہا تھا۔ بنگلے کی عمارت باہر سے جتنی شاندار تھی' اندر سے بھی بہت وسیع و عریض دکھائی دی۔ وہ سلطانہ کے وسیع و عریض بیڈ روم تک جا پہنچی۔ انہوں نے پرتپاک استقبال کیا اور بٹھایا۔ نوکرانی ان کے بغیر کہے خوش ذائقہ شربت کا گلاس لے آئی' شاید یہ بھی رزاق ہاؤس کی روایت کا حصہ ہو گی۔

"بس آپی۔۔۔ دو مہینے سے جاب لیس ہوں۔۔۔ بہت کوشش کی' ڈھنگ کی جاب نہیں مل رہی' جن میڈیکل سینٹر میں بلایا جا رہا ہے' وہ اتنی کم تنخواہ دے رہے ہیں کہ مجھیں میرے آنے جانے کا کرایہ ہی نکل سکے گا۔" فوزیہ نے اداسی سے انہیں اپنی مجبوریوں کی داستان سنائی۔

"اچھا کیا جو تم یہاں آگئی۔۔۔ مجھے وجدان کے لیے ایک فل ٹائم گورنس کی ضرورت ہے' آج کل بہت چڑچڑا ہو رہا ہے' پوری رات جگاتا ہے۔ ایسا کرو۔ تم کل سے ہی یہاں آجاؤ۔" سلطانہ کی طبیعت کافی خراب رہنے لگی تھی' ان کی والدہ بھی واپس اپنے گاؤں جاچکی تھیں' وجدان دانت نکال رہا تھا' اسے بھی الٹی موشن لگے ہوئے تھے' ایسے میں فوزیہ کی آمد انہیں بہت بروقت محسوس ہوئی۔ سلطانہ اگر یہ بات جانتی کہ یہ قدم ان کی زندگی کا شیرازہ بدل کر رکھ دے گا تو اپنے قدم پیچھے کرلیتیں۔ وہ سیدھی سادی نرم مزاج خاتون لوگوں کے کام آکر خوش ہونے والوں میں سے تھیں۔

فوزیہ کو اس جاب سے بہت آرام ہوگیا' اسپتال کے مقابلے میں یہاں ٹائمنگ بھی بہت زیادہ ٹف نہ تھے وہ دس بجے آتی اور پانچ بجے واپس چلی جاتی' سلطانہ کا ڈرائیور اسے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت دیتا۔ سلطانہ اسے اپنے ساتھ روزانہ بصد اصرار مزے دار سا لنچ کراتیں' آہستہ آہستہ فوزیہ نے گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی اپنے ذمے لے لیے' سلطانہ خوش ہوگئیں' تین چھوٹے بچوں کے ساتھ وہ' پورا دن بولائی بولائی پھرتی تھیں' اب انہیں بھی دو گھڑی آرام کامل جاتا۔

ابھی تک فوزیہ اور۔۔۔ رزاق احمد کا آمنا سامنا نہیں ہوسکا تھا۔ وہ جب بھی کسی کام سے سلطانہ کے بیڈروم میں جاتی تو قیمتی فریم میں لگی ان کی شادی کی تصویر دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوتا۔ وہ یہاں کے سکھ کی اتنی عادی ہوگئی کہ اپنے گھر کا غربت بھرا ماحول اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ اتوار کو چھٹی ہوتی' اس کا بس نہیں چلتا کہ وہ یہ دن بھی رزاق ہاؤس میں گزارے۔

"آپی رزاق سر تو بہت اسمارٹ ہیں' مگر آپ نے کیوں اپنا حال برا کرلیا۔" وہ دونوں لنچ کرنے بیٹھے تو فوزیہ' سلطانہ کی پلیٹ میں آئل والا قورمہ نکالتے ہوئے بولی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔ میں بہت موٹی ہوگئی ہوں۔"

سلطانہ نے نفسیاتی دباؤ میں آکر خود کو سر گھما گھما کر خود کو دیکھتے اور بڑے بڑے نوالے کھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ ہی تو سمجھا رہی ہوں۔۔۔ ذرا نظر رکھا کریں، کہیں کوئی لڑکی لے اڑی تو ہاتھ ملتی رہ جائیں گی۔" فوزیہ نے بظاہر مذاق کیا، مگر ان کے اندر شک کی چنگاری ڈال دی۔

"کہہ تو ٹھیک رہی ہے۔۔۔ آج کل تو رزاق مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔" سلطانہ نے ٹینشن میں بھرا ہوا اسٹرڈ کا پیالہ جلدی جلدی ختم کیا، وہ اپنے مسئلوں میں اتنا الجھ چکی تھیں کہ یہ بھی غور نہیں کرتیں کہ فوزیہ خود، سادہ دہی، سلاد یا پھلوں کے علاوہ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاتی۔ فوزیہ جب سے اس گھر میں آئی تھی، سلطانہ کو محبت سے کھلا کھلا کر۔ ان کی شکر گزاری سمیٹتی، وہ خود جتنی دبلی پتلی ہوتی جارہی تھی۔ سلطانہ کا جسم اتنا ہی زیادہ کھانے اور مسلسل آرام کی وجہ سے بے ڈول ہونے لگا تھا۔ سلطانہ کو اس وقت فوزیہ ہی اپنی سب سے بڑی ہمدرد دکھائی دیتی، میکا دوسرے گاؤں میں تھا، بہن کوئی تھی نہیں ایک ماں تھی جو پریشان رہتی، اس سے بھی کتنے دکھ کہے جاسکتے تھے اسی لیے فوزیہ کی ذرا سی ہمدردی سے پوچھنے پر شوہر کی بے رخی کا قصہ سنانے بیٹھ جاتیں۔

فوزیہ بظاہر سلطانہ کو رزاق صاحب کا دل جیتنے کے مشورے دیتی، مگر عملی طور پر کچھ کرنے نہ دیتی۔ بلکہ اپنی زہریلی باتوں سے انہیں بدظن کرتی، سلطانہ فوزیہ کو اپنی سچی ہمدرد سمجھ کر اس کے اشاروں پر ناچنے لگیں۔ وہ ڈرتی تھیں کہ کہیں رزاق صاحب دوسری شادی نہ کرلیں۔ سارے کام فوزیہ کے حساب سے ہو رہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر اس بڑے سے گھر کی مالکن بننے کے خواب دیکھ رہی تھی، دولت کے لالچ نے اسے سازشی بنادیا۔

"میں کتنی بدقسمت ہوں جو بیٹوں کی ماں ہونے کے باوجود شوہر کی محبت حاصل نہ کرسکی۔" سلطانہ نے دوپٹے کے کونے سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"آپی۔۔۔ اب کیا ہوا۔۔۔ خیر ہے؟" فوزیہ نے وجدان کے کپڑے چینج کرتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ کل ان کے دوست راشد کے یہاں جڑواں بیٹیاں ہوئی ہیں، ہم وہاں دیکھنے گئے، ان لوگوں کے حالات ٹھیک نہیں، اسی لیے راشد بھائی نے ان سے قرضہ مانگا، جب رزاق صاحب نے ان باربی ڈول جیسی بچیوں کو دیکھا تو مچل اٹھے، فوراً" گود میں بھر کر خوب پیار کیا۔" سلطانہ نے رک رک کر کہا۔

"اچھا پھر کیا ہوا۔" فوزیہ نے وجدان کے چھوٹے سے پاؤں میں جوتے پہناتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں ان کو کیا ہوا؟ راشد بھائی کو پیسے دیتے ہوئے کہنے لگے، اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو ہم ان کی ایک بیٹی کو گود لے سکتے ہیں، ننھی گڑیا کی تعلیم و تربیت اور شادی بیاہ کا سارا خرچہ ہماری ذمہ داری ہوگا، یہ سنتے ہی راشد بھائی کی بیوی غصہ ہونے لگیں کہ ہم غریب ہیں تو کیا ہوا؟ اولاد کوئی بانٹنے کی چیز تو نہیں ہے۔" سلطانہ نے یاسیت سے کہا۔

"اچھا۔ یہ تو واقعی افسوس کی بات ہے۔" فوزیہ نے بظاہر ہمدردی، مگر دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ہم وہاں سے شرمندہ شرمندہ اٹھے۔ پورے راستے ان کا منہ بنا رہا۔ ایک بار پھر ان پر پھر بیٹی کا بھوت سوار ہوگیا، رات کو سونے سے قبل کہنے لگے کہ اگر بیٹی حاصل کرنے کے لیے مجھے دوسری شادی بھی کرنی پڑی تو۔۔۔ وہ بھی کرلوں گا۔" سلطانہ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولیں، فوزیہ کو رزاق کی اس ضد پر حیرت ہوئی، مگر محسوس ہوا کہ مستقبل میں یہ ہی خواہش ان دونوں کے قریب آنے کی وجہ بنے گی۔

وجدان اب سمجھ دار ہوگیا تھا، فوزیہ ڈرتی تھی کہ کہیں اس کی یہاں موجودگی کا کوئی جواز باقی نہ رہے۔ اسی لیے قدم جمانے کے لیے اب وہ کوئی مستقل زمین کا ٹکڑا ڈھونڈنے لگی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا، کسی بھی طرح رزاق احمد کے قریب پہنچنا تھا۔

ایک دن فوزیہ نے سلطانہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ کسی طرح اس کی نوکری رزاق صاحب کے دفتر میں کروا

دے تاکہ وہ ان پر مکمل طور پر نظر رکھ سکے۔ سلطانہ کے دل کو یہ بات چھو گئی، پھر قدرت نے ایک موقع فراہم کر دیا۔

اصل میں رزاق صاحب کی پرانی سیکریٹری ماریا کو مینجمنٹ کے ایک کورس کے سلسلے میں دبئی جانا پڑا، اس نے ایک مہینے کی لیولی، رزاق احمد پریشان ہو گئے، مگر وہ ماریا کو نوکری سے نکالنا بھی نہیں چاہتے تھے ایسے ریفریشنر کورسز وقت کی ضرورت تھی، ماریا بہت پروفیشنل تھی، جو ان کے کلائنٹ سے بہتر طریقے سے ڈیل کرتی تھی، اس لیے انہوں نے ایک ماہ کے لیے متبادل کے طور پر کوئی سیکریٹری رکھنا چاہا، مگر اتنے کم عرصے کے لیے کوئی تیار نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر سلطانہ کے سامنے بھی کر دیا۔ فوزیہ کے کانوں تک جب یہ بات پہنچی تو اس کا ذہن تانے بانے بننے لگا، اس نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دی۔

"ایک مہینے کی تو بات ہے، فوزیہ کو رکھ لیں۔" سلطانہ اس کی درخواست پر شوہر کے پیچھے لگ گئیں۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ مجھے اپنے آفس کے لیے ایک پروفیشنل سیکریٹری کی ضرورت ہے، کسی نرس کی نہیں۔" رزاق احمد نے انکار کر دیا، کیونکہ فوزیہ کی فیلڈ بالکل الگ تھی۔

"ایک بار فوزیہ سے مل کر دیکھیں، وہ بہت باصلاحیت ہے، بالفرض مناسب نہ لگے تو منع کر دیجیے گا۔" بیوی کے اصرار پر وہ نیم رضامند ہو گئے۔ سلطانہ نے دوسرے دن ان دونوں کی ملاقات کروادی، رزاق صاحب فوزیہ کا حسن دیکھ کر دم بخود رہ گئے، وہ کیل کانٹوں سے لیس تھی۔ بلیک جینز پر کڑھائی والا سبز کرتا زیب تن کیے کافی اسٹائلش لگ رہی تھی۔ ہائی ہیل میں اس کا لمبا قد اور نمایاں ہو رہا تھا، سیدھے چمکدار بالوں کو پشت پر پھیلائے، ان کی پسندیدہ خوشبو لگانے کے ساتھ ساتھ ہلکے ہلکے میک اپ میں بہت جاذب لگ رہی تھی، ان دونوں میں اس سے قبل سرسری سی ملاقات ہوئی ہوگی، مگر آج تو وہ جیسے چھا سی گئی۔

فوزیہ نے بڑے انداز سے ان کے سامنے والی نشست سنبھالی اور انہیں دلکش مسکراہٹ سے نوازا۔ خود پر رزاق احمد کی ستائش نگاہیں محسوس کر کے اسے لگا کہ وہ آدھی جنگ جیت چکی ہے، باقی اس کا صاف لب و لہجہ اور شستہ انداز گفتگو نے انہیں ایسا لبھایا کہ وہ رضامند دکھائی دینے لگے۔ فوزیہ کا مقصد پورا ہو گیا۔ گھاگ بزنس مین تھے اس وقت کچھ نہ کہا۔ فوزیہ کو یقین تھا کہ اب رزاق شپنگ میں جانے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اس کا اندازہ درست نکلا۔ دوسرے دن رزاق احمد نے بیوی پر احسان رکھتے ہوئے فوزیہ کو ایک ماہ کے لیے اپنے یہاں رکھنے کا عندیہ دے دیا۔ سلطانہ خوشی خوشی فوزیہ کو کال ملانے لگی۔

"آپی۔۔۔ اب صاحب میری نگاہوں میں ہی رہیں گے، انہیں ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دوں گی۔" فوزیہ نے جو کہا اس کا مفہوم وہ ہی جانتی تھی، مگر سادہ طبیعت سلطانہ ان جملوں میں چھپی معنی خیزی نہ سمجھ پائیں، بلکہ بہت عرصے بعد سکون سے سو گئیں، خوش تھیں کہ اب رزاق کے آفس کی خبریں بھی فوزیہ کے ذریعے مل جایا کریں گی، اگر انہیں فوزیہ کی نیت کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو شاید وہ سونا بھول جاتیں۔

☼ ☼ ☼

آفس میں قدم رکھتے ہی فوزیہ نے آہستہ آہستہ رزاق صاحب پر اپنی محبت کا جال پھینکنا شروع کر دیا، فوزیہ نے بڑی چالاکی سے پہلے ہی سلطانہ سے رزاق کی پسند و ناپسند کے بارے میں معلومات اگلوالی تھی۔ اب اس کا فائدہ یہاں اٹھایا۔ ان کی پسند کے ہر انداز کو اپنا کر انہیں چونکنے پر مجبور کرتی۔ وہ کنی کترا جاتے، مگر کب تک۔ باتوں میں اسے سراہتے تو اس نے دوسرا کام یہ کیا کہ جانے انجانے میں سلطانہ کے خلاف محاذ کھول لیا، لاشعوری طور پر رزاق احمد کو یہ احساس دلانے لگی کہ ان کی شاندار شخصیت کے ساتھ سلطانہ جیسی گاؤدی بیوی کا کوئی تال میل نہیں۔ وہ جب سج سنور کر ان کے سامنے آکر بیٹھتی تو رزاق صاحب مسحور ہو جاتے اس کی ساحرانہ نگاہوں کا سحر ان کا بچنا مشکل

ہو رہا تھا۔
"واہ۔۔۔ مس فوزیہ۔۔۔ بہت اچھی خوشبو لگائی ہے۔۔۔ یہ میری فیورٹ ہے۔" وہ اس کے قریب کھڑے ہو کر طویل سانس لیتے تو فوزیہ کی کھنکتی ہنسی سے ان کے کانوں میں جلترنگ سے بج اٹھتے۔
سلطانہ کا اس سے فون پر رابطہ تھا' وہ انہیں "سب اچھا ہے" کا سگنل دے کر خود رزاق احمد کے گرد اپنی محبت کا سنہرا جال مضبوط کرتی رہی۔ آخر وہ وقت آگیا کہ رزاق احمد کی زندگی فوزیہ کے بغیر ادھوری ہو گئی۔ ماریا کی واپسی بھی ہو گئی' مگر فوزیہ کی جاب برقرار رہی' انہوں نے ماریا کا ٹرانسفر دوسرے سیکشن میں کر دیا۔ فوزیہ کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اور وہ بغیر اطلاع دیے ایک ہفتے کی چھٹی پر چلی گئی۔ رزاق احمد کی تو بھوک پیاس اڑ گئی' اس کا فون بھی بند جا رہا تھا۔ مجبوراً سلطانہ سے پوچھا۔
"میں تو خود حیران ہوں دو سال میں یہ پہلی بار ہوا کہ اتنے دنوں تک ہم دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی ہو۔" سلطانہ نے خود پریشانی سے کہا۔ رزاق احمد ڈرائیور کو اس کے گھر بھیجنے کا سوچ رہے تھے کہ فوزیہ روتی بسورتی شکل لے کر آفس لوٹی۔
"کیا ہو گیا۔۔۔ تم۔۔۔ کہاں تھیں۔۔۔؟ پتا ہے میرا حال۔۔۔" وہ اپنی سیٹ سے بے قراری سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بے ساختہ حال دل کہہ اٹھے۔
"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ بس۔" فوزیہ نے ہونٹ کاٹے۔ اس کی خستہ حالی پر رزاق احمد پریشان ہو گئے۔
"کیا۔۔۔ ہوا بتاؤ تو۔" انہوں نے جذباتی ہو کر اسے ساتھ لگا لیا۔
"سر۔۔۔ گھر والے زبردستی میری شادی طے کر رہے ہیں۔" فوزیہ نے روتے ہوئے رزاق احمد کا ہاتھ تھام لیا۔ ان کے دل کو دھچکا پہنچا۔
"اوہ۔۔۔ تو کیا آپ۔۔۔ اس رشتے پر رضامند نہیں ہیں؟" انہوں نے اداسی سے پوچھا۔
"جی۔ میں وہاں شادی نہیں کروں گی کیوں کہ میں کسی اور سے پیار کرتی ہوں۔" فوزیہ ان کے مزید قریب ہو کر بولی' وہ گھبرا گئے۔
"وہ۔۔۔ وہ خوش نصیب کون ہے؟" رزاق احمد کا لہجہ ٹوٹا سا تھا۔
"سر۔۔۔ وہ آپ ہیں۔۔۔ میں آپ کے سوا کسی اور کے ساتھ جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" فوزیہ نے اتنی بے باکی سے اپنی محبت کا اظہار کیا کہ مرد ہو کر بھی ان کے ماتھے پر موتی چمک اٹھے۔
"تمہیں پتا بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔۔۔؟ میں تین بچوں کا باپ ہوں۔" وہ اس کی نشیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے' دل دھک دھک کرنے لگا۔
"میں آپ کی محبت میں سلطانہ آپی اور بچوں کو بھی اپنا لوں گی۔" فوزیہ نے مسکراتے ہوئے ان کے کان میں کہا۔ وہ لمحہ ہی فیصلہ کن ثابت ہوا اور رزاق احمد بیوی بچوں کو بھول گئے' فوزیہ کے ساتھ کی خواہش شدید تر ہوتی چلی گئی۔ ویسے بھی اس کی ایک ہفتے کی غیر حاضری نے انہیں پاگل بنا دیا تھا' کئی دنوں سے خود کو اس کی محبت میں گرفتار پا رہے تھے' فوزیہ کی جانب سے گرین سگنل ملتے ہی شادی کی رضامندی دے دی' بس ایک ہی شرط رکھی' فی الحال دوسری شادی کو خفیہ رکھیں گے۔ فوزیہ نے بھی ان سے ایک وعدہ لیا کہ وہ اس کے گھر والوں کو معاشی طور پر مستحکم کرنے میں تعاون کریں گے۔ بڑھاپے کا عشق ویسے بھی چمٹ جائے تو آسانی سے جان نہیں چھوڑتا۔ وہ کھلے دل اور کھلے ہاتھ کے تھے' فوراً "ہی حامی بھرلی۔
ایک دن فوزیہ کے اہل خانہ کی موجودگی میں سادگی سے یہ نکاح ہو گیا' وہ سب ایک بڑے لگژری فلیٹ میں شفٹ ہو گئے' جو رزاق احمد نے فوزیہ کو منہ دکھائی میں دیا۔ وہ دن رات ان کو اپنی محبت کا یقین دلاتی اور دونوں ہاتھوں سے پیسے بٹورتی۔
اب فوزیہ نے رزاق احمد کے کہنے پر سلطانہ سے سارے رابطے ختم کر دیے' دونوں کے دل میں چور جو تھا۔ اپنا فون نمبر چینج کر دیا' گھر تو پہلے ہی چھوڑ چکی تھی۔ سلطانہ آج کل شوہر کے بدلتے رویوں پر بہت پریشان تھیں۔ اس پر فوزیہ کی گمشدگی' اب وہ کافی دیر

سے گھر لوٹتے اور آتے ہی منہ موڑ کر سوجاتے' اکثر پوری رات باہر گزار کر آتے۔ ایک دن سلطانہ کے باز پرس کرنے پر انہوں نے بیوی کی خوب بے عزتی کی کہ وہ بے چاری اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔ رو پیٹ کر سلطانہ نے حالات سے سمجھوتا کر لیا۔ بس ماں کو فون کر کے حال دل کہتیں تو رئیسہ بھی بیٹی کے حالات پر آنسو بہانے لگتیں۔ فوزیہ نے انوشہ کی پیدائش تک اپنی شادی کی خبر بڑی کامیابی سے چھپا کر رکھی' رزاق احمد بیٹی کی پیدائش پر خوشی سے پاگل ہو گئے۔ فوزیہ فاتحانہ انداز میں مسکرائی' اب اپنے قدم مضبوط دیکھ کر وہ رزاق احمد پر زور دینے لگی کہ سلطانہ کو سب بتا دیا جائے۔

"ان کو تو اتنے عالیشان بنگلے میں رکھا ہے' ہمارے لیے یہ ڈربا' ہمیں بھی وہاں لے جا کر رکھیں۔ میں اس آنکھ مچولی سے تھک گئی ہوں۔" فوزیہ نے بڑی محبت سے کہا' مگر رزاق احمد میں اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ سلطانہ کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی کرنے کے بعد فوزیہ کو وہاں لے کر جاتے۔

فوزیہ نے بہت سوچ بچار کر پینترا بدلا اور انوشہ کا ہاتھ تھام کر ایک دن خود ہی رزاق ہاؤس جا پہنچی۔

سلطانہ اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں' بڑے تپاک سے ملیں۔ انوشہ کو گود میں بٹھا کر پیار کیا اور اس کے پاپا کا نام پوچھا تو فوزیہ نے فخر سے "رزاق احمد" کا نام بتایا۔ وہ ایک دم ٹھنڈی پڑ گئیں۔ کافی دیر تک تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ جب فوزیہ سے تصدیق چاہی تو اس نے بے دھڑک رزاق احمد اور اپنی شادی کا اقرار کر لیا۔ جلال کی ایک لہر ان کے من میں ابھری۔

"تم... آستین کا سانپ نکلیں... دوست بن کر' دشمن کا کردار ادا کیا۔" سلطانہ نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فوزیہ کو دیکھا' جوش میں بڑھ کر منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ وہ جو کبھی ان کی آنکھ کا تارا تھی' اب سوکن کے روپ میں خار کی طرح کھٹک رہی تھی۔ فوزیہ گال پر ہاتھ رکھے ہونٹ بھینچے انہیں گھورتی رہی۔

انوشہ ایک دم منہ پھاڑ کر رونے لگی' مگر سلطانہ کو کسی بات کا ہوش نہ تھا' وہ لال سرخ چہرہ لیے' بہت دیر تک چیخ چلا کر دل کی بھڑاس نکالتی رہیں۔

"آپی... شکر کرو کہ میری وجہ سے... تم ابھی تک ان کی بیوی ہو۔ ورنہ انوشہ کی پیدائش پر اگر میں رزاق صاحب سے تمہاری طلاق کا مطالبہ کرتی تو وہ انکار نہ کرتے۔" فوزیہ نے خاموشی سے سب سنا اور اٹھنے سے پہلے انہیں صرف ایک ہی جواب دیا۔ جو ان کے دل میں جا کر کھب گیا۔ فوزیہ کے تیکھے انداز اور شوہر کے ہاتھوں اپنی ناقدری پر سلطانہ کا بی پی ایک دم شوٹ کر گیا' وہ تیورا کر گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔ فوزیہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ چلتی ہوئی باہر نکل گئی' اسے اتنی بے عزتی کی امید نہ تھی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ سیدھی سی سلطانہ کو منا کر یہاں اپنے پنجے مضبوط کر لے گی۔

"یہ... عورت بہت ہی بے وقوف ہے۔ اب... مجھے یہاں آنے کے لیے مزید کچھ سوچنا پڑے گا۔" رزاق ہاؤس کے بڑے سے دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے ایک بار مڑ کر دیکھا اور گاڑی میں بیٹھ کر مسکرا دی۔

فوزیہ نے رزاق احمد کو بھی خود ہی یہ اطلاع دے دی کہ وہ سلطانہ کو اپنی شادی کی خبر دے آئی ہے' وہ باز پرس کرنا چھوڑ کر گھر بھاگے تو تینوں بچوں اور نوکروں کو سلطانہ کے بیڈ کے ارد گرد پریشان کھڑا پایا۔ اتنے سالوں کا ساتھ تھا' انہیں ایک دم پشیمانی نے آ گھیرا۔ سلطانہ کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ چھڑوا لیا۔

"آپ سب باہر چلے جائیں... ہمیں سونا ہے۔" سلطانہ نے نقاہت سے کہا اور صرف ایک بار نگاہ اٹھا کر شوہر کو دیکھا' وہ اندر تک ہل گئے۔ سب کمرے سے باہر نکل گئے۔ دو گھنٹے بعد ہی عرفان کی چیخ و پکار سے پورا گھر ہل گیا۔ وہ ماں کو دیکھنے گیا تو انہیں اوندھا پایا۔ ایمرجنسی میں ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ سب بے کار رہا' ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کی۔

"دماغ کی رگ پھٹ چکی ہے' وہ آدھ گھنٹہ پہلے ہی

ختم ہوچکی ہیں۔" یہ وجہ تو صرف ڈاکٹر نے بتائی۔ حالانکہ وجوہات تو بہت ساری تھیں' ان کے اعتماد کا خون ہوا' دوستی میں دھوکا کھایا' شوہر کے ٹھکرائے جانے کا دکھ تھا جو دل پھٹ کر رہ گیا۔ پھر وہ کیسے جی پاتیں۔

رزاق صاحب کو سلطانہ کے انتقال کے بعد تین بچوں کی دیکھ بھال کا مسئلہ ہونے لگا۔ عرفان تو پھر بھی سمجھ دار تھا' مگر اعیان اور وجدان ماں کو یاد کرکے خوب آنسو بہاتے۔ ان کو بھی ادھر انوشہ کی یاد ستاتی' وہ بچوں کو تنہا چھوڑ کر فوزیہ کے پاس جاکر کیسے رہتے' فوزیہ الگ کان کھاتی۔ انہیں یہ ہی وقت مناسب لگا کہ وہ اپنی اور فوزیہ کی شادی کا باقاعدہ اعلان کردیں۔ رئیسہ جو نواسوں کو سنبھالنے کے لیے یہاں رکی ہوئی تھی تھیں' داماد کی دوسری شادی کا سن کر ہکا بکا رہ گئیں' صدمے پر صدمہ برداشت نہ ہوسکا۔ انہوں نے گاؤں واپسی کا قصد کیا اور بچوں کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضد کرنے لگیں۔

فوزیہ نے رزاق صاحب کا دل جیتنے کی خاطر ان تینوں کو فوراً" ہی اپنی بانہوں میں بھرلیا اور رئیسہ کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا کہ وہ ان بچوں کو سگی ماں سے بڑھ کر پیار دیں گی۔ رزاق احمد نے محبت سے جوان اور حسین بیوی کو دیکھا' رئیسہ ٹھنڈی سانس بھرتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں' بیٹی کی موت کے بعد یہ بڑا سا گھر ان کو کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ سلطانہ کی اچھائی تھی کہ اس نے کبھی بیٹوں سے اپنی ازدواجی زندگی کے مسئلے شیئر نہیں کیے' وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بچوں کا ذہن خراب ہو' اسی لیے انہیں سوتیلی ماں کے ساتھ ایڈجسٹمنٹ میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

☼ ☼ ☼
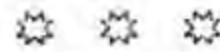
فوزیہ چھوٹے سے گھر سے ایک دم اتنے بڑے گھر میں کیا آئیں۔ ان کے دماغ آسمانوں تک جاپہنچا' مگر خدشے بھی دل میں جاگ اٹھے۔ ان کی ایک ہی اولاد وہ بھی بیٹی تھی اور رزاق صاحب کے تین بیٹے' جانتی تھیں کہ رزاق احمد کی زندگی تک تو کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بیٹے جوان ہونے کے بعد ماں بیٹی کو ہاتھ پکڑ کر باہر کھڑا کردیں۔

ماں کی موت کے بعد بڑے ہونے کی وجہ سے عرفان باپ کے قریب ہوگیا' رزاق کے دل میں بھی بیٹوں کی محبت جاگ اٹھی۔ عرفان کا باپ کے ساتھ اتنا اٹیچ ہونا بھی فوزیہ کے کان میں خطرے کی گھنٹیاں بجاتا' پر عقل مند تھیں۔ پہلے خاموشی سے جائزہ لیا پھر لائحہ عمل تیار کیا۔ انہوں نے کچھ سوچ کر بیٹوں پر اپنی جھوٹی محبت کا جال پھینکا' تینوں لڑکوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھتیں۔ ان کا خیال رکھتیں۔ محبت جتلاتیں' مگر باپ کے گھر لوٹتے ہی انوشہ کو ان کے آگے پیچھے پھرنے کے لیے دھکیلتیں۔ وہ جو پہلے ہی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے' اب اس کی چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے خوش ہوتے۔ رفتہ رفتہ بیٹی رزاق احمد کی کمزوری بن گئی۔

فوزیہ نے ایسا دکھاوا کیا کہ شوہر کو مٹھی میں لے کر دم لیا۔ جوانی اپنی مرضی سے گزاری' پیسا دونوں ہاتھوں سے لٹایا۔ عرفان اور باپ کے بیچ میں ایسی دراڑ ڈالی کہ وہ کمپل گریجویشن کرنے کے بعد سلمیٰ کے پیار میں پاگل ہوا تھا' جس کا گھران کے کالج کے راستے میں پڑتا تھا۔ سوتیلی ماں کی سپورٹ سے نچلے خاندان کی اس بے شعور لڑکی سے شادی نے اس کی زندگی کا دیوالیہ نکال دیا۔ رزاق نے بیٹے سے بات چیت بند کردی۔

وہ بھی روٹھ گیا' ان کے کاروبار میں شریک ہونے کے بجائے ہر روز کوئی نیا کام کرنے کے منصوبے بنا کر پیسوں کا ضیاع کرتا۔ رزاق احمد اس کی کلاس لگاتے تو فوزیہ فوراً" حمایت کرتیں' اس طرح عرفان کے دل میں سگے رشتوں کی جگہ سوتیلی ماں نے گھر کرلیا۔ سلمیٰ کی البتہ ساس سے بالکل نہیں بنتی۔ کاروبار کے حالات مخدوش ہوگئے' مگر فوزیہ کا بینک بیلنس بڑھتا چلا گیا۔ انہیں رزاق احمد کی حالت ٹھیک دکھائی نہیں دے رہی تھیں' بڑھاپا اپنے ساتھ سو بیماریاں لے کر آیا۔ اس پر سلطانہ کے ساتھ کی گئی زیادتیوں پر ان کا ضمیر انہیں کچوکے

ماہنامہ داستانِ دل ساہیوال

ادب کی دنیا میں ایک نیا نام

نئے لکھنے والوں کے لئے ایک بہترین پلیٹ فارم

اگر آپ لکھاری ہیں اور تحریر کسی مستند ادارے میں بھیجنا چاہتے ہیں تو ابھی داستانِ دل کو بھیجیں۔ آپ کی تحریر قریب کے شمارے میں پبلش کی جائے گی۔ آپ اپنے افسانے، ناولٹ، ناولز، کہانیاں، جگ بیتیاں، آپ بیتیاں، غزلیں یا پھر نظمیں ہمیں ای میل کے ذریعے، ڈاک کے ذریعے یہاں تک کہ وٹس ایپ کے ذریعے بھی بھیج سکتے ہیں۔ بس آپ کی تحریر اردو میں لکھی ہونی چاہیئے۔ اگر آپ نئے لکھاری ہیں تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنی تحریر ہمیں بھیجیں ہم اس کو صحیح کر کے اپنے شمارے کا حصہ بنائیں گے۔ اگر آپ لکھنا نہیں جانتے تب بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ ہمیں کوئی بھی اچھی سی غزل یا اقوال زریں انتخاب کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ وہ بھی داستانِ دل کا حصہ بنے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنی تحریر موبائل پر بھی میسج کر سکتے ہیں بس اردو میں تحریر ہو۔

ہمارے داستانِ دل کے سلسلے کچھ اس طرح سے ہیں

محبت نامے، ملک کی ممتاز شخصیات کا انٹرویو، افسانے ناولز، ناولٹ، غزلیں، نظمیں، حمد، نعت اور انتخاب

اس کے علاوہ آپ کی ہر تحریر کو ہمارے شمارے میں خاص جگہ دی جائے گی۔ آپ ہمارے سارے شمارے پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر پڑھ سکتے ہیں اور پڑھ کر اپنی رائے دے سکتے ہیں

ہمارا ایڈریس ہے۔

ندیم عباس ڈھکو چک نمبر L-5/79 ڈاکخانہ L.5/78 تحصیل و ضلع ساہیوال

وٹس ایپ نمبر:03225494228

ای میل ایڈریس ہے abbasnadeem283@gmail.com

کے لگاتا۔ آخر ایک دن سانس کی ڈوری ٹوٹ گئی' فوزیہ جو ان کی تیمارداری کرتے کرتے تھک چکی تھیں' بیوہ ہونے کے بعد انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

عرفان باپ کے انتقال کے بعد سلمیٰ کے اکسانے پر اپنا حصہ لے کر الگ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ان کے کاروبار کو ایک دھچکا پہنچا۔ فوزیہ کو سلمیٰ کی موجودگی میں اپنی دال گلتی نظر نہیں آرہی تھی' اگر وہ سیر تھی تو یہ سوا سیر' اسی لیے انہوں نے ایک دفعہ کا نقصان اٹھا کر ہمیشہ کی پنچایت سے جان چھڑالی اور اعیان کو کہا کہ وہ عرفان کو اس کے حصے کی رقم ادا کردے۔ اب ان کی ساری امیدیں اعیان سے وابستہ تھیں۔ اسے خوب پڑھایا لکھایا تھا اس نے ایم بی اے مکمل کرتے ہی دوبارہ رزاق شپنگ کے معاملات ٹھیک کرنا شروع کردیے' ویسے بھی عرفان کے جانے کے بعد وہ گھر کا بڑا بیٹا بن گیا' ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبنے کے بعد اس کا مزاج سنجیدہ ہوتا چلا گیا' اس نے باپ کے گرتے ہوئے کاروبار کو کافی سہارا دیا' پورے شہر میں رفتہ رفتہ "رزاق شپنگ" کی ساکھ بحال ہونے لگی۔ اعیان کیوں کہ شروع سے فوزیہ کے زیر سایہ رہا اسی لیے وہ ماں کی صحیح وغلط ہر بات پر آنکھ بند کرکے یقین کرلیتا۔

سب سے چھوٹا وجدان کافی حقیقت پسند تھا' پھر وہ باپ سے ضد کرکے ساری چھٹیاں اپنی مرحومہ نانی کے گاؤں میں جاکر گزارتا آیا تھا' نانی اس کی ماں سلطانہ کی باتیں بتاتیں تو وہ بہت خوش ہوتا' انہیں کے توسط سے اسے سوتیلی ماں کی حقیقت کا پتا چل سکا' مگر چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کے دونوں بھائی اسے سوتیلی ماں کے خلاف کچھ کہنے پر ڈانٹ پلا دیتے۔ انوشہ نے بمشکل انٹر کیا۔ وہ باپ کے لاڈ پیار میں بہت ہی کام چور اور بگڑ گئی۔ فوزیہ بیٹی کی سستی اور کاہلی پر سرپیٹ لیتیں' مگر رزاق احمد بیٹی کو ایک لفظ کہنے نہیں دیتے۔ بھائیوں سے بھی اوچھے لہجے میں بات کرتی۔ اعیان تو چھوٹی سمجھ کر درگزر کردیتا' مگر وجدان انوشہ کی غلط حرکتوں پر بڑا بھائی بن کر خوب ڈانٹ پلاتا جس کے بعد وہ روتے ہوئے ماں کے پاس پہنچ جاتی۔ دونوں کا منہ بن جاتا۔

اب فوزیہ انوشہ کو اپنی زندگی میں ہی رخصت کرنا چاہتی تھیں' بیٹی کی عادات پر پریشان ہوکر انہوں نے اس کے لیے اپنے بھانجے عرفات کا انتخاب کیا' ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ لوگ ان سے دب کر رہیں گے اور بیٹی کو سسرال میں مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا' مگر شادی کے بعد انوشہ کی خالہ' راحمہ نے ماتھے پر آنکھیں رکھ لیں' بہن کے احسانات کو بھول بھال روایتی ساس کا روپ دھار لیا۔ عرفات کو بھی ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ ماں کے کہنے پر چلنے لگا۔ سسرال والے انوشہ کی بدزبانی اور پھوہڑپن کو پسند نہیں کرتے' اس کی ہروقت کی فرمائشیں' روز کے جھگڑے جب بات زیادہ بگڑنے لگتی تو عرفات اسے میکے جانے کا مشورہ دے کر اپنی جان چھڑاتا' وہ ماں کو فون کرکے اپنے اور بچوں کے جہاز کے ٹکٹ بک کرواتی اور اڑ کر میکے جا پہنچتی۔ یوں دوسرے شہر میں ہونے کے باوجود اس کا زیادہ وقت میکے میں گزرتا۔ انوشہ نے اپنی شادی سے پہلے سلمیٰ کی ناک میں دم کیا ہوا' اب وہ انعم کا جینا حرام کرکے رکھتی۔

☼ ☼ ☼

"انعم۔ یہ لو پیسے۔ کل آفس میں انوشہ کا فون آیا تھا' وہ اگلے ہفتے یہاں آرہی ہے' تم وجدان کے ساتھ جاکر اس کے بچوں کے لیے شاپنگ کرلینا۔" انعم کے ٹائی باندھتے ہوئے ہاتھ لمحے بھر کو تھمے' دوبارہ مصروف ہوگئے' اس کو برا تو بہت لگا' مگر چہرہ سپاٹ کرلیا۔

"سنو۔ اپنے لیے بھی اچھی سی شاپنگ کرنا۔"

اعیان نے اس کی اتری شکل دیکھی تو نرمی سے بالوں کو چھوتے ہوئے دل رکھنا چاہا۔ وہ اس کے دکھی ہونے کی وجہ جانتا تھا۔ کتنے دنوں بعد اس نے اپنی فیملی کے ساتھ شہر سے باہر جاکر گھومنے کا پروگرام بنایا' مگر اب اچانک انوشہ نے میکے آنے کا پروگرام بنالیا۔ اب تو جانا ناممکن تھا۔

"اچھا۔ شام کو تم اور بچے تیار رہنا۔ آج ہم لوگ

باہر ڈنر کریں گے۔" لیپ ٹاپ کا بیگ اٹھا کر وہ باہر نکلنے لگا' ایک دم پلٹ کر بولا' انعم نے زبردستی کی مسکراہٹ سجائی' اعیان ہاتھ لہراتا باہر نکل گیا۔

"یا اللہ۔۔۔ یہ انوشہ پھر دوبارہ رہنے آرہی ہے۔ ابھی ایک مہینے پہلے تو پندرہ دن رہ کر گئی ہے۔ اسے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے کچھ خاص دلچسپی نہیں' مگر یہاں جب سب جمع ہو جاتے ہیں تو میرے بچوں کی پڑھائی کا کتنا حرج ہوتا ہے۔" انعم نے سستی سے ڈھیر سارے دودھ کو ساس پین میں ڈالا اور بے خیالی میں تیز آنچ کر دی۔

"ہمارے پروگرام کا تو ستیاناس ہو گیا۔ ممی نے فون کر کے بلایا ہو گا۔ ان کا منہ بن گیا تھا جب اعیان نے سب کو جانے کا بتایا۔" انعم جھنجلا اٹھی۔ "یہ بڑی مصیبت ہے۔ کہ اعیان ممی۔۔۔ سے کوئی بات نہیں چھپاتے۔۔۔ میں نے دبے لفظوں میں سمجھایا بھی تھا کہ جانے سے ایک دن قبل بتادیں گے مگر انہیں تو سب کے برا ماننے کی فکر رہتی ہے۔۔۔ یہ دیکھ لیا بتانے کا نتیجہ۔۔۔ سارا پروگرام خراب۔ ہو کر رہ گیا۔۔۔ نہیں تو آج ہماری فلائٹ ہوتی۔" چھن چھن کی آواز پر وہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آئی۔ دیکھا تو چولہے پر رکھا دودھ ابل ابل کر گر رہا تھا۔ سستی ایک دم رفوچکر ہو گئی۔ جلدی سے اوون کا ناب گھما کر بند کرنے کی کوشش کی۔

"اب تو خیر نہیں۔۔۔ بیٹی کی آمد پر ایسی کوتاہی۔ ممی تو جان نکال کر رکھ دیں گی۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے جلدی سے کوکنگ رینج سے دودھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ گھبراہٹ میں ہاتھ گرم پتیلی سے جا ٹکرایا' تھوڑا سا کھولتا ہوا دودھ ہاتھ کی پشت پر ایسا گرا کے جان ہی نکل گئی۔ وہ ہی پرانی بات یعنی "جلدی کا کام شیطان کا کام" اپنا ہی برا کر بیٹھی۔

"دلہن۔۔۔ اے بہو۔۔۔ کھیر میں کاجو ضرور ڈالنا۔۔۔ انو کے بڑے والے کو پسند ہے۔" فوزیہ بیگم با آواز بلند ہدایت دیتیں کچن میں داخل ہوئیں' بیٹی کے آنے پر ان میں وافر مقدار میں جوش بھر جاتا۔

"اف۔۔۔ اللہ جی۔ ہاتھ میں کتنی۔۔۔ جلن ہو رہی ہے۔۔۔ انہیں کاجو کی پڑی ہے۔" وہ پھونکیں مارتے ہوئے بڑبڑائی۔ ورنہ ناقابل برداشت ہوا تو کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہاتھ پر سرخ چھالے پڑ گئے۔

"ہائے۔۔۔ دلہن۔۔۔ یہ کیا کر دیا۔؟ اتنے سارے دودھ کا ناس مار دیا۔ میری بیٹی نے میکے آنے کا کیا کہہ دیا۔۔۔ تم چیزوں پر غصہ اتارنے لگی۔" فوزیہ بیگم نے کمر پر ہاتھ رکھ کر پہلے اچھی طرح سے معائنہ کیا' اس کے بعد اپنی تقریر شروع کر دی۔

"نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔" انعم تکلیف بھول بھال ایک دم ہکلائی۔ انہوں نے دو قدم بڑھ کر پہلے پین میں جھانکا' نقصان کا اندازہ لگایا۔۔۔ خاصا دودھ بہہ چکا تھا۔ دکھ سے سہلایا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر انعم کو گھورنے لگیں۔

"ہم نے تو اعیان کو کہا تھا گھومنے چلے جاؤ۔ ہماری فکر نہ کرو۔ پر وہ خود ہی نہیں مانا۔ اب تم ایسے بدلہ نکالو گی۔" وہ ایک دم شیرنی بن گئیں۔

"ممی۔۔۔ وہ۔۔۔ غلطی۔۔۔ سے گر گیا۔۔۔" انعم نے صفائی دینی چاہی۔

"دلہن۔۔۔ اگر نہیں پکانا تھا' منع کر دیتیں۔۔۔ بلاوجہ یہ ڈھونگ رچا کر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ نہیں پکانا۔ ہم سب بازار سے منگوا لیتے ہیں۔" انہوں نے اس کے جلے ہاتھ کو نظرانداز کیا اور چبا چبا کر لفظ ادا کیے۔ اور ٹھک ٹھک کر کے باہر چل دیں۔ انعم جانتی تھی کہ انوشے کی آمد پر ایسی کوتاہی کی گنجائش نہیں' غصہ تو آنا تھا۔

انعم نے مجبوراً" ایک ہاتھ سے کام شروع کیا' چاول کا ڈبا کھولا۔۔۔ تکلیف بڑھنے لگی۔

"بھابھی۔ او۔ بھابھی۔۔۔ ایک کپ چائے کا سوال ہے۔ بابا۔" وجدان نے مسکہ لگاتے ہوئے چائے کی فرمائش کی۔ انعم دیور کو نظرانداز کیے خاموشی سے پیٹھ موڑے کام میں لگی رہی۔

"بڑی خاموشی ہے بھائی۔۔۔ کیا ہو گیا ہے؟" وجدان شرارتی ہوا اچانک تکلیف کی شدت اور ساس

کی تلخ باتوں پر انعم کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بھابھی کی حالت پر وجدان چونکا۔

"کیا ہو گیا؟۔ سب خیر ہے نا..." اس نے پریشان ہو کر کہا۔ انعم نے بغیر کچھ کہے اپنا سرخ ہاتھ اس کے آگے کر دیا۔ وہ چونک اٹھا۔ گلابی ہاتھوں کی پشت پر پانی بھرے چھالے دکھائی دیے۔

"او مائی گاڈ... بھابھی۔ جی... یہ کیسے ہوا؟" اس نے جلدی سے انعم کو چیئر پر بٹھایا اور فریج سے پانی نکال کر پلایا۔ ٹھنڈا پانی پیتے ہی اسے قرار ملا۔

"گرم... دودھ گر گیا ہے۔" انعم روتے ہوئے بے بسی سے گلابی ہونٹ کاٹے۔

"اچھا... جب ہی کچھ دیر قبل... ممی۔ امریکا بنی ڈرون حملوں میں مصروف تھیں" وجدان کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ پھیلی۔

یہ تو روز کا معمول ہے بھائی... اچھا اب تم جاؤ... مجھے رات کی دعوت کا انتظام کرنا ہے۔" انعم کی آنکھیں بے بسی پھر بھر آئیں۔

"آپ۔ کچھ بولتی کیوں نہیں ہیں؟... اس گھر کی بڑی بہو ہیں... کبھی کبھی اپنی مرضی چلانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی ممی کو بگاڑنے میں اعیان بھائی کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے۔ ہر غلط صحیح بات سر جھکا کر سن لیتے ہیں۔" وجدان نے اپنے ہاتھ پر غصے سے مکا مارا۔

"بھیا۔ اس گھر کی بڑی بہو میں نہیں سلمیٰ بھابھی ہیں۔ مجھے یہ عہدہ نہیں لینا' جس میں کوئی حق نہ ہو صرف فرائض ہی فرائض ہوں... ویسے بھی کسی دوسرے کو کیا کہوں؟ جب اپنا ہی کھونٹا مضبوط نہیں ہے؟" انعم نے کھیر کے لیے ایک کپ چاول نکال کر تھال میں چنتے ہوئے دکھ سے کہا۔

"یہ لو دلہن... ہو گیا سارا بازار کا کام... بڑی بیگم نے رات کے کھانے کے لیے جو سامان منگوایا... میں وہ سب لے آیا ہوں۔" اشرفی بابا جو اس گھر کے پرانے خانساماں ہونے کے علاوہ فوزیہ بیگم کے جاسوس بھی سمجھے جاتے تھے۔ ڈھیر سارے تھیلے لادے کچن میں داخل ہوئے۔ وجدان نے بڑھ کر ان کی مدد کی اور سامان تھام کر ٹیبل پر رکھا۔ وہ ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے ان دونوں کو گھورنے لگے۔

"بابا... ایک منٹ بات سنیں۔" اشرفی رفوچکر ہونا چاہ رہے تھے کہ وجدان نے انہیں روکا' وہ برے برے منہ بناتے ہوئے' پلٹے بیڑی کی شدید طلب سے حال کر رہی تھی۔

"جی... چھوٹے میاں؟" وہ بدمزا ہو کر رکے۔

"میں بھابھی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں۔ آپ ذرا کھیر تو چڑھا دیں۔" وجدان نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"آج ڈنر میں چکن قورمہ... اور۔ فش بریانی بھی پکے گی۔" انعم کو لگ رہا تھا کہ ہاتھ کی تکلیف کی وجہ سے کام نہیں کر پائے گی اسی لیے دبی زبان میں کہا۔ اشرفی بابا ہراساں دکھائی دیے' ویسے بھی فوزیہ بیگم کے راج میں وہ نام کے خانساماں رہ گئے تھے' سارا بوجھ تو انعم نے اٹھایا ہوا تھا... اسی لیے کام کی عادت نہیں رہی...

"ہائے... ہائے... میاں جی کچھ تو خیال کریں۔ اتنے کھانے مجھ بوڑھے سے کہاں پکیں گے۔" وہ بھی بے مروتی سے ہاتھ اٹھا کر بولنے لگے۔

"میرے پیارے بابا... آپ کے ہاتھ کے کھانوں کی کیا بات ہے... کتنے سالوں تک ہم نے برداشت کیے ایک دن اور صحیح... ایسا کریں آپ سالن پکا لیں... میں ریڈی میڈ بریانی' واپسی میں لیتا آؤں گا۔" وجدان نے انہیں مسکہ لگایا اور حل پیش کیا۔ ساتھ ہی انعم کو اندر سے چادر لانے کا کہا۔ اشرفی بابا نے صدمے میں گم ہو کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا۔

"اچھا... بیٹا... قورمہ تو ایسا پکاؤں گا... بس کھاتے ہی رہ جاؤ گے۔" بابا نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اوون کی طرف بڑھ گئے... کھیر کا آدھا کام ہو چکا تھا۔ انہیں اس کے لیے زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔ برے برے منہ بنا کر پیاز کترنے لگے۔

✡ ✡ ✡

"ہیلو۔۔۔ مسٹر۔۔۔ منہ اٹھا کر۔ کہاں جارہے ہیں۔ اتنی لمبی لائن دکھائی نہیں دے رہی؟" وجدان انعم کے ساتھ اپنے دوست ڈاکٹر ارحم کے روم میں داخل ہو رہا تھا کہ اچانک سریلی آواز کانوں میں پڑی۔

وجدان نے نگاہ اٹھائی اور پھر دواؤں کی ناگوار بو' فینائل کی مہک۔ کلینک کا ویٹنگ روم رنگوں میں ڈھل گیا۔ قدرت کی ایک مکمل تخلیق مجسم کھڑی نظر آئی۔ دل آویز سراپا۔ گلابی بے داغ بچوں سے نرم چمکیلی جلد' خمار آلود کالی آنکھیں' سرخ کٹاؤ دار ہونٹ چمکدار سیدھے' ریشم سے بال' جن کو چھونے کی خواہش اس کے من میں جاگ اٹھی۔

"ہیلو۔" حسینہ نے اس کے سامنے آکر چٹکی بجائی' وہ اپنی محویت پر شرمندہ ہونے لگا۔

"جی۔۔۔" انعم کے ٹھوکا دینے پر اس کے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

"میں کہہ رہی ہوں۔ جائیے پہلے۔ وہاں سے۔ پرچی بنوائیں۔" اس نے اپنی مخروطی انگلی سے ریسپشن کی طرف اشارہ کیا۔ خوب صورت لڑکی کی جرات پر' وہاں موجود دوسرے مریض بھی ان کی بحث کے بیچ میں کود پڑے۔

"بات تو ٹھیک ہے۔۔۔ ہم پاگل ہیں جو اتنی دیر سے باری کا انتظار کر رہے ہیں۔" ایک ہیرو نے اسٹائل میں اپنی انٹری دی۔۔۔ انعم نے گھبرا کر وجدان کو دیکھا۔

"پلیز ارحم میرا دوست ہے' ہم نے کبھی یہاں لائن نہیں لگائی۔" وجدان نے گھورا اور تیز لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔ اسے حسینہ سے زیادہ ہیرو بننے والے پر غصہ آرہا تھا۔

"سو۔۔۔ واٹ' اگر ڈاکٹر صاحب آپ کے دوست ہیں تو یہ ان مریضوں کا تو کوئی قصور نہیں۔ ابھی ان آنٹی کی باری ہے۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے تو' آپ اپنی باری پر ہی اندر جاسکتے ہیں۔" حسینہ نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھا کر وارننگ دی۔

"ہم بھی یہ ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔" ہیرو نے کالر کھڑا کیا۔۔۔ انعم اس جھگڑے سے پریشان اپنا درد بھول بھال۔ وجدان کو پرچی بنانے کا کہنے لگی۔ اگر بات آرام سے ہوتی تو وہ جاکر پرچی بنوالیتا' مگر اب انا آڑے آگئی۔ فوراً" پاکٹ سے سیل نکالا اور۔۔۔ ارحم کا نمبر ملایا۔ ڈاکٹر کا روم ایک دم کھلا۔ ارحم گھبرایا ہوا باہر آیا۔ انعم کو سلام کر کے باقاعدہ معذرت کی۔ وجدان سے ہاتھ ملایا اور پھر۔ ان دونوں کو اپنے روم میں جانے کا اشارہ کیا۔ انعم۔ مریضوں سے نگاہیں چرائے روم کی جانب بڑھی۔ ارحم غصے سے اس لڑکی کی جانب بڑھا۔

"اب۔ مزا آئے گا۔۔۔ محترمہ کو' کانٹا بنی۔۔۔ الجھے جارہی ہیں۔" وجدان کی ساری توجہ اس پر ہی مرکوز ہوگئی۔

"ماہو۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔ بھائی۔۔۔ یہ کیا کر رہا ہے؟" وجدان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ارحم نے اس لڑکی کا ہاتھ کس کر تھاما اور اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹا۔ وہ شور مچانے لگی۔

"چھن۔۔۔ چھن۔۔۔" اسے دل ٹوٹنے کی آواز باقاعدہ سنائی دی۔ زندگی میں پہلی بار تو کوئی لڑکی ایسی ملی' جس نے دل کے تاروں کو شرارتی انداز میں چھیڑا۔

"اوہ۔ گاڈ۔۔۔ میری لو اسٹوری کا تو اسٹارٹ ہونے سے قبل ہی اینڈ ہوگیا۔" وجدان نے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔ وہ اور انعم' ارحم کے پیچھے روم میں داخل ہوئے۔

"مانو۔ تم نے آج پھر' کالج کی چھٹی کی نا؟" ارحم نے اس کے کان پکڑ کر جھاڑنا شروع کیا۔

"بھیا۔۔۔ آج کوئی اہم کلاس نہیں تھی۔۔۔ اس لیے چھٹی کی۔۔۔ پلیز کان تو چھوڑیں۔۔۔ بہت درد ہو رہا ہے۔" چھوٹا سا کان تکلیف سے سرخ ہوگیا۔ اس نے زبردستی چھڑوایا۔

"مانو۔ امی نے تمہیں یہاں میری ہیلپ کرنے کے لیے بھیجا ہے یا میرے پیشنٹ کو تنگ کرنے کے لیے؟" ارحم دانت کچکچا کر بولا۔

"سوری۔۔۔ بھیا۔" وہ ہونٹ لٹکا کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"بھیا"۔۔۔ اوہ۔ یہ ارحم کی مانو ہے، جس کی شرارتوں کا وہ اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔" وجدان یوں ہو گیا جیسے ارحم نے اسے طاقت کا انجکشن لگا دیا ہو۔ ایسا چاق و چوبند ہو کر بیٹھا۔۔۔ جیسے ایک ساتھ بہت ساری ملٹی وٹامن کی گولیاں کھالی ہوں۔

"سوری۔۔۔ انعم بھابھی یہ میری مانو ہے ایشال عارف۔ میری سب سے چھوٹی اور لاڈلی بہن۔ کچھ بگڑ گئی ہے میں اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ آپ کو اتنی دیر باہر کھڑا رہنا پڑا۔" ارحم نے شرمندگی سے کہا تو وجدان نے اسے دیکھا۔۔۔ وہ اب اپنے ہاتھوں سے بال سمیٹ کر بینڈ لگاتے ہوئے اپنے تعارف پر کھلکھلا اٹھی، وجدان کی تشنگی ایک دم ختم ہو گئی، ایشال کے گال پر پڑنے والا ڈمپل۔۔۔ اس کے حسن کو مکمل کر رہا تھا۔

"حسن میں "چار چاند لگانا" شاید اسی کو کہتے ہیں۔" وجدان کے دل کے کلفت۔۔۔ لمحوں میں الفت میں ڈھلنے لگی۔

"بھیا۔۔۔ اٹس ناٹ فیئر۔۔۔ انعم بھابھی کی بات اور ہے۔۔۔ تاہم۔۔۔ آپ نے کوئی بھی رولز بنائے ہیں۔ انہیں خود بھی فالو کیا کریں۔" ایشال ابھی بھی اپنے موقف پر قائم تھی۔

"اچھا۔۔۔ میری ماں۔ ان آنٹی کو لاؤ جن کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔۔۔ میں جب تک انعم بھابھی۔ کا معائنہ کرلوں۔" ارحم نے تھک ہار کر اس کا موقف تسلیم کیا۔ وجدان دلچسپی سے ایشال کو دیکھنے لگا، جو فخر سے گردن اکڑائے۔ وجدان کو منہ چڑا کر باہر نکل گئی۔ وہ کیا گئی۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔۔۔ پھر ہوتا ہی چلا گیا۔۔۔ پہلی نظر کی محبت کا مذاق اڑانے والا شاید آج اسی تیر سے گھائل ہوا۔

☼ ☼ ☼

"دلہن۔۔۔ دعوت کا انتظام نہیں کرنا تھا۔۔۔ تو صاف منع کر دیتیں، ابھی میری ہڈیوں میں اتنا دم خم ہے کہ میں اپنی بیٹی اور نواسوں کے لیے خود انتظام کر لیتی۔" ماں کے درد بھرے انداز پر ڈائننگ ہال میں قدم رکھتا اعیان الرٹ ہوا۔ انعم کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"انوشہ کے آتے ہی کہ ڈرامے کا پہلا ایکٹ شروع ہو گیا۔" وہ گھبرا کر شوہر کا منہ تکنے لگی۔

"چھوڑیں نا ممی۔۔۔ یہ تو ہمیشہ کا معاملہ ہے۔۔۔ میں یہاں آتی نہیں ہوں کہ سب کے منہ بن جاتے ہیں۔" انوشہ نے منہ بسورا۔۔۔ اعیان کے چہرے کے نرم تاثرات ایک دم سختی میں ڈھل گئے، کھلی نگاہوں سے بیوی کو گھورا۔۔۔ انعم کا دل تھر تھرایا، ہاتھ کی تکلیف کم ہوئی تو دل کی بڑھنے لگی۔

"بابا نے پتلا مریضوں جیسا سالن پکا کر رکھ دیا، نہ شکل اچھی نہ ہی ذائقہ۔ نمک بھی تیز۔ اس پر یہ بازار کی بریانی تو کھانے کے قابل ہی نہیں۔۔۔ مرچوں کی بھرمار۔۔۔ انسان کھائے تو کیا کھائے۔۔۔ اتنے دنوں بعد میکے آنے پر ایسا روکھا استقبال۔۔۔ بچوں کے حلق سے تو کھانا ہی نہیں اتر رہا۔" انوشہ نے بظاہر آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ اعیان نے بہن کی فریاد پر ڈش کا ڈھکن کھولا، واقعی پتلے شوربہ میں بوٹیاں پیاز ٹماٹر الگ الگ تیرتے دکھائی دیے۔ چہرے پر غصے کی لالی چھا گئی۔

"بس۔۔۔ بیٹا چپ کر جاؤ۔۔۔ تمہارے بابا زندہ ہوتے تو۔ کوئی تمہاری ایسی ناقدری کرتا۔" فوزیہ بیگم کا چہرہ بھی دکھوں کی تصویر نظر آنے لگا۔۔۔ انہوں نے اعیان کی دکھتی رگ کو مسلا۔ انعم نے نگاہ اٹھا کر اشرفی بابا کو دیکھا جو سعادت مندی سے گرم گرم روٹیاں لا کر پاٹ میں رکھ رہے تھے۔

"ہا۔ ہا۔ انسان۔ کس۔۔۔ کس کو روئے۔" انعم نے آہ بھری۔ اسے پتا تھا کہ ایسا جان بوجھ کر کیا گیا ہے۔۔۔ ورنہ اب ایسا بھی نہیں کہ بابا ساری عمر کھانے پکانے کے بعد ایک ڈھنگ کا سالن بھی نہ پکا سکیں۔

"بابا۔۔۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔" وجدان نے دھیرے سے ملامت کی۔۔۔ وہ نگاہیں چرا کر باہر نکل گئے۔

"انعم یہ سب کیا ہے؟" اعیان نے بیوی کو دیکھا جو اس کے برابر والی کرسی پر براجمان تھی۔ کمرے کا ماحول

کافی سنجیدہ ہو چلا تھا۔ سب کے اترے چہرے دیکھ کر اشرفی بابا کو افسوس ہونے لگا۔۔۔ مگر جیب میں پڑا کڑکتا پانچ سو کا نوٹ۔ ہر احساس پر حاوی ہوا۔ جو کچھ دیر قبل فوزیہ نے دیا تھا۔

"بس کردیں بھائی۔۔۔ ورنہ یہ الزام بھی میرے سر پر آجائے گا۔۔۔ میں نے آتے ہی گھر کا ماحول خراب کردیا۔" انوشہ بھائی کو منع کرنے لگی۔۔۔ ابھی اسے یہاں کافی دن قیام جو کرنا تھا۔

"کاش۔۔۔ پاپا۔۔۔ زندہ ہوتے۔۔۔ میں ان کی کتنی لاڈلی تھی۔۔۔ اور۔۔۔ اب۔۔۔" اس کی آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو دیکھ کر فوزیہ نے رونے والی صورت بنائی۔

"نہیں۔۔۔ بہن۔۔۔ میرے ہوتے ہوئے کس کی ہمت جو تمہیں کچھ کہہ سکے۔" اعیان نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ انعم آپ کو انوشہ سے کوئی پرابلم ہے؟" اس نے بیوی سے پوچھا وہ گھبرا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"بھائی۔۔۔ کا کیا کروں۔۔۔ بھابھی سے اس قدر تکلف سے بات کرتے ہیں، جیسے بیوی نہیں کوئی پڑوس کی عورت گھی مانگنے آئی ہو۔" وجدان اتنے گھمبیر ماحول میں بھی اعیان کے انداز تخاطب پر سوچ کر مسکرا دیا۔

"ہا۔۔۔ہا۔۔۔ بہن کی جھوٹی باتوں پر یقین۔۔۔ بیوی کی سچائیوں پر بھی جھوٹ کا گماں۔" انعم کی نگاہوں میں شکوے ہی شکوے تھے۔۔۔ اعیان نے سر جھٹکا۔۔۔ فوزیہ بیگم ہمیشہ ان دونوں کی راہ میں ایسی ان دیکھی رکاوٹیں کھڑی کردیتیں، ایک دوسرے تک پہنچنا مشکل ہوجاتا۔

"وجد۔۔۔ بچوں کو لے جاؤ اور ان کی پسند کا ڈنر کروادو۔" اعیان کا لہجہ ہی نہیں تیور بھی کڑے ہوگئے۔۔۔ اس نے اپنے لمبے چوڑے شاندار بھائی کا سرخ پڑتا چہرہ دیکھا، دل کو افسوس ہوا۔ بندہ۔ صبح کا تھکا ہارا کاروباری مشکلات سے لڑتا ہوا گھر پہنچا، چین سے منہ میں رزق کا ایک دانہ بھی نہ پڑسکا۔

"کیا۔۔۔ ہم انوشے کی طرح آپ کی سگی اولاد ہوتے تو آپ ایسا کرتیں؟" وجدان نے فوزیہ بیگم کی کٹھور آنکھوں میں جھانکا، ان کے پتھر سے دل کو کچھ ہوا، سر جھٹکا۔۔۔ ضمیر کبھی کبھی ان پر حاوی ہونے لگتا۔

"یا اللہ یا تو ممی کا دل نرم کردے۔۔۔ یا پھر بھائی کو عقل دے دے۔" وجدان نے سر اٹھا کر ایک سرد آہ بھری، فوزیہ نے بغور چھوٹے بیٹے کو دیکھا، انہیں ہمیشہ اس کے بگڑے تیور عدم تحفظ کے احساس سے دوچار کردیتے، وجدان کے پاس کہنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ "پاپا" کا نام ہی اعیان کا سب سے ویک پوائنٹ ہے۔۔۔ وہ اب کچھ نہیں سنے گا۔ بحث کو طول دینا گویا ماحول کو مزید خراب کرنے کے مترادف ہوگا۔۔۔ شکست خوردہ سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"یاہو۔۔۔ بڑے ماما زندہ آباد"۔ انوشہ کے دونوں بچوں نے خوشی میں نعرہ مارا۔ نانی نواسوں کو خوش دیکھ کر مسرور ہوئیں۔ یہ کیسی نہ ماننے والی حقیقتیں ہیں؟ کہ دنیا میں شر پھیلانے والے۔۔۔ دوسرے پر زمین تنگ کرنے والے انسانوں کے بھی کچھ ایسے ناطے ہوتے ہیں جن سے وہ دل سے محبت کرتے ہیں گویا ان کے پاس بھی دل ہوتا ہے۔

✡ ✡ ✡

"آپ۔۔۔ آخر چاہتی کیا ہیں؟۔۔۔ کہیں سے بھی اتنی ویل ایجوکیٹڈ نہیں لگتیں۔۔۔ وہی جاہلانہ ساس، بہو اور نند کی چپقلش۔ میں نے اسی لیے شادی سے قبل آپ کو سب کچھ بتادیا تھا کہ میرے گھر کے مسائل عام لوگوں جیسے نہیں۔۔۔ اس وقت تو خوش تھیں۔۔۔ اب کیا ہوگیا ہے؟" اعیان کا طیش کے مارے برا حال ہورہا تھا۔

"وہ۔۔۔ تو۔۔۔ تھری۔۔۔ فور۔۔۔" وہ سر جھکائے نرم ہاتھوں کو مسلتے ہوئے گنتی گننے لگی۔ اپنے اندر اٹھنے والے ابال کو معتدل کرنے کا بس یہ ہی علاج تھا۔

"بولیے۔۔۔ اب بولتی کیوں نہیں ہیں۔ اگر آپ کو

مجھ سے محبت ہے تو باقی سب سے کیوں نہیں؟۔ کیا شادی سے پہلے میں نے آپ کو اپنے سے منسلک سوتیلے رشتوں سے آگاہ نہیں کیا تھا؟" وہ ہمیشہ دہرائی جانے والی باتیں ایک بار پھر دہرانے لگا۔ انعم نے طویل سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا۔

"جی۔ سب کچھ۔ بتایا تو تھا.... پر اس وقت تو ہر طرف آپ ہی دکھائی دے رہے تھے' مجھے کچھ اور سنائی کہاں دیا؟.... آپ نے شاید مجھ سے پیار کیا نہیں اور میں نے اس کے سوا کوئی دوسرا کام کیا نہیں۔" انعم کی شوخ نگاہوں نے جواب دیا' شاید وہ دن بہ دن اذیت پسند بنتی جارہی تھی' تکلیف سے بھی لطف اٹھاتی۔ یہ حقیقت تھی' جب اعیان کے رشتے کو اس کے گھر والوں کے مکمل ووٹ مل گئے.... ہاں کروی گئی تو اچانک فوزیہ بیگم کے فون نے ان کے گھر میں کھلبلی مچادی۔ لڑکے نے انعم سے اکیلے میں بات کرنے کی اجازت طلب کی ہے۔ سب حیران رہ گئے۔ انعم کی فیملی پڑھی لکھی تھی۔ صلاح و مشورہ کیا گیا' تھوڑی سی ردوقدح کے بعد اس کی چھوٹی بہن کی موجودگی میں ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔

"کوئی اتنا پیارا بھی ہو سکتا ہے۔" انعم جب دھڑکتے دل کے ساتھ اعیان سے ملنے پہنچی تو لمحے بھر کو اپنی قسمت پر رشک آیا۔ وہ خاصا اسمارٹ اور ہینڈسم لگ رہا تھا' لمبا قد' گھنے کالے بال' سوگوار آنکھیں اور لڑکیوں کو تسخیر کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال اعیان جس لڑکی کو بھی اپنی ہم سفری کا شرف بخشتا' اس کے قدم زمین پر نہ ٹکتے.... وہ تو خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ انعم پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہوئی۔ ادھر اعیان نے ذرا جو اس کے معصوم حسن اور ستارہ سی آنکھوں کو نگاہ بھر کر دیکھا ہو' بہن کے کہنے پر کی گئی ساری تیاری بے کار گئی۔ وہ ماتھے پر ابھرنے والی رگ کو سہلاتا سنجیدگی سے اپنے گھر کی رام کہانی سنانے میں لگا رہا' انعم کو اس وقت تو ہر مشکل آسان لگی تھی کیوں کہ وہ ان حالات سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔

"اگر.... ان کا ساتھ میسر ہو جائیں تو ساری کلفتیں سہل ہو جائیں۔" اس نے بس یہ ہی سوچا اور ہر بات پر اقرار کرتی چلی گئی' پھر دنوں اور ہفتوں پر محیط یہ خوش فہمیوں بھرے محل بھر بھرے ثابت ہوئے' ڈھ گئے.... عملی طور پر ان باتوں سے واسطہ پڑا تو کٹھنائیوں کا مطلب سمجھ میں آیا۔ اس کے باوجود محبت میں کمی واقع نہ ہوئی' بلکہ کبھی کبھی اسے خیال آتا کہ اعیان کی محبت کا یہ وائرس دن بہ دن ملٹی پلائی ہوتا جارہا ہے۔

"انعم کہاں کھوئی ہوئی ہیں؟" اعیان نے اس کے کاندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور ذہن کو واپس بے دار کیا۔

"جی.... آپ.... کیا کہہ رہے تھے۔" انعم مستعدی سے شوہر کی تلخ باتوں کو قطرہ قطرہ اپنے اندر اتارنے لگی۔

"آپ تو ہر دفعہ میری بہن سے ہی ضد باندھ لیتی ہیں.... وہ جب بھی میکے آتی ہے.... اس کی آنکھیں ضرور بھیگتی ہیں۔" اعیان کا غصہ کم ہو گیا.... مگر لہجہ.... سڑاک.... سڑاک.... انعم کے وجود پر برس رہا تھا۔ وہ ساکن بیٹھی شوہر کے بے تکے الزام سنے جارہی تھی۔

"انوشہ کو عادت ہے.... آنسو بہا بہا کر سب کی ہمدردیاں سمیٹنے کی.... ویسے بھی جب بغیر سنوائی کے مجھے مجرم ٹھہرا ہی دیا گیا' تو میں بھی کیوں ہر بار صفائی دیتی پھروں۔" شوہر کے انداز تکلم پر انعم کو بھی ضد ہو گئی۔ وہ پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"اگر ہم گھومنے نہ جاسکے تو اس میں میری بہن کا کیا قصور' جو آپ نے اس کا اتنا برا استقبال کیا ہے۔" اعیان پر اس کی خاموشی کا اثر ہوا' لہجے میں تھوڑی نرمی پیدا ہوئی' وہ شکوہ بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"دل یقین جانیں۔ میرے لیے یہ بات سننا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ میری بیوی.... ممی کی نافرمان ہے۔" انعم نے دیکھا اعیان کی ماتھے کی رگ پھڑکنے لگی.... اب مزید غصے کا مطلب' انہیں سردرد میں مبتلا کرنا تھا' پر کیا کرتی مجبور تھی۔

"چلیں جناب کسی بہانے ہی صحیح آپ نے مجھے "اون" تو کیا۔ اچھائی میں نہ سہی برائی میں ہی سہی"

انعم کو اعیان کا "میری بیوی" کہنا بہت بھایا۔ پیار سے انہیں دیکھا۔ ہاں اس کی باتوں کا رتی بھر اثر نہیں لیا۔ کیوں کہ۔۔۔ جب تک انوشے میکے میں موجود رہتی ہے اس کے کمرے کی دیواروں کو۔ ایسے کئی سین رٹ جاتے تھے۔

"ادھر آئیں۔۔۔ بات کیوں نہیں مانتیں۔ ممی کو۔۔۔ ساس نہیں سمجھتیں نہ سمجھیں۔ کم از کم۔ ایک بزرگ سمجھ کر ہی تھوڑا لحاظ کرلیا کریں۔" اعیان تھک کر کمرے کے کونے پر رکھے مخملیں صوفے پر گر سا گیا۔۔۔ اسے بھی سامنے بٹھایا اور دھیمے دھیمے ماں کی حمایت میں جت گیا۔ یہ بہت زیادہ ہو گیا۔۔۔ انعم جل کر کباب ہو گئی۔ ایک دن کام نہ کرنے پر دس سالہ شادی شدہ زندگی کی ریاضتیں جیسے پانی میں ڈوب گئیں۔

"اب۔۔۔ آپ۔۔۔ زیادتی کی انتہا کر رہے ہیں۔۔۔ کب ایسا ہوا کہ میں نے ان سے بدتمیزی کی ہو؟ یہ بات تو آپ کو ماننی پڑے گی کہ 'اس گھر میں وہ ہی ہوتا ہے جو ممی چاہتی ہیں۔۔۔ پھر میری کیا مجال؟'۔۔۔" شوہر کی بات پر انعم بلبلا اٹھی ایک دم پھٹ پڑی 'لہجہ تو کیلا کیا ہوا۔ اعیان کے ماتھے پر ڈھیر سارے بل نمودار ہوئے۔۔۔

"یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر۔ آپ ممی کی فرمانبردار بہو ہیں تو۔۔۔ اتنے دنوں بعد جب میری چھوٹی بہن میکے آئی تو اس کے لیے ذرا ڈھنگ سے اہتمام کرلیا جاتا تو گھر کا ماحول شانت رہتا۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ کے تو ہاتھ گھس جاتے۔" اعیان نے اسے گھورا اور انعم کی کلائی تھامی تو اس کے منہ سے سسکاری نکل گئی۔ وہ انعم کی زرد پڑتی رنگت پر چونکا۔ اس نے ہاتھ چھڑایا۔۔۔ ساری بات پل میں سمجھ میں آ گئی۔

"اوہ۔ مائی گاڈ۔۔۔ یہ کیسے جلا؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟۔۔۔ اچھا۔۔۔ اسی لیے کھانا بازار سے منگوایا گیا۔" انعم کو تکلیف میں دیکھا تو دماغ میں جھماکے ہوئے۔ انعم جلے ہاتھ پر پھونکیں مارنے میں مصروف تھی۔ اعیان کو شرمندگی ہونے لگی۔

"آپ نے بولنے کا موقع کب دیا؟۔۔۔ ممی اور میرے درمیان جب بھی کوئی تنازع ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ ان کی سائیڈ لیتے ہیں' انتقاماً" مجھ سے بات بھی نہیں کرتے۔ اصل حقائق پتا کریں تو بات سمجھ میں آئے۔۔۔ مگر۔۔۔ آپ تو ایک دم اجنبی بن جاتے ہیں۔۔۔ دیکھیں۔ اب بھی میں قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی میں ہمیشہ کی طرح آپ کی ناراضی کی زد پر ہوں۔" بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ وہ حق پر تھی اعیان کا سر جھکتا چلا گیا۔۔۔ ایک دم کھڑا ہوا' اس کے لیے پانی لینے باہر جانے لگا۔

"مجھے صرف آپ کی محبت کی غرض ہے۔ بیوی ہونے کا مان چاہیے۔ مجھے ان لوگوں سے کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ بس آپ ان کو ہمارے رشتے کے بیچ میں نہ لایا کریں۔" وہ شوہر کو باہر جاتا دیکھ کر روتے ہوئے چیخ پڑی۔ اعیان مڑ کر واپس آیا اور انعم کا سر اپنے کاندھے سے ٹکا دیا۔۔۔ وہ سرشار سی ہو گئی۔۔۔ پر منہ سے کچھ نہ بولی۔

"اب تو۔۔۔ تب ہی مانوں گی۔۔۔ جب یہ اپنے ہاتھوں سے کچھ کھلائیں گے' ورنہ ایسے ہی جلا ہاتھ لے کر بیٹھی رہوں گی۔" انعم نے شرارتی انداز میں سوچتے ہوئے طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ پی لیجیے گا۔" انعم نے چاکلیٹ ملے نیم گرم دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ناراضی سے واش روم کی طرف بڑھی۔ تھکان اس کی رگ رگ میں سرائیت کرنے لگی۔ بھوک الگ پریشان کر رہی تھی۔ وہ بھوک کی بہت کچی تھی۔ مگر غصے میں خاموشی سے دھڑ دھڑ دروازہ کھول بند کرتی رہی۔۔۔ اعیان اس کے مزاج سے واقف تھا' ایک دم ہنسا۔

"بہت ناراض ہیں۔۔۔ پھر بھی میری فکر نہیں چھوٹی۔" دودھ کا منہ تک بھرا گلاس دیکھ کر اعیان کے ہونٹوں پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ در آئی۔ انعم آج بھی پہلے دن کی طرح حسین تھی' دبلی پتلی' تیکھے نقوش اور گندمی رنگت والی جس کا پیکر خوش جمال اسے شروع سے اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا' مگر زبان

سے اظہار سلیقہ ہی نہیں تھا۔
والد کے جانے کے بعد گھر کی ساری ذمہ داریاں۔ اٹھاتے اٹھاتے' زبان کھردری ہو گئی۔ زندگی تو فرصت کے رات دن ڈھونڈنے میں ہی تمام ہو رہی تھی۔ وہ بھی کبھی کبھی تھک جاتا۔ جی کرتا انعم کا ہاتھ تھام کر چند دنوں کے لیے کہیں دور نکل جائے۔ "جہاں کوئی نہ ہو تیرے میرے سوا" کی تفسیر بن جائیں۔ مگر جب بھی پروگرام بنا کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا کہ وہ لوگ جا نہیں پاتے۔ انعم واش روم سے سر جھکائے نکلی۔۔۔ اپنا تکیہ اٹھا کر دوسری طرف لیٹ گئی۔ پیروں پر چادر پھیلا لی۔۔۔ جانتی تھی شوہر بھی بھوکا ہے۔ اسی لیے کپ کی جگہ گلاس بھر کر دودھ لائی مگر خود ایک گھونٹ بھی حلق سے نہ اتارا۔۔۔ چپ چاپ آنکھیں موند لیں' پلکیں لرز لرز کر وجود میں بپا طوفان کا پتا دے رہی تھی۔۔۔ گلابی ہونٹوں کی لرزش۔ اعیان کو متوجہ کرنے لگیں' سمجھ میں کچھ نہ آیا تو جلدی سے سیل فون اٹھا کر ٹیکسٹ ٹائپ کرنے لگا۔
"میری حیات۔ کیا ازدواجی زندگی کے یہ خوب صورت پل۔۔۔ روٹھنے منانے میں ہی گزر جائیں گے؟۔۔۔ کاش آپ مجھے سمجھ سکیں۔" اعیان نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا پر انعم نے جھٹک دیا۔۔۔ وہ بھی کبھی تو یوں مہربان ہوتا تھا۔
"اتنی آسانی سے معافی نہیں ملے گی۔" اس نے تکیے میں منہ چھپا کر سوچا۔۔۔ دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔
"ہونہہ۔۔۔ آج تو بیوی کا دن ہے۔۔۔ مجھ سے زیادتی بھی تو بہت ہوئی۔ ہاتھ بری طرح سے جل گیا' اس پر خوب جھاڑ پلا دی۔" اعیان کو پشیمانی ہوئی' ماتھے پر ابھرنے والی رگ انگلی سے مسلی۔
"محترمہ نے غصے میں مرہم بھی نہیں لگایا" اعیان کو۔ اچانک سائڈ ٹیبل پر رکھی ٹیوب دکھائی دی۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھا۔ انعم نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔۔۔ اعیان اس کے بچپنے سے حظ اٹھاتا رہا۔ جلی ہوئی جگہ پر احتیاط سے مرہم لگایا۔ وہ پر سکون ہو گئی۔

دل اور ہاتھ دونوں کے زخموں پر مرہم لگانے والے ہاتھ محبوب کے ہوں تو' روزانہ زخم کھانے کا من کرتا ہے۔
"میاں جی۔۔۔ کی اتنی نوازشات۔۔۔ میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟" انعم تو بے ہوش ہوتے بچی۔۔۔ پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ سارا غصہ اڑن چھو ہو گیا۔ اعیان کا جاندار قہقہہ اس کے ارد گرد بکھر گیا۔
"مجھے بھوک لگی ہے۔ کچھ کھانے کو لا دیں۔" انعم کی بھوک نے مزید آسرا نہ کیا۔ پھٹ سے فرمائش کی' اعیان کو اس بات کا اندازہ تھا۔
"اچھا۔ ٹھہریں۔۔۔ میں کچھ کرتا ہوں۔۔۔ اس وقت کیا پکاؤں؟" اعیان نے سوچنے کی ایکٹنگ کی' ورنہ وہ پہلے ہی انتظام کر چکا تھا۔
"آپ۔۔۔ آپ کیا پکائیں گے؟" انعم کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔ جن مردوں کی بیویاں اتنے ناز اٹھانے والی ہوں' ان کے لیے پانی میں ڈال کر ایک انڈا بوائل کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔۔۔ انعم کو پتا تھا' اعیان کچھ نہیں کر پائے گا۔۔۔ الشامی کو پتا چلا تو اس کا مذاق بنے گا۔ وہ اسی بحث میں الجھی تھی کہ دروازے پر چونکی سی دستک ہوئی۔۔۔ اعیان دروازے تک گیا۔
"سو۔۔۔ سوری بھائی۔ دیر ہو گئی۔۔۔ آپ کی ہدایت پر بھابھی کی پسند کا پیزا اور یہ ڈرنک لایا ہوں۔" وجدان نے جھجکتے ہوئے شاپر تھمایا۔ اعیان نے مڑ کر انعم کو دیکھا اور مسکرا دیا۔
"شکریہ۔۔۔ بھائی۔" اعیان نے پیار سے اس کا گال چھوا۔ وہ حیرانی سے اعیان کے چہرے کی بے ریا چمک دیکھتا رہا۔ پورے وجود پر شفاف محبت ہلکورے مار رہی تھی۔ وہ سرشار سا مڑ گیا۔
"منہ کھولیں۔۔۔ ہاتھ پر مرہم لگا ہے۔۔۔ کیسے کھائیں گی؟" انعم بمشکل کھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اعیان پیزا کا بائٹ کانٹے میں پھنسا کر اس کے لبوں کے پاس لے گیا۔ انعم نے فٹ سے منہ کھولا۔ اعیان خود بھی کھاتا رہا اور بیوی کو بھی کھلاتا رہا۔
"اف کتنے ظالم ہیں' جو درد کو مسرت میں بدلنے کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہنر جانتے ہیں کاش وقت یہیں تھم جائے۔" انعم نے نثار ہونے والی نگاہوں سے دیکھا' وہ مگن سا اس کی خدمت میں لگا رہا۔

☼ ☼ ☼
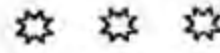
"السلام علیکم۔ ممی۔" عرفان سر جھکائے ان کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گیا' چہرے پر چھائے تفکرات اس کی خستہ حالی کو ظاہر کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کوفت کو چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا۔

"السلام علیکم بھائی' بھابھی نہیں آئیں۔" انوشہ نے عرفان کے آگے سر جھکایا اور طنز بھرے انداز میں پوچھا۔

"وعلیکم السلام۔ انو۔ ہاں۔ ان کی بھانجی کے یہاں بیٹی کی ولادت ہوئی ہے' سلمیٰ اسپتال میں اس کی دیکھ بھال کے لیے گئی ہوئی ہے۔" عرفان نے انوشہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور بجھے انداز میں کہا۔ چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔ اس نے بیوی کا کہا مان کر سب کچھ گنوا دیا۔

"سلمیٰ بھابھی۔ آج بھی۔ ویسی کی ویسی ہیں۔ ان میں۔ رتی برابر فرق نہیں آیا۔" انوشہ نے ہنستے ہوئے چٹکی بھری' عرفان نے اپنے اوپر بے حسی کی چادر تانی ہوئی تھی۔ انوشہ جواب نہ پا کر بے مزا ہو گئی۔ منہ بنا کر کچھ کہے بغیر فوزیہ کے برابر میں آرام سے جا بیٹھی۔

"دکان۔ کیسی چل رہی ہے؟" فوزیہ نے اس کا من پسند سوال پوچھ ہی ڈالا۔ جواب سے آگاہ تھیں مگر مروت میں ان کے منہ سے ہی سننا چاہا۔

"کہاں۔ ممی۔ آج کل جو حالات چل رہے ہیں' کام دھندا سب چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے' اگر کہیں سے چار پانچ لاکھ ادھار مل جائیں' تو دیکھیے گا۔ کاروبار کیسے۔ دوبارہ دوڑنے لگے گا۔" وہ خوش ہو کر بولا' آنکھیں مدعا کر رہی تھیں۔ فوزیہ نے کنی کترائی۔

"بھائی۔ کا تو ہمیشہ کا یہ ہی ڈھنگ رہا۔ جب موٹی رقم اینٹھ لیتے ہیں' تو مہینوں شکل نہیں دکھاتے ہیں' سسرال والوں کی خوب تواضع ہوتی ہے۔ مزے مزے کے کھانے پکتے ہیں' سارے سالے' سالیاں ان کے گھر پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ اس وقت کسی کا خیال نہیں آتا۔ چار دن میں جب ہاتھ جھاڑ بیٹھتے ہیں تو گھر والوں کی یاد آنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ ہی قصہ' وہی ہی لارے لپے دوبارہ شروع ہو جاتے ہیں۔" انوشہ نے من ہی من میں کلستے ہوئے سوچا۔

"اچھا ممی چلتا ہوں۔" ماں' بہن کو سوچوں میں گم۔ خاموش دیکھا تو مایوسی سے اٹھ کھڑا ہوا' فوزیہ کے خیالوں کی ڈوری ٹوٹ کر بکھر گئی۔ انہوں نے پاس پڑے لیدر کے قیمتی بیگ کی طرف ہاتھ کیا بڑھایا' عرفان کے چہرے کی رونق لوٹ آئی۔

"اچھا۔ چلتا ہوں۔" جیب پیسوں سے بھر گئی تو فوراً" گھر جانے کے لیے پر تولنے لگے۔ انہوں نے عجب مزاج پایا تھا' سوتیلی ماں کو جھک جھک کر سلام کرتے اور چھوٹے سگے بھائیوں سے ملنا بھی گوارا نہیں تھا' عرفان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنی غلطی دوسروں کے کاندھوں پر ڈال کر مطمئن رہتے ہیں۔ انہیں چھوٹے بھائیوں کی ترقی پر خوشی نہیں ہوتی بلکہ اپنی نااہلی کو بھی وہ ان ہی لوگوں کے کاندھے پر ڈال کر خود کو بری الزمہ کر لیتے۔

عرفان رزاق نے بیوی سلمیٰ کے چڑھائے میں آکر اپنے حصے کی رقم وصول کر لی۔ اب اعیان کی محنت سے کاروبار نے جو ترقی کی تو اس کی آنکھیں کھل گئیں' اپنی جلد بازی پر افسوس ہوا' بھائیوں پر بھی غصہ آیا۔ خود تو نقصان پر نقصان اٹھاتا چلا گیا اور کنگال ہو گیا۔ عرفان کی حالت زار پر اعیان کو دکھ ہوا' وہ بھائی اور بھابھی کو "رزاق ہاؤس" میں واپس لانے پر تیار ہو گیا' فوزیہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"نہیں۔ بھئی عرفان کی ہڈحرامی' اس پر بڑی بہو کی میکا پرستی" یہاں واپس آکر ہمارا جینا بھی حرام کر دیں گی۔" فوزیہ ایک دم بھڑک اٹھیں۔

"ممی۔ بھائی کے حالات بہت خراب چل رہے ہیں' کافی قرضہ بھی ہو گیا ہے' اب ایسے میں کچھ نہ کرنا' انسانیت کی تذلیل ہو گی۔" اعیان نے ماتھے کی رگ

دباتے ہوئے فوزیہ کے سامنے دکھ کا اظہار کیا۔ فوزیہ نے اعیان کی فکر مندی دیکھی تو ایک دم پینترا بدلا۔

"میں بھی ماں ہوں... میرا دل بھی دکھتا ہے... مگر یہاں لا کر رکھنے سے یہ بہتر نہیں کے ان لوگوں کو مہینے کا خرچا دے دیا جائے۔" انہوں نے جلدی سے گھبرا کر ایک تجویز پیش کر دی۔

"ہاں... یہ بھی ٹھیک ہے... چلیں میں آپ کو ہر مہینے پیسے دے دیا کروں گا... آپ اپنے نام سے انہیں چپکے سے دے دیا کریں... اس بات کا دھیان رکھیے گا کہ اس بات کی کسی دوسرے کو خبر نہ ہو... میں نہیں چاہتا کے بھابھی یا بچوں کی عزت نفس کو چوٹ پہنچے۔" اعیان نے چیک دیتے ہوئے کہا۔ فوزیہ مسکرا دیں۔ وہ ہی ہوا جو وہ چاہتی تھیں... بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، اب بونس میں انہیں اچھا بننے کا موقع بھی مل گیا۔

اب وہ ہر مہینے اعیان کے دیے ہوئے پیسے اپنے نام سے دے کر انہیں احسانوں تلے دباتی رہتیں۔ عرفان دل ہی دل میں بھائیوں سے خفا ہو کر سوتیلی ماں کو اچھا سمجھنے لگے۔ پھر بھی دونوں بھائی سلمیٰ بھابھی اور بچوں کا خیال رکھنے کی کوشش کرتے۔

☆ ☆ ☆

"میاں صاحب، کچھ گھر کا بھی ہوش ہے، تین دنوں سے بچے دال سبزی کھا رہے ہیں۔" سلمیٰ نے شوہر کو گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو چائے پانی پوچھنے کی جگہ طعنے دینا شروع ہو گئی۔

"دال، سبزی کھانا کوئی بری بات نہیں۔ تم لوگوں کے ساتھ۔ میں بھی تو کھا رہا ہوں، ویسے بھی آج کل ماہرین مرغن کی جگہ سادہ غذاؤں کو ترجیح دیتے ہیں۔" عرفان نے بیوی کو جلایا... جیب بھاری تھی موڈ اچھا ہو گیا۔

"میں کون سا کہہ رہی ہوں کہ روز مرغ مسلم یا قورمہ بریانی پکنا چاہیے، مگر ہفتے میں کم از کم دو دن تو گوشت کھایا جا سکتا ہے، چھوٹے کا نہ سہی بڑے کا ہی لیتے آؤ، نہیں تو چکن بھی پکائی جا سکتی ہے۔" سلمیٰ کا لہجہ استہزائیہ ہوا۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو، جیسے... تمہیں کبھی اچھا کھانا نصیب ہی نہیں ہوا ہو، میں نے تم لوگوں کو ہمیشہ اچھے سے اچھا کھلایا، بہترین پہنایا، پھر بھی چار دن تنگی کے کیا آ جاتے ہیں؟ تمہارا منہ ہی سیدھا نہیں ہوتا۔" عرفان نے خود ہی فریج سے بوتل نکالی اور ڈھکن اتار کر ایسے ہی منہ سے لگالی۔

"اے... لو بھلا میں یہ کب کہہ رہی ہوں، مگر میاں ... یہ بھی تو کوئی بڑی فخر کی بات نہیں کہ "چار دن کی چاندنی، پھر اندھیری رات" بچوں کو دیکھو کیسا ذرا سا منہ نکل آیا ہے۔ سردیاں گزر گئیں، نہ اخروٹ نہ چلغوزے آئے، بڑی مشکلوں سے تین چار بار پاؤ بھر مونگ پھلی لائے ہو گے۔" سلمیٰ نے حسرت سے کہا تو منہ ہاتھ دھوتے عرفان کو ہنسی آ گئی۔

"اس عورت کی باتیں کھانے پینے سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی ہیں۔ جب ہی تو پھُکنی کی طرح پھیل رہی ہے۔" عرفان نے مڑ کر دیکھا تو سلمیٰ سر پر کس کر پٹی باندھ کر لیٹنے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ کمرے میں جا کر پنکھے کے نیچے بیٹھ کر ہوا کھانے لگے۔

"اچھا... جی سنتے ہو۔" سلمیٰ نے کچھ سوچ کر پیار سے پکارا۔

"ہونہہ..." عرفان نے بے رخی دکھائی... جان گیا تھا کہ اب کوئی فرمائش آنے والی ہے۔

"بچی کتنے مہینے ہو گئے... ایک نیا جوڑا نہیں بنایا... بڑی آپا کے گھر سے قرآن خوانی کی دعوت آئی ہے۔" سلمیٰ نے لجاجت سے کہا تو، عرفان نے کچھ پیسے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے، وہ خوشی سے اچھل پڑی، پٹی نوچ کر پھینکی اور بیٹی کو آواز دے کر بازار چلنے کا کہا۔

"دیکھو... پیسے احتیاط سے خرچ کرنا، ایک ایک اپنا اور بچوں کا جوڑا لینا... فضول شاپنگ نہ کرنا۔" عرفان نے تھوڑا سخت لہجے میں کہا تو سلمیٰ کے دل کو ان کی بات لگ گئی۔

"ان کی سنو میاں کون سے ہاتھوں میں ہزاروں روپے دھر دیے ہیں جو... اتنی باتیں سنا رہے ہو

تمہاری تو وہی ہی مثال ہے ’بات کروڑوں کی دکان‘ پکوڑوں کی۔“ وہ چیخ جاتی تو پتا نہیں کہاں کہاں کی مثالیں ڈھونڈ کر نکالتی۔

”میں تمہاری عادتوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں ..... محلے کا بازار ہے تم کپڑے والوں سے ادھار لینے سے بھی نہیں چوکتی ہو بعد میں تو مجھے بھرنا پڑے گا۔“ عرفان نے بھی بیوی کو فوراً آئینہ دکھایا۔

”ہاں..... ہاں میاں ساری باتیں مجھے ہی سناتے ہو..... انہیں کیوں نہیں کہتے..... جو دنوں میں ہزاروں روپے بے سوچے سمجھے خرچ کرتے ہیں۔ وہ دیکھا ہے اپنی چھوٹی بھاوج کو میں اس کی ملازمہ لگتی ہوں۔ وہ لوگ اچھے ہیں جو اتنے بڑے گھر میں رہتے ہیں۔ ان سے اپنا حق تو مانگ نہیں سکتے‘ ہمیں دباتے رہتے ہو۔“ سلمیٰ کے تو پتنگے لگ گئے۔

”اس میں بھی تمہارا قصور ہے..... حصہ لینے کے لیے میری جان دق کر دی اب ٹھیک ہے نا..... جب ان سے سب کچھ لے لیا تو..... کس بات کا حق مانگوں؟“ عرفان بھی چلایا۔

”کیا ہوا جو مانگ لیا‘ تمہارے باپ کی دولت تھی کسی غیر کی تو نہیں تھی‘ مگر نہ بھئی سگے بھائیوں نے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینک دیا۔ تم سے اچھی تو وہ سوتیلی رہیں‘ جو بڑی شان سے اس گھر میں رہتی ہیں۔“ سلمیٰ نے اپنے تئیں شوہر کو لاجواب کیا۔

”ممی کو کچھ نہ کہنا..... سوتیلی ہو کر بھی وہ میرے لیے سگوں سے بڑھ کر ہیں..... یہ جو عزت سے دال سبزی مل رہی ہے..... یہ بھی ان کی وجہ سے ہے۔“ عرفان نے آنکھیں جڑ سے نکالیں۔

”ہونہہ..... میں ان کی ساری چالیں سمجھتی ہوں۔ میٹھی چھری ہیں..... میاں تم میرا منہ نہ کھلواؤ وہ تو انعم بے چاری جیسی سیدھی بہو ان کے چنگل میں پھنس گئی‘ اگر ایک سال بھی میرے ساتھ گزار لیتی تو خود ہی گھر چھوڑ کر بھاگ جاتیں۔“ سلمیٰ کو اپنی سوتیلی ساس کی چاپلوسیوں سے نفرت تھی۔

”ہاں..... خدا گنجے کو ناخن ہی نہیں دیتا..... اگر تم میں اتنی برداشت ہوتی تو..... آج ہم سب اس بڑے سے گھر میں عزت سے رہ رہے ہوتے۔“ عرفان نے اس کا مذاق اڑایا تو وہ بازار جانا وانا بھول بھال دوپٹا منہ میں ٹھونس کر رونے لگی..... بیٹی جو سیز فائر کی منتظر تھی‘ پیر پٹختی ہوئی اندر بھاگ گئی۔

✡ ✡ ✡

”ممی یہ کیا مصیبت ہے‘ بچوں کے امتحانات کی وجہ سے بھابھی نے پورے گھر کو اسکول بنا کر رکھ دیا ہے۔“ انوشہ نے چڑ کر ماں سے کہا‘ وہ فیشل کر کے چہرے پر ماسک لگائے ایزی ہو کر بیٹھنا چاہ رہی تھی‘ مگر دونوں بچے اس کے کان میں گھسے بوریت کا رونا رو رہے تھے۔ وجدان جو ابھی آفس سے لوٹا تھا ان کی حرکتوں پر دانت پیسنے لگا۔

”ہونہہ..... یہ تو ہے‘ بے چارے ببلو اور بنٹو بھی ان لوگوں کی وجہ سے انجوائے نہیں کر پا رہے ہیں..... پھر کیا کریں؟“ فوزیہ نے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔

”وجد ماما سے کہیں ہمیں آؤٹنگ کروائیں اور می میل بھی کھلائیں“ ببلو اور بنٹو نے کشن سے لڑائی چھوڑ کر نانی سے لاڈ دکھایا۔

”نہیں..... میں اس وقت کہیں نہیں جانے والا۔ بہت تھک گیا ہوں۔“ وجدان نے ہری جھنڈی دکھائی۔

”چلو..... بچوں گاڑی نکلواؤ..... اب یہ بوڑھی نانی ہی تمہیں لے کر جائے گی“ فوزیہ نے کن انکھیوں سے وجدان کو دیکھ کر کہا۔ وہ جلبلا گیا۔ جانتا تھا کہ اگر ممی چلی گئیں تو اعیان نے اس کی کلاس لگا دینی ہے۔

”چلو..... میں چلتا ہوں.....“ وجدان نے گھنے بالوں کو مٹھی میں جکڑتے ہوئے‘ خود کو پرسکون کیا اور بولا۔ انوشہ اور فوزیہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ انعم جو کسی کام سے اس طرف آئی تھی‘ دیور کو ترس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”بھابھی..... دونوں بچوں کو بھی ساتھ بھیج دیں۔“ وجدان کو بھتیجا بھتیجی کا خیال آیا تو انعم سے کہا۔

فوزیہ بیگم ایسی باتوں کا دل میں بہت برا مانتی تھیں۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ کا ماسک ہر وقت سجا رہتا۔ وہ کس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہیں ' ان کے چہرے کے تاثرات سے پڑھنا بہت مشکل کام تھا۔ اس وقت بھی انہوں نے دل میں کلستے ہوئے ' ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی۔

"ہاں۔۔ تو صحیح بات ہے۔ سب بچے جائیں گے۔۔ جاؤ دلہن بچوں کو تیار کر دو۔" وہ بولیں۔۔۔ محبت جتانا ضروری تھا۔

"ابھی ٹیوٹر آیا ہوا ہے۔۔۔ انہیں پڑھنے دو۔۔۔ پھر کبھی چلے جائیں گے۔" انعم دھیرے سے کہا۔ اس بار ان لوگوں کی آمد کے باوجود اس نے اپنے بچوں کی روٹین خراب ہونے نہیں دی۔

"بس بھئی دیکھا وجدان۔۔۔ اتنے چھوٹے چھوٹے بچے اور یہاں ہر وقت پڑھائی۔۔۔ پڑھائی کا نعرہ لگاتی ہے وہ کون سا ایم اے کر رہے ہیں ' جو گھڑی بھر کی تفریح بھی نہ کر سکیں ' پر دلہن بھی نا۔۔۔ بچوں پر بے جا سختی کرتی ہیں۔" فوزیہ بیگم نے بیٹے کو جتایا۔

"ممی۔۔۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ ببلو اور بنٹو۔۔۔ یہاں خوش خوش آئے کہ نانو کے گھر جا کر شہیر اور ایمان سے کھیلیں گے ' میں جب سے آئی ہوں ' ان کی ایک دفعہ ہی شکل دیکھی ہے۔" انوشہ نے بھی فوراً چوٹ کی۔ انعم چور سی بن گئی ' کیا بولتی کہ ایک دفعہ بھی پھوپھو نے بچوں کو بلا کر گلے لگایا ' دادی خود نواسوں اور بیٹی کی مدارات میں مصروف ' بھولے سے بھی میرے بچوں کو نہیں بلایا جاتا۔

"بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں ' میں شہیر اور ایمان کو بعد میں لے جاؤں گا۔" وجدان سے انعم کی اتری صورت برداشت نہ ہوئی۔

"ماما۔۔۔ چلیں نا۔" بنٹی اور ببلو نے وجدان کا ہاتھ پکڑ کر جھنجوڑا تو وہ فوراً " اس مصنوعی ماحول سے تازہ ہوا میں باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو۔۔۔ یہاں سے ہلنا نہیں ' میں ابھی آتا ہوں۔

آرام سے بیٹھ کر کھانا ' کوئی شرارت نہیں ہونی چاہیے۔" وجدان نے برگر ' فرنچ فرائز اور کولڈ ڈرنک سے سجی ٹرے ان کے سامنے رکھ کر تاکید کی ' تیزی سے ریستوران کے انٹرنس کی طرف دوڑا۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے تھوڑی دیر قبل شفاف شیشے کے دروازے کے پیچھے سے ایشال کی جھلک دکھائی دی تھی۔

"ایشال ہی لگ رہی تھی۔۔۔ شاید میرا وہم ہے۔" وجدان نے مسکرا کر سر پر ہاتھ رکھا۔۔۔ واپس بھانجوں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ جب سے انوشہ آئی تھی۔۔۔ یہ آج چوتھی دفعہ تھا جب وہ ان دونوں کی فرمائش پر انہیں برگر کھلانے باہر لے کر آیا تھا۔

"اف۔۔۔ تم لوگ۔۔۔ کتنے پیٹو ہو ' اتنی جلدی سب چٹ کر گئے ' ظالمو۔۔۔ میں بھی بھوکا ہوں۔"

"اپنے کھانے کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔" وجدان کو بھوک محسوس ہوئی دوپہر کا کھانا بھی آفس میں گول کر گیا تھا۔

"ماما چلیں ایسا کریں۔ ہمارے لیے آئس کریم لے کر آئیے گا۔۔۔ یہاں کی کون بہت مشہور ہے۔" بنٹو نے احسان رکھتے ہوئے کہا تو ' وجدان اسے گھورتا ہوا۔ سیلف کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"انوشہ نے اپنے بچوں کو کچھ زیادہ ہی بگاڑا ہوا ہے۔" وہ اپنی دھن میں سوچتا ہوا ' اوپر تک بھری ٹرے لیے چل رہا تھا کہ ایک دم کسی نرم و نازک خوشبو سے جا ٹکرایا۔ دیکھا تو منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"اگر اندھے ہیں تو کوئی بات نہیں کم از کم ' ہاتھ میں وائٹ چھڑی تھام کر چلیں۔۔۔ سامنے والا ہی محتاط ہو جائے۔" جانی پہچانی آواز ٹرے کے اوپر۔۔۔ سے دیکھا۔ اس کے انداز پر ایشال غصے سے لال ' ہری ' نیلی پیلی ٹیکنی کلر کی ہو رہی تھی اس کی فیورٹ بلیو بیری آئس کریم جس پر خوب ساری ٹاپنگ کروائی تھی ' نیچے بکھری پڑی تھی۔۔ وہ افسوس سے فرش کو گھورنے لگی۔

"اوہ تو یہ وہم نہ تھا۔ میں نے۔۔۔ دشمن جاں۔۔۔ کی ہی جھلک دیکھی تھی۔" وجدان کی دل کی کلی کھل اٹھی۔

"سوری... سوری... میری وجہ سے آئس کریم گر گئی۔ میں آپ کے لیے دوسری لے کر آتا ہوں۔" اس نے بنٹی کو اشارے سے بلا کر احتیاط سے ٹرے تھمائی اور ایشال کو خوش دلی سے آفر کی۔ ریستوران کے عملے نے مستعدی سے فرش صاف کر کے چمکا دیا تھا۔

"اوہ۔ ہیلو۔ مسٹر۔ زندگی میں کبھی کوئی اچھا کام بھی کیا ہے؟ یا آپ کو صرف لوگوں کو تنگ کرنے کا ٹھیکا ملا ہوا ہے۔" ایشال نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے جھاڑا جس کی آنکھیں کچھ انوکھے پیغام نشر کرنے میں مصروف تھیں۔

"مانو... نام غلط رکھا گیا ہے... اسے تو نور مجسم کہنا چاہیے۔" وجدان مسکرایا اور شوخی سے سوچنے لگا۔ اولیو گرین ٹراؤزر اور پنک کرتے میں سیدھے بالوں کو ایک سائیڈ پر گرائے، پوائنٹڈ ہیل کے بلیک شوز میں نازک گورے گورے پاؤں کافی نمایاں ہو رہے تھے۔ خمار آلود آنکھوں پر لائنر اودھم مچا رہا تھا۔ اس کے کٹاؤ دار سرخ ہونٹوں پر گلابی لپ جیل لگنے کے بعد کچھ نرالا سا رنگ بن گیا تھا، اس پر نازک ہونٹوں سے جاری بمباری... وجدان کو مزا دے گئی۔ وہ اس دن ہونے والی ملاقات کے مقابلے میں آج تیار تیار سی بہت خاص لگی۔ دل نے جلدی سے اس کی نظر اتاری۔

"میں تو دنیا کا سب سے اچھا کام کرنے کو تیار ہوں۔ آپ ہاں تو کریں۔" اس نے طویل وقفہ دے کر شرارت سے کہا۔ وہ چونکی۔ سیدھا سچا لہجہ سیدھا ایشال کے دل پر اثر انداز ہونے لگا۔

"اوہ... تو آپ میں ایک یہ اضافی کوالٹی بھی ہے؟ جہاں لڑکی دیکھی، وہیں فلرٹ شروع۔" ایشال کی مخروطی انگلیوں نے نفاست سے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور کہجو لگایا۔ وجدان کو اس کی بات بری لگی۔

"ایکسکیوزمی... مس۔ آپ نے میرے بارے میں ایک دم غلط اندازہ لگایا۔" اعیان کا لہجہ اکھڑ گیا۔ چہرہ بے مروتی کی تفسیر بنا۔ ایشال کا فلرٹ کہنا، اس کے مان کو دھکا سا لگا۔

وہ لڑکی جسے اپنی زندگی میں سب سے خاص مقام دے چکا تھا۔ اس نے اتنی ہلکی بات کر کے وجدان کو اپنے مقام سے نیچے گرا دیا... محبت اپنی جگہ... مگر یہاں تو بات اس کی شرافت و کردار تک جا پہنچی، کوئی اس کے کردار پر بلاوجہ انگلی اٹھائے، یہ بات اسے ہرگز گوارا نہیں۔

"اتنی فضول بات کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" ایشال کو بھی اپنے لفظوں کے نوکیلے پن کا احساس ہوا تو خود کو ڈانٹا، مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، وجدان اسے وہیں چھوڑ کر بے رخی سے مڑ گیا۔

"او مائی گاڈ... وجدان... کہیں بھائی سے شکایت نہ کر دیں۔ میری تو خیر نہیں ہوگی، وہ تو ویسے بھی گھر میں ہر وقت ان کی تعریف نامہ سناتے ہیں۔ وجدان اتنا شریف ہے، آج کل کے لڑکوں سے مختلف ہے۔ اس جیسا مخلص انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا وغیرہ وغیرہ اب... کیا کروں جا کر مناؤں؟" ایشال ایک ٹیبل پر ٹک کر پہلو بدلتے ہوئے اسے دیکھ کر سوچنے لگی، وہ اب اس کی طرف پیٹھ موڑے لاپروا بنا بچوں کو جلدی جلدی آئس کریم ختم کرنے کی تلقین کر رہا تھا۔

"ایشال۔ جانے دو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا... کچھ بولوں گی تو... مزید اترا جائے گا۔" ایشال نے سر جھٹک کر دھیان ہٹانا چاہا۔

"یہ سونیا بھی۔ ابھی تک نہیں آئی۔ جانے کہاں مر گئی ہے؟" ایشال نے باہر دیکھا اور سونیا کو خیالوں میں کوسا جس نے اسے یہاں برگر پارٹی کرنے کا مشورہ دیا اور خود غائب ہو گئی شاید ٹریفک جام میں پھنس گئی ہوگی... ایشال کاؤنٹر تک شیک لینے گئی، پر نگاہیں بھٹک کر اس کی طرف ہی جا رہی تھیں۔ سنجیدہ صورت بنائے، سوبر سا لگ رہا... وہ کچھ زیادہ ہی اچھا لگا۔ واپس پلٹی تو دھک سے رہ گئی۔ ان کی میز خالی پڑی تھی۔

"آنٹی... یہ آپ کی آئس کریم۔ وجدان ماما نے بھجوائی ہے۔" بنٹو جانے کہاں سے اچانک وارد ہوا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، آئس کریم دے کر پلٹ گیا۔ اپنا پسندیدہ بلیو بیری فلیور دیکھ کر ایشال کے دل

کی کلی ایک دم کھل اٹھی۔ مسکرا کر شوق سے چمچہ بھر کر منہ میں رکھا' دل خوش ہوا۔ گالوں کا ڈمپل مسکرایا۔ وہ آئس کریم کی دیوانی تھی۔ مفت کی مل جائے تو کیا ہی بات تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ محترمہ خواہ مخواہ لیڈی ہٹلر بننے کی ناکام کوشش کرتی ہیں۔ اب کتنے مزے سے انجوائے کررہی ہے۔" شفاف شیشے کے پار کھڑے وجدان کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی۔ ایشال کو ایک بار پھر آنکھوں میں جذب کرنے لگا۔۔۔ بے بی ڈول آنکھیں بند کیے مسکراتی ہوئی بڑی اپنی اپنی سی لگی۔

"چلیں نہ۔۔۔ دیر ہوجائے گی تو۔۔۔ نانو خفا ہوجائیں گی۔" وہ اس دور کے بچے تھے' بڑوں کی نفسیات سے کھیلتے ہوئے مسکرائے۔ وجدان نے بمشکل جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

"ماما۔۔۔ ماما۔۔۔ یہ کہیں ہماری ہونے والی چھوٹی مامی تو نہیں۔" دونوں بہت دیر سے وجدان کی حرکتیں نوٹ کررہے تھے' ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلا اٹھے۔ وہ چونک اٹھا' بچوں کا مشاہدہ غضب کا تھا۔

"بتائیں نا۔۔۔ ویسے اگر ایسا نہیں ہے تب بھی انہیں ہی مامی بنائیے گا۔ سو کیوٹ نا۔ کیوں۔ بنٹو؟" ماما کا موڈ خوش گوار ہوتے دیکھا تو' ببلو نے فوراً مسکا لگایا۔ بنٹو نے بھی سر ہلا کر پر زور تائید کی۔ اس نے باری باری دونوں کو ایک ایک دھپ لگائی اور گاڑی میں بجنے والے میوزک کی آواز بڑھادی۔

"پلیز۔ اب گھر میں اس بارے میں کوئی ذکر نہیں کرنا۔" رزاق ہاؤس کے آگے گاڑی روکتے ہوئے اسے خیال آیا۔ فوراً ان کو دھیمے سے نصیحت کی۔

"ان کا۔۔۔ کیا بھروسا بچے ہی تو ہیں جاتے ہی شور مچادیں چھوٹی مامی مل گئیں۔" وجدان کا دل خوش گمانیوں پر آمادہ ہوا تو ساری اپنی مطلب کی باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔

"او۔۔۔ ماما۔ ہم سب سمجھتے ہیں۔۔۔ بچے تھوڑی ہیں۔" ان دونوں نے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

"ہاں۔۔۔ تم کچھ تھوڑی ہو۔ پورے پکے ہو۔"
وجدان کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ لوگ سرشار سے گھر میں داخل ہوئے۔

☆ ☆ ☆

"او میرے بھائی۔۔۔ آج راستہ کیسے بھول پڑے؟" ارحم نے جیسے ہی گیٹ کھولا سامنے ہی وجدان کو کھڑا پایا گرم جوشی سے گلے لگالیا۔

"بس۔۔۔ انوشہ کو اس طرف کسی دوست کے یہاں آنا تھا' اسے وہاں اتارا تو ٹائم پاس کرنے تیرے پاس چلا آیا۔" وجدان نے سن گلاسز گھنے بالوں پر ٹکا کر کہا۔ ارحم گیٹ بند کرکے مڑا۔ وہ دونوں اندر کی طرف بڑھے۔

"کاش۔ اس کا دیدار نصیب ہوجائے۔ ساری محنت سوارت ہوجائے گی۔" وجدان کی نگاہوں کی ٹریکنگ جاری تھی۔

"اچھا۔۔۔ بہن کی خدمت ہورہی ہے۔۔۔ گڈ۔ ان کی دوست ہمارے ایریے میں رہتی ہے۔" ارحم نے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد پوچھا۔ اندر ماحول میں پھیلا سکوت اور سکون خوش کن تھا۔

"ہاں۔۔۔ وہ قریب ہی رہتی ہے۔ انوشے نے ایک گھنٹے بعد آنے کا کہا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہاں جاؤں؟ تو یہاں چلا آیا۔" وجدان کی ساری باتیں سچ تھی سوائے اس بات کے کہ انوشے کی دوست نزدیک رہتی ہے۔ عرفانہ اس ایریے سے کم از کم تیس منٹ کی ڈرائیو کی دوری پر رہتی تھی۔ وجدان کا دل کئی دنوں سے دشمن جاں کو دیکھنے کے لیے بے قرار تھا۔ آج بہانہ بنا کر یہاں چلا آیا۔

"ایک گلاس پانی ملے گا۔" وجدان کو اسے بلانے کا بہانہ سوجھا۔

"کیوں۔۔۔ نہیں۔" ارحم اٹھ کر انٹرکام تک گیا اور پانی کے ساتھ کچھ اور ہدایات بھی دیں۔ وہ دونوں ریلیکس ہو کر خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے۔ ٹھک۔۔۔ ٹھک۔۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد دروازے پر دستک

ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ لے آؤ۔" ارحم نے سستی سے جمائیاں لیتے ہوئے کہا۔ وجدان بال سنوارتا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا' پیاسی نگاہیں دروازے پر جم گئیں۔

"آ۔۔۔ بھی۔۔۔ جاؤ صنم؟" وجدان دل ہی دل میں گنگنایا۔

"یہ کہاں رکھوں۔۔۔ جی۔" کم عمر نوکرانی ریشماں نے اندر داخل ہوتے ہی دانت نکال کر سوال کیا۔ اس کے ہاتھ میں سلور ٹرے تھی جس پر بھاپ اڑاتی کافی کے نقشین کپ رکھے تھے۔ ایسا ہی دھواں وجدان کے سینے سے نکلنے لگا۔

"کیا سوچا تھا۔۔۔ کیا ملا۔" وجدان کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ تر گلابی لباس میں' نوکرانی کا مشکی رنگ۔ مایوس ہو کر۔ آنکھیں بند کر لیں۔

"ارے بھئی۔ اب کھڑی کیوں ہو؟ یہاں ٹیبل پر رکھو۔ تم بھی ہم لوگوں کو جوائن کرو نا۔" ارحم کی آواز کانوں میں پڑی تو وہ بھنا اٹھا۔

"ارحم کا دماغ خراب تو نہیں جو نوکرانی کو ہمارے ساتھ بیٹھنے کی آفر کر رہا ہے۔ ویسے تو بڑا شریف بنتا ہے۔" وجدان ارحم کو جھاڑنے کے لیے سیدھا ہوا' آنکھیں کھولیں تو فضا کچھ اور تھی۔ ریگستان۔۔۔ گلستان بن چکا تھا۔ ہر سو روشنی کا ریلا تھا ایشال جانے کب دبے پاؤں اندر آگئی۔

"السلام علیکم۔ انعم بھابھی کیسی ہیں؟" ایشال نے مسکرا کر پوچھا اور ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سینٹر ٹیبل پر رکھی۔ وجدان کی نگاہوں کی پیاس بجھنے لگی۔ آسمانی کاٹن کی خوب صورت پرنٹ والی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پر شال لپیٹے بالوں کو اونچا کر کے بن بنایا ہوا تھا سادہ دھلا دھلایا چہرہ گھریلو حلیہ میں بھی وہ بہت پیاری لگی۔ اس کا ہر روپ انوکھا تھا پلیٹ میں مزے دار سا کیک دکھائی دیا۔ وجدان کے منہ میں پانی آگیا۔

"میرے اللہ تیرا شکر ہے محبوب کی گلی میں۔ الٹا آنا' سیدھا پڑ گیا۔" وجدان کا دل جھوما۔ جذبوں کی حرارت ایشال تک بھی جا پہنچی' اس کا چہرہ جگمگایا گالوں کا ڈمپل مسکرانے لگا۔

"بھابھی۔۔۔ ایک دم پرفیکٹ۔۔۔ آپ کو کافی یاد کرتی ہیں۔" وجدان نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"چلو۔۔۔ وجد اب تکلف بر طرف کرو میری مانو کے ہاتھ کا بنایا ہوا کیک کھاؤ۔" ارحم نے مسکرا کر اسے پلیٹ اور کانٹا تھمایا۔

"اچھا۔ واقعی یہ انہوں نے بنایا ہے۔" وجدان کو خوش گوار حیرت ہوئی' کچن میں بھی جاتی ہے' چلو بھابھی کے ساتھ آسانی سے گزارا ہو جائے گا۔ ایشال جا کر ارحم کے برابر میں بیٹھ گئی۔ دونوں دوستوں کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

"وجد۔۔۔ ایک منٹ رکو۔" وہ ارحم کے سنجیدگی لیے لہجہ پر گھبرایا' منہ تک لے جاتا بائٹ یوں ہی فضا میں رہ گیا۔ ایشال بھی بھائی کا منہ تکنے لگی۔

"بھائی۔ بھلے ہی تم ایک ڈاکٹر کے گھر میں موجود ہو' پر اپنی ذمہ داری پر کھانا' پچھلی دفعہ اس کے ہاتھوں کے کباب کھا کر رات بھر میرے پیٹ میں درد ہوا تھا۔" ارحم کی سنجیدگی میں چھپی شرارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ایشال ایک دم شرمندہ ہو گئی۔

"اٹس ناٹ فیئر۔ میں آپ سب کی فرمائشوں پر۔ اتنی محنت کرتی ہوں۔ ویسے تو خوب تعریفیں کر کر کے کھاتے ہیں اب۔ دوست کے سامنے کیسے مکر رہے ہیں۔" ایشال نے منہ پھلایا۔

"مانو۔ سچ کہنا۔۔۔ سچ کے سوا کچھ نہیں' پرسوں تمہارے بنائے ہوئے کباب کھا کر میرے پیٹ میں گڑبڑ ہوئی تھی کہ نہیں؟" ارحم نے مسکرا کر پوچھا۔ وجدان مزے سے کیک کے ساتھ یہ نوک جھونک انجوائے کر رہا تھا۔

"ویسے بھی لال مرچوں کی چٹنی سے ایک ساتھ چھ کباب کھانے کے بعد کسی بھی انسان کے پیٹ میں درد ہو سکتا ہے۔" ایشال نے بھائی کی پول کھولی تو دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

✡ ✡ ✡

"اچھا مم۔۔۔ اجازت۔" عرفان نے کافی وقت

گزار لیا' جب فوزیہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو مجبوراً" اٹھنا پڑا۔ یہ ہی تو فوزیہ کی منشا تھی۔

"بیٹھو۔ چائے بنواتی ہوں۔" انہوں نے ہمدردی سے اس کے کاندھے کو تھپکی دی۔ انوشہ نے ماں کو ناگواری سے دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا پر فوزیہ نے پاؤں دبا دیا۔ وہ بیٹی کے مزاج کے اتھلے پن سے اچھی طرح سے واقف تھی۔

"اشرفی بابا۔ ذرا میرا پرس تو لائیے گا۔" عرفان یہ ہی سہانا جملہ سننے کو بے تاب تھے۔ چہرے پر برقی قمقمے سے جل اٹھے۔ اداسی کی جگہ چوکسی آگئی۔ فوزیہ نے معقول رقم نکال کر عرفان کی مٹھی میں دبائی۔ جو گڑ سے مرجائے اسے زہر کیا دینا۔ عرفان کے لیے ان کا یہ ہی حربہ کار آمد تھا۔

"شکریہ۔ ویسے بچے اپنی دادی سے ملنے کو بے چین ہو رہے تھے' اگلی دفعہ لیتا آؤں گا۔" پیسے ہاتھوں میں تھامتے ہی موڈ اچھا ہو گیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور' جس دن آنا ہو فون کر دینا میں بچوں کی پسندیدہ میکرونی اور چائنیز رائس بنوالوں گی۔" انہوں نے بظاہر لگاوٹ کا مظاہرہ کیا۔

"جی ممی۔ آپ میرے لیے کیا ہیں؟ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔" عرفان نے جاتے جاتے مڑ کر سوتیلی ماں کا ہاتھ عقیدت سے تھام لیا۔ انوشہ مسکرائی۔ پیسے کی طاقت کا اسے خوب اندازہ تھا' یہ ایسی روپہلی ڈگڈگی تھی جس کے ہاتھ میں ہو وہ بجا بجا کر سامنے والے کو اپنے اشاروں پر نچا سکتا ہے۔ ماں اور سوتیلے بھائی کے درمیان ہونے والے ایسے عقیدت بھرے لاتعداد سین اس کی یادداشت میں محفوظ تھے۔

"کام دھندے اپنی جگہ۔ پر دو گھڑی ماں کے ساتھ بیٹھ کر بھی کچھ کھا پی لیا کرو' اپنے بچوں کو خوش دیکھ کر میرے اندر توانائی پیدا ہوتی ہے۔" فوزیہ کی باتوں سے شہد ٹپکا' انوشہ نے ماں کو ایک بھوں اچکا کر دیکھا۔

"ابھی نہیں۔ بچوں کی فیس جمع کرانی ہے۔ اسکول والے تقاضے کر رہے ہیں۔ ٹائم پر پہنچ جاؤں تو اچھا ہے نہیں تو اسکول بند ہو جائے گا۔" عرفان جلدی سے باہر نکل گیا۔

"ممی۔ آپ بھی نہ۔ فالتو میں ان کے ناز نخرے اٹھاتی ہیں۔" انوشہ جو بڑے صبر اور خاموشی سے عرفان کے جانے کا انتظار کر رہی تھی' فوراً" بولی۔ فوزیہ نے ٹشو پیپر سے ہاتھ پونچھے۔

"بیٹا۔ تم کیا جانو۔ زندگی میں کبھی کبھی کھوٹا سکہ بھی چل جاتا ہے۔" ان کی نگاہیں دور تک دیکھ رہی تھیں۔ انوشہ منہ بناتی ہوئی شیک پینے لگی جو بابا ابھی رکھ کر گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی۔ پلیز ذرا دیکھیے مما کی رپورٹ کتنی خراب آئی ہیں۔ کولیسٹرول بڑھ گیا ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے پکائے ہوئے کھانوں میں تیل کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا یہ انجام تو ہونا تھا۔" انوشہ نے ناک سکیڑ کر ماں کی ٹیسٹ کی رپورٹ لہراتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ انعم نے ایک دم گھبرا کر ساس کو دیکھا' شاید وہ خود سے بتادیں' انہیں ایسے ہی کھانے پسند ہیں جس میں دو انگل اوپر تک تیل تیر رہا ہو' انعم نے ایک دو دفعہ ان کی خرابی طبیعت کے پیش نظر سبزی میں بہت ہلکا سا آئل ڈالا تو انہوں نے پورے گھر کو سر پر اٹھالیا۔

"میرا کھانا پینا کسی کو پسند نہیں۔ میں کوئی بیمار ہوں جو یہ پرہیزی کھانے کھلائے جا رہے ہیں۔ سب چھوڑ دو۔ کچن کا کام بھی میں خود کر لوں گی۔" انعم کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ دن اور آج کا دن۔ اس نے سب کچھ ان کی مرضی سے کرنا شروع کر دیا۔ رزاق احمد کی زندگی میں انہوں نے خود کو فٹ رکھنے کے لیے جتنا پرہیز کیا بڑھاپے میں آکر وہ جم کر بدپرہیزی کرتیں۔

"ممی۔ ہمیں کرکٹ کھیلنا ہے' مگر وہ شہیر کا بچہ دال دال کچا اپنی بال چھپا کر بیٹھا ہے۔" انوشہ کے دونوں بچے شور مچانے لگے تو اس کا دھیان بٹا۔

"یہ آج کل کے بچے۔ توبہ توبہ۔ بڑے ہی چالاک ہیں' بہو شہیر کو سمجھاؤ۔ بال کوئی کھانے کی چیز

نہیں۔۔۔ یہ لوگ کھیل کر واپس کر دیں گے۔" فوزیہ بیگم نواسوں کے معاملے میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتی تھیں۔

"جاؤ۔۔۔ مامی سے کہو وہ دلوا دیں گی۔" انوشہ نے انہیں انعم کے پیچھے دھکیلا جو خاموشی سے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ نند کی آواز پر اس کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔ شمیر اپنی چیزوں کو بہت سنبھال کر رکھنے کا عادی تھا' مگر جب سے یہ دونوں آئے تھے اس کی ہر چیز کی درگت نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی ڈیئر۔ کہاں ہیں' مجال ہے جو لاڈلے دیور کا ذرا بھی خیال ہو۔" وجدان بڑے خوش گوار موڈ میں انعم کو ڈھونڈتا ہوا کچن میں داخل ہوا' دیکھا تو وہ چکن تکے پر مسالا لگا رہی تھی' آج رات کا مینو انوشے کی فرمائش پر خاص رکھا گیا تھا۔

"کیا ہوا میرے لاڈلے دیور جی! ہماری یاد کیسے آ گئی۔ خیر تو ہے؟" انعم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا' شاید ابھی نہا کر نکلا تھا' کالی جینز فان شرٹ میں بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"ہائے۔۔۔ ہائے۔۔۔ اتنا ہینڈسم ہوں۔ اس پر ہلکا خون کہیں دشمنوں کی نظر لگ نہ جائے۔۔۔ جلدی سے سات مرچیں وار دیں۔" وجدان شوخ ہوا۔

"ٹھہر جاؤ۔۔۔ مسٹر ہینڈسم۔ ابھی تمہیں ٹھیک کرتی ہوں۔" انعم نے آگے بڑھ کر اس کا ایک کان پکڑ لیا۔

"بھا۔۔۔ بھی۔۔۔ چھوڑ دیں۔ بہرہ نہ ہو جاؤں۔۔۔ ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی۔" وہ مظلوم بن کر ہائے ہائے کرنے لگا تو انعم نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔

"ویسے سچی بات بتاؤں تو۔ آپ کو ہر وقت کام میں جتا دیکھ کر بہت برا لگتا ہے۔ بڑے بھائی کو تو فکر نہیں۔۔۔ مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" اس نے سوچنے کی ایکٹنگ کی۔

"اے لڑکے سنبھل کر میرے میاں تمہارے بھی کچھ لگتے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کہنا۔" انعم نے چھری اٹھا کر اس کی طرف لہرائی۔

"جانتا ہوں' مشرقی خاتون۔ آپ کی عظمت کا معترف ہو گیا ہوں۔ بائی داوے۔۔۔ کب تک اکیلے ہی گھر کی ساری ذمہ داری اٹھانے کا ارادہ ہے۔" وجدان نے بڑے سوکھے منہ سے ہمدردی جتائی۔

"کہتے تو ٹھیک ہی ہو۔۔۔ پھر تمہارے بھیا سے بات کروں کہ ایک پیاری سی دیورانی لے آئیں۔" انعم نے دہی پھینٹتے ہوئے چھیڑا۔

"اوئے۔۔۔ ہوئے۔۔۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔۔۔ بھابھی۔۔۔ دیورانی لا کر دھوم مچالیں۔" وجدان خوشی سے جھوما۔

"اچھا۔۔۔ بھائی یہ تو بتاؤ کہ لو میرج کا ارادہ ہے یا میرج۔۔۔ ارینج کرواؤں۔" انعم نے چکن کو فریج میں رکھ کر ہاتھ دھویا' چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور اس کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو گئی۔

"ارینج میرج۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ کیا۔۔۔ میرا دماغ خراب ہے؟ گھر میں ایک ہو گئی ہے اسی کو دیکھ دیکھ کر ڈرتا رہتا ہوں۔" وجدان نے مسخری دکھائی۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا ہماری شادی کو خوش باش زندگی گزار رہے ہیں۔" انعم نے منہ موڑ کر آنکھوں میں در آنے والی نمی صاف کی۔ اس نے اعیان کی بابت بھی کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ پر تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے تھے۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ "خوش باش" میرے مالک مجھے ایسی خوشی سے بچانا' پلیز ممی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے' ورنہ وہ میرے لیے بھی آپ جیسا کوئی مٹی کا مادھو ڈھونڈ لائیں گی' جو 60s کی ہیروئنوں کی طرح مجھے دور دور سے دیکھ کر آہیں بھرے گی۔" وجدان نے منہ بنایا۔ انعم نے اپنا مذاق اڑانے پر ایک دھپ لگائی۔

"وجدان ہمارا بھائی ہے' مگر سیدھے منہ بات نہیں کرتا اور بھابھی۔۔۔" انوشہ جو کسی کام سے کچن کے پاس سے گزری' ناگواری سے بڑبڑائی اور فوزیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ڈیئر بھابھی۔۔۔ ہو گئی تو یہ لو میرج' مگر آپ نے اسے

ارینج میرج بنانا ہے۔" وجدان نے لاڈ سے کہا تو انعم سوچ میں پڑ گئی۔

"اچھا۔ لڑکی کون ہے؟" اس نے تجسس سے پوچھا۔

"واللہ۔ میں ٹھہرا۔ ایک 'شریف لڑکا۔ اپنے منہ سے کیا کہوں؟" وجدان نے اس کا دوپٹا ہاتھ میں لے کر انگلیوں میں لپیٹنا شروع کردیا۔

"بتاتے ہو یا اپنی پسند کی لڑکی سے نکاح پڑھوادوں۔" انعم نے دھمکی دی۔

"بھابھی۔ یہ غضب نہ کرنا۔ وہ ایشال ہے نا مجھے اس سے شادی کرنی ہے۔" اس نے بے تابی سے کہا اور ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ایک نمبر کی کٹکھنی مانو بلی۔ نہیں بھئی۔ مجھے تو وہ ذرا اچھی نہیں لگی۔" انعم نے روکھے منہ سے انکار کردیا۔ وجدان ایک دم مایوس ہوگیا۔

"اچھا۔ چلیں۔ جب میری بھابھی کو پسند نہیں تو میں بھی اس کی طرف نہیں دیکھوں گا۔" وجدان نے پیار سے بھابھی کا دوپٹا کھینچا۔ انعم نے مڑ کر دیور کو دیکھا جو اسے بھائیوں کی طرح عزیز تھا۔

"ارے۔ پوری بات تو سنو۔ وہ مجھے ذرا نہیں بلکہ بہت زیادہ اچھی لگی۔" انعم نے پیار سے دیور کے کانوں میں رس گھولا۔ وہ اچھل پڑا۔

"کیا۔ او سچ بھابھی۔ آپ بہت اچھی ہیں۔" وجدان نے خوش ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ باہر کھڑی فوزیہ کو انوشہ نے معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"دیور اور بھاوج میں بڑی محبت چل رہی ہے۔" انوشہ نے ماں کو جتایا۔

"انعم۔ بہت پر پرزے نکال رہی ہے۔ اعیان سے بات کرنی پڑے گی۔ خود تو رات گئے گھستا ہے میں کس کس کی چوکسی کرتی پھروں۔" فوزیہ الٹا سیدھا سوچتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"تو پھر آج ایسے ہی فون کریں اسے تاکہ اگلے ہفتے بلانے میں آسانی رہے۔" وجدان نے بھابھی کو پوری پلاننگ سمجھادی۔ دونوں مسکرادیے۔ ان معصوموں کو کیا خبر تھی کہ ان کے بے ضرر مذاق کو کتنا بڑا افسانہ بنا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ممی۔ ایک بات تو بتائیں میں اس بات پر حیران ہوتی ہوں کہ آپ عرفان بھائی اور سلمیٰ بھابھی کو کبھی کچھ نہیں کہتی ہیں، لیکن انعم بھابھی کو ہمیشہ پھٹکارتی رہتی ہیں۔" انوشہ نے سیب کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا۔ عرفان اور اس کی بیوی کی کیا اوقات کہ وہ میرے سامنے کچھ بول سکیں، سلمیٰ نے شروع دنوں میں خوب ٹرٹر کی تو اسے نکال باہر کیا، لیکن انعم کو دبا کر رکھنا بہت ضروری ہے۔ رزاق صاحب نے میری ہزار کوششوں کے باوجود ساری جائیداد اعیان اور وجدان کے نام کردی۔ ہمیں کیا ملا بس یہ گھر اور بینک میں رکھے کچھ لاکھ روپے، ہونہہ۔ کیا اس لیے میں نے اپنی جوانی ایک بوڑھے کے ساتھ رول دی۔" فوزیہ بیگم کی زبان سے مرحوم باپ کے لیے بے زاریت کا اظہار ہوتا دیکھ کر انوشہ سناٹے میں رہ گئی۔ اس نے ہمیشہ ماں کو باپ کی دلداریوں میں ہی مشغول دیکھا تھا۔

"آپ۔ کر بھی کیا سکتی ہیں؟" اس نے ماں کے عزائم جاننا چاہا، فوزیہ بیگم کے چہرے پر ایک رنگ آیا۔ ایک گیا۔

"اپنی ماں کو اتنا مجبور نہ سمجھو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ رزاق کے اس بڑے سے گھر کو حاصل کرنے میں مجھے مشکل پیش نہیں آئی؟" فوزیہ نے فاتحانہ انداز میں آنکھ سے اشارہ کیا۔

"میں نے اسی لیے شروع سے اعیان اور انعم پر اپنی گرفت مضبوط رکھی ہے۔ اگر وہ دونوں ہمارے ہاتھوں سے پھسلے تو سمجھو سب کچھ گیا۔" فوزیہ نے تشویش سے کہا۔

"ممی ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے۔" انوشہ نے ماں سے یقین دہانی چاہی۔

"صرف تمہارے لیے۔ میں اس گھر پر اپنی حکومت قائم رکھوں گی تاکہ میری بیٹی جب چاہے میکے

آجا سکے اور بھائیوں کی نگاہوں میں بھی تمہاری قدر کم نہ ہو۔" فوزیہ بیگم نے نم ناک آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا تو اس نے ماں کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں۔

"ممی۔۔۔ انعم بھابھی تو بہت سیدھی سادھی ہیں' دب جاتی ہیں آپ انہیں چار باتیں بھی سنادیں' اعیان بھائی کچھ نہیں کہتے' لیکن مجھے وجدان کے ارادے ٹھیک نظر نہیں آرہے' وہ آپ سے بھابھی کے لیے اتنا لڑتا ہے تو اپنی بیوی کو کتنا سر پر چڑھا کر رکھے گا۔" انوشہ نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا۔

"ہونہہ۔۔۔ دیکھ رہی ہوں۔۔۔ اس کو بھی۔۔۔ آج کل بہت اونچا اڑ رہا ہے' اس کا انتظام بھی کرتی ہوں۔" بیٹی کی بات پر ان کا دماغ فوراً" مکڑی کی طرح جالا بننے لگا۔ تانا بانا تیار ہوا تو ایک دم مسکرا دیں۔ خیال ہی اتنا زبردست تھا۔

"اب۔۔۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں؟ کوئی نیا طوفان تو نہیں آنے والا ہے؟" ماں کے تاثرات نے اسے سمجھا دیا کہ وہ کوئی دھماکا کرنے والی ہیں۔

"میں۔۔۔ وجدان کے لیے شازیہ آپا کی چھوٹی بیٹی زوباریہ کا رشتہ مانگنے کا سوچ رہی ہوں۔" ان کے منہ سے نکلے الفاظ۔۔۔ انوشہ کے لیے واقعی ایک بڑا دھماکا ثابت ہوئے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ماں کو تکتی رہی۔ پھر ایک دم پھٹ پڑی۔

"ممی۔۔۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ زوباریہ میری نند۔ جانتی ہیں نہ کہ اس نے سسرال میں مجھے ناکوں چنے چبوادیے ہیں' عرفات اپنی لاڈلی بہن کی وجہ سے مجھے کئی بار پھٹکار چکے ہیں۔ اکثر اس کی لگائی ہوئی آگ ہم دونوں میاں بیوی کو ہفتوں ایک دوسرے سے منہ موڑے رکھنے پر مجبور کردیتی ہے۔ آپ ایسی لڑکی کو میری بھابھی بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں؟" انوشہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زمین آسمان ایک کردے۔ ماں کے منہ پر اپنی دشمن اول کا نام۔۔۔ برداشت کی حدیں ٹوٹنے لگیں۔

"ایک منٹ۔ بیٹا اپنا جملہ ٹھیک کرو۔ بھابھی۔۔۔ نہیں "سوتیلی بھابھی" بنا کر اس گھر میں لانا چاہ رہی ہوں۔ دوسری بات یہ سب بھی میں تمہاری بھلائی میں ہی کررہی ہوں۔ ٹھنڈے دل سے سوچو گی تو ماں کو دعائیں دو گی۔ تمہاری خوشیوں کی راہ کا سب سے بڑا کانٹا میں اکھاڑ لاؤں گی۔ وہ جس مزاج کی ہے' وجدان سے اس کی دو گھڑی نہ بنے گی۔ کیوں کہ ان بھائیوں میں وہ ہی الٹے دماغ کا ہے۔ روتا ہوا ماں کی گود میں سر رکھ دے گا۔ سوتیلی ہوں تو کیا ایسی زبان دراز بیوی کے مقابلے میں تو بہتر ہی ثابت ہوں گی۔" انوشہ کو ماں کی بات سمجھ میں آئی تو تائیدی نگاہوں سے دیکھا۔ فوزیہ بیگم کی معنی خیز مسکراہٹ اور اعتماد نے اس کو شانت کردیا۔

"وہ بڑی اتھری گھوڑی ہے۔ اسے اپنے حسن پر بھی بڑا ناز ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ کا ہی بوریا بستر گول کردے۔" انوشہ کے اندر کچھ تحفظات جاگے' اس نے فوراً" ماں سے شیئر کیا۔

"ارے۔۔۔ وہ جو بھی ہو' میں اس کی خالہ ہی ہوں۔۔۔ شیرنی پر اس کی خالہ ہی غالب آتی ہے۔ ایک بار شادی ہو جانے دو' دبا کر رکھوں گی' تمہارے تلوے بھی نہ چٹوائے تو نام بدل دینا۔" فوزیہ بیگم نے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا تو انوشہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ فوزیہ کے چہرے پر مسکراہٹ جم سی گئی۔ شطرنج کے اس کھلاڑی کی طرح جس کے مہرے جیت کی طرف گامزن ہوں شاید انہوں نے زندگی کو بھی شطرنج کی بساط سمجھ لیا تھا۔ یہ بھول گئیں کہ انسانوں کو مہرے سمجھنے والا کبھی کبھی خود تقدیر کے ہاتھوں بری طریقے سے پٹ جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"کیسا ہے میرا بچہ' دن بھر محنت کرتا رہتا ہے۔ سچ میں تو ہر وقت اپنے بچوں کی کامیابی کے لیے ہی دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔" فوزیہ نے پیار سے اعیان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ نائٹ سوٹ میں حسب عادت سونے سے قبل ماں کے پاس تھوڑا وقت گزارنے آیا تھا' باپ کی وفات کے بعد' اس نے اپنا یہ معمول بنالیا تھا۔

"بس۔۔۔ ممی آپ کی دعاؤں کی ہی ضرورت ہے۔" وہ مسکرایا۔ تکان سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں آج کل وہ بزنس کی توسیع میں مصروف تھا اسی لیے کافی دیر سے گھر لوٹتا تھا۔ وجدان بھی آفس کو زیادہ ٹائم دے رہا تھا' مگر زیادہ ذمہ داری تو اعیان نے ہی سنبھال رکھی تھیں۔

"ہونہہ۔۔۔ میں جانتی ہوں۔ پر دلہن کو بھی تمہارا خیال رکھنا چاہیے۔" انہوں نے بڑی ہوشیاری سے بات شروع کی۔

"کچھ نیا ہوا ہے ممی؟" اعیان نے تھکے تھکے انداز میں پوچھا۔

"ارے بھئی نیا۔۔۔ کیا ہونا۔۔۔ میاں اتنی محنت کرتا ہے' بیوی کو ہنسی مذاق سے ہی فرصت نہیں۔ تم بھی ذرا دھیان رکھا کرو' بیوی کو اتنی چھوٹ دینا صحیح نہیں۔" انہوں نے ہمدردی کرول پر وار کیا۔

"پلیز۔۔۔ ممی۔۔۔ میں اپنی بیوی کو نہ صرف اچھی طرح سے جانتا ہوں بلکہ پہچانتا بھی ہوں آپ نے ٹھیک کہا' میں واقعی بہت مصروف رہنے لگا ہوں اس کو بالکل بھی ٹائم نہیں دے پا رہا ہوں۔ وہ بھی تو انسان ہے۔ دن بھر گھر کے کاموں میں لگی رہتی ہے' اگر گھڑی بھر کو ہنس بول لے تو کیا برائی ہے؟" اعیان نے جان کر تھوڑا سخت لہجہ اختیار کیا فوزیہ چپ سی ہو گئیں' دماغ نے فوراً "کام کیا۔

"بس۔۔۔ میں نے بھی اشرفی بابا کو یہ ہی سمجھایا۔۔۔ تمہیں پتا ہے' یہ بوڑھے لوگ ذرا پرانے خیالات کے ہوتے ہیں میں تو دلہن کی عادت کو پہچانتی ہوں' پر یہ رائی کا پربت بنانے والے ہیں۔" انہوں نے بلاوجہ کا مقدمہ کھڑا کیا' انوشہ کا نام لیے بغیر' اشرفی بابا کو پھنسا دیا۔

"اشرفی بابا۔۔۔ وہ کیا کہہ رہے تھے؟" اعیان کڑک ہوا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ بیٹا جانے دو۔۔۔ ویسے بھی میں نے انہیں اچھی طرح سے ڈانٹ دیا ہے۔" فوزیہ بیٹے کے بگڑتے موڈ پر تھوڑا گھبرائیں۔ انہیں بات ختم کرنے کی پڑ گئی۔

"ممی۔۔۔ پلیز۔۔۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں میری بیوی کا معاملہ ہے۔۔۔ پلیز مجھے بتائیں۔۔۔ ورنہ میں ان سے خود پوچھتا ہوں۔" اعیان نے ماتھے کی رگ دباتے ہوئے غصے سے کہا۔ وہ بری طرح سے گھبرا گئیں۔

"وہ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ بس کہہ رہے تھے کہ وجدان ہر وقت بے دھڑک بھابھی کے کمرے میں گھس جاتا ہے۔ تو کبھی دونوں کچن میں کھڑے ہنسی مذاق کر رہے ہوتے ہیں۔" فوزیہ نے گھبرا کر انوشہ کے ڈائیلاگ بابا کے نام سے بتا دیے۔

"بابا۔ کا دماغ تو ٹھیک ہے۔ ان کی اتنی ہمت کیسے ہوئی؟ میں صبح ان سے بات کرتا ہوں۔ ایک منٹ میں نکال باہر کروں گا۔" اعیان ایک دم گرج اٹھا۔ مٹھیاں بھینچ کر اپنے غصے کا اظہار کیا۔ فوزیہ کہ ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ چال الٹی پڑ گئی۔

"بیٹا ٹھنڈے ہو جاؤ۔۔۔ مانتی ہوں کہ بابا نے غلط بات کی ہے۔ اب میں یہ نہیں چاہتی ہوں کہ کسی کی بھی وجہ سے میرے مرحوم شوہر کی عزت کو بٹا لگے۔ تم کسی سے کچھ بات نہیں کرنا بلاوجہ کا بتنگڑ بنے گا۔۔۔ میں نے خود ان کو سنایا۔ گھر سے ہی چلتا کر رہی تھی' مگر وہ ہاتھ جوڑنے لگے۔ اتنے پرانے ملازم نہ ہوتے تو کب کا باہر کھڑا کر دیتی۔" فوزیہ نے جلدی جلدی اس کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔۔۔ کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اعیان نے بابا سے پوچھ گچھ بھی کی تو ان کی اتنی مجال نہیں کے فوزیہ کے خلاف بولے۔

"ممی آپ نے بلاوجہ روکا۔۔۔ یہ تو آستین کے سانپ ہیں' ان سے تو فوراً "چھٹکارا حاصل کرلیں' ورنہ دودھ پلانے والے ہاتھوں کو ہی ڈس لیں گے۔" وہ بہت غصے میں تھا' فوزیہ نے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"بیٹا۔۔۔ میں مانتی ہوں دلہن ایسی نہیں۔۔۔ وجدان کو تو میں نے گود میں کھلایا' جب تمہاری والدہ کا انتقال ہوا تو یہ چھوٹا سا ہی تو میری گود میں آیا۔۔۔ میں ان دونوں کو سمجھتی ہوں۔۔۔ پھر بھی یہ ہر وقت کا ہنسی مذاق کچھ اچھا

نہیں..... برامت مانتا یہ بات تو انعم کو سمجھنی چاہیے۔ اس کو سمجھاؤ کہ مارنے والے کا ہاتھ تو روکا جا سکتا ہے' بولنے والے کی زبان نہیں۔" انہوں نے پینترا بدلا اور آخر میں دوپٹا رگڑ رگڑ کر بلاوجہ آنکھیں بھی پونچھ ڈالیں۔ ماں کے آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اعیان نے برداشت سے کام لیا' تیزی سے باہر نکلا تو سامنے بابا دکھائی دیے۔ فوزیہ کے لیے چاکلیٹ ملا دودھ کا گلاس تھامے اپنی جگہ پر فریز ہو گئے تھے۔

"بابا... میں صبح آپ سے اس مسئلے پر بات کروں گا۔" اعیان نے کڑے لہجے میں سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم گھبرا گئے۔

فوزیہ بیگم کی ساری باتیں سننے کے بعد انہیں لگا جیسے کسی نے جلتے شعلوں میں دھکیل دیا ہو۔ وہ کام چور تھے' ہڈحرام تھے' مگر ایسے نہ تھے کہ گھر کی بہو بیٹیوں پر الزام دھرتے' بہتان باندھتے' ان کا دل ایک دم اس بڑے سے گھر میں گھٹنے لگا۔ وہ فوزیہ بیگم کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے' جانا تو تھا' مگر ان کے چہرے سے نقاب اتارنا ضروری تھا۔

☼ ☼ ☼

"اف... ممی ایسا بھی سوچ سکتی ہیں۔" انعم نے سوچا۔ رزاق ہاؤس چھوڑنے سے قبل اشرفی بابا نے روتے ہوئے ساری بات بتائی تو اسے بہت دیر تک یقین نہیں آیا کہ ممی اس حد تک بھی گر سکتی ہیں' مگر اس بوڑھے آدمی کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی' کسی چھوٹی بات پر وہ برسوں پرانا ٹھکانا چھوڑ کر جانے جیسا قدم تو نہیں اٹھا سکتا تھا۔ انعم کو لگا جسم سے جان ہی نکل گئی' طبیعت اتنی خراب ہوئی اس نے بستر سنبھال لیا۔

"انعم..." اعیان کے پکارنے پر انعم نے نگاہ اٹھا کر شوہر کو یوں دیکھا کہ اس کے دل میں خواہش ابھری کاش نہ دیکھتی' نگاہوں میں کیا نہ تھا وہ اندر اندر کٹ کر رہ گیا' وہ سب شکایتیں نگاہوں کی زباں کہہ دیں جو شادی کے اتنے سالوں تک دبی ہوئی تھی۔

"دیقین جانیں میں بے قصور ہوں' وجد تو میرا چھوٹا بھائی ہے۔" انعم ایک دم اس کے قدموں میں ڈھ گئی' پاؤں پکڑ کر صفائی دینے لگی' اعیان نے فوراً ہی اسے اٹھا کر اپنے ساتھ لگایا۔ اتنی بری حالت پر خود کو مجرم سمجھنے لگا۔

"شڑاک... شڑاک۔" اس کی روح پر تابڑ توڑ چابک سے پڑے' اشرفی بابا کی زیادتی کا احساس ہوا۔ شریک حیات کا غم اس کے اندر سرائیت کرتا چلا گیا۔

"میں اگر انہیں یہ بتا بتاؤں کہ ساری باتیں اشرفی بابا کی نہیں ان کی سوتیلی ماں اور بہن کی پیدا کردہ ہیں۔" انعم نے اسے بغور دیکھا۔

"یہ کبھی یقین نہیں کریں گے' بالفرض مان بھی گئے اور جا کر ممی سے باز پرس بھی کی تو وہ رو رو کر اپنی معصومیت کے ایسے ڈرامے پیش کریں گی کہ انہیں مجھ سے ہی بدظن کر دیں گی۔ ایک طویل عرصے بعد جو ہم دونوں کے بیچ قربت پیدا ہوئی ہے اسے کدورت میں بدلتے دیر نہیں لگے گی۔" انعم نے خوف زدہ ہو کر جھرجھری لی۔

"کیا ہو گیا... چھوڑو ایک بوڑھے انسان کی فضول سی بات دل سے لگا کر بیٹھ گئی ہو۔ میں آفس سے واپسی پر خود ان کو بٹھا کر بات کروں گا۔" اعیان نے اسے لے جا کر سامنے رکھے صوفے پر زبردستی بٹھایا۔ وہ ایک بے جان مورت لگ رہی تھی' سر جھکائے ہاتھوں کو تکنے لگی جو اس کی ہزار کوششوں کے بعد بھی پہلے دن سے اب تک خالی ہی رہے' کاش اعیان نے ان میں کچھ اور نہ ڈالا ہوتا' تحفظ کا احساس ہی دلا دیا ہوتا۔

☼ ☼ ☼

"ممی یہ دوا... رکھنا بھول گیا تھا۔" اعیان نے ٹیبلٹ اور پانی کا گلاس ممی کے کمرے میں پہنچایا تو فوزیہ چونک اٹھیں' نوکروں کے ہوتے ہوئے بھی ساس کو وقت پر دوا دینا انعم کی ذمہ داری تھی۔

"دلہن... کہاں ہیں؟" انہوں نے روٹین میں

تبدیلی دیکھی تو چونک اٹھیں۔
"وہ... اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے" اعیان بہت جلدی میں تھا' جواب دے کر فوراً" پلٹ گیا۔
"کہیں... میری بات انعم نے سن تو نہیں لی" ان کا دل دھڑکا۔ تنکا گرنے لگا۔ اعیان آزمایا ہوا تھا' وہ کبھی ماں کی بات بیوی سے شیئر نہیں کرتا۔
"کیا بات ہوئی ہوگی۔" وہ سر تھام کر بیٹھ گئیں۔
اعیان واپس لوٹا تو بیوی کو نرمی سے تھام کر کمرے میں لے آیا۔ زبردستی بستر پر بٹھایا اور اس کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنے کی کوشش کی' مگر الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا۔ انعم کی برداشت جواب دے گئی وہ اس کو پکڑ کر آنسو بہانے لگی ایسا لگا' جیسے سارا جہاں اپنے آنسوؤں میں بھگو کر دم لے گی۔ اس کی بھڑاس نکلی تو اعیان نے پیار سے آنسو پونچھے اور بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔
وہ پوری رات انعم کروٹیں بدلتی رہی۔ اسے رات دو بجے تک تیز ٹمپریچر ہو گیا... وہ تو شکر تھا کہ دونوں بچے نانی کے گھر رہنے گئے ہوئے تھے ورنہ ماں کی حالت پر وہ الگ پریشان ہوتے... اعیان نے پوری رات جاگ کر بیوی کی تیمارداری کی وہ شوہر کی دلداری سے وہ بات وقتی طور پر بھول گئی۔ تاہم دل میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا۔
"اب تو وجدان کی شادی جلد از جلد کروانی پڑے گی' ورنہ یہ لوگ تو میری طلاق کروا دیں گے۔ اعیان بھی مرد ذات ہیں پہلی بار یقین نہیں کیا' اگر یہ لوگ ایسی باتیں کرتے رہیں تو کبھی نہ کبھی تو ان کے دل میں بھی شک بیٹھ سکتا ہے۔ یہ ویسے بھی ممی کی زیادہ میری کم سنتے ہیں" اس نے اداسی سے سوچتے ہوئے اعیان کو دیکھا' جو آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا' بسکٹی شرٹ اور براؤن ڈریس پینٹ میں اس کی وجاہت عام دنوں سے بھی زیادہ نمایاں ہو رہی تھی - گڈ لکنگ ہونے کے باوجود اس کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ اپنے کچھ ہونے کا احساس "صفر" تھا' اس کی بے پروائی سامنے والے کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ انعم تکیہ اونچا کر کے بس اسے ہی دیکھے گئی۔
"میں... آفس جا رہا ہوں... پلیز آپ بستر سے باہر نہیں آئیں گی۔ کام کی فکر نہیں کیجیے گا۔ گھر میں۔ کافی لوگ ہیں" اعیان نرمی سے بولا اور بٹنوں سے الجھتا' اس کے نزدیک بستر پر بیٹھ گیا۔ کف کے بٹن بند کرنے کے لیے عادت کے مطابق دونوں کلائیاں اس کے سامنے پھیلا دیں۔ انعم نے مسکرا کر اپنے معمول کی ذمہ داری ادا کی۔ وہ اعیان کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے بہت خوش ہوتی تھی۔ اعیان نے پیار سے اس کی چھوٹی سی خوب صورت ناک دبائی۔
"سی... سی" ناک کی لونگ میں لگا ہیرا۔ اسے گڑ گیا تو چیخ نکل گئی۔
"کیا ہوا..." اعیان بالوں کو ہاتھ سے سنوارتے ہوئے پوچھا۔
"لونگ چبھ گئی" انعم نے مسکرا کر کہا۔ وہ بیوی کی معصومانہ حرکت پر دلکشی سے مسکرایا۔ اور باہر نکل گیا۔
"آج تو پورے گھر میں ہنگامہ مچے گا... اچھا ہوا بچے بھی نہیں ہیں ورنہ ان کی خاطر اٹھنا پڑتا۔ بابا بھی چلے گئے۔ ممی کے لیے اتنی سزا بھی کافی ہے" اس نے چشم تصور میں باہر کا منظر دیکھا' جہاں ایک ناشتا بنانا عذاب ہو گیا ہو گا' انعم نے سونے کے لیے آنکھیں بند کر لیں' مسکراتی ہوئی نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

☼ ☼ ☼

"ممی آج کیا پکا ہے؟" وجدان نے پوچھا۔ وہ سب کافی دیر سے ٹیبل پر بیٹھے تھے' مگر کھانا لگایا ہی نہیں جا رہا تھا۔
"وہ آلو کی بھجیا بنائی ہے" فوزیہ نے تھوڑا' شرمندہ ہو کر کہا۔ انعم پورے دن بستر پر ہی رہی' ناشتے پر وہ ہڑبونگ مچی کہ وجدان اور اعیان کو بغیر کچھ کھائے جانا پڑا' دوپہر کو ہیزا کی لنچ ڈیل منگوالی گئی۔ فوزیہ بیگم نے اس کی منتیں بھی کی کہ رات کے کھانے کے لیے کوئی ڈھنگ کا سالن بنا دو مگر اس نے آلو کی بھجیا بنا کر جان چھڑائی۔ اشرفی بابا کا جانا' اس پر انعم کی بیماری ان لوگوں پر بہت بھاری پڑی۔

"آلو کی بھجیا۔ پتا ہے نہ کہ میں یہ نہیں کھاتا۔"
وجدان نے جان بوجھ کر شور مچایا۔

"مت کھاؤ۔ صبح سے کچن میں لگی ہوئی ہوں۔ شکر گزار ہونے کہ بجائے نخرے دکھا رہے ہو۔" انوشہ جلبلا کر بولی۔

"تو کون سا احسان کیا؟ گھر کی ساری عورتیں ہی یہ کام کرتی ہیں انعم بھابھی تو اتنی دیر میں کئی قسم کے سالن پکا کر رکھ دیتی ہیں۔" وجدان نے بھائی کو دیکھ کر جتایا۔

"جو بھی ہے صبر و شکر سے کھالو' ہر وقت مرغن کھانے صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔" فوزیہ بیگم نے فوراً گھور کر اسے دیکھا۔ اعیان خاموشی سے وہ ہی بدمزا سبزی کھا رہا تھا۔

"جی ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کو آج سادہ کھانا ہی کھانا چاہیے۔ چلو بچوں ہم آج عیاشی کرتے ہیں۔" وجدان کے ہونٹوں پر دل جلا دینے والی مسکراہٹ پھیلی۔ دونوں بچے تیزی سے کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انوشہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ فرمائش بھی کرتی تو کس منہ سے' فوزیہ بیگم کے بھی حلق سے یہ کھانا نہیں اتر رہا تھا' دو چار نوالے کھا کر بے دلی سے اٹھ گئیں' اعیان نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ پانی کا گلاس حلق سے اتارا۔ ایک دن انعم بیمار کیا پڑ گئی' گھر کا سارا نظام تہس نہس ہو گیا۔

"میں کمرے میں جا رہا ہوں۔ اپنی بھابھی کے لیے دودھ ڈبل روٹی لیتی آنا۔" اعیان نے بہن کو کہا اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"میں کیا۔ ان لوگوں کی نوکر ہوں؟" انوشہ نے بے بسی سے شیشے کا گلاس دیوار سے دے مارا' فوزیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی آپ کی فرمائش پر مانو کو لے آیا ہوں۔" ارحم نے شرارت سے کہا۔ وہ مسکرا دی۔

"اچھا اجازت' ٹائم پر پہنچنا ہے۔" ارحم نے دونوں خواتین کو باتوں میں محو دیکھا تو بولا۔

"نہیں۔ ایسے کیسے؟۔ اندر چلیں' چائے تو پی کر جائیے۔" انعم نے عجلت میں مہمان نوازی دکھائی۔

"نہیں۔ مانو کو لینے آؤں گا تب چائے کے ساتھ مزے دار سا برتھ ڈے کیک بھی کھاؤں گا' ابھی تو کلینک پہنچنا ہے۔" اس نے معذرت کی اور گاڑی اسٹارٹ کر لی۔

"واہ۔ وجدان صاحب آپ کی طرح گھر بھی بڑا شاندار ہے۔" اس نے رزاق ہاؤس کا جائزہ لینے کے بعد خیالوں میں ہی وجدان کو انگوٹھا دکھایا۔

"مانو۔ کیا سوچ رہی ہو' چلو اندر چلیں' شمیر اور ایمان کب سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" انعم نے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"اچھا بھابھی۔ کیا وہ دونوں مجھے جانتے ہیں" اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ۔ وجد نے ان دونوں کے سامنے تمہاری اتنی تعریفیں کی۔ بس مت پوچھو" انعم تھوڑی شرارتی سی ہوئی۔

"یقین تو نہیں آتا۔ خیر" ایشال مشکوک ہوئی۔ بڑے انداز سے کاندھے اچکائے اور ریلیکس موڈ میں آ کر مسکرائی۔ انعم نے اسے بغور دن کے اجالے میں دیکھا' وائٹ ٹراؤزر پر لمبا اور ڈھیلا سا پرپل کرتا پہنے' بلیک اسکارف سے بالوں کو ڈھانپے سن گلاسز سے آنکھیں چھپائے' پھر بھی حسن نوخیز' چھپ نہیں پا رہا تھا۔

"واقعی۔ کچھ لوگوں کا حسن سنگھار کا محتاج نہیں ہوتا۔" انعم نے اس کے چہرے پر نگاہ دوڑائی' شفاف عارض پر چمکتا موتی سا پسینہ' بے تحاشا سرخ ہونٹ' مسکراتا ہوا ڈمپل اور اس کے حسن کی تاب۔ بھابھی نے دل ہی دل میں دیور کی جوہر شناسی کو سراہا۔ وہ دونوں باتیں کرتیں' خوش دلی سے اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"ہائے۔ ایوری باڈی۔" ایشال کی دھماکا خیز انٹری پر سب چونک گئے۔

"السلام علیکم۔۔۔ آنٹی کیسی ہیں؟" ایشال نے خاص طور پر فوزیہ کو دیکھا۔ لنچ ٹائم تھا' سب لوگ کھانے میں مشغول تھے" انوشہ نے فوزیہ بیگم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"دلہن۔۔۔ یہ کون ہیں تعارف تو کرواؤ؟" فوزیہ بیگم کی تیوری پر بل پڑ چکے تھے' ایشال نے بڑی بے تکلفی سے پلیٹ میں رکھے کٹلٹس میں سے ایک اٹھایا اور کھانے لگی' انعم ساس کو جواب دینے میں لگ گئی۔

"یہ میری دوست ہے ممی" اس نے اختصار سے تعارف کروایا' دونوں خواتین کی بے چینی عروج تک جا پہنچی' ایشال کا اعتماد ان کو چبھا۔۔۔ اپنے آگے کسی کو گردانتی جو نہیں تھیں۔ وہ اپنے تعارف پر چونک کر انعم کی طرف دیکھنے لگی تو۔ اس نے جھٹ سے پاؤں دبایا' ایشال کچھ بولتے بولتے' رک گئی۔

"دلہن۔۔۔ اگر دوست کو مدعو کیا تھا تو بتا دیتی ہم تھوڑا اہتمام کروالیتے" انہوں نے بظاہر مسکرا کر مگر دانت کچکچا کر کہا۔

"وہ ممی اس نے مجھے سرپرائز دیا ہے۔۔۔ اصل میں شمیر کی برتھ ڈے کا سن کر اس سے رہا نہیں گیا۔۔۔ میری ہیلپ کروانے آ گئی۔ بہت اچھا کیک بناتی ہے۔ کل آپ کو بتایا تو تھا نہ۔ شمیر کے سارے فرینڈز شام کو آئیں گے۔ اسی لیے میں نے۔ چھوٹی سی پارٹی رکھ لی۔" انعم نے اسے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کرنا چاہی' پر وہ بے فکری سے دونوں طرف سے جاری مکالمے سننے میں مشغول تھی۔

"اچھا۔۔۔ ہم تو شاک۔۔۔ رہ گئے" انوشہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"کمال ہے تمہاری دوست کو پہلے کبھی دیکھا نہیں۔۔۔ لڑکی پلیٹ لے لو ایسی بھی کیا آفت ہے۔۔۔ کھانا کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہے۔" فوزیہ نے شکی نگاہ سے دیکھا اور ایشال کو بھی ڈانٹ پلائی۔ ٹیبل پر موجود بنٹو اور ببلو نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا' لیکن وجدان ان دونوں کو پہلے ہی سمجھا چکا تھا' اسی لیے منہ سے کچھ نہ بولے' انعم کے بچے البتہ بڑے اشتیاق سے اسے تک رہے تھے' ایشال نے انہیں دیکھ کر اسمائل پاس کی اور فوزیہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سوری۔۔۔ آنٹی جی۔۔۔ یہاں آنے کی خوشی میں صرف ایک کپ چائے پی تھی' اب بھوک بڑی زور کی لگ رہی ہے۔۔۔ اس لیے برداشت نہ ہوا۔" وہ بڑی لاپروائی سے بولی۔

"ارے۔۔۔ کھانے سے پہلے ہاتھ واتھ تو دھو لیتی۔" انوشہ نے ماں کو کمک پہنچانے کی غرض سے کہا۔

"ارے باجی۔۔۔ جی۔۔۔ شیرنی بھی کبھی منہ ہاتھ دھوتی ہے' ویسے صبح منہ دھویا تھا نا!" اس کا انداز اتنا تاؤ دلانے والا تھا۔ ماں بیٹی نے برا سا منہ بنایا۔ انوشہ منہ پھاڑ کر اس کی دیدہ دلیری دیکھ رہی تھی' باجی کہنے پر چڑ گئی۔

"ہائیں۔۔۔ میں باجی کہاں سے لگتی ہوں" انوشہ کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ کھانے میں مصروف رہی۔

"آنٹی جی اب پلیٹ میں رکھا اکلوتا کٹلٹس کچھ تنہا سا لگ رہا ہے۔۔۔ اس کے بھائی بندوں کے پاس نہ پہنچا دوں۔" ایشال کا پیٹ ان لوگوں کی باتوں ہی سے بھر گیا تھا' پر اپنی چلبلی طبیعت کی وجہ سے جان بوجھ کر انہیں تنگ کرنے لگی۔ فوزیہ اور انوشہ نے گھورا۔ انعم اسے لے کر زبردستی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"توبہ۔۔۔ بھابھی آپ یہاں کیسے رہتی ہیں' گھر کم جیل زیادہ لگ رہا تھا' یوں کرو۔۔۔ اور۔۔۔ یوں نہ کرو۔" ایشال نے کچن میں پہنچتے ہی کرسی سنبھالی مرمریں پاؤں کو شوز سے آزاد کیا اور بڑے مزے سے بولی۔

"بس۔۔۔ سسرال میں ہر لڑکی کو پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے' میری ساس کے بنائے ہوئے یہاں کے اپنے قاعدے قانون ہیں" انعم نے جگ سے جوس انڈیل کر اس کے سامنے رکھا اور ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"میرا۔۔۔ ایسا سسرال ہو تو ایک منٹ نہ ٹکوں' دوسرے دن ہی چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔۔۔ آپ کے حوصلے کو سلیوٹ پیش کرتی ہوں" ایشال نے گلاس میں تیرتے آئس کیوبز سے کھیلتے ہوئے کہا' وہ اس وقت

وجدان کو بھی فراموش کر چکی تھی' یاد رہ گئے تو فوزیہ اور انوشہ کے تیوری پر پڑے بل۔ وہ ہمیشہ سے ہر جگہ من چاہی رہی ہے۔ اس کا اتنا برا استقبال پہلی بار کیا گیا۔

"جب شوہر کا پیار ملتا ہے تو عورت سب کچھ بھول جاتی ہے' وہ بری سے بری جگہ بھی گزارا کر لیتی ہے۔" انعم نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر وجدان کی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی۔ اسے دیورانی کے طور پر ایشال بہت پسند آئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ آپ نے میرے بارے میں یہ کیوں بولا کہ میں آپ کی دوست ہوں؟" ایشال کے من میں کلبلاتا سوال باہر آگیا۔

"بس۔۔۔ یہ لوگ ذرا پرانے خیالات کے ہیں۔۔۔ اس لیے میں نے یہ بات کہہ دی۔ اس طرح تم یہاں آزادی سے وقت گزار لوگی۔" انعم نے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ دماغ بھی چلایا اور بات بتائی۔ دیورجی کی بات بھی تو رکھنی تھی۔

"جی۔۔۔ پہلی ملاقات میں ہی اندازہ ہو گیا ہے۔ آپ نے ٹھیک کیا۔" وہ مسکرا کر کیک بیک کرنے کا سامان کاؤنٹر پر جمع کرنے لگی۔

"اس گھر کی بقا کے لیے ایک ایسی ہی مضبوط لڑکی کی ضرورت ہے۔۔۔" انعم نے بالوں کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے ایشال کی طرف دیکھا جو سب بھول بھال میدہ چھانتے ہوئے اسے دنیا بھر کے قصے سنا رہی تھی' اسے ایشال کے سرخ ہلتے ہوئے ہونٹ اور اٹھتی گرتی مڑی ہوئی پلکیں بہت پیاری لگیں۔

"میرے مالک۔۔۔ اگر اس لڑکی کے مقدر میں یہاں بہو بن کر آنا لکھ دیا گیا ہے تو اس کی خوشیوں کی حفاظت فرمانا' وجد اور مانو کی محبت کو بری نظر سے بچانا۔" انعم نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔ جدائیوں اور تنہائیوں سے ہمیشہ دل کو تکلیف ہوتی ہے اور یہی وہ تکلیف ہوتی ہے جو انسان کی ہنسی چھین لیتی' چہرے کی رونق کی جگہ مایوسیاں پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے انعم نہ خود اس تکلیف میں پڑنا چاہتی تھی اور نہ دوسروں کو اس امتحان میں دیکھنے کی خواہش مند تھی۔

☆ ☆ ☆

"ایشال۔۔۔ پلیز سارے بچوں کو آئس کریم۔۔۔ سرو کرو گی۔ میں اسپگٹی لینے جا رہی ہوں۔" انعم نے مصروف انداز میں پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔ انعم کو اس کی موجودگی سے بہت ڈھارس محسوس ہوئی' ورنہ اتنے سارے بچوں کو اکیلا سنبھالنا' اس کے بس کی بات نہیں تھی' ایشال نے ایسے کاموں میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ ارحم کے چائلڈ وارڈ کی وہ فیورٹ پرسنالٹی تھی۔

وجدان نے سجاوٹ اور باہر سے سامان لانے کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی' اعیان ہمیشہ کی طرح مصروفیت کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے۔ ایشال حیران و پریشان' سارے بچوں کے بیچ گھن چکر بنی انعم کو دیکھ رہی تھی' رضاکارانہ طور پر خود ہی اٹھ کھڑی ہوئی' دو منٹ میں سارے بچوں کو ہینڈل کر لیا۔ وجدان اس کی ایک اور صلاحیت کا معترف ہوا۔ پارٹی میں وہ ممی اور انوشے کی وجہ سے خاصا محتاط رہا' بھابھی کی ہدایات ذہن میں گونجتی رہیں۔ وہ خود بھی نہیں چاہتا کہ وقت سے پہلے ہی بھانڈا پھوٹ جائے۔

"یہ سارے کپ بچوں کو دے دوں۔" ایشال جوٹرے میں مختلف فلیورز کی آئس کریم رکھ رہی تھی۔ انعم سے پوچھا تو۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے بھی آئس کریم چاہیے۔" ہیلو نے وجدان کے اشارے پر بڑی محبت سے ایشال کو پکارا۔ وجدان کا دل قریب سے دیکھنے کو مچلا۔

"جاؤ مانگ لو نا۔" اس نے ہیلو کو اشارہ کیا' ایشا وہیں چلی آئی۔

"آئس کریم آپ کے ہاتھوں میں پگھل نہیں جائے۔" وہ چکا جینز' جیل لگا کر پیچھے کی طرف بنائے گئے بال' پاس سے اٹھتی شاندار مردانہ ڈیوڈرنٹ کی خوشبو' ایشال نے اپنی ننھی سی ناک سکوڑی۔ نگاہوں میں ایک دم توصیف کے رنگ جھلملائے۔

"کیوں۔ کیا۔ میرے ہاتھوں میں آئس کریم

خراب ہو جاتی؟" ایشال نے ببلو کو ایک کپ تھماتے ہوئے وجدان کی شرارتی آنکھوں میں جھانکا۔
"نہیں... وہ کیا ہے کہ آپ کا مزاج بہت گرم ہے' آدھی تو پگھل گئی ہوگی۔" وجدان نے اسٹائل سے دیکھتے ہوئے چھیڑا' ببلو نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جلدی جلدی پورا کپ ختم کیا' اب دوسرا لینے کے چکر میں تھا۔
"آپ تو بہت سرد مزاج کے ہیں' یہ پکڑیں خود سرو کریں۔" ایشال نے اس کے ہاتھ میں ٹرے تھمائی' خود پیر پٹختی کچن کی طرف چل دی۔
"بیٹا مذاق... مہنگا پڑ گیا... چلو اب شرارتی بچوں سے نمٹا جائے۔" وجدان ایک دم ہکا بکا رہ گیا' بات سمجھ میں آئی تو صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا... ببلو جو ایک اور آئس کریم کپ جلدی جلدی ختم کر رہا تھا' اسے ایک زوردار دھپ لگا کر آگے بڑھ گیا۔
"ممی... دیکھ رہی ہیں' وجدان' کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہا ہے' یہ لڑکی... آتے ہی پورے گھر پر ایسے چھا گئی ہے جیسے برسوں سے یہاں رہ رہی ہو' کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں۔" انوشہ کی نگاہوں کی ٹریکنگ جاری تھی' جہاں جہاں ایشال جاتی' اس کی نظریں پیچھا کرتیں۔
"ہونہہ... دیکھ رہی ہوں' چھوڑو نہ... تھوڑی دیر میں چلی جائے گی' میں دلہن کو منع کر دوں گی' آئندہ بلانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے اپنے ماتھے پر تیوریاں ڈال کر کہا۔

☼ ☼ ☼

شام کو وہ آفس سے نکلا تو موسم ایک دم سہانا ہو گیا' ابر چھایا ہوا تھا' بوندا باندی شروع ہو گئی' تھوڑی دیر میں ہی ہر چیز جل تھل ہو گئی وجدان کے من جانے کیا سمائی' ارحم کے کلینک کی طرف گاڑی موڑ دی۔ قمیص جھاڑتا ہوا اندر جا کر اس کے پاس بیٹھا' ارحم کافی مصروف تھا' اس کے باوجود اسے کمپنی دینے کی کوشش کرتا رہا' وجدان کو ایشال کی یاد شدت سے آنے لگی۔

مگر بے سود وہ یہاں کہاں تھی' بے مزا ہو کر اٹھنے کا ارادہ کیا۔
"اچھا یار... نکلتا ہوں... موسم خطرناک ہو رہا ہے... انعم بھابھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وجدان نے ہاتھ ملا کر چین اٹھائی' بارش رک چکی تھی۔ مگر بادلوں کی گڑگڑاہٹ جاری تھی۔
"اچھا... چلو۔ ٹھیک ہے... گھر پر چکر لگانا... امی یاد کر رہی تھیں۔" ارحم نے ایک پیشنٹ کی دوا لکھتے ہوئے' مصروف انداز میں سہلا کر کہا' پھر ہاتھ روک کر کچھ سوچنے لگا۔
"ایک منٹ یاد آیا... وجد... پلیز ایک فیور دو گے؟" ارحم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔
"تمہیں... اجازت کی ضرورت کب سے پڑنے لگی۔" وجدان نے اسے ایک مکا جڑ دیا تو وہ مسکرایا۔
"یار... آج کلینک میں بہت رش ہو رہا ہے' مجھے مزید گھنٹہ لگ سکتا ہے۔" ارحم نے بیل بجانے کے ساتھ ہی تمہید باندھی۔
"ہاں... یہ تو ہے... مگر تمہیں۔ کام کیا تھا؟" وجدان نے تجسس سے پوچھا۔
"اگر زحمت نہ ہو تو۔ ماہی... کو گھر ڈراپ کر دینا۔ اسے میرے ساتھ جانا تھا۔ خراب موسم کی وجہ سے امی چار فون کر چکی ہیں' بلاوجہ اکیلی پریشان ہو رہی ہیں... اچھا ہے یہ جلدی گھر پہنچ جائے...." ارحم نے اسے خوش خبری سنانے کے ساتھ آپا اماں کو چھوٹی بی بی کو یہاں بھیجنے کی ہدایت بھی کی۔
موو کلر کی لمبی سی ایمبرائڈری شرٹ پرو ائٹ ٹراوزر اور دوپٹا سلیقے سے شانوں پر پھیلائے' بالوں کو ایک سائیڈ پر ڈالے وہ اس کے برابر والی سیٹ پر آ بیٹھی۔ اسے دیکھ کر وجدان کو یوں لگتا جیسے وہ ہمیشہ سے اس کی زندگی میں شامل ہو' وہ آج کل اسی کو سوچتا' تنہائی میں اسی کی باتیں کرتا' جیسے روح کا بندھن اس سے بندھا ہوا ہو۔ گاڑی آگے بڑھائی۔ وہ ہاتھ باہر نکال کر بارش کے قطروں سے لطف اٹھا رہی تھی۔
"ایک بات پوچھوں' اگر برا نہ مانیں تو؟" وجدان

نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

"جی..... پوچھیں۔" وہ کافی دیر سے خود کو اس سے بے نیاز ظاہر کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس ادائے بے نیازی میں بھی اس نے وجدان کو اپنی جانب متوجہ کیا ہوا تھا۔

"شادی کے لیے تمہارا کوئی آئیڈیل تو نہیں ہے؟" وجدان استفہامیہ نگاہوں سے اسے جانچ رہا تھا۔ آپ سے تم تک کا فاصلہ تو طے ہوا۔

"نہیں..... یہ بھائی اور امی کا ڈیپارٹمنٹ ہے۔" ایشال نے لاپروائی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا' ونڈ اسکرین پر بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ گر رہی تھیں۔

"اچھا..... اگر میں تم سے شادی کرنا چاہوں..... تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟" وجدان نے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا' ایشال کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ ابھرنے لگی' وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اتنی بولڈ لڑکی کا شرمانا' وجدان کو مزا دے گیا۔

"پلیز..... کچھ تو جواب دو..... کیا میں اپنے گھر والوں کو بھیج دوں؟" ایشال کا گھر قریب آچکا تھا' وجدان نے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بے تابی سے پوچھا۔

"جی....." یہ ایک لفظ بھی اس کے منہ سے بہت مشکل نکلا مگر چہرے پر قوس قزح کے سارے رنگ بکھر گئے' وجدان کو یوں لگا جیسے یہ رنگ اس کے دل میں بھی اتر رہے ہوں' جن سے اس کی زندگی کی تصویر سجنے والی ہو۔

☆ ☆ ☆

"مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر وجدان کو ایشال پسند ہے تو ممی سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ہماری ماں ہیں۔ کوئی دشمن تھوڑی۔" اعیان روکھے انداز میں کہتا ہوا' انعم کو ایک بار پھر اجنبی لگا۔ انعم نے کافی دیر وجدان کی خوشیوں کے لیے شوہر کے آگے اس کا مقدمہ لڑا..... ساری باتیں مان جانے کے بعد بھی اس کی سوئی اٹک گئی۔ شوہر کی سادہ دلی پر انعم کا دل چاہا ماتھا پیٹ لے۔

"پلیز..... ایشال..... ارحم کی بہن ہے' جو وجدان کا دوست ہے..... اگر غلطی سے بھی اس کے یا ذکیہ آنٹی کے سامنے کسی کے منہ سے پسند کی بات نکل گئی تو بہت برا محسوس ہوگا۔" انعم کو بروقت یہ بات سوجھی' اس نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔" اعیان نے نائٹ سوٹ کے گاؤن کا بٹن بند کرتے ہوئے کہا۔ اس کا پوائنٹ مضبوط جو تھا۔

"اعیان۔ کچھ نہیں تو وجد کی خوشیوں کا ہی سوچیں۔" اس نے شوہر کو مزید جذباتی کرنا چاہا۔

"او کے..... میں۔ صرف وجدان کی وجہ سے یہ فضول بات مان رہا ہوں۔" اعیان نے حامی بھرلی۔ انعم کے ذہن سے جیسے ڈھیروں بوجھ اتر گیا۔ وہ فوزیہ بیگم کو اچھی طرح سے جانتی تھی..... انہیں اگر اصل بات کی بھنک بھی پڑ جاتی۔ تو دنیا ادھر کی ادھر ہو جاتی وہ وہاں رشتہ لے کر نہ جاتیں' اپنی جذباتی بلیک میلنگ سے اعیان کو بھی خاموش کروا دیتیں۔ اس نے شوہر کا بہتر ہوتا موڈ دیکھا۔ سکون کا سانس لیا۔

"اب..... کیا سونا نہیں ہے..... یا خیالوں میں دیورانی لینے جا رہی ہیں؟" اعیان نے تکیہ درست کرتے ہوئے بیوی کو چھیڑا۔ اس کی ہنسی کمرے میں پھیلی تو اعیان نے منہ موڑ کر پیار سے دیکھا۔ انعم کے چہرے پر انوکھے رنگ نظر آئے۔

شادی کے اتنے سالوں بعد بھی انعم اس کے لیے ایک لگژری بیوی ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس کی چھوٹی بڑی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتی' آفس جانے سے پہلے اس کی تیاری میں مکمل مدد دیتی' ناشتا ختم کرنے تک ٹیبل پر بیٹھی اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کا دھیان رکھتی' گاڑی تک چھوڑنے جاتی' دن میں ایک بار آفس فون کر کے خیریت پوچھتی' کبھی کبھی جب وہ اپنے بزنس کی پریشانی اس سے شیئر کرتا تو اکثر کارآمد حل بھی پیش کر دیتی' اسے پتا تھا کہ اعیان کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔ بظاہر ان دونوں کی زندگی میں سکون ہی تھا' مگر پریشانیاں' اس وقت شروع ہوتی جب' انوشے

یہاں رہنے آتی۔

"چلو۔۔۔ اچھا ہے' دیورانی کے آجانے سے انعم کی ذمہ داریوں میں تھوڑی کمی واقع ہوجائے گی۔" اعیان سوچتے ہوئے نیند کی وادیوں میں چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"ممی۔۔۔ اب بس جانے دیں' وجد کی شادی پر دوبارہ آؤں گی۔" انوشہ نے پیکنگ کرتی ہوئے ماں کو دلاسا دیا۔

"تم نے کہا تھا کہ اس دفعہ بہت سارے دن میرے ساتھ گزاروگی' اب یوں پندرہ دن میں بھاگ رہی ہو۔" انہوں نے نواسوں کے کپڑے کی تہ لگاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ابھی میرا جانا ضروری ہے' جب میں آرہی تھی تو شازیہ خالہ ویسے ہی برے برے منہ بنارہی تھیں۔ عرفات کے روزانہ فون آرہے ہیں۔ ویسے بھی شادی کے موقع پر آکر یہاں بہت دن رہنا ہے۔" وہ سامان جمع کرتے ہوئے جلدی جلدی بولی۔

"ارے۔۔۔ وہ تمہاری خالہ۔۔۔ کہیں سے میری سگی بہن نہیں لگتی۔۔۔ کیسے منہ کھول کر انکار کردیا۔۔۔ ذرا جو مروت دکھائی ہو' کتنا خوبرو ہے وجدان۔۔۔ دیکھنا اب اس کی نک چڑھی بیٹی۔۔۔ سالوں۔ کیسے سب کے سینوں پر مونگ دلے گی۔" انہوں نے اپنے دکھے ہوئے دل کی بھڑاس بیٹی کے سامنے نکالی۔

"آپ ہی دیکھیں۔ میں تو ایسے طعنے سننے کی عادی ہوں۔ بس میرا حوصلہ ہے کہ وہاں گزارا کرتی ہوں۔ کوئی اور ہوتی تو چھوڑ چھاڑ کر میکے بیٹھ جاتی۔" انوشہ نے آنکھیں مسلیں۔

"صبر کرو بیٹا۔۔۔ ایسی ساسوں کو۔ اللہ ہی پوچھے گا' جو بہو کو بیٹی نہیں سمجھتیں۔" فوزیہ نے بیٹی کی پیٹھ سہلائی۔۔۔ دوسرے کا احتساب کرنا کتنا سہل ہوتا ہے۔

"ممی۔ بھول گئیں کہ۔ وہ آپ کو کیا سمجھتی ہیں۔۔۔ فون پر مجھے کیسے سنایا کہ وجدان تو بہت اچھا لڑکا ہے' میں کبھی بھی انکار نہیں کرتی۔ مجبوری یہ ہے کہ میری بیٹی کا گزارا فوزیہ جیسی ساس کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔۔۔ میں خدا لگتی کہوں گی۔ اس نے بڑی بہو کی زندگی اجیرن کرکے رکھ دی ہے۔" انوشہ نے غصے میں زور سے ماں کو بتایا۔

"شش۔۔۔ شش' چپ کر جاؤ بیٹی' دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بیٹی کو تلقین کی۔

"ممی کیا کروں۔۔۔ قسم سے اتنی ٹینشن ہورہی ہے۔۔۔ یہ ایشال جیسی پٹاخہ لڑکی اس گھر میں بہو بن کر آرہی ہے۔۔۔ اب تو لگتا ہے میرا یہاں آکر طویل قیام بھی مشکل ہوجائے گا' اب وہیں۔۔۔ اس جہنم میں وقت گزارنا پڑے گا۔" انوشہ نے اپنے دل میں پلنے والے خدشے بیان کیے۔

"تم کیوں فکر کرتی ہو۔۔۔ میں ابھی زندہ ہوں۔۔۔ دیکھتی ہوں یہ کیا کرسکتی ہے؟۔۔۔ انعم نے بھی شروع میں بڑے پر پرزے نکالے۔۔۔ آخر مجبور ہوکر زبان پر تالے لگانے پڑے۔۔۔" فوزیہ کے اندر کے سارے منفی رنگ چھلک کر چہرے پر پھیل گئے۔۔۔ ایک دم بری لگنے لگیں۔

"ممی۔ انعم بھابھی فطری طور پر نرم مزاج اور دبو شخصیت کی مالک ہیں۔ اس پر اعیان بھائی کی سختی۔۔۔ جب کہ یہاں معاملہ ہی الٹ ہے۔۔۔ ایشال انتہائی بولڈ اور وجدان کا تو پتا ہے نہ' بھابھی کے لیے اتنا لڑتا تھا۔۔۔ اب بیوی کے لیے تو بغاوت کرنے سے بھی نہیں چوکے گا۔" انوشہ نے بڑا حقیقی تجزیہ پیش کیا۔ تو فوزیہ نے بیٹی کی بات سے اتفاق کیا۔

"جب ہی تو اس رشتے کی اتنی مخالفت کی۔۔۔ پر انعم دوست کو دیورانی بنانے کے لیے اڑ گئی۔ اعیان نے بھی اس بار بیوی کا ساتھ دیا کہ "ممی بات طے کردیتے ہیں لڑکی اچھی ہے۔" کوئی جواز بھی نہ ملا انکار کا۔ اگر شازیہ انکار نہ کرتی تو میں اپنی بھانجی کا نام لے کر ہی ایشو کھڑا کردیتی' پر اب تو سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔" فوزیہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹی سے دل کی

باتوں کے ساتھ ساتھ اعتراف جرم بھی کیا۔
"جو ہونا تھا' وہ تو ہو گیا۔۔۔ پر اب ایشال کی امی کے کان میں ڈال دیجیے گا۔ ہمارے یہاں رسم ہے کہ شادی پر بہن کو اس کی من پسند تحفہ دیا جاتا ہے۔۔۔ ایک ہی نند ہے۔ سونے کی کوئی چیز چڑھائی جائے۔" انوشہ نے جلدی سے اپنے مطلب کی بات ماں کو سمجھائی۔
"ہائے۔۔۔ میں یہ سب اس دن کہہ دیتی۔ جس دن شادی کی تاریخ رکھنے گئی۔ اور نند ہی کیا۔۔۔ ساس کے لیے بھی سونے کے زیور والی بات ان کے سامنے بہانے سے نکالی' جب سب باتیں طے ہو رہی تھیں۔ وجدان نے جہیز کے نام پر ایک تنکا لینے سے صاف منع کر دیا۔ بس اعیان نے کہا کہ ایشال اپنے زیور کپڑے اور ضرورت کا سامان لے کر آئے گی۔" انہوں نے افسردگی سے بتایا۔
"یہ کیا تک ہوئی' وہ کیا زمانے سے الٹی چال چل رہا ہے۔۔۔ پاگل تو نہیں ہو گیا' آپ لوگ اسے وہاں لے کر کیوں گئے۔" انوشہ بھنائی۔
"ارے۔۔۔ یہ انعم کچھ زیادہ ہی چالاکی دکھا رہی تھی۔۔۔ اس نے اعیان کو پٹی پڑھائی اور وہ بولا کہ جس کی شادی ہونے والی ہے' اس کی موجودگی میں ساری باتیں طے کرنا اچھی بات رہے گی۔ فوزیہ نے پریشانی سے کہا۔
"پتا نہیں بھائی کو ہو کیا گیا ہے؟" انوشہ نے سر جھٹک کر کپڑے بیگ میں ٹھونسے۔
"انو۔۔۔ اپنے بھائی کی ایک اور انوکھی بات سنو۔۔۔ وجدان نے تو اپنی شادی کا جوڑا بھی خود بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔" فوزیہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"آپ نے اسے سمجھایا نہیں۔۔۔ ویسے تو آپ کے پاس بہت باتیں ہوتی ہیں۔" انوشہ بری طرح سے چڑ گئی ماں کو وقت پر ٹوکا۔
"میں نے سب کے سامنے ہلکا سا اعتراض اٹھایا تو وہ بولا کہ یہ ساری مادی اشیاء ساری عمر کے لیے کافی ہیں۔ یا۔ ان میں عائلی زندگی کو کامیاب بنانے کا کوئی نسخہ چھپا ہوا ہے۔۔۔ نہیں نہ۔۔۔ تو پھر میں اتنی غیرت اور حیثیت رکھتا ہوں۔۔۔ کہ شادی پر اپنے پیسوں کا سوٹ بنوا کر پہن سکوں۔" اس نے یہ تقریر وہاں پیش کی۔ اعیان نے تو خوش ہو کر بھائی کا کاندھا۔۔۔ تھپتھپایا۔" فوزیہ نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"اف۔۔۔ ان لوگوں کو ہو کیا گیا ہے؟" انوشہ نے کپڑوں کا گولہ بنا کر غصے سے دور پھینکا۔
"ایشال کے بھائی نے بھی کافی بحث کی۔ ذکیہ بہن کو بھی دنیا والوں کا ڈر پیدا ہوا کہ کتنی باتیں بنائی جائیں گی۔ اسی لیے انہوں نے نوشے میاں کو منانا چاہا' سمجھایا مگر ان کی تو ایک بھی نہ سنی۔" فوزیہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔
"ممی۔ بھابھی صاحبہ ایسے ہی ہاتھ جھلاتی خالی خولی چلی آئیں گی میری سسرال میں کتنی ناک کٹے گی۔" انوشہ کا بس چلتا تو وہ وجدان کی بے وقوفی پر ایک ہاتھ ٹکا دیتی۔ چھوٹی بہن تھی ایسا کوئی استحقاق نہیں تھا۔
"وہ تو وہاں دھمکیوں پر اتر آیا کہ اگر کسی نے مجھے جہیز لینے پر مجبور کیا تو میں بارات نہیں لاؤں گا۔۔۔ اس گھر کی سب سے قیمتی چیز لے جا رہا ہوں مزید کچھ نہیں چاہیے۔" اس بات پر سارے چپ کر گئے۔ فوزیہ کو منظر نگاری پر عبور حاصل تھا' ایسے بیان کر رہی تھیں کہ انوشہ کے سامنے جیسے فلم چل پڑی ہو۔
"خیر۔ چھوٹی دلہن۔ کو رزاق ہاؤس میں قدم دھرنے دو' تیر کی طرح سیدھا نہ کر دیا۔۔۔ تو میرا نام بھی فوزیہ رزاق نہیں۔۔۔ ساری چوکڑیاں۔۔۔ بھول جائیں گی۔" فوزیہ کو جانے کیوں وجدان کی ہونے والی بیوی سے ایک قسم کی بے زاریت پیدا ہو چلی تھی۔ ان کے دل نے ہونے والی چھوٹی دلہن کو ناپسندیدہ لوگوں کی فہرست میں شمار کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"چلو۔۔۔ اب یہاں تک آ گئی ہو تو چائے پی کر جانا۔" انعم نے بہت محبت سے ایشال کا ہاتھ تھام کر

اسے دعوت دی۔

"نہیں... بھابھی... کافی دیر ہو گئی ہے اب مجھے گھر جانا ہے۔" ایشال اندر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ صبح سے وہ دونوں شادی کی شاپنگ میں مصروف تھیں' اب تھک کر چور ہو گئیں تو انعم اسے بھی ضد کر کے ساتھ لے آئی اور انکار کے باوجود زبردستی اندر لے گئی۔

"آج کل کی لڑکیوں کو... شادی سے پہلے ہی سسرال کی سیر کرنے کا کتنا شوق ہے؟" فوزیہ نے بھنویں اچکا کر طنز کا تیر پھینکا۔

"ممی۔ یہ تو ڈرائیور کے ساتھ واپس جا رہی تھی... میں اس کو زبردستی لائی ہوں۔" انعم نے اس کے سرد ہوتے ہاتھ تھام کر صوفے پر بٹھایا۔ ایشال کا استقبال خاصی سرد مہری سے کیا گیا انوشہ نے ٹی وی پر چلنے والے ڈرامے سے پل بھر کر نظر ہٹا کر اسے جبری مسکراہٹ سے نوازا۔

"چلو... اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔" انعم نے اسے اشارہ کیا اور اپنے کمرے میں لے آئی جہاں گرما گرم چائے اور خستہ بسکٹ اور کیک سے اس کی تواضع کی۔

"شکریہ... بھابھی۔" وجدان مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو ایشال چونک اٹھی۔ یہ اس کی اور انعم کی شرارت تھی' جو اسے بلایا گیا تھا۔

"تم دونوں کے پاس بس پانچ منٹ ہیں۔" انعم نے شرارتی انداز میں اپنی پانچوں انگلیاں لہرا کر۔ باہر نکل گئی۔

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ ایک دم ناراض ہونے لگی' اسے فوزیہ بیگم کا انداز بہت چبھا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔ پر اس دل کیا کرتا... جو تمہیں دیکھنے کو بے قرار ہو رہا تھا' اسی لیے بھابھی سے ریکویسٹ کی۔" وجدان معصوم سا منہ بنا کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بس تمہیں یاد دہانی کرانی تھی کہ محبت کے جس راستے پر میں آنکھیں بند کر کے چل رہا ہوں ہم بھی میرا ہاتھ تھامے دور تلک چلتی چلی جانا' راہ نہیں بدلنا۔" وجدان نے سرگوشی کی۔

"فکر مت کریں' نہ میں بھولوں گی' نہ ہی کسی کو بھولنے دوں گی۔" وجدان کی آنکھوں میں جھانکتی اس کی آنکھیں محبت سے لبریز تھیں۔

"تمہیں دیکھتا ہوں تو' اپنی آنکھوں پر پیار آتا ہے۔" اس نے شوخی سے ایشال کا ہاتھ تھاما اور بولا۔

"وہ کیوں؟" وہ گھبرا کر پیچھے ہوئی۔

"ان کی بدولت اپنی پیاری ایشال کی صورت دل میں جو اتار پاتا ہوں۔" وجدان کا گھمبیر ہوتا لہجہ' لودیتی آنکھیں' وہ سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگی۔ وجدان کی نگاہوں کے حصار میں چہرہ سرخ ہونے لگا۔

"ہا... ہا... چلو... بچوں... ٹائم ختم..." انعم نے دھڑ سے دروازہ کھولا ولین والا قہقہہ لگاتے ہوئے انٹری ماری۔ ایشال اور وجدان پیار کے طلسم سے آزاد ہوئے۔

"بھابھی... بس پانچ منٹ اور..." وجدان نے شرارت سے آنکھیں میچ کر کہا۔

"باقی... کل بھئی... باقی کل۔" انعم نے ہنستے ہوئے اس کے بال بگاڑے اور انگوٹھا دکھاتی ہوئی ایشال کو لے کر باہر نکل گئی' جاتے جاتے ایشال کی نظریں وجدان کی بے خود نگاہوں سے ٹکرائیں اور دل کے تار جھنجھنا اٹھے۔ ایشال جو منگنی کے بعد سے دل کی گہرائیوں سے وجدان کی ہو چکی تھی' اسے یہاں کے حالات کا خاصی حد تک اندازہ تھا' اسی لیے کیل و کانٹوں سے لیس ہو کر سسرال میں قدم رکھنے کی ہمت پیدا کرنے لگی۔

✲ ✲ ✲

دلہن بنی ایشال نے بہت خوب صورت کامدار گلابی اور رنج رنگ کا شرارہ پہنا تھا' بالوں کا جوڑا بنائے' جس میں موتیے کا گجرا اپنی بہار دکھا رہا تھا' ہاتھوں میں ڈھیر ساری گلابی اور اورنج چوڑیاں پہنیں' سر کے زیور میں اس نے صرف جڑاؤ ماتھا پٹی لگائی تھی جو اس کی صبیح

پیشانی پر بہت موزوں دکھ رہی تھی' وجدان بھی کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا سفید پاجامے پر لائٹ پنک کلر کی شیروانی پر تلے کا کام تھا' پریوں کی کہانی جیسے ماحول میں رنگ و نور کی برش ہو رہی تھی ہر طرف خوشیوں کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

فوزیہ بیگم اور انوشہ کے دل میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ پوری تقریب میں دونوں ماں بیٹیوں کا منہ پھولا رہا' حالانکہ انعم اور سلمیٰ نے خوش اخلاقی دکھاتے ہوئے ان کے رویوں کی تلافی کرنا چاہی' پھر بھی ایشال کے خاندان میں چہ موگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"کیا فوزیہ بہن..... اس شادی پر خوش نہیں ہیں؟" سیدھی سادی ذکیہ نے گھبرا کر بیٹے کو کونے میں لے جا کر پوچھا' وہ کچھ جانتا تو بتاتا' ماں کی باتوں پر پریشان ہو گیا۔ اور کچھ نہ بنا تو رخصتی کے وقت وجدان کا ہاتھ تھام لیا۔

"وجد..... میری بانو کا خیال رکھنا' اس میں ابھی بہت بچپنا ہے' کوئی شرارت کرے تو در گزر سے کام لینا۔" ارحم کی بھیگی آنکھیں دیکھ کر وجدان نے بڑھ کر دوست کو گلے لگایا۔ انعم نے آگے بڑھ کر ایشال کو سنبھالا اور ذکیہ بیگم کو دلاسا دیا۔ وجدان کی نگاہوں میں بھابھی کے لیے تشکر سمٹ آیا جنہوں نے ہر موقع پر اپنا حق ادا کیا۔

یہ جگمگاتا قافلہ رات گئے رزاق ہاؤس لوٹا۔ تو سلمیٰ اور انعم نے دلہا دلہن کو مین گیٹ پر ہی روک لیا' دروازہ رکوائی کا زور و شور سے مطالبہ کیا گیا' وجدان نے گولڈ کی تین چین بنوائی تھی جو دروازہ رکوائی کے طور پر سلمیٰ اور انعم بھابھی اور انوشہ کو دی گئیں' اس کے بعد کہیں جا کر انہیں اندر جانے کی اجازت ملی۔

اب بھی وجدان کی جان نہیں چھوڑی گئی' بھابیاں ایشال کو گھیر کر بیٹھ گئیں' اس کی حنائی ہتھیلی پر کھیر رکھ وجدان کو کھانے کی پیش کش کی گئی' وجدان جتنا کھانا چاہتا' وہ دونوں بھابھیاں دلہن کا ہاتھ اتنا ہی دور لے جاتیں' کافی دیر تک ہنسی مذاق کے بعد اسے کامیابی نصیب ہوئی' یہ اور بات ہے کہ کھیر ہونٹوں کے کنارے پر بھی لگ گئی' اعیان نے بڑھ کر بھائی کا یہ اسپیشل پوز کیمرے میں مقید کر لیا۔

فوزیہ سے گھر کا یہ اچھا بھلا ماحول برداشت نہ ہو سکا۔ انوشہ کو کوئی گھاس ہی نہیں ڈال رہا تھا' اس نے منہ پھلا کر ماں کو اشارہ کیا تو انہوں نے تھکن کا بہانہ بنا کر کھیر کھلائی کی رسم ختم کروائی۔ انوشہ بھی شوہر اور بچوں کو لے کر کمرے کی طرف چل دی۔ انعم نے دلہن بنی ایشال کو محبت سے پکڑ کر اس کے کمرے تک پہنچا دیا۔

☆ ☆ ☆

"سب چلے گئے ہیں..... فٹافٹ ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ۔" گلاب کی لڑیوں سے سجے بیڈ پر شرمائی لجائی ایشال کو دیکھ وجدان دل کشی سے مسکرایا' اس کے چھیڑنے پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئی پلکوں کی چلمن گرائے بیٹھی رہی۔

"اب..... اتنی بھی پیاری نہیں لگ رہی ہو..... لگتا ہے میں نے..... منہ دکھائی کا تحفہ کچھ زیادہ ہی قیمتی لے لیا۔" وجدان نے اس کی جھجک دور کرنے کے لیے غصہ دلایا وہ بھی کم نہیں تھی شرم و حیا بھول بھال تیکھی نگاہوں سے اسے گھورنے لگی..... وہ ایک دم ہنس دیا۔

"یہ ہی تو کہہ رہا ہوں صرف پیاری نہیں بلکہ خوب صورت بھی لگ رہی ہو۔" وجدان نے سائیڈ دراز سے مخمل کا کیس نکالا' جس میں سے جھلمل کرتا جڑاؤ بریسلیٹ نکلا' اس نے بہت آہستگی اور پیار سے اسے ایشال کی نازک سی کلائیوں میں پہنایا۔ وہ کھل اٹھی۔

"آپ کی اچھی پسند کی تو میں اکثر قائل ہو جاتی ہوں۔" ایشال نے اب ریلیکس انداز میں جوابی کارروائی کی ٹھانی۔

"قائل ہو جاتی ہوں..... مسز..... آپ کا مطلب کیا ہے؟" وجدان نے خالی کیس سائیڈ میں رکھتے ہوئے بڑے استحقاق سے پوچھا' ایشال کے من میں مسز پر گدگدی سی ہوئی۔

"بس خود کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے۔" ایشال

کھلکھلائی۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی گھوم گھوم کر خود کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا خود کو سراہتا لہجہ بے جا نہ تھا۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں۔" وجدان نے پیچھے کھڑے ہو کر آئینے میں اس کا عکس دیکھا اور سر ہلا کر تائید کی۔ وہ عروسی لباس میں اتنی معصوم اور حسین لگ رہی تھی کہ وجدان کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

"ایشال۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ اس گھر میں جہاں تمہیں میری غیر مشروط محبت ملے گی وہیں زندگی کے کٹھنائیوں سے بھی واسطہ پڑے گا۔" وجدان کا لہجہ اچانک کچھ سوچ کر اداس ہو گیا۔

"اچھا۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔" وہ اسے شانوں سے تھام کر صوفے تک لایا، بٹھایا اور خود اس کے مقابل قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کے نازک حنائی ہاتھ کس کر تھام لیے جیسے بچھڑنے کا ڈر ہو۔

"مائی ہسبنڈ۔۔۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ آپ کی محبت کا بھرم قائم رہے۔" ایشال نے اپنے گرم ہاتھوں کا دباؤ بڑھا کر اسے یقین دلایا۔

"ممی، اعیان بھائی، انوشہ کسی کی بات بھی بری لگے، بس میری خاطر برداشت کر لینا، مگر مجھے چھوڑ کر کبھی جانے کا سوچنا بھی نہیں، جس دن ایسا ہوا میں سمجھ لوں گا شاید میرے پیار میں ہی کمی تھی۔" وہ پرامید نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ دل صرف ہاں سننے کا متمنی تھا۔

"وجدان۔۔۔ یہ صرف آپ کی ہی نہیں میری محبت کا بھی امتحان ہو گا۔۔۔ بے فکر رہیں۔ میں اس گھر میں درپیش ہر چیلنج کا سامنا کروں گی۔" وہ بہت نرمی سے اس کے گھنے بالوں پر اپنا خوش نما سر ٹکا کر بولی۔۔۔ وجدان نے پرسکون ہو کر گہرا سانس لیا۔

☼ ☼ ☼
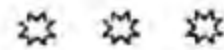
ولیمہ کا ریسپشن رزاق ہاؤس میں ہی دیا گیا۔ اعیان اور عرفان صبح سے کام میں لگے ہوئے تھے، انہوں نے چھوٹے بھائی کی خوشیوں کو نوکروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی نگرانی میں سارے امور انجام پائے۔ اس موقع پر سلمیٰ نے سمجھ داری کا ثبوت دیا اور عرفان کو بھی سمجھا بجھا کر لائی۔

"ممی۔۔۔ بھائی پاگل تو نہیں ہو گئے، کتنا خرچ کر رہے، اتنا اہتمام تو میری شادی پر بھی نہیں کیا گیا تھا۔" انوشہ جو پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی، رزاق ہاؤس کی سجاوٹ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ عرفات کا منہ شادی سے ہی بگڑا ہوا تھا۔ بیوی کو گیٹ پر اتار کر سالے کی گاڑی میں کہیں نکل گیا۔

"چپ کر جاؤ۔۔۔ میں تو خود حیران ہو رہی ہوں۔۔۔ مگر ابھی ایسی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔" فوزیہ نے اپنی قیمتی بنارسی ساڑھی کا فال درست کرتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"میں تو چپ ہو جاؤں، مگر عرفات کا کیا کروں؟۔۔۔ وہ اتنی باتیں سنا رہے ہیں کہ تم سوتیلی تھی نا۔ اعیان کو۔ دیکھو سگے کی شادی میں کیسا پیسا خرچ کر رہا ہے۔" انوشہ نے منہ پھلا کر کہا۔

"اف۔۔۔ داماد جی کی تو رہنے دو۔۔۔ اس کے لالچ کی تو حد ہی نہیں ہے۔۔۔ شادی کے سات سالوں میں اس نے اور بہن شازیہ نے بہانے بہانے سے میرے بینک میں رکھے سارے پیسے نکلوا لیے۔۔۔ پھر بھی ان کا منہ سیدھا نہیں ہوتا۔ وہ تو شکر ہے کہ اعیان گھر کا سارا خرچا میرے ہاتھوں میں دیتا ہے تو۔۔۔ معاملات میرے کنٹرول میں ہیں۔۔۔ ورنہ پتا نہیں کیا ہوتا۔" فوزیہ نے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بیٹی کو ڈانٹا۔

"ممی۔۔۔ اگر آپ نے پیسے دیے تو کیا ہوا؟ کوئی احسان نہیں کیا۔۔۔ ویسے بھی میرے پاپا کے پیسے تھے۔۔۔ کیا ان پر میرے شوہر اور بچوں سے بھی زیادہ کسی کا حق ہے۔۔۔ مگر میں تو بھائی کی بات کر رہی ہوں۔" انوشہ نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا شرارہ ٹھیک کرتے ہوئے بے فکری سے کہا۔

"اف۔۔۔ تم کب ہوش کے ناخن لو گی۔ اگر یہ رقم محفوظ رہتی تو بعد میں تمہارے اور بچوں کے کام

آتی۔ اور جہاں تک۔ اعیان کی بات ہے اس نے تمہاری شادی بھی بہت دھوم دھام سے کی تھی، تمہارا میاں۔۔۔ بڑا احسان فراموش ہے۔ سب بھول گیا، ابھی بھی دیکھو شادی کی تمام رسومات کے تمہارے کپڑے زیور میں نے ہی بنا کر دیے ہیں، تمہارے بچوں کی بھی اتنی شاندار تیاری کرائی ہے۔ یہاں تک کہ ایشال کو منہ دکھائی میں دیا جانے والا سونے کا سیٹ بھی میں نے ہی خرید کر تمہیں دیا۔" ماں کے بگڑے موڈ پر انوشہ نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

انعم نے ولیمہ کی تقریب کے لیے خاص طور پر باٹل گرین کلر کی شیفون کی میکسی خریدی تھی، جسے زیب تن کر کے ایشال کی چھب ہی نرالی ہو گئی، پوری میکسی پر سلور ڈائمنڈ سے باریک کام کیا ہوا تھا، ڈائمنڈ کا ٹیکا جھومر، کھلے بالوں میں جگہ جگہ چھوٹے گلابی اور سرخ پھول پروئے وہ بہت ہی حسین لگ رہی تھی جب کہ بلیک تھری پیس سوٹ پہنے وجدان بھی الگ ہی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بار بار بہانے بہانے سے ایشال کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے اور بھی لوگ ہیں محفل میں کسی اور طرف نگاہ ہی نہیں اٹھ رہی۔" انعم نے مسکرا کر دیور کی طرف دیکھا، سلمٰی اور انعم، دیور دیورانی کے ساتھ فوٹو سیشن کرانے آئی تھیں۔

"بھابھی۔۔۔ اب تو یہ حال ہے کہ ہر سو دکھائی دیتے ہیں، وہ جلوہ گر مجھے۔" وجدان نے ایشال کی جانب جھکتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

"ہائے۔۔۔ ہائے بے شرم نہ ہو تو۔ ابھی سے بیوی کے پلو سے بندھ گیا۔" سلمٰی نے وجدان کو ایک دھپ لگائی دونوں نیچے اتر گئیں۔ ایشال مسکراتے ہوئے جٹھانیوں کی ہنسی مذاق کو انجوائے کر رہی تھی۔

"یہ لڑکا تو لگتا ہے کام سے گیا۔۔۔ اس دفعہ۔ مجھے مشکل پیش آنے والی ہے۔" فوزیہ نے دانت کچکچا کر ایشال کو دیکھا، جو وجدان کی کسی بات پر شرما کر چھوئی موئی ہو رہی تھی۔

ولیمہ کی تقریب کا انعقاد عمارت کے اطراف میں پھیلے بڑے سے سبزہ زار پر کیا گیا تھا، اصلی پھولوں سے کی گئی سجاوٹ نے دیکھنے والی ہر آنکھ کو اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ اعیان نے ولیمہ میں اعلا معیار کا بہت خیال رکھا تھا، شاندار انتظامات کروائے، بہت بڑے ہوٹل کی کیٹرنگ کی گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹے بھائی کو والدین کی کمی کا احساس ہو، اس کے باوجود ان دونوں کو یاد کر کے کئی بار وجدان کی آنکھیں بھیگیں تو کئی دفعہ اعیان نے ٹشو میں نمی جذب کی۔ جس نے بھی اس تقریب میں شرکت کی، دنوں تک بھولا نہیں۔ شہر بھر میں رزاق احمد کے چھوٹے بیٹے کی شادی کا تذکرہ رہا۔

✡ ✡ ✡

"اعیان دیکھو۔۔۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے۔ دل بند ہو جائے گا۔" فوزیہ اعیان کا ہاتھ پکڑ کر رو دیں۔ پورا گھر ہاتھ باندھے، ان کے شاہانہ بیڈ کے گرد جمع تھا۔

"ممی۔۔۔ میں ہوں نا۔ آپ کو۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔ جلدی سے دودھ لاؤ۔" اعیان نے فوزیہ کو تسلی دی اور بیوی کو گھورا۔ انعم نے روبوٹ کی تیزی سے دودھ کا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔

"نہیں دل نہیں چاہ رہا۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"ممی پی لیں۔۔۔ کتنی کمزور لگ رہی ہیں۔" انوشہ نے بھابھی سے جھپٹ کر دودھ لیا اور ماں کے ہونٹوں سے لگایا وہ غٹا غٹ پی گئیں۔ انعم ایشال کو اشارہ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"بھابھی۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ ممی صبح تک تو ٹھیک تھی۔ ابھی اچانک۔۔۔ اتنی طبیعت کیسے خراب ہو گئی؟" ایشال نے اچنبھے سے پرسکون انداز میں کام کرتی انعم سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ عرفات بھائی گھر جانے کی ضد کر رہے ہیں اب یہ ڈرامے چلتے رہیں گے۔" انعم نے سالن بھونتے ہوئے چڑ کر کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" ایشال نے نہ سمجھ میں آنے

والے انداز میں اسے گھورتے ہوئے ہرا دھنیے کی پتیاں توڑیں۔
"بھئی۔۔۔ سیدھی سی بات ہے۔ ممی کو ابھی انوشہ کو مزید یہاں روکنا ہے' جب تک عرفان بھائی جائیں گے نہیں۔۔۔ ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہوگی اور انوشہ اس حالت میں ماں کو چھوڑ کر جانے کو تیار نہیں ہوگی۔" انعم نے برسوں سے جاری معمول کو اس کے سامنے دہرا دیا۔ وہ حیرت سے انعم کا منہ دیکھتی رہی۔
بالکل ویسا ہی ہوا جیسا انعم نے کہا تھا۔ عرفات بیوی کو گھر لے جانا چاہتا تھا' مگر وہ ماں کی طبیعت خرابی کی وجہ سے یہاں سے ہلنے کو بھی تیار نہیں تھی۔ بند کمرے میں میاں بیوی کا خوب جھگڑا ہوا' عرفات بچوں کو لے کر لوٹ گیا۔ اس دفعہ خالہ نے بھی پیسے مانگنے پر ہری جھنڈی دکھادی۔ عرفات کا منہ اس بات پر زیادہ پھول گیا۔

☆ ☆ ☆

"ممی۔۔۔ ایک منٹ۔ یہ بریانی آپ نہیں کھا سکتی ہیں۔" ایشال کی آواز پر سب نے کھانا چھوڑ کر اس کی جانب دیکھا۔
"تم کیا کہہ رہی ہو' چھوٹی بہو؟" فوزیہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ عرفات کے جانے کے بعد آج وہ کتنے دنوں بعد کھل کر کھانا کھا رہی تھیں' اشتہا انگیز خوشبو سے بھوک بڑھ گئی تھی۔
"پیاری ممی۔۔۔ میں نے ڈاکٹر کی ہدایت پر آپ کے لیے سبزی کا سوپ اور دلیہ پکایا ہے۔" ایشال نے فوزیہ کے سامنے سے پلیٹ اٹھا کر سوپ کا پیالہ رکھا تو وہ حق دق رہ گئیں۔
"چھوٹی بہو۔۔۔ میں اب ٹھیک ہوں۔۔۔ مجھ سے یہ پرہیزی کھانا نہیں کھایا جائے گا۔" فوزیہ نے بیٹوں کی جانب دیکھ کر امداد چاہی۔ وجدان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"ہاں۔۔۔ بھابھی ممی کو نارمل کھانا کھانے دیں۔ ان سے یہ سب نہیں کھایا جائے گا۔" انوشہ نے بھی چبا چبا کر کہا۔
"انوشہ۔۔۔ تم تو رہنے ہی دو۔۔۔ چار دن کے لیے میکے آتی ہو۔۔۔ ممی کے ساتھ تو ہم لوگوں نے رہنا ہے۔ آئے دن بی پی ہائی ہونا' طبیعت بگڑنا' چکر متلی۔۔۔ یہ خرابی صحت کی علامت ہے۔ میں آج سے ممی کا پرہیزی کھانا خود پکاؤں گی۔ دیکھنا کتنی جلدی ان کی طبیعت ایک دم ٹھیک ہو جائے گی۔" ایشال نے دونوں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پیار جتایا۔
"مگر۔۔۔" انوشہ سے ماں کا اترا چہرہ دیکھا نہیں گیا' اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی وجدان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔
"میرے خیال میں عیش ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ویسے بھی پرہیز علاج سے بہتر ہے۔۔۔ کیوں بھائی؟" وجدان نے اعیان سے تائید چاہی۔
"ایشال کی بات ٹھیک ہے۔ ممی پلیز تھوڑے دنوں تک پرہیز کر کے دیکھ لیں۔ میں آپ کو بیمار نہیں دیکھ سکتا ہوں۔" اعیان اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے بولا' پھر چمچہ اٹھا کر بدمزا سبزی کا سوپ پیار سے پلانے لگا۔ فوزیہ کی حالت اس بکری کی سی ہو رہی تھی جس کو قربانی کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ ایشال اور انعم نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

☆ ☆ ☆
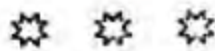
"اف! کتنے دن ہو گئے۔۔۔ ایشال کے ہاتھ کے برے برے پھیکے سیٹھے کھانے کھا کھا کر میری زبان اینٹھ گئی ہے۔" فوزیہ کا حال ایک ہفتے میں ہی برا ہو گیا۔
"ممی۔۔۔ میرا دل خود اتنا جلتا ہے' مگر کیا کروں۔ اس کل کی آئی چھوکری نے آپ کی صحت کی اتنی فکر دکھائی کہ بھائیوں کی نگاہ میں بھی اچھی بن گئی۔" انوشہ نے دانت کچکچائے۔
"کتنے گھنٹے کچن میں لگا کر اتنے برے برے کھانے پکا کر کھلاتی ہے کہ مت پوچھو۔۔۔ سوپ تو برتنوں کا دھوون لگتا ہے اور سالن میں سے ہیک آتی ہے۔ دلیہ

تو میرے تالو سے چپک جاتا ہے۔" فوزیہ نے ابکائی لی۔
"اس کی ساری چالاکیاں... جانتی ہوں... پر وہ بات ایسے کرتی ہے کہ سب کو قائل کر لیتی ہے۔" انوشہ نے ماں کے پاس بیٹھ کر رولا سا دیا۔
"روز ایک گھنٹہ واک کرواتی ہے... میرے تو گھٹنوں میں درد ہو جاتا ہے۔" فوزیہ نے بلبلا کر پیروں کو ہاتھ سے دبایا۔
"چالاک اتنی ہے۔ آپ کا علاج بھی اپنے بھائی سے کروا رہی ہے۔ اسی لیے ڈاکٹر کے نسخوں میں آدھی باتیں اپنی مرضی کی شامل کر لیتی ہے۔" انوشہ نے غصے سے کہا۔
"دیکھو نا آج کتنا سارا چکن روسٹ بنا تھا' سچ میں خوشبو سے ہی بے چین ہو گئی' مگر ایشال نے ایک پیس بھی لینے نہیں دیا کہ مرچیں بہت زیادہ ہیں' آپ کا معدہ اس قابل نہیں رہا ہے۔
اب... بات حد سے گزر گئی ہے' وہ مجھے جانتی نہیں ہے۔ میں اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گی۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا۔" فوزیہ کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ انوشہ ماں کے قریب ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"عیش... مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم میری ہو گئی ہو۔" وہ وجدان کا سامان پیک کر رہی تھی کہ اس نے ایشال کی ناک چٹکی سے دبائی۔ وہ کل بزنس کے سلسلے میں دبئی جا رہا تھا' اسی لیے بیوی کے لاڈ اٹھانے لگا۔ ایشال کا بس چلتا تو اسے جانے نہ دیتی۔
"اب... یقین آیا... کہ یہ میں ہی ہوں۔" ایشال نے اس کے بھرے بھرے بازوؤں پر کس کر چٹکی کاٹی اور شرارت سے ہنسی۔
"آؤچ... ارحم... تمہیں مانو... صحیح بلاتا ہے۔" وجدان ایک دم چیخا اور بازو سہلانے لگا۔
"دیکھو... میری واپسی... دو مہینے بعد ہو گی۔ پلیز اس دوران ذرا سکون سے رہنا کسی سے کوئی بحث تکرار نہیں کرنا۔ ویسے بھی یہ تمہیں جو بے سوچے سمجھے بولنے اور کرنے کی عادت ہے اس سے ڈر لگتا ہے۔ میرے پیچھے سے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دینا۔" وجدان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے بٹھایا اور پیار سے سمجھایا۔
"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی' ہسبنڈ... آپ بے فکر ہو کر جائیں۔" ایشال نے منہ موڑ کر آنکھوں کی نمی چھپائی۔
"ہسبنڈ... اوہو... اس لفظ کی بھی کیا شان ہے؟" وجدان نے ہنستے ہوئے اس کے نرم گالوں کو چھوا۔ اس نے شرما کر وجدان کو پیچھے کیا۔
"کیوں... دور دور رہندے ہو... حضور میرے کولوں..." وجدان کو اسے چھیڑنے میں مزا آ رہا تھا کان میں گھس کر گنگنایا۔
"جناب... اس طرح میں آپ کو اتنے دن دور رہنے کی تربیت دے رہی ہوں۔" وہ بے ساختہ بولی' وجدان اس کے قریب آ کر آنکھوں میں شرارت لیے تکتا رہا۔
"مجھے تو تمہاری اتنی عادت ہو گئی ہے وہاں ہر چہرے پر تمہارا ہی گمان ہو گا... یہ نہ ہو تمہارے خیال میں کسی میڈم کے پیچھے پیچھے اس کے گھر پہنچ جاؤں۔" وجدان نے اسے ڈرایا۔
"خبردار... جو میرے علاوہ کسی کی طرف دیکھا بھی تو..." ایشال تکیہ سے اسے مارنے لگی۔ دونوں بہت دیر تک ہنستے رہے اچانک ایشال اداس ہو گئی' وجدان کا جانا اس کے لیے بہت روح فرسا تھا۔
"عیش... اپنا بہت خیال رکھنا۔ جب میں واپس لوٹوں تو ایسے ہی ہنستے مسکراتے میرا استقبال کرنا۔" وجدان نے سونے سے قبل استدعا کی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
وجدان شادی کے بعد پہلی بار اس سے دور جا رہا تھا' ان حالات میں جاتے ہوئے اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ وہ جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی تھی۔ فوزیہ کو اتنا نہیں سمجھتی تھی' مگر وجدان اپنی سوتیلی ماں کی رگ رگ سے واقف تھا' جانتا تھا کہ وہ ایشال کو اتنے مزے سے کھل کر کھیلنے کی اجازت نہیں دیں

گی۔ ایئرپورٹ جانے سے قبل اس نے خاص طور انعم بھابھی سے بھی عیش کا خیال رکھنے کی درخواست کی تو وہ بہت دیر تک دیور کے مجنوں پن پر ہنستی رہی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا۔۔۔ تماشا لگا رکھا ہے' ممی کو کب تک پرہیز کے نام پر یہ زہر کھلایا جائے گا۔" عرفان جو فوزیہ کے فون پر یہاں آئے تھے کھانے کی ٹیبل پر چیخ اٹھے' اعیان نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ ایشال ایک دم گھبرا اٹھی۔

"بڑے بھائی۔۔۔ ایشال ممی کو جو بھی ڈائٹ دے رہی ہے وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہے' ان کا بی پی ہائی رہنے لگا ہے' کولیسٹرول کا لیول بھی بہت بڑھا ہوا ہے۔" انعم نے نرمی سے کہا۔

"کون سا جاہل ڈاکٹر ہے' جو بی پی کے مریض کو اتنے تیز نمک کا سوپ پینے کی ہدایت کرتا ہے۔" عرفان نے ایک چمچہ چکھا اور پیالہ پرے کرتے ہوئے بولا' ایشال کے ہاتھ پیر پھول گئے' انوشہ بے ساختہ مسکرائی۔

"بھائی آرام سے۔۔۔ ایشال تو ممی کے لیے اپنے ہاتھوں سے پرہیزی کھانے پکا رہی ہے جن میں نمک مرچ بہت کم ہوتی ہے۔" اعیان کو عرفان کا انداز تخاطب برا لگا تو رسانیت سے بولا۔

"میری بات کا یقین نہیں تو خود چکھ کر دیکھو۔" عرفان نے سب کو تیز نگاہوں سے گھورا اور بولے تو اعیان نے چمچہ بھر سوپ منہ میں رکھا' واقعی نمک بہت تیز تھا۔

"ایشال۔۔۔ اتنا تیز نمک تو ممی کی بیماری کو مزید بڑھائے گا۔" اعیان کے تنبیہی انداز پر ایشال سن رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔

"پتا نہیں۔۔۔ بھائی۔۔۔ مگر۔۔۔" ایشال نے ہراساں ہو کر صفائی دینا چاہی تو عرفان نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔ فوزیہ نے اپنے کھوٹے سکے کو صحیح وقت پر چلایا' فون پر چار جھوٹے آنسو کیا بہائے وہ فوراً ہی یہاں پہنچ گیا۔

"بیٹا۔۔۔ اب میں کیا کہوں۔ گھر کا ماحول اچھا رکھنے کے لیے میں چھوٹی دلہن کے پکائے ہوئے ایسے تیز نمک کے کھانے چپ چاپ کھا رہی تھی کہ کہیں وجدان کو یہ نہ لگے کہ میں اس کی بیوی کے پیچھے لگ گئی ہوں' مگر رات بھر بی پی اتنا ہائی رہا کہ زبان کے نیچے گولی رکھی تب جا کر آرام ملا۔" فوزیہ نے مظلومیت کے سارے ریکارڈ توڑے' انعم اور ایشال سب سمجھ رہی تھی' مگر کچھ کہنے کا مطلب۔ جھگڑے کو طول دینا تھا۔

"بڑے بھائی۔۔۔ ہماری بھابھیاں تو خوش نصیب ہیں جو ممی جیسی ساس ملی ہیں' ورنہ میری ساس تو اتنی ظالم ہیں کہ ایک دفعہ سالن میں مرچ تیز ہو گئی' گرم گرم سالن میرے اوپر پھینک دیا۔" انوشہ کو اپنی تعریفیں کرنے کا بہت شوق تھا' دل سے قصہ گھڑ کر سنایا' ورنہ اس کی ساس بے چاری تو بہو کے ہاتھ کا کھانا کھانے کو ترستی تھیں۔

"دیکھو۔ چھوٹی دلہن۔۔۔ ابھی تمہیں یہاں آئے ہوئے چار دن ہی ہوئے ہیں' یہاں کا نظام بڑی خوش اسلوبی سے جیسے چل رہا ہے ویسے ہی چلنے دو۔۔۔ میری ممی کو کوئی تکلیف ہوئی تو یہ اچھی بات نہیں ہو گی۔ اگر تم لوگوں پر ان کا وجود بھاری ہے تو میں اپنے گھر لے جاؤں گا۔" عرفان نے ماں سے مکمل وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے سب کی بولتی بند کر دی۔ موقع ایسا تھا کہ انعم اور اعیان بھی کچھ نہیں بول سکے۔ ایشال کو البتہ وجدان کی یاد شدت سے آنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔۔۔؟ میں نے بھی تمہیں طلاق نہ دلوادی تو میرا نام بھی فوزیہ نہیں۔" وہ دھاڑے سے دروازہ کھول کر اس کے بیڈ روم میں گھسیں اور اسے بستر پر دراز دیکھ کر برسنے لگ گئیں' انہوں نے وجدان کی غیر موجودگی کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اب ہر وقت ایشال کا جینا حرام رکھتیں۔

"ممی۔۔۔ پلیز صبح سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے۔۔۔ اس لیے ناشتا نہیں بنایا' انعم بھابھی نے مجھے خود کمرے میں آرام کرنے کے لیے بھیجا

تھا۔" ایشال نے صفائی دینا چاہی۔

"وہ تمہیں۔ میرے لیے کھانا پکانے کا۔ بہت شوق ہے نا... اب بھگتو۔ میں بھی کیا کروں؟ تم سے کام کروانے کی ایسی عادت ہو گئی ہے کہ کسی اور کا کام سمجھ میں نہیں آتا۔" فوزیہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"ممی... آج سچ مچ میں طبیعت بہت خراب ہے۔" وہ چکراتے سر کو تھام کر بولی۔

"چلو بی بی اٹھو نو بج رہے ہیں' مجھے ناشتا کرنا ہے' قیمے بھرے پراٹھے پکاؤ' اس کے بعد میری کپڑوں پر استری کر کے دو' مجھے آج محلے میں ایک جگہ درس میں جانا ہے۔" فوزیہ نے اس کی بات سنی ان سنی کی اور تنتناتی ہوئی حکم دے کر باہر نکل گئیں۔ ایشال بڑی مشکل سے اٹھی۔ آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔

الٹی ہو گئی سب تدبیریں کے مصداق' اب فوزیہ اپنے سارے کام بڑی محبت سے ایشال سے کرواتیں' ایسے مشکل کھانے پکواتیں جو اس نے زندگی میں بھی نہیں پکائے تھے' وہ ایک نوالہ کھا کر چھوڑ دیتیں' پھر کسی اور چیز کی فرمائش ہو جاتی' ایشال ہلکان رہتی' انعم بھی اس کی مدد کرواتی' مگر ایسے موقعوں پر انوشہ کسی بہانے سے اسے کچن سے باہر نکال دیتی۔

انوشہ ماں کا بھرپور ساتھ دے رہی تھی۔ ایشال پہلے اپنی مرضی سے ان کے لیے پرہیزی کھانے پکاتی تھی۔ اب وہ جھوٹے لاڈ دکھا دکھا کر اس سے اپنے سارے کام کرواتیں۔

"بھئی... چھوٹی بہو... بہت اچھی ہے میرے سارے کام اس نے بن کہے سنبھال لیے۔ اب تو مجھے کسی اور سے تسلی ہی نہیں ہوتی۔" وہ اعیان کے سامنے ایشال کی اتنی تعریفیں کرتیں کہ انعم ان کی زیادتی کے خلاف شوہر سے کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہتی۔ اعیان ایشال سے ماں کی محبت دیکھ کر خوش ہوتا۔ اس کا دل ایک دم گھبرایا' سر چکرانے لگا تو وہ انعم کو بتا کے کمرے میں جا کر لیٹ گئی کہ ان کی چنگھاڑ پر باہر بھاگی۔

"یہ کہاں سے آیا... ؟ میں نے جب استری کیا تھا تو اس پر ایک دھبا نہیں تھا۔" ایشال نے ان کے ہاتھ میں تھامی ہوئی سفید قمیص پر پڑے تیل کے دھبے کو حیرت سے دیکھا۔

"نانی... یہ ببلو نے فرنچ فرائز کھا کر... آپ کی قمیص سے ہاتھ پونچھا ہے۔" بنٹو نے فوراً بھائی کا راز کھولا جو غصے میں اس کے پیچھے مارنے کو دوڑا۔

"بڑے ہی شریر ہو گئے ہو... چلو کوئی نہیں بچے ہیں... چھوٹی دلہن الماری سے میرا آسمانی کرتا شلوار نکال کر دوبارہ استری کر دو اتنے میں میں نہا لوں۔" وہ بڑے ریلیکس انداز میں کہتی ہوئیں واش روم میں گھس گئیں' ایشال کی جان ہی نکل گئی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے استری شروع کی' اتنی زور کا چکر آیا کہ زمین پر گر گئی۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی... میں کیا کروں... ممی نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے۔" ایشال انعم سے لپٹ کر بری طرح رو دی۔

"سب جانتی ہوں... میں نے ان کے ساتھ بڑا کڑا وقت گزارا ہے۔" انعم نے پیار سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ہر وقت ایک ٹانگ پر نچا کر رکھتی ہیں۔ جانتی ہیں۔ مجھے مسالوں کی مہک برداشت نہیں اسی لیے جان بوجھ کر مجھ سے ایسے کھانے پکواتی ہیں۔ سالن بھونتے وقت ہی میری جان آدھی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جو الٹیاں لگتی ہیں کہ میں بے حال ہو جاتی ہوں۔" ایشال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں بھاگ جائے' ایک تو ماں بننے کا پہلا موقع ہر چیز طبیعت پر بار لگ رہی ہوتی ہے۔ اس پر انوشہ اور فوزیہ کی حرکتیں۔

"میں اس معاملے میں کچھ کرنا چاہتی ہوں تو ممی مجھے الگ کر دیتی ہیں۔ اعیان سے کچھ بولوں بھی تو کیسے... ؟ مشکل یہ ہے کہ یہ بیٹوں کے سامنے اتنی

اچھی بن جاتی ہیں کہ اگر ان کی سچائی بتاؤ بھی تو وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے ہیں۔۔۔ یہ تو وجدان ہی تھا جو ممی کے سامنے اڑ جاتا تھا' ورنہ اعیان تو توبہ مجھ پر ہی برس پڑتے ہیں۔" انعم نے ایشال کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ گرنے کی وجہ سے اس کے سر کے پچھلے حصے میں چوٹ آئی' شکر ہے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا' مگر لیڈی ڈاکٹر نے بہت احتیاط بتائی تھی۔ انعم نے جان بوجھ کر ساری باتیں فوزیہ کے سامنے دہرائیں' مگر انہوں نے سنی ان سنی کرتے ہوئے اپنا فتویٰ لگایا۔

"آج کل کی ڈاکٹر تو چیٹنگ کر کے پاس ہوتی ہیں۔۔۔ لڑکی جیسے ہی ماں بننے لگتی ہے اسے کام کاج سے پرہیز بتا دیا جاتا ہے۔ جیسے بڑا انوکھا کام کرنے چلی ہوں۔" فوزیہ نے انوشہ کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا تو وہ جائی بھرنے لگی' حالانکہ اپنے دونوں بچوں کی دفعہ میں وہ میکے آرام کرنے آجاتی اور پھر ہل کر پانی نہ پیتی۔ انعم کو سب یاد تھا' مگر منہ سے ایک لفظ بھی نکالنے کا مطلب ایک نیا جھگڑا کھڑا کرنا۔

"میرا مشورہ مانو۔۔۔ جب تک وجدان نہیں لوٹتا۔۔۔ میکے چلی جاؤ۔" انعم کو ایک ہی حل دکھائی دیا۔

"وجدان۔۔۔ اگر ناراض ہوئے تو۔۔۔" ایشال نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ اس کا دل خود بھی شوہر کے بغیر یہاں نہیں لگ رہا تھا' اس کی یاد ستا رہی تھی۔

"اس سے میں خود فون پر بات کرلوں گی۔" انعم کے تسلی دینے پر ایشال نے ارحم کو فون کر دیا۔

☼ ☼ ☼
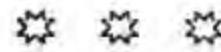
بلو جینز پر گرے شرٹ پہنے' آستینوں کو کہنی تک فولڈ کیے' وجدان بہت ہی رف حلیے میں تھا' شرٹ پر شکنوں کا جال بنا ہوا تھا' گریبان کے بٹن کھلے ہوئے تھے' بکھرے بالوں کو سنوارتا۔ وہ اسے تکے جا رہا تھا۔ آنکھوں میں یاسیت اور بلا کی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ ایشال جو اپنے خیالوں میں گم اداس سی کھڑی تھی ایک دم مڑی تو چونک کر اسے دیکھا' آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ تو دو مہینے کے لیے گیا تھا' ایک مہینے میں ہی لوٹ آیا۔

"تم نے میرے یقین کو ٹھیس پہنچائی' دل پر ایسی گہری چوٹ لگی ہے جس کا ازالہ ممکن نہیں۔" وہ درمیان کا فاصلہ طے کرتا اس کے مقابل آکھڑا ہوا' ایشال کا چہرہ جذبات سے ایک دم سرخ ہو گیا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' جس سے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے۔" وہ اپنے اوپر لگنے والے الزامات پر تڑپ کر بولی۔

"چھوڑ کر کیوں آئیں' منع کیا تھا نا۔" وجدان نے کاندھے سے تھام کر سختی سے پوچھا تو اس کی رنگت میں زردیاں گھل گئیں' ایشال کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔

"ممی نے کہا کہ اس بار آپ دبئی سے لوٹیں گے تو وہ مجھے طلاق دلوا دیں گی۔" ایشال نے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"انہوں نے کہا' تم نے یقین کر لیا' میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں کیا۔۔۔؟ میں جس دن ایسا سوچوں گا' شاید وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔" وجدان نے بہت کرب سے کہا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ جس میں رتجگے ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔

"وجدان یقین کریں' ممی نے مجھے اتنا ٹارچر کیا کہ میں اگر یہاں نہیں آتی تو میرے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جاتی یا شاید میں زندہ رہ جاتی' مگر ہماری آنے والی اولاد نہ بچ پاتی۔" ایشال نے ہاتھوں میں منہ چھپا کر کہا۔ وجدان اس کے انکشاف پر سن کھڑا رہ گیا' اس خوش خبری کا اسے کتنا انتظار تھا' مگر سنی بھی تو کن حالات میں وجدان کے سمجھ میں نہیں آیا کہ ان دونوں کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو دکھ کی سوغات ہیں یا خوشی کی وجہ۔

"میرے ہوتے ہوئے' تم پر یا میرے بچے پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔۔۔ ایک فون تو کیا ہوتا۔۔۔ میں لوٹ آتا۔" وجدان نے کانپتی ہوئی ایشال کو بانہوں کا سہارا دیا اور پھر جیسے سارے بندھ ٹوٹ گئے وہ اتنا روئی کہ وجدان کے لیے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ کافی دیر اس کی

پھر اس نکلنے کا انتظار کرتا رہا، پھر اسے خود سے الگ کیا۔

"ممی۔۔۔ ہر روز ایک نیا نقاب اوڑھ کر میرا چہرہ گھر والوں کے سامنے برہنہ کرنے پر تلی رہتی ہیں۔۔۔ میں اکیلی لڑتی بھی تو کیسے؟" وہ بلک کر بولی۔

"جان۔۔۔ محبت دو لوگ کریں اور تکلیف صرف ایک کے حصے میں آئے یہ کوئی انصاف نہیں۔ میں تو راہ حیات کے طویل سفر میں ہر مقام پر تمہارا ہاتھ تھامے رہوں گا۔" بہت پیار سے گالوں سے بہتے آنسو صاف کیے اور بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کانوں میں دھیرے سے کہا۔

"تمہارے بغیر میری زندگی میں کچھ نہیں۔۔۔ واپس چلی چلو۔۔۔ ورنہ میں گھر داماد بن کر یہیں پڑ جاؤں گا۔" اس کے گھر لوٹنے کی درخواست پر ایشال نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور سامان پیک کرنے اندر کی طرف لپکی۔ اس کا دل خود یہاں کب لگ رہا تھا، مگر مصلحت کا تقاضا یہ ہی تھا کہ وہ وجدان کی واپسی تک رزاق ہاؤس سے دور چلی آئے۔ ذکیہ نے بیٹی کو داماد کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد سکون کا سانس لیا اور شکرانے کے نفل ادا کرنے چل دیں۔

"ایشال۔۔۔ بیٹا۔۔۔ یاد رکھنا۔۔۔ زندگی ایک مکمل ناول کی طرح ہے۔۔۔ ہر نیا دن ایک صفحہ ہے جو کبھی پڑھنے والے کو دکھی کرتا ہے تو کبھی مسکرانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ان چیزوں سے گھبرا کر کوئی کتاب حیات بند نہیں کرتا۔۔۔ پڑھتا جاتا ہے اور خوشی ہو یا غم جینے کا لطف اٹھاتا چلا جاتا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایشال کے کانوں میں ماں کی نصیحت گونجی تو وہ نئی توانائی کے ساتھ رزاق ہاؤس میں داخل ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"بھائی۔۔۔ میرے پیچھے اتنا کچھ ہوتا رہا اور آپ نے مجھے خبر بھی نہیں کی۔" وجدان نے اعیان کے سامنے بیٹھ کر سوال کیا۔

"دیکھو۔۔۔ وجد۔۔۔ میں نے گھر کے ماحول کو بہتر بنانے کے لیے صرف ایک ہی گر سیکھا ہے، مردوں کو خواتین کے معاملات سے دور رہنا چاہیے۔" اعیان نے اخبار ایک طرف رکھا اور مسکرا کر بھائی کو سمجھایا۔

"میں بھی اس بات پر یقین رکھتا ہوں، مگر یہ گر ان گھرانوں پر فٹ بیٹھتا ہے، جہاں کا ماحول نارمل ہو۔" وجدان نے بھائی کو آئینہ دکھانا چاہا۔

"تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔۔۔؟ یہاں سب کچھ ٹھیک تو ہے۔ ویسے بھی اونچ نیچ ہر گھر میں ہوتی ہے۔ آخر انعم نے بھی تو اسی ماحول میں آرام سے گزارا کیا ہے، اب ایشال کو بھی سمجھاؤ۔" اعیان کو بھی اس کا انداز برا لگا تو انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

"سب جانتا ہوں کہ بے چاری بھابھی نے کیسے گزارا کیا۔۔۔؟ آپ کی آنکھوں پر تو ممی کی جھوٹی محبت کی پٹی بندھی ہے۔ وہ تو میرے اور بھابھی کے پاکیزہ رشتے پر بھی کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آئیں۔۔۔ بہرحال۔۔۔ آپ اپنی بیوی کی اتنی بے عزتی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں گے۔۔۔ میں ایسا نہیں ہوں، رشتوں میں توازن رکھنا ضروری ہے۔۔۔ ورنہ گھروں میں بھونچال آجاتا ہے۔" وجدان کے انکشاف پر اعیان چونکا۔

"تم ممی کے بارے میں ایسا بول رہے ہو، وہ ایسی نہیں ہیں۔" اعیان کے لہجے میں ماں کے لیے بہت یقین تھا۔

"میں بھی یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کو حقیقت جاننے کی ضرورت ہے، یہ ساری باتیں ممی اور انوشہ نے پھیلائیں اور الزام رکھ دیا بابا پر۔۔۔ وہ مجھے کل بازار میں ملے تھے، میرے پوچھنے پر انہوں نے ساری سچائی بتائی۔" وجدان کے بتانے پر اعیان کو اب بھی یقین نہیں آیا۔

"تمہیں۔۔۔ بھائی کا یقین نہیں۔۔۔ ایک نوکر کی باتوں پر اعتماد ہے۔ اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ مجھے جھٹلا رہے ہو۔۔۔ ممی کے خلاف باتیں کر رہے ہو۔" اعیان ایک دم دکھی ہو گیا۔

"بھائی۔ آخر آپ کی آنکھیں کب کھلیں گی۔۔۔ اتنا کچھ ہو گیا۔ اور آپ۔۔۔" وجدان آج فیصلے کے موڈ

میں تھا۔

"چھوٹے۔۔۔ تم بیوی کے کہنے میں آکر ہم سب سے بدظن ہو گئے ہو۔ اب بھول گئے ہو کہ ہم پر ممی کے کتنے احسانات ہیں' تم اتنے چھوٹے تھے جب امی کا انتقال ہوا' اس کے بعد سے سوتیلی ہو کر بھی انہوں نے ہم سب کو سنبھالا' ورنہ اس گھر کا شیرازہ بکھر جاتا۔" اعیان نے ابھی بھی فوزیہ کی سائیڈ لی۔

"ہماری ماں کو موت کی دہلیز تک پہنچانے والی بھی یہ ممی ہیں۔۔۔ آپ کو پتا ہے' نانی نے آخری دنوں میں مجھے خاص طور پر بلوایا تھا' انہوں نے روتے ہوئے امی کی دکھ بھری زندگی کی داستان سنائی' یہ ممی ہی تھی جنہوں نے پاپا سے شادی کر کے امی کے معصوم دل کو ٹھیس پہنچائی' دوست بن کر ہماری ماں کا گھر اجاڑا۔" وجدان کی آنکھیں شدت گریہ سے سرخ ہو گئیں' اس نے دھیرے دھیرے بھائی کو ساری کہانی سنائی۔ اعیان کو بھائی کے چہرے پر سچائی کی تحریر لکھی دکھائی دی۔ یہ سب سن کر وہ اندر سے کانپ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"اعیان بیٹا۔۔۔ میں نے تم لوگوں کو گھومنے جانے سے منع تو نہیں کیا' لیکن وہ انوشہ رکی ہوئی ہے تو۔۔۔" فوزیہ نے اچانک انعم اور اعیان کو پاکستان ٹور پر جانے کے لیے تیار دیکھا تو گڑبڑا کر بولیں۔

"ممی۔۔۔ انوشہ تو آتی ہی رہتی ہے۔ صرف ایک ہفتے کا پروگرام ہے۔ بچوں کی چھٹیاں ہیں بعد میں جانا مشکل ہو گا۔" اعیان نے نرم' مگر اٹل لہجے میں کہا تو پاس کھڑی انعم شوہر کو حیران نظروں سے دیکھنے لگی۔ چند دنوں سے اعیان میں کافی تبدیلی آئی ہوئی تھی۔ فوزیہ بھی یہ بات محسوس کر کے پریشان ہو رہی تھیں۔

"چلو۔۔۔ تم لوگوں کی جیسی مرضی۔۔۔" فوزیہ مایوسی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"بھائی۔۔۔ ایسی بھی گھومنے کی کیا مصیبت آ رہی ہے؟ آپ نے ممی کو اداس کر دیا۔" انوشہ سے ماں کی اتری صورت برداشت نہیں ہوئی تو تڑخ کر بولی۔

"انوشہ۔۔۔ یہ ممی اور بھائی کا معاملہ ہے۔ تم دخل نہ ہی دو تو اچھا ہو گا۔" وجدان جو سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا' چھوٹی بہن کو ٹوکنا ضروری سمجھا۔

"تم لوگوں کو میرا وجود کھٹک رہا ہے' جب ہی میری ہر بات کو پکڑ لیتے ہو۔۔۔ ہمیشہ کے لیے یہاں نہیں آئی ہوں۔ چلی جاؤں گی۔" انوشہ کمر کس کر میدان میں اتری۔

"بات کو غلط رنگ مت دو۔" وجدان کو بھی غصہ آگیا' انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"ہائے۔۔۔ پاپا۔۔۔ آپ زندہ ہوتے تو۔۔۔ میری یوں ناقدری نہ ہوتی۔" انوشہ نے اعیان کو کن آنکھوں سے تکتے ہوئے جذباتی بلیک میلنگ شروع کی' انعم کی جان نکل گئی۔ اعیان ایک دم کھڑے ہوئے۔ وجدان کا دل بھی گھبرایا۔

"انوشہ۔۔۔ ایک بات یاد رکھنا۔ کسی کو عزت دو گی تب ہی دوسرا آپ کی قدر کرے گا۔" اعیان نے دھیرج سے بہن کو نصیحت کی تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ سب نے سکون کا سانس لیا۔

"آیئے۔۔۔ بھابھی میں آپ کی تیاری میں ہیلپ کروں۔" ایشال نے مسکراتے ہوئے انعم کو اشارہ کیا اور دونوں اندر کی طرف چل دیں۔

☼ ☼ ☼

"ممی۔۔۔ میرا ٹکٹ منگوا دیں اب میں بس جانا چاہ رہی ہوں۔" انوشہ غصے میں کمرے میں داخل ہوئی۔ ابھی اس کی کچن میں ایشال سے منہ ماری ہوئی تھی۔

فوزیہ کی اب اس گھر پر حکومت نہیں رہی' ان کی طبیعت کی خرابی کے پیش نظر اعیان نے گھر کا سارا خرچہ انعم کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ انعم تو اب بھی ان سے دبتی تھی' مگر ایشال غلط بات کے خلاف ڈٹ جاتی۔ وجدان بھی ایسے معاملے میں بیوی کا ساتھ دیتا۔

"تم میرے ہوتے ہوئے پریشان کیوں ہوتی ہو؟ اس کی یہ مجال میں ابھی خبر لیتی ہوں۔" فوزیہ کا غصہ عود آیا۔

"جی ممی۔۔۔ آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟" ایشال نے اندر گھستے ہوئے ان کی بات سن لی بڑے آرام سے پوچھا۔

"یہ بتاؤ کیا انوشہ کا یہاں رہنا تمہیں برا لگتا ہے؟" فوزیہ نے صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

"نہیں۔۔۔ یہ انوشہ باجی کا میکا ہے۔ جب تک دل چاہے رہ سکتی ہیں، مجھے کیا اعتراض؟" ایشال کا انداز جتاتا سا تھا۔ فوزیہ نے بیٹی کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔

"چھوٹی دلہن۔۔۔ جب یہ بات جانتی ہو تو ہر وقت اس کے پیچھے کیوں لگی رہتی ہو؟" انہوں نے کراری آواز نکالی۔

"میں نے تو کچھ غلط نہیں کہا۔" ایشال نے کمرے میں بکھرے ہوئے اخبارات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"ممی۔۔۔ بھابھی سے پوچھیں۔۔۔ یہ ہر وقت کیوں نصیحت کرتی رہتی ہیں؟" انوشہ نے منہ بگاڑ کر کہا۔

"چھوٹی دلہن۔۔۔ آج بتا ہی دو۔ اصل مسئلہ کیا ہے؟" فوزیہ نے آر پار والے انداز میں پوچھا۔

"ہا۔۔۔ہا۔" ایشال نے ٹھنڈی سانس بھر کر نادان نادیہ بنی اپنی ساس اور نند کو دیکھا۔ ان کے سامنے اطمینان سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ممی جی۔۔۔ میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ اگر انوشہ باجی اسے اپنا گھر کہتی ہیں تو اپنا سمجھیں بھی۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی جہاں کھایا وہیں پلیٹ لڑھکادی۔ چائے کے چار جھوٹے کپ تو میں نے خودان کے کمرے سے اٹھا کر سنک میں رکھے۔ سو کر انھیں تو بستر تک ٹھیک نہیں کیا۔ چادر بیڈ سے زمین تک جا پہنچی انہیں پروا نہیں۔" ایشال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فوزیہ کا منہ اس کی ہمت پر کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ بتاؤ۔۔۔ جو گھر میں دو دو صفائی والی آتی ہیں، وہ کس مرض کی دوا ہیں۔" فوزیہ کے چتون تیکھے ہوئے۔

"جی۔ وہ کام والی ہے گھر والی نہیں۔ کمو بھی اپنے حساب سے ان کا کمرا جلدی جلدی الٹا سیدھا صاف کرکے بھاگ جاتی ہے۔۔۔ میں نے تو ان بس یہ ہی گزارش کی کہ جب کموان کے کمرے میں جائے تو یہ بھلے ہاتھ نہ ہلائیں، اپنی زبان ہلا کر اسے ہدایات دے دیں، مگر یہ ننھی بچی کی طرح منہ بسور کر یہاں آگئیں۔" ایشال نے بھی برے منہ سے کہا۔ اس کی طبیعت ویسے ہی خراب تھی، الٹیاں کر کر کے پورا وجود نڈھال ہو رہا تھا، انعم کے جانے کے بعد اتنے بڑے گھر کی دیکھ بھال اس پر الگ آپڑی۔ اس پر انوشہ کی حرکتیں۔ اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"ہاں تو۔۔۔ میں انوشہ رزاق ہوں، جس نے کبھی کام کو ہاتھ نہیں لگایا۔" انوشہ نے اپنی مخروطی انگلیوں کو دیکھ کر کہا جو کیوٹیکس سے سجی ہوئی تھیں۔

"ایک تو یہ غلط فہمی دور کریں۔۔۔ اب آپ انوشہ عرفات ہیں۔ دوسرے میں جو آپ کے کام پر اتنا زور دے رہی ہوں۔ اس کے پیچھے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ اس بار جب سسرال جائیں تو ہاتھ پیر چلا کر ان لوگوں کا دل جیت سکیں۔ وہاں آپ کی ساس، بیٹے کی دوسری شادی کروانے پر تلی ہوئی ہیں۔ عرفات بھائی بہت پریشان ہیں۔" ایشال نے مزے سے انکشاف کیا۔ انوشہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ فوزیہ بھی ہکا بکا رہ گئیں۔

"تم۔۔۔ تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟" انوشہ۔۔۔ ہکلائی، فوزیہ کے چہرے سے بھی تجسس چھلکا۔

"دو دن پہلے وجدان کے پاس عرفات بھائی کا فون آیا تھا وہ آپ کو سمجھانے کی درخواست کر رہے تھے۔" ایشال نے ان دونوں کے چہرے پر رنگ آتے جاتے دیکھا۔

"اس بدحرام کو کیا تکلیف ہوئی۔" فوزیہ کے منہ سے داماد کے لیے بے ساختہ نکلا۔

"عرفات بھائی۔۔۔ بچوں کی وجہ سے بہت پریشان ہیں، ان پر ان کی ماں نے دوسری شادی کا دباؤ ڈالا ہوا ہے، یہ نہ ہو کہ کسی کا کیا آپ کے آگے آجائے۔" ایشال نے طنز سے دونوں کو دیکھ کر کہا۔

"چھوٹی دلہن۔۔۔ اپنے حوصلے کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ وہ میری ذات تک جا پہنچے۔" فوزیہ کے لہجے میں انتباہ

تھی۔
"ممی۔۔۔ شاید بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔۔۔ شازیہ خالہ سے کچھ بعید نہیں' وہ میری ضد میں عرفات کی دوسری شادی بھی کرواسکتی ہیں۔" انوشہ کو اپنی فکر سوار تھی۔
"ابھی بھی وقت ہاتھ میں ہے۔ یہ نہ ہو کہ سب ختم ہوجائے' واپس لوٹ جائیں۔" ایشال نے دھیمے سے کہا اور وہاں سے اٹھ گئی۔
"بتاؤ۔۔۔ عرفات کو اس بار میں نے پیسے کی ہڈی نہیں پھینکی تو۔ جاکر دشمنوں سے مل گیا۔" فوزیہ نے ایشال کے باہر نکلتے ہی دانت پیسے۔
"ممی۔۔۔ اگر عرفات نے ایسا کرلیا تو میں کیا کروں گی؟" انوشہ گھبرا کر ماں سے لپٹ گئی۔ شادی کے اتنے سالوں تک تو اس نے شوہر کی پروا نہیں کی' پر اب دوسری شادی کا سن کر دل کو دھچکا لگا۔
"تم۔۔۔ پریشان کیوں ہوتی ہو۔ اس میں اتنی ہمت نہیں ہے' میں اپنے خاندان کو اچھی طرح سے پہچانتی ہوں۔ یہ ان لوگوں کے پرانے حربے ہیں۔ اس دفعہ پیسے دینے سے انکار کردیا تو۔۔۔ اپنی اوقات دکھانے لگے۔ فکر نہ کرو میں کل ہی عرفات کو فون کرکے بلاتی ہوں۔ دیکھنا کیسا دوڑا چلا آئے گا۔" فوزیہ بیٹی کو سنبھالنے میں لگ گئیں' ان کا دل تو ایشال کی دوسری شادی والے طعنے میں بھی اٹکا ہوا تھا۔
"چھوٹی دلہن۔۔۔ میرا بس چلے تو تمہیں منہ کے بل گرادوں۔۔۔" فوزیہ نے دانت کچکچا کر سوچا۔ اگر سوچ سے ہی ہر کام ہونے لگتے تو بھلا کم اور لوگوں کا برا زیادہ ہوتا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے۔۔۔ ارے اوف۔۔۔ انو۔۔۔ جلدی آؤ۔ مجھے اٹھاؤ۔" فوزیہ بیگم بہت بری طرح سے سیڑھیوں سے پھسلی تھیں۔ اب بیٹی کو پکار رہی تھیں۔
"ممی۔۔۔ کیا ہوگیا۔" انوشہ ماں کی آواز پر دوڑی۔ انہیں زمین پر گرا پایا تو شور مچا کر سب کو جمع کرلیا۔ اعیان ایک دن پہلے ہی بیوی بچوں سمیت لوٹا تھا وہ سب سے پہلے اپنے کمرے سے نکلا۔ وجدان نے ارحم کو فون کرکے بلوایا۔ انعم اور ایشال نے انہیں کاندھے سے تھام کر بیڈ پر لٹایا۔
"ارحم۔۔۔ سب خیریت تو ہے؟" اعیان نے فکر مندی سے پوچھا۔
"یار میں نے فی الحال درد کش دوا دے دی ہے' مگر انہیں کسی اچھے آرتھوپیڈک کے پاس لے جاؤ اور پاؤں کا ایکسرے بھی کرواؤ۔" ارحم نے فوزیہ کے پاؤں کا معائنہ کرنے کے بعد فکرمندی سے کہا۔ فوزیہ تکلیف کی شدت سے چیخ رہی تھیں۔ انوشہ' انعم اور ایشال انہیں تسلیاں دے رہی تھیں۔
"بھائی۔۔۔ کوئی سیریس بات تو نہیں ہے؟" وجدان نے پوچھا۔
"میرے خیال میں فریکچر ہوا ہے' پاؤں کی سوجن بڑھتی جارہی ہے' اس عمر میں چھوٹی سی چوٹ بھی بڑی ہوجاتی ہے' اس لیے انہیں فوراً" کسی اچھے اسپتال میں لے جاؤ۔" ارحم نے وجدان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اعیان' عرفان سے مشورہ کرنے لگے۔ وہ اور سلمٰی ابھی ابھی پہنچے تھے۔

☼ ☼ ☼

انوشہ فیشن میگزین تھامے بڑے اشتیاق سے لان کے پرنٹ دیکھ رہی تھی۔ فوزیہ بیڈ پر لیٹی بڑی بے چینی محسوس کررہی تھیں۔ ایک دو دفعہ بیٹی کو کھنکار کر متوجہ کرنا چاہا' مگر وہ انہماک سے ماڈلز کی تصاویر دیکھتی رہی۔
"انو۔۔۔ ذرا مجھے پکڑ کر باہر لے چلو' لان میں بیٹھ کر چائے پینے کا دل چاہ رہا ہے۔ لیٹے لیٹے کمر میں درد ہوگیا ہے۔" فوزیہ نے لجاجت سے کہا' کمزوری اور پیروں پر چڑھائے گئے پلاستر کی وجہ سے ان کا خود سے چلنا پھرنا مشکل ہورہا تھا۔
"اوکے ممی۔۔۔" وہ منہ بنا کر بولی' مگر دوبارہ میگزین کے صفحے پلٹنے لگی۔
"انو۔۔۔ میں اتنی دیر سے کچھ بک رہی ہوں۔" فوزیہ نے چند منٹ انتظار کیا پھر ان کے اعصاب جواب دے گئے' وہ بیٹی پر چیخ پڑیں۔
"اوف۔۔۔ ممی کیا مصیبت ہے۔۔۔ تھوڑی دیر انتظار

کرلیں، کموبوا پہنچنے ہی والی ہوں گی، وہ آپ کو باہر لے جائیں گی آپ کو پکڑ کر واش روم لے جانے کی وجہ سے میرے بازو میں بہت درد ہے۔" انوشہ نے بے زار ہو کر ہاتھ دبایا۔ فوزیہ کیا کہتیں کہ رات بھر تو بیٹی نے پلٹ کر خبر نہ لی۔

"اچھا... ایک کپ چائے بنا کر لے آؤ، سر میں ٹیسیں اٹھ رہی ہیں۔" فوزیہ بیٹی کے چہرے کے بگڑے نقوش دیکھ کر ٹھنڈی ہوئیں، نرمی سے فرمائش کی۔

"السلام علیکم... بی بی جی۔" کمو نے کمرے میں گھستے ہی سلام کیا، انوشہ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی کمو دن میں فوزیہ کے کافی کام کر جاتی، مگر رات میں انوشہ کو ماں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی، وہ اس وجہ سے اب بے زار رہنے لگی تھی۔ عرفات نے بھی اگلے مہینے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسے ابھی چھٹی نہیں مل رہی تھی۔

"میں پہلے یہ گندے کپڑے دھولوں، پھر آپ کا منہ ہاتھ صاف کروا دوں گی۔" کمو نے مستعدی سے کام شروع کیا۔ فوزیہ رات کو انوشہ کو آوازیں دیتی رہیں، مگر وہ گہری نیند میں تھی، اٹھی ہی نہیں اس وجہ سے ان کے کپڑے ناپاک ہو گئے جس کا انہیں بڑا قلق تھا۔

"نہیں... پہلے تم ممی کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔" انوشہ نے اسے حکم دیا تو وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی۔ ارحم کی منگنی تھی، ایشال ایک ہفتے پہلے ہی میکے رہنے چلی گئی تھی۔ بلاوا تو پورے گھر کا تھا، مگر فوزیہ اس حالت میں جا نہیں سکتی تھیں، انوشہ چاروں ہاتھ پیروں سے جانے کو تیار ہو گئی، اس وجہ سے انعم نے ساس کے پاس رکنے کا فیصلہ کیا، مگر اعیان نے بیوی کو تیار ہونے کا کہا اور انوشہ کو ممی کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر چھوڑ دیا۔ وہ اس بات پر جل بھن گئی۔ فوزیہ کی اپنی جان پر بنی ہوئی تھی، وہ بیٹی کی حمایت سے قاصر تھیں۔ اسی لیے انوشہ اپنا غصہ ماں پر نکال رہی تھی۔

"تم کیسی بیٹی ہو جو بیمار ماں کو ایک کپ چائے بھی نہیں پلا سکتی... مجھے کمو کے ہاتھ کی بد مزا چائے نہیں پینی۔ تم سے اچھی تو میری بہوویں ہیں... میں جب سے بیمار پڑی ہوں دونوں مل کر مجھے سنبھال رہی ہیں، انعم کی تو خیر ہے، مگر وہ ایشال اس حالت میں بھی میرے کام کرنے کی کوشش کرتی ہے۔" فوزیہ کی آنکھوں میں نمی پھیل گئی، آواز میں پچھتاوے تھے۔

"ممی... اس میں میرا کیا قصور ہے...؟ آپ نے مجھے ہمیشہ کچن سے دور رکھا۔ سسرال میں کام کرنے کی کوشش کرتی تو آپ فون کر کے یہاں بلا لیتیں۔ اسی وجہ سے خالہ کو عرفات کی دوسری شادی کروانے کا بہانہ ملا... اب خود پر پڑی تو چاہتی ہیں میں نوکرانی بن جاؤں... نہ بابا۔ میں خود کو دو دن میں نہیں بدل سکتی ہوں۔" ایک طنزیہ مسکراہٹ انوشہ کے لبوں کو چھو گئی۔

"ہاں بیٹا... سارا میرا ہی قصور ہے۔ اسی کی سزا تو بھگت رہی ہوں۔" فوزیہ نے اوپر منہ کر کے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ممی... پاپا بھی آخری دنوں میں آپ کے ایسے ہی محتاج ہو گئے تھے اور آپ ان کے ساتھ کیا کرتی تھیں... سب بھول گئیں؟" انوشہ نے کچھ سوچا اور ماں کو تلخ یادوں کی طرف دھکیلا، وہ سن سی ہو گئیں۔

"کیا... میرا مکافات عمل شروع ہو گیا ہے۔" سوچ کی کئی لکیریں ان کے چہرے پر پھیلتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

"بس ممی... اتنے دنوں بعد عرفات آئے ہیں اب تو مجھے جانے ہی دیں۔" انوشہ ماں کی تیمارداری سے بے زار ہو رہی تھی۔ ان کے منتیں کرنے پر بھی مزید ایک دن رکنے کو تیار نہیں ہوئی۔

"انو... سوچو تو... ابھی مجھے پتا نہیں کتنے دنوں تک بستر پر پڑا رہنا پڑے گا۔ تم مجھے یوں ان لوگوں کے بیچ چھوڑ کر جا رہی ہو۔" فوزیہ کا چہرہ خوف سے سیاہ پڑ گیا۔ اعیان جو فوزیہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے اندر آ رہا تھا، ماں کے لہجے کی لرزش پر ایک دم سناٹے میں آ گیا۔

"ممی... پلیز... ابھی جانے دیں۔ پھر آ جاؤں گی۔ ادھر میری شادی شدہ زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ وہ آپ کی بہن صاحبہ میرے میاں کی دوسری دلہن

ڈھونڈتی پھر رہی ہیں اور آپ چاہ رہی ہیں میں اتنی دور سے بیٹھ کر بس تماشا دیکھوں۔" انوشہ نے بے زار ہو کر کہا۔ فوزیہ کا اترا چہرہ دیکھ کر اعیان کو افسوس ہونے لگا۔

"ممی۔۔۔ انو۔۔۔ جانا چاہ رہی ہے تو جانے دیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم سب یہاں موجود ہیں۔" اعیان نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا' وہ ایک مہینے میں ہی کافی کمزور ہو گئی تھیں۔

"وہ۔۔۔ تو ٹھیک ہے بیٹا۔۔۔ مگر۔۔۔" فوزیہ کے سمجھ میں نہیں آیا کہ سوتیلے بیٹے سے کیا کہے' جب کہ سگی بیٹی بے رخی سے منہ موڑے کھڑی تھی۔

"ممی ہم اتنے کم ظرف نہیں' ایسا کچھ نہیں ہوگا جو آپ کی عزت میں کمی آئے۔" اعیان نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ٹھیک بات تو ہے۔۔۔ پتا نہیں کیوں اتنا گھبرا رہی ہیں۔۔۔ ورنہ مجھ سے زیادہ تو انعم اور ایشال بھابھی آپ کا خیال رکھتی ہیں۔" انوشہ کو اس وقت ہر حالت میں یہاں سے نکلنا تھا' اسی لیے وہ بھی سمجھانے پر تل گئی۔

"اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔ تم چلی جاؤ۔" فوزیہ نے بے دلی سے انوشہ کو اجازت دی تو وہ خوشی خوشی کمرے سے باہر چل دی۔

"ممی۔۔۔ کیا کوئی بات آپ کو پریشان کر رہی ہے؟" اعیان چہرہ شناس تھا۔ اس لیے پوچھا۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ۔۔۔ وجدان شاید مجھے پسند نہیں کرتا ہے۔ اس لیے۔۔۔ تھوڑا گھبرا رہی تھی۔" فوزیہ کے منہ سے سچ نکل گیا۔

"ہماری امی کی اولادوں میں سے کوئی بھی اتنا بے حمیت نہیں' جو ایک بیمار اور مجبور بوڑھی ماں سے ماضی کی وجہ سے بدسلوکی سے پیش آئے۔۔۔ انوشہ کو جانے دیں' وجدان اور اس کی بیوی بھی آپ کے مقام میں کمی آنے نہیں دیں گے۔" اعیان کا اندازہ اتنا جتانے والا تھا کہ فوزیہ کی آنکھوں سے پچھتاوے کے آنسو بہہ نکلے' جس دولت کے لیے انہوں نے ساری عمر غلط صحیح کیا۔۔۔ آج وہ بھی ان کے کام نہیں آرہی تھی' مگر سلطانہ کی اولاد صدقہ جاریہ بنی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"انعم۔۔۔ میں تمہارا شکر کیسے ادا کروں۔۔۔ تم نے میرے مرے ہوئے باپ کے سامنے مجھے سرخ رو کیا۔" اعیان نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ایک طمانیت اور سرشاری کی لہر اس کے اندر اترتی چلی گئی۔ وہ ابھی فوزیہ کو لان میں واک کروا کر لوٹی تھی۔ انوشہ کے سسرال لوٹنے کے بعد اعیان کی درخواست پر وہ اور ایشال اپنی سوتیلی ساس کا حد سے زیادہ خیال رکھنے لگیں۔ دونوں بہوؤں نے باری لگائی ہوئی تھی۔ ایک ایک رات ان کے پاس گزارتیں۔ آخر ان دونوں کی پرخلوص محبت اور خدمت کی وجہ سے اب فوزیہ اسٹک کی مدد سے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں۔ فوزیہ کے دل پر اس بے لوث محبت کا وہ اثر ہوا کہ ایک دن ان سب کو بٹھا کر روتے ہوئے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور معافی مانگ لی۔

"جناب۔۔۔ میں تو شروع سے ہی اس گھر کا بھلا سوچتی آئی ہوں۔۔۔ بس آپ کا یقین بحال ہونے میں اتنا وقت لگا۔" انعم نے مدھم لہجے میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"میں کتنا خوش قسمت ہوں جو اس کٹھن راہ گزر پر تمہارے جیسے مہرباں کا ساتھ میسر آیا۔ ورنہ سب کچھ بکھر کر رہ جاتا' مگر اب زندگی کس قدر مکمل ہو گئی ہے۔ میں۔۔۔ تم۔۔۔ ہمارے بچے اور ہم پر مہربان اوپر والے کا سایہ۔ کہیں۔۔۔ کوئی کمی نہیں رہی۔" اعیان نے آنکھیں کھول کر بیوی کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر محبت کے سارے رنگ بکھر کر اسے مزید خوب صورت بنا رہے تھے۔

بیتے دنوں میں انعم نے جس مشکل سے بے یقینی کے پل صراط پر آبلہ پائی کا سفر طے کیا' اب اعیان کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد پھولوں بھری راہ پر قدم رکھتے ہی دل خوشی سے جھوم اٹھا۔

☼ ☼

نظیر فاطمہ
زادِ سفر

شبینہ فیروزی، گلابی اور اسکن کلر کے خوب صورت امتزاج کے دیدہ زیب سوٹ میں ملبوس تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دے رہی تھی۔ اس نے نفاست سے ہلکا میک اپ کر رکھا تھا، کندھوں تک آتے گھنے بالوں کی قدرے اونچی پونی ٹیل بنائی ہوئی تھی۔ گلے میں خوب صورت مگر ہلکا سا سونے کا نیکلس، کانوں میں نیکلس کے ساتھ کے آویزے، دائیں ہاتھ میں سونے کی دو چوڑیاں اور بائیں ہاتھ میں کانچ کی چوڑیاں پہنے وہ بالکل تیار تھی۔ اس کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے۔ کل شام کو اس کا مکلاوا آیا تھا۔ آج صبح ناشتے کے بعد اس کی ساس نے اسے تیار ہو کر ہال کمرے میں آنے کو کہا تھا۔ ان کے ہاں رواج تھا کہ مکلاوے کی اگلی صبح دلہن کو سب کے درمیان بٹھایا جاتا تھا اور گھر کے سب بڑے دلہن کو تحفے دیتے تھے۔ سو وہ اسی لیے تیار ہوئی تھی۔ عامر کمرے میں آیا تو شبینہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"شبینہ!"

"جی۔"

"کچھ نہیں۔" چند لمحے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھنے کے بعد عامر نے بات کرنے کا ارادہ شاید ملتوی کر دیا تھا۔

"تم تو تیار ہو، دو منٹ ٹھہرو میں کپڑے بدل لوں، پھر چلتے ہیں۔" شبینہ نے اس کے یوں بات بدلنے پر ہولے سے سر ہلایا۔ اسے لگا جیسے عامر کسی الجھن میں ہے اور اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پایا۔ وہ اسے تھوڑا سنجیدہ بلکہ قدرے پریشان سا لگ رہا تھا۔

"عامر! کیا بات ہے؟ کوئی مسئلہ ہے کیا؟" وہ کپڑے بدل کر آیا تو شبینہ نے پوچھا۔

"ہوں... نہیں... کوئی خاص بات نہیں ہے۔" عامر نے گہری سانس بھری۔

"بتایئے تو سہی شاید میں کچھ مدد کر سکوں۔" چند روز کی دلہن یہ سب کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ ابھی تو اسے عامر کے مزاج کا پوری طرح اندازہ بھی نہیں ہو پایا تھا۔ ان کی خالصتاً "ارینج میرج" تھی۔

"کچھ نہیں... بس میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ہم سب کے درمیان جائیں گے تو اگر کسی بات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو مجھ سے بدگمان نہ ہونا، بس مجھے معاف کر دینا۔" عامر نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بھابھی اسے دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرائی تھیں جیسے کہہ رہی ہو دیکھنا ابھی کیا ہو گا۔ وہ تب سے الجھا ہوا تھا۔

"آپ کچھ بتائیں تو سہی ایسی کیا بات ہے، جو آپ یوں پریشان ہو رہے ہیں؟" ان چند دنوں میں عامر نے شبینہ کے ساتھ جس طرح برتاؤ کیا تھا، اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک کیئرنگ اور رشتوں کی قدر کرنے والا شخص ہے۔

عامر، شبینہ کے ابو کے کسی دوست کا رشتہ دار تھا اور انہی کے توسط سے یہ رشتہ قائم ہوا تھا۔ کاروباری خاندان تھا، کھاتے پیتے خوش حال اور سلجھے ہوئے لوگ تھے۔ عامر کا بھی گاڑیوں کا شوروم تھا۔ بچے کی پیدائش پر عامر کی پہلی بیوی فوت ہو گئی تھی۔ شبینہ لوگ پانچ بہنیں تھیں، سفید پوش لوگ تھے۔ شبینہ سب سے بڑی تھی، سو یہ رشتہ ان لوگوں کے لیے نعمت غیر متوقعہ ثابت ہوا۔ مناسب سی چھان بین کے بعد ان لوگوں نے ہاں کر دی۔ یوں شبینہ بیاہ کر آ گئی۔ شبینہ کے یہاں تو ہر کوئی اس کی قسمت پر رشک کر رہا تھا کہ اسے اتنے امیر اور سلجھے ہوئے سسرال والے ملے ہیں۔

"وہ بات دراصل یہ ہے کہ..." قبل اس کے کہ وہ بات مکمل کرتا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔

"چلو بچو! آ جاؤ اب..." شبینہ کی ساس ان دونوں کو لینے آئی تھیں۔ دونوں ان کے پیچھے کمرے سے نکل گئے اور ادھوری بات ادھوری ہی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں عامر کی امی کی معیت میں ہال کمرے میں

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

پہنچے۔ وہاں سبھی موجود تھے۔ اس کی دونوں نندیں جو دوسرے شہروں میں بیاہی ہوئی تھیں۔ اس کے سسر، چچا سسر اور چچی ساس، ماموں سسر اور ممانی ساس، عامر کی کوئی پھوپھی نہیں تھیں۔ ورنہ وہ بھی یہاں موجود ہوتیں۔ شبینہ کو قدرے جھجک محسوس ہوئی۔ عامر کے خاندان میں یہ رسم شاید بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھی اسی لیے سب وہاں موجود تھے۔ اس کی ساس نے اسے اور عامر کو ایک سرخ تخت پوش پر بٹھایا۔ شبینہ کو بیٹھتے ہی عجیب سی بے چینی نے آن گھیرا۔ اسے لگا جیسے وہ لوگ یہاں کوئی تماشا دیکھنے کے لیے آئے ہوں۔

شبینہ کی چھٹی حس بہت تیز تھی، جو اکثر وقت سے پہلے اسے خبردار کرنا شروع کر دیتی تھی۔ اب بھی اس کے ذہن میں لفظ "تماشا" چکرانے لگا تھا مگر اسے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ تماشا کس نوعیت کا ہو گا۔ اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھے عامر کو دیکھا تو وہ بھی قدرے پریشان سا لگا۔ پھر اس نے کمرے کے تمام حاضرین پر ایک نظر ڈالی تو کچھ چہروں پر اسے دبی دبی معنی خیز سی مسکراہٹ نظر آئی۔

رسم کا آغاز ہوا۔ شبینہ کے ساس سسر نے اسے سونے کے خوب صورت کڑے دیے۔ چچا اور چچی نے پانچ ہزار روپے اور ایک خوب صورت سا جوڑا دیا۔ اس کے بعد اس کی نندوں اور جیٹھانیوں نے اسے مختلف تحفے دیے۔

"یہ لو میری طرف سے یہ ایک چھوٹا سا تحفہ ہے۔ بڑا تحفہ تمہیں تھوڑی دیر بعد دوں گی۔" اس کی جیٹھانی نے پراسرار سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ان کی بات پر عامر نے بے ساختہ پہلو بدلا، جسے شبینہ نے پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔ شبینہ نے ایک نظر اپنی ساس کو دیکھا جو اپنی بڑی بہو کو الجھی ہوئی نظروں سے تک رہی تھیں۔ اتنے میں اس کی جیٹھانی کا فون گنگنا اٹھا۔ وہ فون کان سے لگائے کمرے سے باہر نکل گئی۔ باقی کو چائے اور مٹھائی سرو کی جانے لگی۔

"السلام علیکم!" شبینہ نے چائے کا گھونٹ بھرا ہی تھا جب عامر کی امی کی ہم عمر ایک عورت اور مرد کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دو ڈھائی سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ ان کو دیکھ کر عامر کے امی ابو بے ساختہ کھڑے ہوئے اور عامر بے بس سا بیٹھا رہ گیا۔

"بھئی آج تو میں تم دونوں کو ایسا تحفہ دوں گی کہ سالوں یاد رکھو گے تم، خاص طور پر تمہاری بیوی۔" صبح بھابھی نے عامر سے کہا تھا اور وہ اسی بات پر الجھا ہوا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہی تھیں لیکن وہ اس انتہا تک چلی جائیں گی یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔

"آپ؟" وہ دونوں پریشان ہو کر ان کی طرف یوں بڑھے جیسے ان کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"آپ لوگوں نے عامر کی شادی کر دی اور ہمیں اطلاع بھی نہ دی۔ اگر حنا فون نہ کرتی تو ہم بے خبر ہی رہ جاتے۔" خاتون نے ان کی بڑی بہو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں گلہ کیا۔

"آپ لوگ آئیں، بیٹھیں۔" عامر کے چچا نے دونوں کو بٹھایا۔ شبینہ چائے پینا بھول کر سب کارد عمل دیکھنے لگی۔

"عامر کی بیوی اس بچے کو قبول نہ بھی کرے تو ہم دونوں اسے پال ہی لیں گے۔ ماں تو اس کی مر گئی ہے، مگر آپ لوگ اس کے باپ کو تو اس کے لیے جیتا رہنے دیجیے۔" عورت نے بچے کا سر چوم کر کہا وہ بہت سے خدشات میں گھری ہوئی تھی۔ بچہ نانی کی گود سے اتر کر دادی کے پاس جا کر اپنی باہیں پھیلانے لگا، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ان سب سے اچھی طرح ہلا ہوا ہے۔

شبینہ کے ارد گرد جیسے دھماکے ہونے لگے۔ "عامر کا بیٹا" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ لیکن رشتہ طے کرتے وقت انہوں نے عامر کی پہلی بیوی کی وفات کا تو بتایا تھا، مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ شبینہ نے سوچا اور اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ اس نے سر بے ساختہ اونچا کیا تو اس کی جیٹھانیاں ہونٹوں پر بڑی جتانے والی مسکراہٹ سجائے اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"شبینہ! یہ اسجد ہے، عامر کا بیٹا اور یہ اس کے نانا، نانی ہیں۔ اسجد کو پہلے امی ہی پال رہی تھیں۔ پھر یہ ہوا کہ اسجد عامر کی دوسری شادی کی راہ میں رکاوٹ بن

گیا کہ کوئی بھی ایک بچے کے باپ کو بیٹی دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ پہلے لڑکی والوں کو بے خبر رکھ کر عامر کی شادی کردی جائے اور پھر اسجد کو واپس یہاں لایا جائے۔ میں نے سوچا یہ بات کل بھی تمہیں معلوم ہونا ہی ہے تو کیوں نا آج ہی پتا چل جائے۔ تو اس لحاظ سے تمہارے لیے آج کی رسم کا سب سے بڑا تحفہ یہی ہے تمہارے شوہر کا بیٹا۔" اس کی جیٹھانی نے کمینگی کی انتہا کردی۔

اس کے ساس سسر تاسف سے اپنی بڑی بہو کو دیکھ رہے تھے۔ دوسری بہو کے ہونٹوں پر بھی دبی دبی مزا لینے والی مسکراہٹ تھی۔ شبینہ کے دونوں جیٹھ بھی آرام سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اپنی جیٹھانی کی باتیں سن کر شبینہ چکرا کر رہ گئی۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال آرہا تھا کہ ان لوگوں نے جھوٹ کیوں بولا؟ وہ ٹکر ٹکر سب کی شکلیں دیکھنے لگی جیسے اس کے بولنے کی صلاحیت ختم ہو۔ عامر کے چچا اور چچی بھی اس صورت حال پر تاسف سے پہلو بدل رہے تھے۔

"تمہیں یہ سب سن کر دھچکا لگا ہے نا؟ مگر اب برداشت کرو۔ اب تم کر بھی کیا سکتی ہو؟" اس کی جیٹھانی اس کا رد عمل دیکھنے کو بے تاب تھی جب وہ خاموش رہی تو اس نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ اس نے آج صبح صبح فون کرکے اسجد کے نانا نانی کو یہاں بلایا تھا' تاکہ نئی نویلی دلہن یہ سب جان کر چلا چلا کر سب کو کوسنے دے تو اس کے دل میں ٹھنڈ پڑے کہ اسے اسی وجہ سے الگ گھر میں شفٹ کیا گیا تھا کہ وہ بہت بدتمیز اور بدزبان تھی۔ دوسری بہو نے خود ہی ساس سسر کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا۔ اب یہ دونوں چاہتی تھیں کہ عامر کی بیوی بھی ساس سسر کو تگنی کا ناچ نچائے۔ بس ہوتے ہیں کچھ کم ظرف لوگ جو کسی کو سکون میں دیکھ ہی نہیں سکتے۔ بنیادی طور پر عامر کے امی ابو شریف لوگ تھے مگر وہ مصلحت کے تحت جھوٹ بولنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ عامر نے شبینہ کی خاموشی دیکھ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ کہا کچھ نہیں تھا' ہاتھ کے اس دباؤ میں تسلی' مان رکھ لینے کی التجا۔۔۔ عامر کے اس لمس سے شبینہ جیسے ہوش میں آئی۔ اس کے ذہن نے بڑی تیزی سے کام کرنا شروع کیا۔ اس نے اپنے منتشر حواس اور خیالات کو یکجا کیا۔

"امی! آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہوں؟" شبینہ نے کپکپاتی ہوئی آواز مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی ساس سے اجازت طلب کی' جو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہولے سے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"بڑی بھابھی! پہلی بات تو یہ۔۔۔ کہ میں یہ بات جانتی ہوں کہ عامر کا ایک بیٹا ہے۔ شادی سے چند روز پہلے عامر نے فون کرکے مجھے ساری حقیقت بتادی تھی۔ سو آپ یہ غلط فہمی تو دل سے نکال دیں کہ مجھے اسجد کے بارے میں سن کر دھچکا لگا ہے۔ مگر مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے کہ ایک بچے کو اس کی ماں سے ملانے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟" وہ رکی تو سب عامر کو دیکھنے لگے جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ دل ہی دل میں شبینہ کی اعلا ظرفی کا قائل ہوگیا تھا جس نے سب کے سامنے اس کی عزت رکھ لی تھی۔ شبینہ نے اپنی جیٹھانی کی طرف دیکھا جو حسب منشا نتائج نہ ملنے پر تلملا اٹھی تھی۔ اس وقت شبینہ نے اپنے اندر جلتی تجھٹی پر سمجھ داری کا ٹھنڈا پانی ڈال کر اسے بجھا دیا تھا۔ اگر نہ بجھاتی تو اس کی اپنی ذات جل کر راکھ ہو جاتی۔

"اور ویسے بھی بن ماں کے بچے کو پالنے کی نیکی اللہ پاک ہر عورت کے نصیب میں نہیں لکھتا۔ یہ تو کوئی کوئی خوش قسمت عورت ہوتی ہے' جسے اللہ اس کام کے لیے منتخب کرتا ہے۔ میں خوش نصیب ہوں کہ اس ذات پاک نے مجھے اس کام کے لیے چنا۔" شبینہ نے عقل مندی سے بازی پلٹ دی تھی۔ وہ بات مکمل کرکے اٹھی اور جا کر اسجد کے نانا نانی کے ساتھ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔

"اگر سمجھیں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ بے فکر ہو جائیے اور اس خدشے کو اپنے ذہن سے نکال دیجئے کہ اسجد سے اس کا باپ چھن جائے گا' بلکہ اس بات پر خوش ہوئیے کہ اللہ نے اسے دوبارہ ماں

دے دی ہے۔" شبینہ نے اسجد کی نانی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ انہوں نے روتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اپنے یقین کا اظہار کر دیا تھا۔ کمرے میں موجود ہر فرد شبینہ کے اس رد عمل پر حیران تھا۔ سب کے نزدیک اس کا یہ رد عمل "نارمل" نہیں تھا۔ نارمل ہوتا اگر وہ روتی دھوتی، چیختی چلاتی، دوسروں کو اپنی زندگی برباد کرنے کا الزام دیتی۔ مگر کوئی شخص ایسا بھی ہوتا ہے جو چیزوں کو کسی دوسرے زاویے سے دیکھتا ہے اور پھر اس کے جواب میں وہ کچھ ایسا کرتا ہے جو دوسروں کی نظر میں "ایب نارمل" ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی اسی "ایب نارملٹی" کے باعث بگڑی ہوئی صورت حال کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے۔ اس مشکل گھڑی میں شبینہ نے بھی اپنے زاویہ نظر کو بدل کر صورت حال کو اپنے حق میں کرلیا تھا۔

"اسجد کو آج ہی یہاں چھوڑ جائیں اور ہر قسم کی پریشانی دل سے نکال دیں۔" شبینہ دوبارہ عامر کے برابر جا بیٹھی۔

رسم بلکہ نہیں "تماشا" ختم ہو چکا تھا، مگر تماش بینوں کو وہ مزا نہیں آیا تھا جس کی توقع کر کے وہ آئے تھے سو سب اٹھ کر اپنے گھروں کو سدھار گئے۔

☼ ☼ ☼
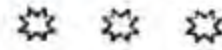
کمرے میں اب صرف عامر، اس کے امی، ابو اور شبینہ ہی تھے۔

"بیٹا! معاف کرنا ہم نے مصلحتاً" یہ جھوٹ بولا تھا کہ کوئی بھی اپنی بیٹی کو ایک بچے کی ماں بنا کر بھیجنے پر راضی نہیں تھا۔ مگر تم فکر نہ کرو، اسجد کی ساری ذمہ داری ہم اٹھائیں گے، تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" شبینہ کی ساس نے معافی مانگ کر اپنی مجبوری بیان کی۔ اعلا ظرف تھے سو غلطی کی معافی مانگ رہے تھے۔ ورنہ لوگ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل جاتے ہیں اور معافی تو در کنار انہیں اپنی غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

"تکلیف تو مجھے ہوگی مگر تب جب آپ اسجد کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈالیں گی۔" شبینہ نے بھی بڑے دل کا مظاہرہ کر کے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ماں، باپ، بچے کے لیے ایک مضبوط پناہ گاہ کی طرح ہوتے ہیں۔ ماں کے چلے جانے سے اسجد کی یہ پناہ گاہ ادھوری ہو گئی تھی۔ میں خوش ہوں کہ اللہ نے میرے ذریعے اس بچے کی پناہ گاہ کو دوبارہ سے مکمل اور مضبوط کر دیا ہے۔ میں اگر اسجد کی ماں نہ بھی بن سکی تو "ماں جیسی" بن کر اسے اپنی پناہوں میں لے لوں گی۔" شبینہ نے خلوص دل سے کہا۔

"اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ زندگی کی ہر خوشی پاؤ۔" شبینہ کی ساس نے صدق دل سے اسے دعا دی۔

حالانکہ ان کا یقین تھا کہ جو دوسروں کے لیے خوشیاں اور آسانیاں پیدا کرتے ہیں انہیں زندگی میں خوشیاں پانے کے لیے کبھی کسی کی دعا کا محتاج نہیں ہونا پڑتا۔ ان کی دعا پر وہ مسکرا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شبینہ! میں تمہارا بہت شکر گزار ہوں۔ آج تم نے میری عزت رکھ لی۔" کمرے میں آکر عامر نے اسے ممنون نظروں سے دیکھا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر جا بیٹھی۔

"کچھ بولو۔۔۔ ناراض ہو کیا؟" وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"ہاں ناراض ہوں۔ عامر آپ کو یہ سب مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا۔ اگر میں اپنے فطری ردعمل کو کچل کر تحمل سے کام نہ لیتی تو آج کتنا تماشا بن جاتا۔" شبینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اسے واقعی دکھ ہوا تھا۔ کم از کم عامر تو اسے بے خبر نہ رکھتا۔

"میں جانتا ہوں اور بہت شرمندہ بھی ہوں۔ شادی سے پہلے امی ابو نے منع کر دیا تھا اور شادی کے بعد میں نے بہت دفعہ بتانے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہو سکا۔" عامر واقعی شرمندہ ہو رہا تھا۔ شبینہ نے ایک نظر اس کے شرمندہ چہرے پر ڈالی۔

"اچھا۔۔۔ اب بس کریں۔ جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ آپ نے مجھ سے کوئی بات چھپائی تو پھر میں بہت رولا ڈالوں گی۔ سمجھے آپ؟" شبینہ نے عامر کا بازو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اپنا سر اس پر ٹکا دیا۔

"میاں، بیوی واقعی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ آج تم نے سب کے سامنے مجھے ڈھانپ کر یہ بات ثابت کر دی ہے کہ نیک بیوی اپنے شوہر کے لیے ایک قیمتی لباس کی طرح ہوتی ہے۔ جو اس کے سب عیب اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں بھی تمہارے لیے ایسا لباس بنوں گا جو تمہیں راحت پہنچائے گا۔ تمہیں بیرونی آلائشوں، بری نظروں اور دکھوں سے بچائے گا۔ میں کبھی تمہارے لیے گھٹن اور پریشانی کا سبب نہیں بنوں گا۔" عامر نے شبینہ سے اپنا بازو چھڑوا کر اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا تھا۔

"شبینہ ایک بات سچ بتانا، تمہیں اچانک یہ سب سن کر غصہ تو آیا ہو گا نا۔" عامر کی تسلی نہیں ہو رہی تھی جانے وہ کیا اگلوانا چاہ رہا تھا جو بار بار ایک ہی بات گھما پھرا کر پوچھ رہا تھا۔

"آیا تھا، پہلا احساس شدید غصہ ہی تھا جس نے میرے بولنے کی صلاحیت ضبط کر لی تھی۔ پھر یک دم مجھے لگا کہ ناشکری کی مرتکب ہو رہی ہوں۔ ناشکری تو ایسی بیماری ہے، جو وجود میں سرایت کر جائے تو بندہ دین کا رہتا ہے نا دنیا کا۔ میں نے سوچا میں اس بات کو منفی لینے کی بجائے مثبت کیوں نہ لوں؟ کیوں نہ میں آدھے خالی گلاس کا رونا رونے کی بجائے آدھے بھرے ہوئے گلاس کو دیکھوں؟" کیوں نا میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے بہت سی لڑکیوں کی طرح بار بار مسترد کیے جانے کی اذیت سے بچا کر ایک اتنی اچھی فیملی کا حصہ بنا دیا ہے۔ ہمارے مثبت رویوں سے بعض اوقات لمحوں میں ایسی تبدیلیاں آجاتی ہیں، جو ہماری سالوں کی منصوبہ بندیوں سے بھی ممکن نہیں ہوتیں۔ بس میں نے بھی مثبت رویہ اپنا لیا۔" شبینہ نے دل سے کہا۔

"تم اپنے گھر والوں کو کیا کہہ کر مطمئن کرو گی؟" عامر کو نئی فکر ستانے لگی۔

"یہی جو یہاں کہا تھا۔" وہ مسکرائی تو عامر اسے حیرت سے دیکھنے لگا کہ یہ کس مٹی سے بنی ہے، ورنہ عورتیں تو معمولی باتوں کو لے کر مرنے مارنے پر تل جاتی ہیں اور یہ اتنی بڑی بات آسانی سے سہ گئی تھی۔ عامر نے شبینہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور اللہ کریم کا شکر ادا کیا جس نے اس کا دامن اپنی رحمتوں سے بھر دیا تھا۔

☼ ☼

ناولٹ

دوسری اور آخری قسط

شبانہ شوکت

اسے صبح بہار لکھنا

"زارطن کی آنکھ کھلی تو ثمن آنٹی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر حیران ہو گیا۔"

"آپ کب آئیں آنٹی؟"

"ابھی کچھ دیر قبل، کیسا محسوس کر رہے ہو اب؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"ممی کہاں ہیں؟"

"میں سمجھی تم ایلیا کو ڈھونڈ رہے ہو۔" انہوں نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا۔

"وہ آئی نہیں آپ کے ساتھ؟"

"نہیں وہ... فون کی آواز پر وہ "ہم بھی آئی" کہتیں اٹھ کر لاؤنج میں چلی گئیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ممی کہاں ہیں' آنٹی نے بھی اتنی دیر لگا دی' اتنی بے چینی کیوں ہو رہی ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا' پھر آہستہ آہستہ چلتا لاؤنج میں آ گیا' وہاں ثمن آنٹی فون کے پاس نیچے بیٹھی گھٹی گھٹی سسکیاں لے رہی تھیں' گھر میں بھی افراتفری سی پھیلی ہوئی تھی۔

"آنٹی" اس نے گھبرا کر پکارا' وہ ساکت ہو گئیں' اسی وقت باہر گاڑیاں رکنے کی آواز پر ثمن آنٹی باہر بھاگی تھیں' وہ بھی ان کے پیچھے ہی آیا تھا' باہر تخت بچھا ہوا تھا' جس پر اسٹریچر سے اٹھا کر کسی کو لٹایا گیا تھا۔ کسی انہونی کے ڈر سے اس کا دل کانپ گیا' وہ تخت کی طرف گیا اور پاس جا کر چادر ہٹائی اور جیسے گیارہ سو وولٹ کا کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"ممی..." جبران نے اسے تھاما۔

"تمہاری ممی چلی گئیں زارون' وہ تمہیں چھوڑ کر چلی گئیں۔" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ وہ ان سے الگ ہو کر تخت پر گر گیا اور ہما سے لپٹ گیا۔

"ممی' اٹھیں ممی' مجھے چھوڑ کر مت جائیں ممی' ممی..." وہ چیختے ہوئے اسے جھنجوڑ رہا تھا' وہ کچھ دیر کو غافل ہوا اور اس کی دنیا ہی لٹ گئی۔ گھر لوگوں سے بھر گیا تھا' شام تک ایلیا اور فاران بھی آ گئے تھے۔

رات نو بجے ہما کی تدفین کر دی گئی تھی' اس سے قبل زارون کو بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر الگ کر کے ہما کی تجہیز و تکفین کی گئی تھی' جب جنازہ اٹھایا جانے لگا تو اس پر چیختے چیختے دورہ پڑ گیا تھا اور غشی طاری ہو گئی' اسے کمرے میں لٹانے کے بعد ایلیا اور چند دیگر خواتین کو اس کے پاس بٹھا کر وہ لوگ جنازے کے ساتھ گئے تھے۔ واپسی پر جبران ڈاکٹر کو ساتھ لے کر آئے تھے' جس نے اسے سکون آور انجکشن لگا دیا' جس سے وہ رات بھر سوتا رہا' ہما کے سوئم تک وہ اسے انجکشن لگواتے رہے' کیونکہ وہ اٹھتے ہی کہرام مچا دیتا تھا' کئی دن کے بخار اور ہما کی موت نے اس کے اعصاب توڑ کر رکھ دیئے تھے' تین دن سے انجکشن کے زیر اثر سوئے رہنے سے اور فاقے کرتے رہنے سے وہ حرکت کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا' مہمان رخصت ہوئے تو گھر کا سناٹا جی کو ہولانے لگا۔ صبح کے پانچ بج رہے تھے جب زارون کی آنکھ کھلی' کچھ دیر لاشعوری کیفیت میں لیٹا رہا پھر سب کچھ یاد آنے پر تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

"ممی۔" وہ سسکنے لگا' اس کی سسکیوں کی آواز پر ہارون اٹھ کر اس کے پاس آ گئے' وہ اسی کمرے میں صوفے پر لیٹے ہوئے تھے۔

"کیوں رو رہے ہو؟" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا جنہوں نے اس کی ماں کی موت پر ایک بار بھی اسے گلے لگا کر تسلی نہیں دی تھی۔

"اب یہ سب ہو جانے کے بعد تو تمہارے دل میں ٹھنڈ پڑ جانی چاہئے تھی' اسی لیے میں نے تمہیں منع کیا تھا مگر تم نے اپنی کر کے چھوڑی۔" وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا' آنکھوں سے آنسو برابر گر رہے تھے۔

"اب بتاؤ کس کا زیادہ نقصان ہوا تمہارا یا میرا' وہ جو دنیا میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتی تھی' اسے تو تم نے خود مار ڈالا اب رو رو کر کسے متاثر کرنا چاہ رہے ہو؟"

"مگر میں نے تو ممی کو کچھ نہیں بتایا۔" انہوں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا۔

"اب تم جھوٹ بولو گے' ہاں جب تم اتنی تباہی کر سکتے ہو تو جھوٹ تو یقیناً بول لیتے ہو گے' تم کیا سمجھتے ہو' اتنا کچھ ہو جانے کے بعد میں تمہیں برداشت کر لوں گا' کبھی نہیں! اٹھو اور ابھی میرے گھر سے چلے جاؤ' اٹھو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے انتہائی بے یقینی سے انہیں دیکھا تھا وہ کیا کہہ رہے تھے' وہ

اسے گھر سے نکل جانے کو کہہ رہے تھے۔

"پاپا؟"

"نہیں ہوں میں تمہارا پاپا' تم میری اولاد ہو ہی نہیں سکتے۔" انہوں نے اسے بازو سے کھینچ کر کھڑا کیا اور دروازے کی طرف دھکا دیا' وہ نیچے گر گیا' انہوں نے ایک زوردار ٹھوکر اس کی پسلیوں پر ماری تھی' وہ درد کی شدت سے دہرا ہو گیا تھا۔ انہوں نے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اسے جھٹکے سے کھڑا کیا تھا' اور نفرت سے اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے تم سے شدید نفرت ہے' اگر تم مزید میرے سامنے رہے تو میں تمہیں مار ڈالوں گا' میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا' چلے جاؤ یہاں سے' دور ہو جاؤ میرے سامنے سے۔" اس بار انہوں نے اسے اتنی زور سے دروازے کی طرف دھکیلا کہ وہ دھماکے سے دروازے سے جا ٹکرایا اور اس کی ناک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا' اس کے دانتوں اور ہونٹوں سے بھی خون نکل رہا تھا' وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر نکلا اور لمبے کوریڈور کو عبور کر کے باہر روش پر دوڑنے لگا' کہاں تو اٹھنے کی سکت نہیں تھی اور کہاں غم و غصے سے پاگل ہو کر جانے کیسے دوڑا چلا جا رہا تھا' گیٹ پر کھڑے چوکیدار نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ اس سے خود کو چھڑوا کر دوڑتا چلا گیا' جب تک ہمت تھی دوڑتا رہا پھر کہیں گر پڑا' آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ پھر مختلف آوازوں پر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

"کتنا خوب صورت ہے یہ۔"

"اف چاند کا ٹکڑا ہے بالکل۔"

"استاد اسی کو تو کہتے ہیں گدڑی میں لعل۔" تین چار میلے کچیلے لڑکے کھڑے تھے اور اسی پر تبصرہ کر رہے تھے' دن نکل آیا تھا' ہر سو روشنی پھیل چکی تھی' زارون نے ارد گرد دیکھا' وہ گیراج یا ورکشاپ تھی' جس میں ادھ کھلی گاڑیاں پرزے' ٹائرز اور میلے کچیلے وہی لڑکے۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔"

"یہ استاد کریم کی ورکشاپ ہے۔" ایک لڑکے نے سائیڈ پر کھڑے تنومند مرد کی طرف اشارہ کیا جو بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس کے لیے چائے منگوائی' چھوٹے سے کپ میں موجود چائے کو دیکھ کر اسے ابکائی آ گئی' اس نے جھٹ انکار کر دیا۔

"میں چائے نہیں پیتا۔"

"استاد اس کے لیے اچھے والا کپ منگوائیں' پھر پیے گا۔"

"اچھے والے کپ میں بھی چائے تو یہی ہو گی نا۔" استاد نے مشورہ دینے والے کو گھورا تھا' اس کے اعلا لباس' اجلی جلد' ملائم خوب صورت ہاتھ' پیروں اور بہترین شیمپو کیے ہوئے بالوں سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اعلا خاندان کا لڑکا تھا جو نجانے کس وجہ سے یہاں موجود تھا۔

"تمہارے پیروں میں جوتی تک نہیں ہے' کیا غنڈے پیچھے لگے تھے۔" اس کے دماغ میں جھماکا ہوا۔

"یہ اچھی کہانی ہے۔"

"ہاں میں آئس کریم کھانے باہر آیا تو میرے پیچھے گینگسٹرز لگ گئے' بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا۔"

"تو پتا بتاؤ گھر کا میں تمہیں پہنچا دیتا ہوں۔"

"میں اپنے انکل کے گھر آیا ہوا تھا' ان کا صحیح ایڈریس مجھے یاد نہیں آیا' جب یاد آئے گا بتا دوں گا۔" جہاندیدہ استاد سمجھ گیا کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے' ورنہ وہ تو بے چینی سے واپسی کا منتظر ہوتا' سب سے بڑی بات فون تو کر ہی سکتا تھا مگر اس نے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی' اس نے گیراج کے اندر اسے ایک کرسی پر بٹھایا اور خود اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ زارون پھر سے اپنی تکلیف وہ سوچوں میں گم ہو گیا۔

"ممی کو کیا ہوا تھا' آخر وہ کیسے یوں دنیا سے منہ موڑ گئیں' پاپا نے تو مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے انہیں مارا ہے' اللہ" اس نے دونوں ہاتھوں سے پھٹتے ہوئے سر کر تھاما تھا۔ "ایسا الزام مجھ پر لگایا ہے جس نے میرے اندر سے جینے کی امنگ ہی چھین لی ہے۔ اپنی

دوسری بیوی اور بیٹی کو گھر لانے کے لیے' ان کا راستہ صاف کرنے کے لیے انہوں نے یہ سب کیا ہے۔ میں تو ان دونوں کو بھی قبول نہ کرتا اور ان کی حقیقت بھی سب کے سامنے لے آتا' اس لیے مجھے گھر سے نکالنا ضروری تھا' ویسے بھی اس گھر میں میں کیسے رہتا' جہاں میری ممی کی جگہ کوئی اور عورت آنے والی ہے۔

میں آپ سے نفرت کرتا ہوں پاپا میں آئندہ کبھی آپ سے نہیں ملوں گا' کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گا' اگر کبھی اتفاق سے سامنا ہو بھی گیا تو میں اپنی آنکھیں بند کرلوں گا لیکن آپ کو نہیں دیکھوں گا۔" وہ اسی طرح بھوکا پیاسا اپنی سوچوں میں الجھا رہا' استاد کریم نے ایک جوتی اس کے لیے منگوائی اور کھانا بھی' بہت مشکل سے کھی میں تر تر سالن کے ساتھ اس نے تھوڑا سا نان کھایا تھا۔ شام کو وہ اٹھ کر استاد کے پاس آگیا۔

"مجھے بھی کوئی کام بتائیں۔" استاد کو تو اپنا کام بھی بھول گیا' دم بخود کتنی ہی دیر وہ اسے دیکھتا رہا۔

"تم یہ کام کرلو گے۔"

"ہاں کرلوں گا' آپ مجھے کچھ روپے دے دیں' مجھے ضرورت ہے۔" وہ سنجیدہ تھا' استاد کو یقین آگیا۔

"یہ کپڑا لو اور وہ گاڑی صاف کردو' اس نے اسے ایک کپڑا پکڑایا' اتنا گندہ کپڑا اٹھا کر ہی اس کے ہاتھ خراب ہوگئے' وہ کچھ دیر لب بھینچے اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا پھر گاڑی پر کپڑا پھیرنے لگا۔ اس کے انداز میں رچی نفاست دیکھ کر استاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ تو اس سے کوئی کام نہیں کروانا چاہتا تھا لیکن یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ لڑکا بہت خوددار ہے' یوں ہی پیسے نہیں لے گا۔ آس پاس کی ورکشاپوں اور دکان والوں نے اس سے زارون کے متعلق پوچھا تھا اس نے وہی بتایا جو سچ تھا' اسے امید تھی کہ کوئی اسے ڈھونڈتا ہوا آجائے گا۔ کچھ ہی دیر میں ایک لمبی سی گاڑی وہاں آکر رکی اور ایک شاندار شخصیت برآمد ہوئی۔

"بھئی کریم یہ گاڑی تو گڑبڑ کررہی ہے۔ ذرا دیکھ لو۔"

"آؤ بچے ذرا اس پر کپڑا تو پھیر دو۔" استاد نے زارون کو آواز دی۔ وہ آگے آیا تو وہ صاحب بری طرح چونکے تھے۔

"یہ کون ہے؟"

"پتا نہیں صاحب' ورکشاپ کے باہر سویا پڑا تھا' کچھ بتا بھی نہیں رہا' کہتا ہے مجھے بھی یہی کام کرنا ہے۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟" وہ خاموش رہا اور گاڑی پر کپڑا پھیرتا رہا' گاڑی میں رکھی ہوئی منرل واٹر کی بوتل دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔

"میں آپ کی بوتل سے پانی لے سکتا ہوں۔"

"ٹیس وائی ناٹ۔" (ہاں کیوں نہیں)

وہ شفقت سے مسکرائے اور اسے پانی کی بوتل اور ڈسپوزل گلاس نکال کر دیا' وہ بڑی نفاست سے گھونٹ گھونٹ پانی پی رہا تھا۔

"چائے پیو گے' ابھی بنوا کر لایا ہوں' گرما گرم ہے۔" انہوں نے آفر کی' وہ ہچکچا رہا تھا۔ "آؤ نا کمپنی ہوجائے گی۔" وہ دروازہ کھول کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے' اسے بھی فرنٹ سیٹ پر بٹھالیا۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا وہ کسی سوچ میں تھا۔ ونڈ اسکرین سے سورج کی روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی تو وہ جگمگا اٹھیں۔

"یہ تمہاری آنکھوں کا کیا کلر ہے' گرین یا بلوئش گرین؟"

"گرے گرین۔" وہ پہلی بار مسکرایا' اتنی خوب صورت مسکراہٹ کہ وہ دیکھتے رہ گئے۔

"میرے ساتھ چلو گے میرے گھر وہاں تمہارا جتنا میرا بیٹا ہے' تم اس کے ساتھ بہت انجوائے کرو گے۔" وہ کچھ گھبرا گیا۔ انہوں نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ "میرا یقین کرو۔ تم وہاں خوش رہو گے۔"

"کریم۔" انہوں نے پکارا "میں اسے اپنے ساتھ لے جارہا ہوں' ہوسکتا ہے اس کے گھر والوں کا پتا چل سکے' اور اگر تم سے کوئی آکر اس کے متعلق پوچھے تو مجھ سے رابطہ کروا دینا۔"

"جی جی۔" استاد گھگیا کر رہ گیا تھا۔ وہ اس کو ٹیکسی میں لاہور لے آئے۔ سارے راستے وہ سخت خوف زدہ بیٹھا رہا۔ گھر میں سامنے ہی ان کی بیوی سے ملاقات ہوئی تھی' بہت ہنس مکھ اور خوش اخلاق خاتون' اسے دیکھتے ہی مسکرائیں۔ انہوں نے خاتون کو بتایا۔

"کریم داد کی ورکشاپ میں جو کام کرتا نظر آیا وہ اسے سوٹ نہیں کر رہا تھا' میں اپنا کام چھوڑ کر اسے گھر لے آیا' ولید کو بلاؤ اسے اپنا یہ نیا دوست یقیناً" بہت پسند آئے گا' نام کیا ہے بیٹے کا؟"

"زارون۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"پلیز صائمہ کھانا لگواؤ' ہم دونوں کو ہی بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی اندر کو چلی گئیں۔ وہ اسے لیے کاریڈور میں بڑھے ہی تھے کہ ایک اسی کا ہم عمر لڑکا اور اس سے کچھ چھوٹی لڑکی تیز تیز چلتے ہوئے ان کی طرف آئے تھے۔ "ہیلو پاپا' ہیلو فرینڈ۔" لڑکے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"یہ میرا بیٹا ہے ولید اور یہ بیٹی الوینہ۔" انہوں نے ان دونوں کا تعارف کروایا۔

"اور یہ تم دونوں کا دوست ہے زارون۔" دونوں بہن بھائی منٹوں میں فری ہو جانے والے تھے۔ "ولید' زارون کو اپنے روم میں لے جاؤ اور اپنا کوئی سوٹ دو تاکہ یہ ہاتھ لے سکے' جب تک میں بھی چینج کرلوں۔"

"آؤ فرینڈ۔" ولید اسے کمرے لے آیا' وارڈ روب کھول کر اپنا ہینگڈ سوٹ اس کی طرف بڑھایا۔ "جاؤ فریش ہو کر آؤ پھر کھانا کھا کر باتیں کریں گے۔" وہ اس سے کپڑے لے کر واش روم آگیا اور حقیقتاً" پہلی بار پرسکون ہوا تھا ورنہ وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھا۔ نہانے کی تو اسے سخت ضرورت تھی' کتنے دن سے وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا اور نہایا بھی نہیں تھا ورنہ وہ تو دن میں دو بار نہا کر ڈریس چینج کرتا تھا' وہ نہا کر نکلا تو ولید اس کا منتظر بیٹھا تھا۔ ولید کی ہمراہی میں ڈائننگ روم میں داخل ہوا تو اس کی طرف اٹھنے والی ہر نگاہ میں ستائش تھی۔ کھانا دیکھ کر اسے مزید اطمینان ہوا' ساری ڈشز اس کی پسند کی تھیں ممی کی ڈیتھ کے بعد آج اس نے ورکشاپ میں کھانا کھایا تھا اور اب کھانے لگا تھا' ممی کا خیال آتے ہی اس کی بھوک مرنے لگی تھی' وہ ڈھیلا پڑ گیا۔ بہت تھوڑی سی فش کھا کر وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

"الوینہ فریزر سے آئس کریم لے لینا" آج سوئیٹ ڈش نہیں بنی۔" صائمہ اور شہزاد اپنے بیڈ روم میں چلے گئے۔ الوینہ آئس کریم لے آئی' وہ وہیں لاؤنج میں بیٹھ گئے' آئس کریم کھاتے ہوئے اس کا انٹرویو بھی ہوتا رہا۔"

مختلف سوالات' جن کے بہت مختصر جواب دیے تھے اس کے دوسرے دن شہزاد صاحب نے اسے پاس بٹھا کر اس سے اس کے والدین کا پوچھا۔

"مجھ سے یہ نہ پوچھیں اگر آپ مجھے یہاں رکھنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کا مجھ پر احسان ہے ورنہ۔۔۔"

"لوکے مائے سن۔" انہوں نے اسے ٹوک دیا۔

"تم نہیں چاہتے تو نہ سہی لیکن یہ تو بتادو تم کس کلاس میں پڑھتے تھے' تمہاری تعلیم کا کیا کیا جائے۔" وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"میں نے سینئر کیمبرج کیا ہے۔"

"سرٹیفکیٹس وغیرہ۔" انہوں نے جانچتی نگاہوں سے اس کے تاثرات دیکھے' وہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ "میں تمہارے کالج سے لے آؤں؟"

"نہیں' میں خود لے آؤں گا' میں فون کر سکتا ہوں؟" اس نے اجازت طلب کی۔

"شیور' تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا پوچھنے کی کیا بات ہے' جب جانے کا ارادہ ہو مجھے بتادینا میں لے چلوں گا۔"

"تھینک انکل۔" وہ متشکر ہوا تھا۔

اس نے دوسرے دن ہی فون کر کے پرنسپل سے بات کی اور شہزاد صاحب کے ساتھ اسلام آباد کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے کام کے لیے سیکریٹریٹ گئے اور وہ کالج آگیا۔ پرنسپل سے سرٹیفکیٹ اور مارکس شیٹ لینے کے بعد وہ ایک گھنٹے میں ہی لوٹ آیا۔ انکل ابھی اندر ہی تھے' وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لاہور آکر شہزاد انکل

نے اس کا ایڈمشن ولید کے ساتھ ہی کروادیا تھا' ان دونوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی جارہی تھی۔ اس نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے کلاس میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔ اس نے ولید کے ساتھ ہی BBA میں ایڈمشن لیا تھا اور سر حیدر سلطان کا چہیتا اسٹوڈنٹ بن گیا تھا۔ اس کی بے مثل ذہانت کی وجہ سے وہ اسے بہت چاہتے تھے۔ وہ بہت لیے دیے رہتا تھا۔ اتنی بات کرنا جتنی بحیثیت کلاس فیلو کرنا مجبوری ہوتی اور بس۔ اس کا ایک کلاس فیلو تھا سعد حبیب' وہ کسی لیدر فیکٹری میں پارٹ ٹائم جاب کررہا تھا۔ زارون نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی یہ جاب کرنا چاہتا ہے۔ سعد اسے اپنے ساتھ لے گیا اور فیکٹری کے منیجر' جو کہ سعد کے خالو تھے' سے زارون کی جاب کی بات کی تو انہوں نے اسے اپائنٹ کرلیا۔ یوں وہ ڈیلی ویجز پر وہاں ملازم ہوگیا۔ شہزاد انکل' صائمہ آنٹی اور ولید سب بہت ناراض ہوئے پر اس نے مشکل سے ہی سہی مگر انہیں رضامند کرلیا تھا کہ وہ لیدر ٹیکنکس میں اپنی دلچسپی کی وجہ سے یہ کام سیکھنے کے لیے جاب کررہا ہے' اوپری دل سے ہی سہی پر وہ خاموش ہوگئے تھے۔ دن رات کی مصروفیت نے اس کا دل بھی کچھ ٹھہرا سا دیا تھا۔ جب الوینہ نے اس ٹھہراؤ میں ہلچل مچائی تھی۔

"زارون' میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں' تمہارے پاس ٹائم ہے؟" وہ اس وقت اکیلا تھا' ولید گھر پر نہیں تھا۔

"ہاں کہو۔"

"وہ میں ایکچوئلی یہ کہنا چاہتی ہوں..." وہ رکی "کچھ دنوں میں میری پھپھو کینیڈا سے آنے والی ہیں' اپنے بیٹے کا پروپوزل لے کر۔" اس نے زارون کے تاثرات دیکھے' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے سمجھ نہ پارہا ہو کہ اس کی بات کا مطلب کیا ہے؟

"وہ' میں یہ... میرا مطلب ہے اگر ہم دونوں کی شادی ہوجائے' آئی مین تمہاری اور میری..." اس کی بات نے زارون کو بلا مبالغہ دو فٹ اوپر اچھل جانے پر مجبور کردیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو الوینہ' وی آر جسٹ فرینڈز۔"

"تو کیا فرینڈز کی آپس میں شادی نہیں ہوسکتی؟"

"لیکن میری شادی تو ہوچکی ہے۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا' الوینہ کا تو منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"تم مذاق کررہے ہو یا جھوٹ بول کر جان چھڑوا رہے ہو؟"

"نہیں نہیں بائے گاڈ' بلیو می (میرا یقین کرو) الوینہ' آئی ایم آل ریڈی میریڈ' میری شادی کو دو سال ہونے والے ہیں۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی پھر باہر نکل گئی۔ وہ گہری سانس لیتا ہوا بیڈ پر گر گیا' اسے تو کبھی شک بھی نہیں ہوا کہ الوینہ اس کے لیے کیا خیالات رکھے ہوئے ہے' وہ تو اپنی ہی الجھنوں میں گرفتار رہتا تھا' اور گرد کے لوگوں کے جذبات سے آگاہ ہونے کے لیے وہ توجہ' وہ وقت ہی نہیں تھا اس کے پاس۔ وہ نہ اپنی شادی کو بھولا تھا نہ ایلیا کو' وہ تو اس کی روح میں سمائی ہوئی تھی' اس کے دل میں بسی ہوئی تھی' ہر رات سونے سے پہلے وہ اس کا تصور کرکے سوتا تھا' وہ نہ اس کی خبر لینے کے قابل تھا نہ اسے اپنے ساتھ رکھنے کے' وہ خود دوسروں کے ٹکڑوں پر پڑا تھا تو اسے کہاں لاکر رکھتا' اسے اپنے پاس لانے کے لیے اس کا اسٹیبلش ہونا بہت ضروری تھا اور اس میں نجانے مزید کتنا وقت درکار تھا۔ اب پتا نہیں الوینہ یہ بات خود تک رکھتی یا شہزاد انکل کو بھی بتادیتی۔ ان کا نجانے کیا ردعمل ہوتا شام کو شہزاد انکل نے اسے اپنے پاس بلاکر یہی بات پوچھی تھی۔ اس نے اثبات میں سرہلا کر خاموشی اختیار کرلی تھی۔

"بہت افسوس کی بات ہے زارون' تم نے ہم پر اتنا اعتبار بھی نہیں کیا' اتنی بڑی بات چھپائی' ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوگیا تم کو یہاں رہتے ہوئے لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہاں ہوئی تمہاری شادی۔"

"میری کزن' میرے چاچو کی بیٹی کے ساتھ۔" بہت دھیمی آواز میں جواب دیا تھا اس نے۔

"تمہارا ان سے یا اپنی بیوی سے کوئی رابطہ ہے؟"
اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"کیا کہوں میں تمہیں زارون' تمہیں اندازہ بھی ہے کہ جن کی بیٹی کو یوں چھوڑ کر آ گئے ہو پھر کسی رابطے میں بھی نہیں تو وہ لوگ کتنے پریشان ہوں گے' عرصہ کتنا ہوا ہے تمہاری شادی کو؟"
"تقریباً" دو سال' نہیں پونے دو سال۔" اس نے خود ہی تصحیح کی۔ "دو سال یعنی یہاں آنے سے کچھ عرصہ ہی پہلے' تم تو ابھی بھی بہت کم عمر ہو' اتنی چھوٹی عمر میں تمہاری شادی کس لیے کی گئی تھی؟"
"میری ممی کی خواہش تھی۔" اس کی آواز اور دھیمی ہو گئی تھی۔ شہزاد صاحب نے چونک کر اسے دیکھا تھا' آج پہلی بار اس کے منہ سے کچھ نکل رہا تھا رشتے داروں کے حوالے سے' پہلے چاچو اب ممی۔
"تمہاری بیوی' تمہاری ممی کے پاس ہی ہو گی؟"
"نہیں' ممی کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے۔" ماں کے ذکر پر وہ اداس ہو گیا۔ "وہ چاچو کے پاس ہی ہو گی۔"
"یعنی تمہیں ٹھیک سے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہے کہاں' بہرحال تم نے یہ سب بہت غلط کیا' اپنے چاچو سے کانٹیکٹ کرو' اپنی بیوی کو یہاں لا کر اپنے ساتھ رکھو' وہ ہماری بہو ہے' ہم پر اس کا کوئی بوجھ نہیں' تمہیں بیٹا کہا ہی نہیں' سمجھا بھی ہے' تم ابھی تک غیریت ہی محسوس کر رہے ہو۔" انہوں نے قطعیت سے فیصلہ سنا کر بات ختم کر دی تھی۔
دو دن بعد اس نے آواز بدل کر فون پر یہ کنفرم کیا کہ ہارون اسلام آباد میں نہیں ہیں' عین دوپہر کو جبران کے ہاں جا پہنچا تھا۔ وہ گھر پر ہی تھے' کتنی دیر انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ زارون ان کے سامنے موجود ہے۔ "تم زارون' تم کہاں تھے؟ کہاں چلے گئے تھے' کیوں کیا تم نے ایسا' ایسے بھی کوئی کرتا ہے؟ تمہیں کسی کا کوئی خیال نہیں آیا؟"
"پلیز چاچو' ان باتوں کو رہنے دیں' ان کا اب کوئی فائدہ نہیں میں یہاں ایلیا کو لینے آیا ہوں۔" اس کے اکھڑ لہجے پر انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"زارون' یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو اور ایلیا کو لے کر کہاں جاؤ گے۔ خود کہاں رہ رہے ہو' کچھ تو بتاؤ؟"
"آپ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ میں کہاں رہتا ہوں' آپ ایلیا کو میرے ساتھ بھیجیں گے یا نہیں' یہ بتائیں۔" وہ خود سر لہجے میں بولا تھا۔
"ہمیں کیوں مطلب نہیں ہونا چاہیے' یہ معلوم کیے بغیر کہ تم کہاں رہتے ہو ایلیا کو بھی بھیج دیں' تم سے تو محروم ہوئے ہی ہیں' بیٹی سے بھی ہاتھ دھو لیں۔" ثمن کے تلخ لہجے پر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔
"آپ تسلی رکھیں' میں اسے بہت اچھی جگہ لے جا رہا ہوں' آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"
"یعنی یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم کہاں رہ رہے ہو' اچھا یہ تو بتا دو کہ گھر چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟" ثمن کے پوچھنے پر اذیت کی ایک لہر اس کے چہرے سے گزری تھی۔
"میں خود سے نہیں گیا تھا' آپ کے بھائی صاحب نے دھکے دے کر نکالا تھا۔"
"کیا؟" ثمن تو چیخ اٹھیں۔
"ہارون بھائی نے ایسا کیوں کیا؟"
"ان کے اپنے خیال کے مطابق میں نے ممی کو ان کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتائیں تو ان کی ڈیتھ ہوئی' میں ان کا قاتل ہوں۔" اس نے اتنی بے دردی سے ہونٹ کاٹے کہ خون نکل آیا' جبران نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
"تم گھر آ جاؤ بیٹا' میں ہارون بھائی سے۔۔۔" وہ اتنی تیزی سے اٹھا کہ ان کی بات ادھوری رہ گئی۔
"کبھی نہیں' اب تو کبھی بھی نہیں' آپ میرے ساتھ ایلیا کو بھیجنا چاہتے ہیں یا نہیں' میں یہاں صرف ایلیا کو لینے آیا ہوں۔"
"صرف ایلیا کو' نتالیہ کو نہیں؟" جبران کا لہجہ عجیب سا تھا' اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔
"نتالیہ' وہ کون ہے؟"

"ثمن اسے بتاؤ بلکہ لا کر دکھاؤ' نتالیہ کون ہے؟"
جبران کے کہنے پر ثمن اٹھ کر اندر چلی گئیں' لوٹیں تو ان کے بازوؤں میں ایک نو' دس ماہ کی بچی تھی' قریب آکر اسے' زارون کے ہاتھوں میں دیا۔
"لو پہچانو' یہ کون ہو سکتی ہے؟" وہ ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا' انتہائی صحت مند اور بے حد حسین بچی۔ بالکل اس کی اپنی ہم شکل' اپنی گرے گرین آنکھوں سے اسے دیکھ کر اپنے ننھے سے دہانے کو کھول کر مسکرائی تو اس کا دل ہی لوٹ لیا۔ وہ بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔
"نتالیہ' دیکھو آپ کے پاپا آئے ہیں نا' بولو پاپا۔" ثمن نے بچی کا گال سہلایا تو اس نے کسی روبوٹ کی طرح دہرایا۔
"پاپا" ننھی سی آواز نے اس کا سکتہ توڑا تھا' اس نے اسے سینے سے لگا کر بھینچا' پھر الگ کر کے بے تحاشا چومنے لگا۔ اس کی اتنی پیاری بیٹی دنیا میں آچکی تھی اور اسے علم ہی نہیں تھا' وہ اسے پیار کرتے ہوئے ارد گرد سے بے نیاز ہو گیا تھا' اس کے ننھے ہونٹوں' سرخ گالوں اور آنکھوں کو بار بار چوم رہا تھا۔ بچی کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ اس کی بے اختیاری دیکھ کر ثمن اور جبران کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی کتنا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ ہنستا مسکراتا' شوخ و شریر زارون' ایک سنجیدہ اور خاموش زارون میں تبدیل ہو گیا تھا۔ جس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں افسردگی و اداسی رچ بس گئی تھی۔
"ایلیا جاؤ بیٹا بیگ تیار کر لو' زارون تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہے۔" جبران کی آواز نے اس کی بے خودی کو توڑا تھا' اس نے چونک کر سامنے دیکھا' وہاں ایلیا کھڑی تھی' دھیمی مسکراہٹ لبوں پر لیے' اسے متوجہ دیکھ کر سلام کیا۔ وہ اسے دیکھتا رہا' وہ پہلے سے چینج لگ رہی تھی۔ بال لمبے ہو کر کمر سے نیچے جا رہے تھے۔ گھور سیاہ آنکھیں کسی خوب صورت احساس سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ کتنی خوب صورت ہو رہی تھی۔

"جاؤ ایلی' بیگ بناؤ بیٹا۔" ثمن نے ان کے انہماک میں خلل ڈالا تھا۔ وہ پلٹ گئی۔ اس کی چال کے ساتھ اس کے بال ہلکورے لے رہے تھے۔ وہ چلی گئی تو وہ گہری سانس لیتا پھر سے نتالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس کی جیب میں موجود والٹ نکال کر خوشی سے چیخ رہی تھی۔ ثمن اور جبران نے زبردستی اسے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا تھا ورنہ وہ تو رکنے پر تیار ہی نہیں تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تو ثمن بھی ایلیا کے ساتھ ہی اندر چلی گئیں اور کچھ ہی دیر میں اس کے سامان کے ساتھ آگئی تھیں۔ سب سے مل کر وہ شہزاد انکل کی گھر کی استعمال کے لیے رکھی گئی گاڑی میں' جو انہوں نے ڈرائیور سمیت اس کے حوالے کی تھی۔ میں آبیٹھے۔ لمبے سفر کے بعد وہ ایلیا سمیت ان کے گھر واپس پہنچا تو رات کے دس بج رہے تھے۔ اس نے سب سے ایلیا کا تعارف کروایا۔
"بہت پیاری بیوی ہے تمہاری۔" صائمہ نے ایلیا کو ساتھ لگایا۔ شہزاد انکل مسکرائے۔
"زارون کی بیوی کو تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" اتنا تو انہیں اندازہ تھا کہ وہ خود اتنا کم عمر تھا تو اس کی بیوی بھی چھوٹی سی ہی ہوگی سو اب گڑیا سی ایلیا کو دیکھ کر کسی نے حیرت ظاہر نہیں کی تھی۔
"اور انکل یہ میری بیٹی۔" اس نے نتالیہ کو ان کی طرف بڑھایا۔
"وہ یہ تو ایکسٹرا سرپرائز ہے' اس کا تم نے ذکر ہی نہیں کیا۔" انہوں نے حیرت آمیز مسرت سے اسے تھاما جبکہ باقی تینوں افراد بھی حیرت سے اس ننھی پری کو دیکھ رہے تھے۔
"یہ تو بنی بنائی باربی ہے۔" صائمہ نے نتالیہ کو ان سے لے کر اس کے گلابی گالوں پر بوسہ دیا' ولید اور الوینہ نے انہیں گھیر لیا۔
"مام! میں اسے اٹھاؤں گی۔"
"نہیں پہلے مجھے دیں۔" ولید نے اسے جھپٹ کر ہوا میں اچھالا۔
"پلیز مجھے دو' ولید۔" الوینہ چیخی تو ولید نے نتالیہ کو

پیار کر کے اس کے حوالے کیا اور اپنا رخ زارون کی طرف کیا۔

"تم سے جب بھی کوئی پوچھے کہ تم نے دنیا میں آکر پہلا کام کیا کیا تو یہی بتانا کہ شادی کرلی کچھ عرصے میں بچے بھی آگئے اب خود بھی پروان چڑھتے رہو اور ان کو بھی ساتھ ساتھ پالتے رہو۔ ایکسیلینٹ یار۔" اس کی بات پر زارون تو جھینپ گیا البتہ انکل نے اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

"اس گڑیا کا تو تم نے بالکل نہیں بتایا تھا ہم تو بس ایلیا کا ہی انتظار کرتے رہے۔"

"مجھے خود اس کا پتا نہیں تھا۔" اس نے سادگی سے اعتراف کیا۔ انکل نے بے ساختہ مسکراہٹ چھپانے کے لیے پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔ البتہ صائمہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں۔

"شادی کے ایک ڈیڑھ ماہ بعد بھابھی کو چھوڑ کر موصوف نکل آئے تھے تو پتا چلتا بھی کیسے؟"

"رہنے دو ولید بھابھی تم پر سوٹ نہیں کررہا۔"

"وہ مجھ پر سوٹ کر بھی کیسے سکتا ہے' وہ تو ایلیا پر ہی کرے گا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اب ایلیا بھی ہنس پڑی۔

"اتنی چھوٹی سی تو ایلیا ہے۔ کون بھابھی کہے۔"

"او کے۔ ایز یو پلیزڈ" ولید نے ہاتھ اٹھائے۔

"اس ڈول کا کوئی نام بھی تو ہوگا۔" الوینہ نے نتالیہ کے گال سے گال رگڑا۔

"نتالیہ" اس کا نام نتالیہ ہے۔"

"واؤ زبردست' پریٹی نیم' کس نے رکھا ہے؟"

"پاپا نے رکھا ہے۔" ایلیا مسکرائی۔

"تمہارے پاپا کی چوائس بہت اچھی ہے۔" صائمہ مسکرائیں۔

"آؤ اب کھانا کھالیتے ہیں۔"

کھانے کے بعد صائمہ نے کہا۔

"جاؤ بیٹا۔ اپنے کمرے میں جاکر آرام کرو' اتنے سفر کے بعد تھکن ہوگئی ہوگی۔"

"چلو آؤ تمہیں تمہارا اپنا بیڈ روم دکھادوں۔" آہ! میرا بیڈ روم پارٹنر آج سے کسی اور کا ہوگیا۔" ولید کی ٹھنڈی آہوں پر سب ہنس پڑے تھے۔ زارون نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ جواباً اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے آنکھ ماری تھی۔

"ایڈیٹ" وہ آہستہ سے مسکرایا۔ کمرے میں آکر ایلیا نے نتالیہ کو بیڈ پر لٹایا۔ زارون اس کے پاس بیٹھ گیا۔ "تھینک یو ایلیا اس حسین تحفے کے لیے تم نے مجھے بہت بڑا سرپرائز دیا ہے۔ بہت خوب صورت سرپرائز۔" وہ شرما کر مسکرادی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔

"تم بدل گئی ہو' پہلے کے مقابلے میں چینج لگ رہی ہو۔" ایلیا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بہت سوبر اور بہت سنجیدہ' شاید ماں بن گئی ہو اس لیے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا تھا' وہ بھی جھینپ کر مسکرادی۔

"آپ بھی تو بدل گئے ہیں۔"

"ہاں ہم دونوں ہی بدل گئے ہیں' ماں باپ جو بن گئے ہیں۔ اس گڑیا کی' اتنی بڑی ذمے داری نے ہمیں بدلنا ہی تھا۔" اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"ہم یہیں رہیں گے؟"

"فی الحال تو یہیں رہیں گے۔" اس نے نتالیہ کے گال کو انگلی سے چھوا۔

"ممی کو کتنی خواہش تھی میرے بچوں کی' ان کی ننھی منی آوازوں کی' ان کی شرارتوں کی اور اب جب میری بیٹی اس دنیا میں آئی تو وہ..." اس کی آواز میں نمی اتر آئی۔ ایلیا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"زارون پلیز۔" اس کی آنکھوں میں بھی آنسو چمکنے لگے تھے۔ زارون نے خود کو سنبھالا۔

"نہیں اتنی جلدی جانا تھا نا' اسی لیے جلدی جلدی سب کر کے چلی گئیں۔"

"تائی جی کو اتنا سیریس اٹیک کیسے ہوا۔ کیا کوئی ٹینشن تھی گھر میں؟" ایلیا کے سوال پر اس کے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔

"پتا نہیں مجھے تو ہمیشہ یہ افسوس رہے گا کہ انہوں نے نتالیہ کو نہیں دیکھا۔" اس نے بات بدل دی تھی۔

اس نے ایلیا کا اے لیولز میں ایڈمیشن کروا دیا۔
"صرف یہی دو سال ہیں تمہارے پاس۔ سکون سے پڑھ لو۔"
"کیوں۔ پھر کیا ہو گا؟" وہ ہونق ہو گئی۔
"پھر؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔
"پھر فیملی میں اضافہ ہو گا۔" وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔ وہ خود بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ لیدر فیکٹری میں بہت دلچسپی سے کام سیکھ رہا تھا۔ اس کا اور ولید کا B.B.A مکمل ہو جانے کے بعد زارون اور ولید نے شہزاد صاحب کے مشورے سے لیدر فیکٹری کھولنے کا ارادہ کیا۔ پھر سارا پروسیجر زارون کی نگرانی میں ہی مکمل ہوا تھا۔ ولید اپنے CSS کے ایگزیم کی تیاری میں مصروف ہو گیا اور زارون نے اپنی تمام تر توجہ فیکٹری پر لگا دی۔ شروع شروع میں تو آرڈرز کے لیے شہزاد صاحب کی مدد لینی پڑی' انہوں نے اپنے تعلقات استعمال کر کے انہیں بڑے بڑے آرڈرز دلوائے۔ زارون نے دن رات کی محنت سے ان آرڈرز کو مطلوبہ معیار کے مطابق اور مقررہ وقت میں تیار کر کے دیا۔ ساتھ ساتھ وہ مختلف کورسز بھی کرتا رہتا۔ جن میں ڈیزائننگ کا کورس سرفہرست تھا۔
اس کے کام کا معیار اتنا اعلا تھا کہ پہلے وہ جن کمپنیوں اور فرمز سے خود رابطہ کر کے آرڈرز لیتا تھا اب وہ از خود اسے اپنے آرڈرز نوٹ کروایا کرتیں۔ اس نے کبھی کوئی آرڈر واپس نہیں کیا' بلکہ اپنی ہمت سے زیادہ محنت کر کے انہیں دیے گئے ٹائم پر مکمل کر کے کمپنیوں کے حوالے کرتا۔ اس کی تیز رفتار ترقی نے تو شہزاد انکل کو بھی حیران کر دیا تھا۔
"میں نے تو بہت پہلے ہی پرکھ لیا تھا کہ یہ ہیرا ہے ہیرا۔" انہوں نے ولید سے کہا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس نے اپنی فرم کھول لی اور خود لیدر جیکٹس ایکسپورٹ کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس نے کچھ اور لیدر گڈز بنوانی شروع کر دی تھیں۔ جن کی اندرون ملک اور بیرون ممالک میں بہت طلب تھی۔ وہ بہت تیزی سے اپنی ساکھ بنا رہا تھا۔ وہ پارس بن گیا تھا کہ پتھر کو ہاتھ لگاتا تو وہ سونا بن جاتا۔ وہ بالکل ایک مشین کی طرح کام کرتا تھا' نیند' بھوک' تھکن کسی بھی انسانی جذبے سے بے نیاز ہو کر جیسے کوئی جنون تھا جو اسے کام اور ہر وقت کام پر اکساتا تھا۔ انٹرنیشنل کمپنیوں کے نمائندے اسے ملتے اور اگر انہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ فیکٹری اس کی ذاتی نہیں ہے تو وہ اسے اپنی فیکٹری کھول کر دینے کی آفر کرتے' لیکن اس نے کبھی توجہ بھی نہیں دی' وہ شہزاد انکل سے الگ ہونے کا تصور تک نہیں کر سکتا تھا نہ ہی ان کے احسانات مر کے بھی چکا سکتا تھا۔ اس کی بیوی' اس کے بچے ان کے گھر میں یوں رہ رہے تھے کہ وہ ان کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے کام میں مصروف تھا۔ شمعون کی پیدائش ان ہی دنوں کی بات تھی' جس طرح صائمہ آنٹی نے ایلیا کا پورے پریگننسی پریڈ میں خیال رکھا تھا۔ اس کو ڈاکٹر کے پاس باقاعدگی سے لے جانا۔ اس کی دواؤں کا دھیان رکھنا' ستایہ کو سنبھالنا' حتیٰ کہ جس دن شمعون پیدا ہوا۔ زارون شہر سے باہر تھا۔ پیچھے سب کچھ صائمہ آنٹی نے سنبھالا تھا۔
ولید ان دنوں اسسٹنٹ کمشنر بن چکا تھا اور دوسرے شہر اس کی پوسٹنگ تھی۔ جویریہ جو ڈاکٹر بن رہی تھی اور شہزاد انکل کی بہن کی بیٹی تھی' اکثر آتی رہتی اور ایلیا کی بہت اچھی دوست بن چکی تھی۔ الوینہ شادی کے بعد کینیڈا جا بسی تھی۔ دو سال بعد ولید کی بھی شادی ہو گئی اور جویریہ رخصت ہو کر اسی گھر میں آئی تھی۔ زارون اب الگ گھر لینا چاہ رہا تھا' مگر وہاں کوئی بھی اس کی اجازت دینے پر رضامند نہیں تھا۔ انکل آنٹی اور ولید ناراض تھے تو جویریہ مشتعل۔
"میرے آنے سے تم لوگوں کو ڈسٹربنس ہونے لگی' جو جانے کا پروگرام بنا لیا۔"
"تم یہاں ہو گی کتنا جو ہم ڈسٹرب ہوں گے۔"
"تو پھر الگ ہونے کا مطلب میں تو دوسرے شہروں میں پوسٹ ہوتا رہوں گا' پاپا بھی کبھی کہاں تو کبھی کہاں' ایک تم ہو جو ان کے پاس رہ سکتے ہو اور تم بھی الگ ہونا چاہ رہے ہو۔"

"پلیز ولید مجھے غلط مت سمجھو' میں صرف بچوں کے لیے یہ سوچ رہا ہوں کہ کل ان کے ذہن میں نہ آئے کہ میں انہیں اپنا گھر نہیں دے سکا۔"

"ہم بچوں کے بغیر کیسے رہیں گے' یہ تو تم نے ظلم کیا زارون۔"

"انکل پلیز آپ تو میری مجبوری سمجھیں۔" وہ انہیں کتنی ہی دیر سمجھاتا رہا تھا۔ پھر ان کے گھر سے قریب ہی اس نے چھوٹا سا گھر لیا تھا۔ جب وہ شفٹ ہو رہے تھے تو صائمہ کے آنسو ہی نہیں رک رہے تھے۔ ایلیا بھی مسلسل روتی رہی تھی۔ وہ خود بھی اداس تھا' مگر یہ بھی ضروری تھا۔

اس کے اندر ہمیشہ مرد سیکریٹری کام کرتے تھے۔ اس نے کبھی لیڈی سیکریٹری اپائنٹ نہیں کی تھی۔ وہ ہر جگہ ملک کے اندر جانا ہوتا یا باہر ایلیا کو ساتھ لے جاتا۔ وہ اپنے باپ جیسا دھوکا ایلیا کو اپنے بچوں کی ماں کو نہیں دے سکتا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ خود کو کسی امتحان میں نہیں مبتلا ہونے دیتا۔ سو وہ اسے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ اس نے کئی بار مختلف جگہوں پر ہارون کو دیکھا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو جاتا تھا۔ وہ ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اکثر وہ لڑکی نوشتا' ان کے ساتھ ہی ہوا کرتی تھی۔ اس نے تو سنا تھا وہ بزنس میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ وہ اپنے مغربی لکس کے ساتھ اپنی الگ ہی پہچان رکھتی تھی۔ اس لیے بھی زارون اسے پہچان گیا تھا۔ اس لڑکی سے تو اسے شدید نفرت تھی' اسے دیکھ کر اس کی رگ رگ میں شرارے دوڑنے لگتے تھے۔ وہ اسے بے گھر کرنے کا باعث تھی' وہ اس کی ماں کی موت کی ذمے دار تھی۔ اس نے ان کا ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا تھا۔ اس لڑکی پر تو بہت سے فرد جرم عائد ہوتے تھے۔ وہ اسے کبھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

ہارون کا دن بدن پھیلتا کاروبار انہیں لاہور تک لے آیا تھا۔ انہوں نے کئی مل یہاں لگائی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ اکثر لاہور آئے ہوتے تھے۔ اسے یہ خدشہ تو رہتا تھا کہ کہیں آمنا سامنا ہونے پر وہ اس سے ملنے کی کوشش نہ کریں' لیکن یہ تو کہیں خیالوں میں بھی نہ تھا کہ وہ بچوں کو ذریعہ بنائیں گے۔ وہ پتھرایا ہوا کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ انہوں نے اس سے مایوس ہو کر بچوں سے تعلق قائم کر لیا تھا یا وہ اسے جتانے کے لیے کہ وہ آج بھی اسے کوئی اہمیت دیے بغیر جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔ غصے اور نفرت کی آندھی میں اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ سارے راستے اس کا غصے سے برا حال رہا۔ گھر آتے ہی وہ ایلیا پر الٹ پڑا۔ اس نے سختی سے ایلیا کو اور بچوں کو ان سے ملنے سے منع کر دیا۔

بظاہر سب کو زارون بہت پرفیکٹ لگتا تھا' لیکن اس کے اندر بہت تبدیلیاں آچکی تھیں۔ ذہنی خلفشار نے اس کے اندر کچھ بہت غلط ایڈ کیا تھا جس میں ایک غلط عادت یہ بھی آئی تھی جس کے بارے میں ایلیا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

گزشتہ تیرہ سالوں سے' چار سال تک وہ بالکل ٹھیک رہا تھا پھر۔ پہلے تو کبھی کبھار اور پھر تو جیسے کسی بھی وقت اسے دورہ سا پڑتا تھا اور وہ اپنی ساری ٹینشن' اپنی ہمدم' دمساز' ہمراز اور خود اسی کے لیے سب کچھ چھوڑ آنے والی بہت محبت کرنے والی بیوی پر اتار کر خود تو پرسکون ہو جاتا اور وہ جو ہر طرح سے اس کی محبت کا حق ادا کر رہی تھی' اپنے جسم پر جلتے ہوئے سگریٹ کی اذیت سہنا اسی کا فن تھا۔ وہ سسکاریاں جو تکلیف کی انتہا کو پہنچ کر اس کے ہونٹوں سے پھسلی تھیں۔ ان کے علاوہ تو ایک حرف شکایت کا زارون سے نہیں کہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا ہی زارون ہے جو اذیت دیتا ہے تو کیا ہوا محبت بھی بے حساب کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اور ولید نئی فیکٹری کا چکر لگا کر واپس آرہے تھے کہ ایک ریسٹورنٹ کے سامنے ایلیا کی گاڑی نظر آئی۔

"وہ ایلیا آئی ہوئی ہے' آؤ ہم بھی چلتے ہیں پھر اکٹھے ہی گھر چلیں گے۔" جیسے ہی وہ گاڑی سے اترے' زارون کو تو سکتہ ہی ہو گیا تھا۔ ایلیا اور رشالیہ دونوں ہی ہارون صاحب سے ہمکلام تھیں۔

"بچے تو بچے ایلیا خود بھی ان سے رابطے میں ہے' اس کا مطلب تو یہ ہے کہ۔۔۔" اس کا خون کھولنے لگا' اسے سوائے اس منظر کے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

پھر جانے کیسے اس کا حوصلہ جواب دے گیا تھا' اور ایلیا کو۔۔۔ گھر سے چلے جانے کا حکم دے کر وہ خود بھی باہر چلا گیا' اسے لگتا تھا آج اس سے کچھ بہت غلط ہو جائے گا' رات کو خاصی دیر سے لوٹا تو لاؤنج میں زینو چاچی اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں' چپ چپ سی۔

"کھانا لگاؤں بیٹا؟"

"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے' آپ جانا چاہتی ہیں تو چلی جائیں۔" وہ اپنے بیڈ روم میں چلا آیا' خالی خالی بیڈ روم کتنا عجیب لگ رہا تھا' ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی لیکن خالی پن کا احساس ہر سو چھایا ہوا تھا کیونکہ وہ جو نہیں تھی' جو اس کے بیڈ روم میں آتے ہی مسکرا کر اس کا استقبال کرتی تھی' بچپن سے ساتھ رہنے والی' سترہ سال سے زیادہ عرصے سے اس کی لائف پارٹنر کے روپ میں اس کی ہر پل کی ساتھی تھی' اس کا نہ ہونا کتنا خالی پن جگا رہا تھا۔ وہ لباس تبدیل کیے بغیر بیڈ پر گر گیا تھا' ننھی ننھی بانہیں گلے میں لپٹی محسوس ہو رہی تھیں' وہ جلدی آجاتا تو بنی کتنی ہی دیر اس کے ساتھ کھیلتا رہتا اور دیر سے آتا تو وہ صبح اٹھ کر اس کے اوپر سوار ہو جاتا اور جب تک اسے اٹھا نہ لیتا' چیخیں مارتا رہتا' موی جو اس سے صرف تین سال بڑا تھا اور وہ واحد تھا جو ایلیا کا ہم شکل تھا اور اسے بہت پیارا تھا' شمعون اس کا پہلا بیٹا' ایک نیا احساس اور تانیہ اس کی اکلوتی بیٹی جو اس کی بہت لاڈلی تھی۔ وہ چاروں ہی ایلیا کے ساتھ چلے گئے بغیر اس کا خیال کیے کہ وہ ان کے بغیر کیسے رہے گا' تو ٹھیک ہے وہ بھی رہ لے گا' کوئی مسئلہ نہیں' اس نے سر تکیے میں گھسیڑ دیا۔

سوچنے کی حد تک کتنا آسان تھا کہ وہ ان کے بغیر رہ لے گا' حقیقت میں تو گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا صبح وہ جلدی جلدی تیار ہو کر آفس چلا گیا۔ سر اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ اس سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہا تھا۔

نئی فیکٹری کی مشینری لینے اسے جاپان جانا تھا اور اب اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ جا پائے گا' وہ ایلیا کے بغیر کہیں جاتا بھی نہیں تھا' وہ اس کی زندگی کا لازمی جزو تھی' وہی آنے' جانے کی تیاری کرتی' گھر میں ہوتے یا بیرون شہر یا بیرون ملک' وہ جب تک آنہ جاتا' وہ سوتی نہیں تھی چاہے رات کتنی ہی بیت جاتی' وہ جو اذیت اسے جلتے ہوئے سگریٹ کے ذریعے دیتا تھا (جس پر وہ خود کئی دن نادم رہتا تھا) اس کے لبوں پر کبھی شکوہ نہیں ہوئی' اور اسے اس پر اتنا غصہ آیا تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسے مار ہی ڈالتا' ٹھیک سترہ سال پہلے بھی وہ یوں ہی تنہا ہوا تھا اور آج وہ پھر تنہا رہ گیا تھا۔

سترہ سال پہلے' جب وہ خود سترہ سال کا تھا یوں اکیلا ہوا کہ دونوں ہاتھ خالی تھے' نہ کوئی رشتہ پاس تھا نہ گھر نہ روپیہ پیسہ اور اب گھر' رشتے' دولت' سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ دونوں بار اسے تنہا کرنے والا اس کا باپ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کب سے ایک فائل سامنے رکھے اس پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ ایسی گہری سوچ کے پاتال میں اترا ہوا تھا کہ پلک تک نہیں جھپکی تھی اس نے' دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا' اس کے انہماک میں خلل نہیں پڑا۔ کھنکارنے کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور سامنے موجود شخصیت کو دیکھتے ہی اس کا رنگ بدل گیا تھا' وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"کیوں آئے ہیں آپ یہاں؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیوں آیا ہوں۔"

"نہیں میں نہیں جانتا اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہاں کس لیے آیا ہوں' تم نے یہ جو نیا ڈرامہ کیا ہے' ایلیا اور بچوں کو گھر سے نکال کر' اس کے پیچھے کیا مقصد ہے؟ بتاؤ گے۔"

"میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے اور ایلیا کو بھی مجھ سے بات کرتے دیکھ کر ہی تم نے اسے گھر سے نکالا ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے زارون تم نے اسے گھر سے نکالا ہے جو تمہارے لیے سب کچھ چھوڑ آئی تھی' جو تمہارے ساتھ ہر حال میں خوش تھی۔"

"نہیں وہ میرے ساتھ خوش نہیں تھی' اس نے میرے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا' وہ سب سے رابطے میں تھی۔"

"تم جب کسی کے خلاف سوچنے لگتے ہو تو غلط فہمیوں کے پہاڑ کھڑے کرلیتے ہو' ہر خونی رشتے سے تم بدگماں ہو اور دوستوں کے لیے آخری حد تک چلے جاتے ہو' وہ تمہارا دوست خود تو سول سروس کے مزے لوٹ رہا ہے اور تمہیں جھونک رکھا ہے اس فیکٹری میں' دن رات محنت کرکے منافع اسے پہنچاؤ' یہ بات تو تمہاری چھوٹی سی عقل میں سمائی نہیں اور بنے پھرتے ہو عقل کے ٹھیکیدار۔"

"آپ ایک لفظ ولید کے متعلق مت کہیے گا' اس کے اور انکل کے احسانات کے سامنے تو میری نظریں نہیں اٹھتیں' جیسے آپ نے مجھے گھر سے نکالا تھا' اس کا تو مجھے اڈیکٹ بننا چاہیے تھا یا پھر سڑکوں پر پھرنے والا بھکاری۔"

"زارون۔" انہوں نے تڑپ کر اسے پکارا تھا' پر اس پر اثر نہیں ہوا تھا' وہ ہونٹ بھینچ کر دو قدم پیچھے ہو گیا تھا۔

"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں' میں مزید آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔" اس کی آواز میں وحشت تھی۔

"جو غلطی میں نے کی' وہی تم نے بھی تو کی ہے' تم نے میری خطا معاف نہیں کی تو تمہارے بچے تمہیں کیسے معاف کریں گے۔ وہ تو بہت بہتر ماحول میں گئے ہیں' تم سے کہیں اچھے طریقے سے جبران انہیں پال لے گا۔ پھر وہ کل تمہارا گریبان نہیں پکڑیں گے کہ تم نے انہیں اور ان کی ماں کو گھر سے کیوں نکالا تھا۔"

انہوں نے تاک کر نشانہ لگایا تھا' اس کے چہرے پر کرب کی لہر گزری تھی۔

"آپ یہی تو چاہتے تھے' اسی لیے تو ان سے میل جول بڑھایا تھا' میں سمجھا تھا کڑی مسافت طے کرکے اب ستانے کا وقت آیا ہے مگر آپ مجھے کبھی خوش نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ آپ تو شاید مجھے زندہ بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ ویسے بھی میں اب تھک گیا ہوں' شہر بدلا' ملک سے باہر جاکر بھی دیکھا' آپ کی رسائی ہر جگہ ہے' میرے لیے کہیں فرار نہیں ہے' میں اب نہ شہر چھوڑوں گا نہ ملک' میں اب یہ دنیا ہی چھوڑ دوں گا۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا' ہارون نے پھرتی سے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا تھا۔

"خبردار ایسی کوئی حرکت مت کرنا' تم مجھ سے نہیں ملنا چاہتے بلکہ مجھ سے بات کرنا بھی تمہیں گوارہ نہیں تو میں آئندہ تم سے کبھی نہیں ملوں گا بلکہ تمہارے راستے میں بھی نہیں آؤں گا' میں یہاں صرف تمہاری غلط فہمی دور کرنے آیا تھا' ایلیا کبھی مجھ سے یا اپنے ماں باپ سے نہیں ملی' اس دن محض اتفاق سے وہ سامنے آگئی تھی' اس بات پر اپنا گھر خراب مت کرو' مجھے یہ پتا ہو تا کہ تم مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہو کہ مجھ سے بات کرنے پر اپنے بیوی بچوں کو گھر سے نکال دو گے تو میں ان سے کبھی نہ ملتا' بہرحال تمہیں آئندہ کبھی مجھ سے یہ شکایت نہیں ہوگی۔"

اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور تنفر سے انہیں دیکھا۔

"آپ صرف اپنے بھائی اور بھتیجی کی وجہ سے یہاں آئے ہیں۔" وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر افسردگی سے مسکرائے۔

"چلو جو تم سمجھو' بس کوئی غلط قدم مت اٹھانا۔"

"مجھے آپ کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے' آپ جائیں یہاں سے۔" اس نے تلخی سے کہہ کر رخ پھیر لیا' ہارون مڑ کر باہر چلے گئے' وہ کرسی پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا' اس کے دل و دماغ میں آگ سی لگی ہوئی تھی' کام تو وہ پہلے بھی نہیں کر پا رہا تھا' اب تو وہ

سوچنے کے قابل بھی نہیں رہ گیا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہارون اس طرح اس کے آفس بھی آسکتے ہیں۔ اس نے کہنیاں میز پر ٹکا کر اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بہت مشکل سے ہی مگر اس نے اپنے آپ کو کام میں مصروف کرلیا تھا۔ پرسوں اسے جاپان جانا تھا اور وہ یہاں کوئی جھول چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ مسلسل لیپ ٹاپ پر مصروف تھا' ساتھ ساتھ فونز کا سلسلہ بھی چل رہا تھا۔ اس وقت بھی سیل پر ہوتی بیل نے اسے متوجہ کیا تھا۔ نیا نمبر تھا' اس نے اٹنڈ کرلیا۔

"ہیلو' ہیلو کون؟"

"ہیلو پاپا میں موحی ہوں' آپ کو بہت مس کررہا ہوں پاپا' میں آپ کے پاس آؤں گا۔ پاپا مجھے لے جائیں۔" دوسری طرف سے آتی موحی کی آواز نے اسے بے حس و حرکت کردیا تھا' یوں محسوس ہورہا تھا جیسے صدیوں بعد یہ میٹھی آواز سنی ہو' اس کے معصوم بچے کی آواز' وہ کہنا چاہتا تھا کہ میں بھی تمہیں بہت مس کررہا ہوں لیکن اس کی زبان حرکت نہیں کرپارہی تھی۔

"ہیلو پاپا بولیں نا پاپا۔" وہ چھوٹا سا بچہ جواب نہ پاکر رو پڑا تھا۔ وہ اسے چپ کروانا چاہتا تھا پر اس کی آواز کیوں نہیں نکل رہی تھی' اس کا جسم اس کے دماغ کے احکامات کا پابند نہیں رہا تھا' وہ اپنے بچے کو چپ کیوں نہیں کروا پارہا جو اب بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"پاپا تمہیں بول رہے' پاپا مجھ سے بات نہیں کررہے۔" زارون کو یوں لگ رہا تھا کہ اس کا دل کوئی تیز آلے سے کاٹ رہا ہو' درد کی شدید لہر تھی جو اس کے سینے سے اٹھی تھی' اس نے سینے کو مسلا مگر درد تیز سے تیز تر ہوتا جارہا تھا' کندھے اور بازو میں بھی یہ درد سرائیت کرگیا تھا' وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ جکڑے دہرا ہوگیا' عین اسی وقت ولید دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

"زارون۔" اس کے منہ سے چیخ نکلی تھی' وہ تڑپ کر اس کے پاس پہنچا "زارون کیا ہوا ہے' یہ تمہیں کیا ہورہا ہے۔" بھلا وہ جواب دینے کے قابل ہوتا تو اپنے بیٹے کو جواب نہ دیتا۔ ولید نے فون کرکے رومیل کو بلایا اور اس کی مدد سے زارون کو ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ ڈاکٹر نے فوراً اس کا ECG کروایا' پھر تفصیلی چیک اپ کیا۔

انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔

"لیکن ان کا بلڈ پریشر جتنا بڑھا ہوا تھا اور یہ جتنے اسٹریس میں ہیں اس سے اور بھی سیریس پرابلمز پیدا ہوسکتی ہیں۔"

اور یہ تو ولید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کتنے اسٹریس میں تھا پر یہ تو معلوم نہیں تھا کہ وہ ہارٹ پرابلم کا شکار ہوجائے گا' ولید اور رومیل ایک دوسرے کو دکھ سے دیکھ کر رہ گئے تھے۔ ٹریٹمنٹ کے بعد وہ بہتر کنڈیشن میں تھا' رومیل کو ولید نے واپس بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر اب زارون سے مخاطب تھا۔

"آپ کے نروز پر بہت پریشر ہے اور یہ آپ کے لیے ٹھیک نہیں ہے' گر آپ کو کسی قسم کی پرابلم بھی ہے' آفیشل یا فیملی پرابلم' آپ کو اسے شیئر کرنا چاہیے' فرینڈز کے ساتھ یا..... وہ رکا۔"

"آپ میرڈ ہیں؟"

"آج کا؟" ولید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "یہ تو بچپن شادی شدہ ہے۔"

"جی؟" ڈاکٹر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے' پندرہ' سولہ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی تھی' اب تو بہت عرصہ ہوگیا اسے میرڈ ہوئے بھی۔"

"بچے ہیں۔"

"کوئی ایک' ہر سائز کا بچہ ہے اس کا۔" ولید کے برجستہ بولنے پر ڈاکٹر کو ہنسی آگئی۔

"کتنے بچے ہیں؟" زارون بھی مسکرادیا۔

"چار بچے ہیں میرے۔"

"اپنی مسز سے انڈراسٹینڈنگ ہے؟" ڈاکٹر بے چارہ تو پورا سائیکاٹرسٹ بن گیا تھا۔

"جی" بہت دھیمی آواز میں اسے نے کہا تھا۔

"وہ بے چاری تو بے دام کی غلام ہے' نواب صاحب کے ہی مزاج نہیں ملتے۔" ولید بڑبڑایا' زارون نے ان سنی کر دی۔

"تو آپ ان سے ڈسکس کر لیا کریں' اپنے اوپر اتنا برڈن نہ لیں کہ یہ حال ہو جائے۔ اپنا خیال رکھیں اور اپنا کلائمیٹ چینج کر کے دیکھ لیں' ہو سکتا ہے فرق پڑے۔"

"میرا تو خیال ہے اسے اپنی بیوی کے ساتھ کہیں گھومنے کے لیے جانا چاہیے' زیادہ فرق پڑے گا۔" ولید کے مخلصانہ مشورے پر ڈاکٹر کے ساتھ زارون بھی ہنس پڑا تھا۔ ولید چاہتا بھی یہی تھا کہ کسی طرح اس کا ذہن ریلیکس ہو جائے۔ واپسی پر بھی وہ اسی طرح چٹکلے چھوڑتا آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھر وہ جاپان آ گیا۔ مشینری دیکھنے' ان کے سودے کرنے میں ایسا مصروف ہوا کہ دو دن بعد ولید سے بات ہو پائی تھی۔

"یار' مومی بہت بیمار ہو گیا ہے' مسلسل تمہیں یاد کر کر کے' رو رو کر اس نے اپنی حالت خراب کر لی ہے۔" اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"مومی' میری جان۔"

"ہیلو" ولید اسے خاموش پا کر پریشان ہو گیا۔

"ہاں ولید' تمہیں کیسے پتا چلا کہ مومی بیمار ہے؟"

"جویریہ کی بات ہوئی تھی ایلیا سے' تمہارے انجانا کا بھی بتا دیا تھا اس نے اور ایلیا تو فون پر ہی رونے لگ گئی تھی' بس ختم کرو ناراضی' وہ تمہیں اتنا چاہتی ہے اور تم ایسا کر رہے ہو' شرم کرو۔"

زارون نے مشینری سے متعلق باتیں کر کے موضوع بدل دیا تھا' ولید نے بھی محسوس کر کے اسی موضوع پر بات شروع کر دی تھی' کچھ دن بعد پھر اس کا فون آیا تو اس نے بتایا کہ وہ اسلام آباد جا کر ایلیا اور بچوں سے مل آیا ہے۔

"مومی کیسا ہے اب؟" بے اختیار اس نے پوچھا تھا اور پہلی بار بات کرتے ہوئے ولید افسردہ ہوا تھا۔

"کیا بتاؤں یار' اتنے سے بچے نے اپنا کیا حال کر لیا ہے' اگر یوں کرنا تھا تو پہلے ہی بچوں کو اپنا عادی نہ بناتے' بہترین ڈاکٹرز سے وہ لوگ اس کا علاج کروا رہے ہیں اور ڈاکٹر نے بھی یہی کہا ہے کہ بچہ اپنے والد کو مس کر رہا ہے' جتنی دیر ہم بیٹھے رہے' وہ ہم سے یہی کہتا رہا ہم اسے لاہور' تمہارے پاس لے چلیں' اگر تم یہاں ہوتے تو میں اسے لے بھی آتا' اب تم بھی بس کرو' اور واپس آ کر انہیں لے آؤ۔"

زارون کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسل رہا تھا۔

"مومی میرا بچہ۔" اس نے اپنے ہونٹ کچل ڈالے۔ فون بند کر کے اس نے چائے منگوائی' خیالات کی وہ یورش تھی کہ کپ میں نکالتے ہوئے چائے اس کے ہاتھ پر گر گئی "سی" اس نے ہاتھ جھٹکا' جلن ہونے لگی تھی۔ اس نے واش روم میں جا کر ٹھنڈے پانی کے نیچے ہاتھ رکھا' ہٹایا تو پھر جلن ہونے لگی' اس نے کمرے میں آ کر ٹھنڈی ہوتی چائے کو بڑے بڑے گھونٹوں میں ختم کیا' تب تک جلن مزید بڑھ گئی تھی۔ جلد بھی سرخ ہو گئی تھی۔

"کچھ لگاؤں اس پر۔" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ' ٹوتھ پیسٹ لگانے سے جلن کم ہو جاتی ہے۔" ایلیا نے ایک بار کہا تھا۔ "ایلیا" وہ ٹھٹک گیا' نظریں اپنے ہاتھ کی سرخ ہوتی پشت پر جم گئیں' یہ ذرا سی جلن اس سے برداشت نہیں ہو رہی اور وہ' وہ کیسے برداشت کرتی تھی' اس نازک سے وجود میں اتنی طاقت کہاں سے آ جاتی تھی' کیا وہ صرف بچوں کی خاطر اس کی دی ہوئی وہ خوفناک اذیت برداشت کرتی تھی' کیا یہ قابل یقین بات تھی' بہت سی باتوں پہ جو غصے کی چادر نے پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ اب سمجھ آ رہی تھیں۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ وہ خود ایلیا سے بہت محبت کرتا ہے مگر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

حقیقت تو یہ تھی کہ ایلیا نے اپنی محبت سے اس کی زخمی روح پر پھائے رکھے تھے۔ وہ اپنے باپ سے ناراض تھا تو ان سے نہیں ملتا تھا اور وہ اس کے پیچھے سب کو چھوڑ کر بیٹھی تھی۔ اس کے دماغ میں نئے نئے دریچے کھل رہے تھے' ایلیا کی محبت کو وہ اس طرح سے ساتھ رہتے ہوئے محسوس نہیں کر پایا تھا جیسے اب کر رہا تھا۔ پاکستان پہنچ کر اس نے ولید کو منع کیا کہ وہ ایلیا کو اس کی آمد کی اطلاع نہ دے' وہ خود وہاں پہنچ کر ان سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد وہ چاچو کے گھر داخل ہوا تھا' ملازم اسے ایلیا کے کمرے میں پہنچا گیا تھا' ہلکا سا دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوا' ثنالیہ اور شمعون چیختے ہوئے اس سے لپٹ گئے' اس کے اندر سکون ہی سکون پھیل رہا تھا۔ بیڈ پر لیٹے موی کو اٹھا کر اس نے چوم لیا اور سینے سے لگا کر اس کی معصوم محبت کو روح کی گہرائیوں میں اترتے محسوس کیا' وہ واقعی بہت کمزور ہو گیا تھا اور اس وقت بھی بخار میں مبتلا تھا' ننھا منا ہنی بھی اس کی گود سے اترنے کے لیے تیار نہیں تھا' چاچو سے ملتے ہوئے وہ بہت شرمندہ تھا۔ انہوں نے اور ثمن آنٹی نے اس کا بہت خیال رکھا تھا' بہت محبت دی' اس سارے قصے میں بھی ان کا کوئی قصور نہیں تھا مگر اس نے ایلیا کو ان سے بھی نہیں ملنے دیا' وہ خود آ کر بھی اپنی بیٹی سے مل سکتے تھے مگر انہوں نے انہیں ڈسٹرب نہیں کیا تھا' دوسرے دن واپسی ہو گئی۔ گھر آتے ہی بچے یہاں' وہاں پھیل گئے' اک دم سناٹا تحلیل ہو گیا تھا' زینو چاچی کے تو مارے خوشی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ولید نے فون پر ہی اسے وش کر دیا تھا۔

"آج تو میں کباب میں ہڈی بننے کے لیے نہیں آؤں گا لیکن کل تمہیں ہر صورت مجھے برداشت کرنا ہوگا۔" وہ فون بند کر کے مسکراتا ہوا کمرے سے باہر آنے لگا کہ اندر آتی ایلیا سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

✡ ✡ ✡

وہ صوفے پر بیٹھا تھا سر کے پیچھے ہاتھ باندھے چھت کو دیکھتا ہوا' وہ پاس آ کر بیٹھ گئی تو وہ بھی سیدھا ہو بیٹھا۔

"تھک گئے ہیں؟"

"اب تم آ گئی ہو تو ساری تھکن اتر جائے گی۔" اس نے ایلیا کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا۔

"پوچھو گی نہیں میں کہاں سے آ رہا ہوں۔"

"میں نے تو پہلے بھی کبھی نہیں پوچھا تھا۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں یہ تو ہے۔ بہر حال میں سائیکاٹرسٹ سے سیشن کر کے آیا ہوں۔" ایلیا نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔

"سائیکاٹرسٹ؟"

"ہاں تم ہی نے تو کہا تھا میں سائیکی کیس ہوں۔"

"آئی ایم سوری زارون' غصے میں نجانے میں نے کیا کیا کہہ دیا۔"

"تم نے ٹھیک کہا تھا' میں واقعی سائیکی ہو گیا تھا ورنہ جو مرد اپنی بیویوں سے محبت کرتے ہیں' وہ انہیں اذیت دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے' تمہیں پتا ہے جب میرے ہاتھ پر چائے گری تو مجھے اتنی جلن ہوئی کہ میں اس پر لگانے کے لیے کچھ ڈھونڈنے لگا تب مجھے تم بہت یاد آئیں' کتنی جلن ہوتی ہوگی تمہیں' کیسے برداشت کرتی تھیں تم۔ اس پر نہ کوئی شکایت نہ گلہ نہ نفرت' محبت تو تم کرتی تھیں' قربانی تو تم دے رہی تھیں' میں نے تو صرف اپنا فرسٹریشن نکالنے کے لیے ایک ٹارگٹ بنایا ہوا تھا تمہیں۔ میں نے ولید سے کہا تھا کہ جو یریہ سے کہے کہ وہ کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے میرے لیے ٹائم لے' آج میں ان سے مل کر آیا ہوں' میں اب تمہیں مزید اذیت نہیں دینا چاہتا' میں اب تم سے صرف محبت کرنا چاہتا ہوں' ایسی محبت جس میں تمہیں ذرا سی بھی تکلیف نہ ملے' ایسی محبت جو تمہاری خالص محبت کا مقابلہ کر سکے' جو تمہیں دل سے خوش ہونے پر مجبور کر سکے۔" ایلیا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ زارون نے بہت محبت سے انہیں صاف کیا تھا۔

"اب نہیں' اب میں تمہیں رونے نہیں دوں گا۔ جو ہو گیا اس کی تلافی تو نہیں ہو سکتی' مگر ہم آئندہ آنے والے وقت کو تو خوب صورت بنا سکتے ہیں نا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرایا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب ایسے تو نہ دیکھو کہ مجھے خود پر شرمندگی ہونے لگے۔"

"زارون۔"

"جی جان زارون؟"

"میری ایک بات مانیں گے؟"

"ایسی کیا خاص بات ہے جس کے لیے پیشگی اجازت لی جا رہی ہے؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"اپنا دل تھوڑا سا بڑا کر کے تایا جی کو بھی معاف کر دیں۔ وہ بہت بیمار رہتے ہیں۔ آپ پلیز ان سے۔"

"بس آگے کچھ مت کہنا' میں اپنی اور تمہاری بات کر رہا تھا۔ تم اس موضوع کو رہنے دو۔" اس نے ایلیا کی بات کاٹ دی تھی۔

"زارون پلیز' مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔"

"ایلیا میرا دماغ خراب مت کرو' جب میں نے کہہ دیا ہے کہ بات ختم کرو تو بس ختم۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس بات پر شدید غصے میں آگیا تھا' وہ ڈر کر چپ ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج زارون جلدی گھر آگیا تھا کیونکہ ایلیا نے اسے فون کر کے جبران کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

"السلام و علیکم! چاچو' کیسے ہیں آپ؟" وہ ان سے لپٹ گیا۔ انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔

"بالکل ٹھیک۔ تم سناؤ' بہت مصروف رہتے ہو۔"

"اچھی مصروفیت ترقی کی ضمانت ہے۔ آپ آج کیسے آگئے؟"

"ملنے کو دل چاہا' آگیا' بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا' بڑی مشکل سے ٹائم نکال کر آیا ہوں۔"

"بہت اچھا کیا چاچو' اب خوب گپ شپ لگاتے ہیں۔" کچھ دیر کی باتوں کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"یہ ایلیا کیا کہہ رہی ہے کہ نتالیہ کے لیے تمہارے پروفیسر کے بیٹے کا رشتہ آیا ہوا ہے۔ لڑکا ابھی پڑھ رہا ہے اور تمہارے انڈر کام سیکھ رہا ہے۔ ایسا رشتہ؟ ایک ہی بیٹی ہے تمہاری اور وہ بھی اتنی بھاری ہے تم پر کہ جو پہلا رشتہ آیا' تم راضی ہو گئے۔"

"نہیں چاچو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہوں نے بات کی اور میں نے ایلیا سے ذکر کر دیا۔ اب جہاں بیٹی ہو وہاں رشتے تو آتے ہی ہیں۔"

"بالکل آتے ہیں' مگر او کے کرنے سے پہلے کچھ باتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ تمہارا کیا اسٹیٹس ہے تم خود بھی اچھی طرح جانتے ہو اور دوسرے لوگ بھی۔ سب جانتے ہیں کہ تم سید ہارون ہاشمی کے بیٹے ہو۔ ان کی ساری پراپرٹی کے اکلوتے وارث۔"

"پلیز چاچو پلیز۔ ان کی ساری پراپرٹی ان ہی کی ہے۔ مجھے ان کی پراپرٹی میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے۔ میں ان سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا۔" اس کے لہجے میں زہر اُمڈنے لگا۔ جبران نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"مت کیا کرو ایسی باتیں۔ اچھی نہیں لگتیں تمہاری منہ سے۔ انہوں نے اپنے لیگل ایڈوائزر کو بلا کر سب کچھ تمہارے نام کر دیا ہے۔ تمہارے اور تمہارے بچوں کے نام پر۔"

"ان سے کہیں اپنی یہ فیاضی خود تک محدود رکھیں' مجھ پر یہ مہربانیاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور ابھی میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ میں یہ جو دن رات محنت کرتا ہوں' اپنے بچوں کے لیے ہی کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ جب تک زندہ ہوں۔ ہاں اگر میں نہ رہوں تو پھر جو دل چاہے میرے بچوں کے لیے کریں' میں روکنے کے لیے موجود نہیں ہوں گا۔"

"زارون۔" جبران کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا سوچ کے یہ بکواس کی تم نے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عمر خضر عطا فرمائے' انہوں نے جو نویتا کا حصہ بنتا تھا وہ

اس کے نام کر دیا ہے اور اس سے دو گنا جو تمہارا حصہ بنتا ہے۔ وہ تمہارے نام لکھوا دیا' اس میں غصے کی کیا بات ہے؟"

"ہاں واقعی اب مجھے غصہ نہیں آنا چاہیے۔ اب تو ہنسی آنی چاہیے جب مجھے ضرورت تھی سہارے کی' ہمدردی کی' اس وقت تو مجھے دھکے دے کر نکال دیا اور اب جب مجھے نہ رشتوں کی ضرورت ہے نہ روپے پیسے کی تو زبردستی جانے کیا کیا سونپا جا رہا ہے۔ اللہ کا بہت کرم ہے مجھ پر' میری بہت اچھی بیوی ہے۔ دوستوں جیسی بلکہ دوستوں سے بھی بڑھ کر خیال رکھنے والی' اتنے پیارے بچے ہیں میرے کہ سارے دن کا تھکا ہارا گھر آتا ہوں تو ان کی پیاری' پیاری صورتیں' معصوم باتیں' میری ساری تھکن' اتار دیتی ہیں۔ میں اب کسی کے بارے میں سوچتا بھی نہیں ہوں۔ مجھے خواہش ہی نہیں ہوتی کہ میں کسی کا تصور کر کے خود کو تکلیف دوں۔" اس کے لہجے سے تلخی ٹپک رہی تھی۔ جبران سب سمجھ رہے تھے جو اس نے کہا تھا وہ بھی اور جو نہیں کہا وہ بھی۔ اس نے خود پر جو خول چڑھا رکھا تھا۔ وہ کبھی کبھی چٹخ جاتا تھا اور اس کے چہرے پر اپنوں کی بے مروتی کے دکھ' رشتوں کے کھو جانے کا غم' کم عمری میں ذمے داریوں کا بوجھ' ان کی تھکن سب کچھ نظر آنے لگتا تھا' مگر صرف چند لمحوں کے لیے

"تم اس وقت غلط تھے نہ ہارون بھائی غلط سمجھے تھے' میں آج ساری حقیقت تمہیں بتانا چاہتا ہوں' تم واحد تھے جس نے انہیں تو بیتا اور اس کی ماں کے ساتھ دیکھا تھا' ہما بھابھی جب C.C.U میں تھیں تو ہوش میں آنے پر انہوں نے ہارون بھائی سے کہا کہ انہوں نے ان کا اور ان کے بیٹے کا مان توڑ دیا ہے۔ لامحالہ ہارون بھائی کا دھیان تمہاری طرف گیا کہ تم نے ہی ان کو سب کچھ بتایا ہے' اسی لیے انہوں نے غصے میں وہ بھیانک غلطی کی کہ تمہیں رات کے اندھیرے میں گھر سے نکال دیا۔ تم نے تو بھابھی کو کچھ نہیں بتایا' لیکن میں جانتا ہوں کیا ہوا ہو گا۔ بھابھی کی ڈیتھ کے بعد تم بخار میں بے سدھ پڑے تھے تو میں تمہارے پاس تھا۔

تم تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ہذیان کی کیفیت میں کہہ رہے تھے۔

"ممی پاپا بہت خراب ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ ان کی بیٹی بھی ہے۔" میں یہ باتیں سن کر سناٹے میں رہ گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہما بھابھی نے تمہاری یہی باتیں سنی ہوں گی اور وہ زندگی ہار گئیں۔ اس رات ایلیا کی طبیعت بہت خراب تھی' اسے مسلسل وومیٹنگ ہو رہی تھی۔ اس پریشانی میں کسی کا دھیان اس خوش خبری کی طرف نہیں گیا جو بعد میں ڈاکٹر نے سنائی' میں تمہیں سوتا پا کر ہارون بھائی کو تمہارے پاس چھوڑ کر ایلیا کے پاس گیا تھا۔ ثمن ایلیا کو دیکھ کر بہت گھبرا رہی تھی تو میں وہیں ٹھہر گیا' مجھے پتا ہوتا پیچھے یہ قیامت آ جائے گی تو میں کمرے سے باہر قدم بھی نہ رکھتا۔ صبح ہر طرف شور مچ گیا زارون گھر میں کہیں نہیں ہے' چوکیدار نے تمہارے آدھی رات کو بھاگتے ہوئے گیٹ سے نکل جانے کی گواہی دی۔ سب یہی سمجھے کہ ماں کی موت کے صدمے نے اس کا دماغ الٹا دیا اور وہ کہیں چلا گیا سب مل کر تمہیں تلاش کرنے لگے' مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔

مجھے ہارون بھائی کے رویے سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ تمہارے جانے پر ویسا ردعمل کیوں نہیں دکھا رہے تھے۔ جیسا دکھانا چاہیے تھا۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ پھر جب ڈاکٹر نے ایلیا کا چیک اپ کر کے اس کی پریگننسی کا بتایا تو ان کی خاموشی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے زارون کو گھر سے نکال دیا تھا۔ مجھے اس پر بہت غصہ تھا' اس نے ہما کو مجھ سے چھین لیا۔ میں نے اسے منع کیا تھا پھر بھی اس نے سب کچھ ہما کو بتا دیا اور وہ مجھ سے ناراض ہی اس دنیا سے چلی گئی۔ اسے کتنی خواہش تھی اس کے بچے دیکھنے کی' ان کی معصوم چہکاریں سننے کی' تب ہی تو اتنے سے بیٹے کی شادی کر دی تھی اس نے اور اب جب وہ بچہ آنے والا ہے تو وہ اس کے استقبال کے لیے موجود ہی نہیں اور وہ بھی موجود نہیں' جو خود کو تنہا محسوس کرتا تھا۔ اب جب اس کی تنہائی ختم ہونے والی تھی۔ میں

نے اسے گھر سے نکال دیا۔ پتا نہیں کہاں گیا ہو گا۔ کس کے ہاتھ لگا ہو گا۔"

میں ان کی باتیں سن کر صدمے سے ٹوٹ گیا' میرا دل مسل کر رہ گیا تھا۔ تم ابھی ماں کے ہی غم سے باہر نہیں آئے تھے کہ انہوں نے بے گھر ہونے کا عذاب بھی نازل کردیا۔ اس وقت تو میں غصے سے ان کے پاس سے اٹھ کر آگیا' مگر پھر تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا' تمہارے کالج کے پرنسپل نے کچھ ماہ بعد بتایا کہ تم ڈاکومنٹس لینے آئے تھے۔ یہ اطمینان تو ہوا کہ تم زندہ سلامت ہو۔ ایلیا تو گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ تو نتالیہ نے اس کا دھیان بٹادیا ورنہ تو وہ ایب نارمل ہوتی جارہی تھی۔ جب نتالیہ پیدا ہوئی تو ہر آنکھ نم تھی۔ سب تمہیں مس کر رہے تھے پھر نوینتا کو بھی میں ہی لایا تھا۔ میں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں اس کی ماں کو تو انہوں نے طلاق دے دی تھی۔ جب تم ایلیا کو لینے آئے تو انہیں پتا چلا تو تڑپ گئے۔

"جبران تم نے اسے جانے کیوں دیا۔ کس طرح روک لیتے۔" جب لاہور میں تمہارا پتا مل گیا تو انہوں نے تمہیں منانے کی ہر کوشش کی۔ نہیں منا پائے تو بچوں سے مل کر اپنے آپ کو بہلانے لگے۔ یہاں تم اتنے سنگدل ہو گئے کہ انہیں اس خوشی سے بھی محروم کردیا۔ کیا تھا اگر وہ بچوں سے مل لیتے تو؟"

"پہلے منع کیا تھا اب تو وہ آپ کے ہاں رہ کر اچھی طرح سب سے مانوس ہو کر آئے ہیں تو اب کیا روکنا۔"

"روکنے کی ضرورت بھی نہیں ہے زارون۔ وہ ان کے دادا ہیں کوئی دشمن نہیں۔ تم ہمارے گھر آئے تو وہ اس طرف پلٹے ہی نہیں' انہیں احساس ہے تمہاری ناراضی کا' تم انہیں مزید کتنی سزا دو گے' وہ تمہارے والد ہیں' کبھی ناخن بھی گوشت سے الگ ہوا ہے؟"

"چھوڑیں یہ فرسودہ باتیں۔"

"وہ بہت بیمار رہنے لگے ہیں' اگر انہیں کچھ ہو گیا تو بہت پچھتاؤ گے۔"

"چاچو' آج آپ کوئی دوسری بات نہیں کریں گے؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

"ہوں' دوسری بات یہ ہے کہ فاران کی شادی کا ارادہ ہے۔ اب تم لوگوں کی شرکت تو بچوں کی چھٹیوں سے مشروط ہوگی تو جب ان کی چھٹیاں ہوں گی' ان دنوں میں رکھ لیتے ہیں شادی۔" انہوں نے موضوع تبدیل کیا اور زارون نے شکر ادا کیا۔

"جب سے آپ آئے ہیں یہ پہلی اچھی خبر سنائی ہے آپ نے کہاں کرنے کا ارادہ ہے؟"

"یہی ساتھ والے گھر میں' یعنی نوینتا کے ساتھ۔" زارون کے مسکراتے ہوئے لب سکڑ گئے' جبران بغور اس کے تاثرات دیکھ رہے تھے۔

"کیوں پسند نہیں آیا یہ رشتہ؟"

"نہیں' مجھے کیوں نہیں آئے گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آپ لوگوں کی مرضی۔" جبران کے چہرے پر کبیدگی چھائی' ظاہر ہے زارون کی بات انہیں اچھی نہیں لگی تھی' ان کا رخ اندر آنے والی ایلیا کی طرف ہو گیا۔

"تم کب چلو گی ماں کی مدد کروانے کے لیے؟"

"پہلے ڈیٹ تو فائنل کرلیں۔" وہ ہنسی۔

"وہ تو میں کہہ چکا ہوں کہ تمہارے بچوں کی چھٹیوں کے مطابق طے ہو گی۔ تم بتادو کب ہوں گی چھٹیاں ہم ڈیٹ فائنل کردیں گے۔"

"تو بس اگلے مہینے سے ان کی چھٹیاں اسٹارٹ ہیں۔ آپ رکھ لیں کوئی سی بھی ڈیٹ۔"

"چلو ڈن ہے اور یہ شادی میں اتنی دیر بھی تم لوگوں کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ورنہ دو سال پہلے ہی ہو چکی ہوتی۔" زارون کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

"چاچو مجھے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے' آپ خود آجاتے چاچو' میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا تھا۔"

"کبھی بلایا بھی تو نہیں تھا نہ ہی ایلیا کو ملوانے لائے نہ ملنے کے لیے ہی کبھی بھیجا' خیر سچ میں اور ثمن سنجیدگی سے آنے کا سوچ رہے تھے کہ یہ معجزہ ہو گیا۔"

وہ بھی ہنستے ہنستے سچ کہہ گئے۔

"چلو پھر آنے کا ڈیسائیڈ کرو' کیا کرنا ہے؟"

"چاچو' میں یہاں سے اسے بٹھادوں گا' آپ ائرپورٹ سے اسے ریسیو کرلیجئے گا۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ چلو پھر دیکھتے ہیں۔"

پھر جب چھٹیوں میں ایلیا جانے لگی تو زارون کو بچوں کے متعلق ہدایات دے دے کر اسے زچ کردیا۔

"زارون آپ پلیز کھانا ٹائم سے کھالیجیے گا۔ مجھے آپ کی طرف سے بہت فکر رہے گی۔"

"ایسی فکر ہے تو نہ جاؤ نہ' مجھے تو تمہارے بغیر بھوک ہی نہیں لگے گی۔"

"مگر اب تو آپ نے پاپا سے کہہ دیا ہے' وہ ناراض نہ ہوجائیں۔" وہ گھبرا گئی۔

"ایک تو سارے زمانے کی تمہیں فکر ہوتی ہے۔ اس پر ہر کسی کی ناراضی کا ڈر۔ ارے بابا یہاں جو تمہاری اسسٹنٹ رک رہی ہے وہ اس سلسلے میں تمہاری بھی اماں ہے۔ اس لیے فکر مت کرو' فریش دل ودماغ کے ساتھ جاؤ اور انجوائے کرو۔"

اسلام آباد ائرپورٹ پر جبران اور فاران دونوں آئے تھے اسے لینے۔ شمعون نے ہنی کو اٹھایا اور وہ ہارون کے ہاں چلی آئی۔ جہاں وہ دلہن بن کر آئی تھی بلکہ اس سے پہلے بھی بروقت یہیں پائی جاتی تھی۔ نوا گھر پر نہیں تھی' وہ ہارون کے کمرے میں آگئی' وہ ایزی چیئر پر نیم دراز جانے کن سوچوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر بے اختیار کھڑے ہوگئے۔

"ایلیا' کیسی ہو بیٹا؟"

"میں ٹھیک ہوں تایا جی۔" وہ ان سے مل کر صوفے پر بیٹھ گئی' وہ بھی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے' ہنی کو گود میں لے کر شمعون کو ساتھ لگایا ہوا تھا۔

"زارون کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہیں تایا جی۔ آئیں گے وہ بھی کچھ دنوں میں۔" انہوں نے ہنی کی ناک سے ناک رگڑی اور اسے ہوا میں اچھال کر کیچ کیا۔ وہ کھلکھلا اٹھا۔ انہوں نے پیار کر کے پھر سے گود میں بٹھالیا۔

"یہ بنا بنایا زارون ہے' ذرا سا بھی فرق نہیں ہے۔"

"وہ کہتے ہیں' میں اتنا ڈبل نہیں ہوسکتا کبھی بھی' پتا نہیں کیوں سب اسے مجھ سے ملاتے ہیں؟" ہارون ہنس پڑے۔

"وہ اس سے بھی ڈبل تھا' اب بڑا اسمارٹ بنا پھرتا ہے۔"

"آپ کی طبیعت کیسی ہے تایا جی؟"

"بس چل رہا ہوں دواؤں کے سر پر۔" وہ دکھی ہوگئی' اسے پتا تھا کہ تایا جی اتنے بیمار کیوں رہنے لگے ہیں۔ پر وہ اس معاملے میں بے بس تھی' زارون سے اس موضوع پر بات کرنا گویا بھڑ کے چھتے کو چھیڑ دینے کے مترادف تھا۔ اسے اپنے تایا جی سے بہت محبت تھی پر وہ ان کے لیے کچھ نہیں کرپاتی تھی۔

"تم کیوں پریشان ہوگئی ہو بیٹا۔ ایسے ہی بوڈن لے کر تم نے اپنی صحت کا یہ حال کردیا ہے۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اکھو تلی تایا جی۔ میں جم جاتی ہوں نا' زارون کہتے ہیں ہر دم فٹ نظر آیا کرو۔"

"اس نے تو گھر کو ملٹری اکیڈمی بنا رکھا ہے کہ ہر شخص ایکٹو اسمارٹ اور فٹ فاٹ دکھائی دے۔ اپنی صحت بھی ایسی بنا رکھی ہے کہ سنگل پسلی لگنے لگا ہے۔"

"خود تو اس لیے ایسے ہیں کہ لنچ تو کرتے ہی نہیں' گھر سے بھجوانے نہیں دیتے' کہتے ہیں میرا کوئی ٹائم نہیں کھانے پینے کا۔ نہ ہی میں آفس میں ہوتا ہوں' کبھی کہیں تو کبھی کہیں' تو کس کے لیے بھجواؤ گی احساس ہی نہیں ہوتا۔"

ہارون کے ہونٹ بھنچ گئے تھے۔ یہ وہی زارون تھا جو دن میں کم از کم پانچ مرتبہ کھانا کھاتا تھا' فروٹ اور جوسز اس کے علاوہ ہوتے تھے' کیسے اس کے رخسار خون چھلکایا کرتے تھے۔ اب تو وہ بالکل سفید لگتا تھا جیسے خون ہی نہ ہو اس میں' اپنے احساس جرم کی شدت کو کم کرنے کے لیے انہوں نے موضوع تبدیل

کرنا چاہا۔

"اتنا عرصہ تو تمہیں بھی نہیں ملنے دیا' اب کیسے آنے دیا ہے؟"

"اب بچے سب دیکھ چکے ہیں تو ان کے اندر وہ کوئی کامپلیکشن نہیں پیدا ہونے دینا چاہتے۔"

"بہت خیال رکھتا ہے وہ بچوں کا؟"

"بہت زیادہ' صرف بچوں کی خاطر الگ گھر میں شفٹ ہوئے' حالانکہ وہاں سب بچوں سے بہت پیار کرتے تھے' لیکن زارون کا خیال تھا کہ بچے اپنے گھر میں ہی آزادی محسوس کرتے ہیں اور پھر یہ کہ انہوں نے میرے لیے جو کچھ کیا وہ ہی میری طاقت سے زیادہ ہے۔ میں اپنے آپ کو ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبا محسوس کرتا ہوں' اس لیے اپنے بچوں پر کسی احسان کا بوجھ نہیں لادنا چاہتا۔" ایک سایہ سا ہارون کے چہرے پر لہرایا تھا' سب کچھ ہوتے ہوئے ان کا بیٹا کسی کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا تو کیوں صرف اور صرف ان کی اپنی غلطی کی وجہ سے' اپنے کم عمر بیٹے کو انہوں نے غم و غصے کے طوفان میں گھر کر باہر نکال پھینکا تھا۔ جب بھرپور جوان ہو کر سامنے آیا تو وہ نظریں' جو ادب و احترام میں جھکا کرتی تھیں' آج نفرت سے جھکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

زارون دو دن پہلے آیا تھا۔ بچے بہت خوش تھے یہاں وہاں دوڑتے پھر رہے تھے۔ جویریہ اور ولید شادی والے دن آئے تھے۔ شہزاد انکل کی مصروفیات نے انہیں اجازت نہیں دی تھی۔ P.C میں بارات ڈنر تھا۔ سب وہیں موجود تھے۔ ایلیا تو نویتا کے ساتھ پارلر گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ہوٹل آئی تھی۔ نکاح ہو چکا تھا۔ اب فوٹو سیشن ہو رہا تھا۔ وہ متلاشی نظروں سے زارون کو ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ لپک کر آئی۔

"زارون دیکھیں میں کیسی لگ رہی ہوں۔"

"فائن اور ٹی پنک کنٹراسٹ کے خوب صورت لباس' جیولری اور پارلر کے میک اپ نے اس کا روپ دہکا دیا تھا۔ زارون نے بلا مبالغہ کوئی پانچ بار اسے اوپر سے نیچے دیکھا۔

"وہیں بتا دوں ہال میں؟"

"تو اور کہاں بتائیں گے؟" وہ حیران رہ گئی۔

"اوپر کافی کمرے خالی ہیں۔ ایک ریزرو نہ کروالوں؟" وہ بلش ہوتی ہوئی آگے بڑھی اور زور کا مکا اس کے بازو پر دے مارا' وہ ہنستا ہوا مڑا تو ٹھٹک گیا۔ اس کے عین پیچھے کھڑا ولید اپنی مسکراہٹ روکنے میں بالکل ناکام تھا۔

"مارے گئے۔" اس نے بے اختیار بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"ویسے تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو' میں کوئی بھی مناسب بہانہ بنا دوں گا۔"

"اپنی آفر اپنے پاس رکھو' اب میں بھی دیکھتا ہوں' کب تم جویریہ کے پاس کھڑے ہوتے ہو' اسی طرح دبے پاؤں پیچھے پہنچوں گا۔"

"تم فارغ ہو گے تو کسی کو' کسی کے پاس کھڑا دیکھو گے نا۔" وہ ولید تھا' جس سے باتوں میں جیتنا کبھی بھی زارون کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ہال میں ہارون بھی تھے اور زارون بھی' لیکن دونوں ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوئے۔

رخصتی کے وقت نویتا کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"پاپا" وہ ان کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔

"بس بس' سارا دن تم وہیں پائی جاؤ گی' اس لیے خواہ مخواہ کا دکھاوا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فاران نے بغیر لحاظ کے ڈپٹا۔ آس پاس ہنسی بکھر گئی۔ ہارون نے مسکراتے ہوئے اسے الگ کیا۔

"تم تو میرے سامنے ہی رعب جھاڑنے لگے۔"

"تو کسے سامنے کیسے رعب جھاڑ سکتا ہے۔ کمرے میں تو جا کر بھیگی بلی بن جائے گا۔"

"کیوں کمرے میں کیا سیلاب آیا ہوا ہے اور میں بلی کیسے بن سکتا ہوں۔"

"ہاں آپ بلے بن سکتے ہیں۔" شمعون کے ٹکرا

جوڑے پر ہنسی کا طوفان آگیا تھا۔

"کوئی اس کے منہ پر ٹیپ لگائے۔ کہیں سے لگ رہا ہے یہ دولہا ہے۔" ایلیا نے چپت پیچھے سے فاران کے لگائی۔

"اچھا جس کے منہ پر ٹیپ لگا ہو وہ دولہا ہوتا ہے۔ نا بابا۔ میں ایسے ہی اچھا۔" وہ کوئی وار مس نہیں جانے دے رہا تھا۔ یونہی ہنستے مسکراتے وہ گھر آگئے۔ زارون رخصتی سے پہلے ہی آہستگی سے غیر محسوس انداز میں وہاں سے نکل آیا تھا۔ کسی کو حتی کہ ایلیا کو بھی پتا نہیں چلا، مگر ہارون صاحب نے اسے پیچھے ہٹتے اور پھر تیز قدموں سے باہر جاتے دیکھ لیا تھا۔ ان کی افسردگی میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔ رات گئے دولہا، دلہن کے کمرے میں جانے کے بعد سب سونے کی تیاری میں مصروف ہوئے تو ایلیا کو یاد آیا۔

"بابا جی تو بالکل اکیلے ہو گئے ہوں گے۔ مونی تم دادو کے پاس چلے جاؤ۔"

"اوکے مما، میرا نائٹ ڈریس دے دیں۔" وہ اٹھ گیا۔

"دادو کا خیال رکھنا، ان کے ساتھ ہی سونا، انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو فورا" لادینا اور دیکھنا وہ میڈیسن لے کر سوئیں، جاتے ہی پوچھنا انہوں نے میڈیسن لیں ہیں یا نہیں۔" وہ سرہلاتا تیزی سے چلا گیا۔ زارون خاموشی سے دیکھتا رہا، کہا کچھ نہیں، صبح بہت دیر سے سب اٹھے تھے، ناشتے سے فارغ ہوتے ہوتے دو بج گئے، جب مونی آیا۔

"ناشتا کیا تھا دادو نے، آپ تو اٹھتے ہی ٹیب پر بزی ہو گئے ہوں گے۔"

ایلیا نے پوچھا۔

"ہم دونوں نے ساتھ ناشتا کیا اور دادو کہہ رہے تھے مجھے ٹیب کا لیٹسٹ ماڈل گفٹ کریں گے۔"

اتنے میں زارون اور جبران آگئے۔

"آؤ شمعون سوئمنگ کریں۔"

"جی پاپا" وہ اٹھ گیا۔ زارون نے اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلایا اور دونوں ساتھ چلتے ہوئے باہر چلے گئے۔

اتنی دیر سے ناشتے کے سبب لنچ تو گول ہی ہو گیا تھا، ولیمہ کی تیاری کی ہلچل مچی ہوئی تھی، جب شمعون ایلیا سے اپنے کپڑے لینے کے لیے آیا تو وہ اسے سائیڈ میں لے آئی۔

"پاپا نے دادو کے متعلق کوئی بات کی تھی؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"پوچھ رہے تھے دادو نے میڈیسن لی تھیں؟" اس نے بھی آہستہ سے جواب دیا۔ ایلیا نے تشکر کا سانس لیا "برف پگھلنا شروع ہو گئی ہے۔"

* * *

آفس سے واپسی پر زارون نے گاڑی کا رخ شہزاد انکل کے گھر کی طرف کر دیا تھا، انہوں نے اسے بلایا تھا وہ دو دن پہلے ہی واپس آئے تھے، وہ پہنچا وہ سامنے لان میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ بھی وہیں بیٹھ گیا، کچھ دیر کی باتوں کے بعد انہوں نے ٹیبل پر رکھی فائل اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی، اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے فائل تھام لی۔

"کھول کر دیکھو۔" وہ مسکرائے، زارون نے فائل کھول کر اس میں موجود کاغذات پڑھے تو اسے کرنٹ لگا تھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے انکل؟"

"پڑھ چکے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو؟"

"نہیں یہ زیادتی ہے، میں اسے ایکسپٹ (قبول) نہیں کر سکتا، کبھی بھی نہیں۔"

"زیادتی کیسی زارون؟ ایک فیکٹری تھی تو میرے نام پر، لیکن اب دو ہو گئی ہیں تو میں نے الگ الگ تمہارے اور ولید کے نام کر دی ہیں، اس میں زیادتی کیا ہے؟"

"اس سے زیادہ بھی کوئی زیادتی ہو گی، کسی کو اپنے پاس رکھ کر پڑھا لکھا کر، معاشرے میں ایک اچھے مقام پر پہنچا کر اسے پھر اپنی جائیداد میں بھی حصے دار بنایا جائے تو یہ واقعی زیادتی ہے۔"

"تم نے تو یہ بات کر کے مجھے دکھ پہنچایا ہے زارون، میں تو آج تک یہی سمجھتا رہا کہ میرے دو بیٹے ہیں،"

لیکن تم نے بتادیا کہ تم خود کو الگ سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ولید کا تو کوئی حصہ ہی نہیں بنتا' وہ اپنی جاب میں اتنا مصروف ہے کہ فیکٹری کے معاملات کو ڈھنگ سے دیکھ ہی نہیں پاتا' یہ ساری ترقی تو تمہاری محنت کا نتیجہ ہے' پھر تو سب کچھ تمہارا ہونا چاہیے۔"

"میرا کیوں' روپیہ تو آپ کا تھا جو فیکٹری پر لگایا گیا' میں کہاں سے لایا تھا؟"

"تو اب لے آؤ وہ سارا اماؤنٹ جو فیکٹری پر لگایا گیا وہ مجھے دے دو اور دونوں فیکٹریاں تم لے لو' کیونکہ یہ سراسر تمہاری محنت سے وجود میں آئی ہیں۔" ان کا لہجہ سپاٹ ہو گیا۔ ہر جذبے سے یکسر عاری۔

"یہ آپ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں انکل۔" وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"جیسی تم کر رہے ہو بالکل ویسی' اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں یہ جاننے کے بعد کہ تم ہارون صاحب کے بیٹے ہو تو یہ کاغذات پر لکھی تاریخ دیکھ سکتے ہو جب میں نے یہ تیار کروائے تھے۔"

"مجھے اپنے آپ پر شرم آرہی ہے کہ آپ نے مجھ پر شک کیا' اتنے عرصے میں آپ مجھے اتنا ہی سمجھ سکے ہیں' مجھے یہ فیکٹری ان ساری ملوں سے زیادہ عزیز ہے جن کے ہوتے ہوئے میں ایک ورکشاپ میں جا پہنچا تھا' وہ انہیں ہی مبارک ہو' مجھے ان سے کیا مطلب' میں تو ان کے بارے میں سوچتا تک نہیں' رہی فیکٹری تو میں اسی کی بدولت آج اس مقام پر پہنچا ہوں' یہ مجھے بہت پیاری ہے' بہت عزیز ہے لیکن میں اسے لوں گا نہیں۔"

"اگر نہیں لو گے تو سمجھ لینا آج کے بعد تمہارے شہزاد نام کے انکل کہیں نہیں رہے۔" وہ اٹھ گئے' وہ بھی اٹھ کر ان کے پاس پہنچا۔

"پلیز انکل' یہ اموشنل بلیک میلنگ تو نہ کریں۔"

"میں کوئی بلیک میلنگ نہیں کر رہا' میں واقعی ناراض ہوں تم نے ہمیشہ غیرت برتی' اپنی کوئی بات مجھے نہیں بتائی تو زبردستی میں نے بھی نہیں کی' میں نے تمہیں اور ولید کو ایک جگہ پر رکھا' ہمیشہ یہی سمجھا کہ میرے دو بیٹے ہیں' ولید تو اپنی آفیشل پرابلمز بھی مجھ سے شیئر کرتا ہے مگر تم نے اپنے دل کی کوئی بات نہیں بتائی' یہ بھی نہیں بتایا کہ ہارون صاحب سے تمہاری کیا ناراضی ہے' چلو ان باتوں کو چھوڑو' یہ بتاؤ اگر میں یہ فائل ولید کو دیتا تو وہ بھی یوں ہی لوٹا دیتا جیسے تم نے لوٹائی ہے۔" ان کے لہجے میں دکھ اور ناراضی دونوں تھے وہ لب بستہ سا کھڑا رہ گیا۔ انہوں نے ٹیبل سے فائل اٹھائی اور اندر کی طرف قدم بڑھائے۔

"انکل میری بات تو سنیں پلیز۔"

"میں سن چکا ہوں اور کیا سنانا ہے؟"

"انکل آخر ولید کیا سوچے گا میں اس کا حق۔۔۔"

"اس کی اتنی جرات کہ وہ ایسی بات سوچے۔" وہ برہم ہوئے "پاگل لڑکے وہ تو مجھ سے زیادہ تمہیں چاہتا ہے' تمہیں اندازہ نہیں ہوا۔" اسے ہنسی آگئی۔

"اب تو لڑکا نہ کہیں۔"

"تو بڈھا کہوں' اچھا اب ہٹو میرے راستے سے۔" انہوں نے اسے ہٹانا چاہا مگر وہ ان سے لپٹ گیا' وہ صحیح معنوں میں انسان کے روپ میں فرشتہ تھے' آج کے دور میں جسے جتنا ملے اسے کم ہی لگتا ہے' وہ اسے اپنی جائیداد میں حصہ دار بنا رہے تھے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی چوم لی' اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارے اور فائل ان کے ہاتھ سے لے لی۔

"اب تو خوش ہیں نا؟"

"کیوں نہیں خوش ہوں گا' اب تو تم نے میرا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا ہے۔"

"اب تو کوئی بات نہیں ہے نا آپ کے دل میں؟ کوئی ناراضی' کوئی شکایت؟"

"نہیں شکایت تو کوئی نہیں ہاں باتیں بہت کرنی ہیں مگر پھر کسی دن' کل میں تم سب کو ٹریٹ دے رہا ہوں۔"

"ٹریٹ تو مجھے دینی چاہیے۔"

"بچوں سے ٹریٹ لینا اچھا نہیں لگتا' چلو آؤ ایک

کپ چائے ہو جائے۔" وہ طویل سانس لیتا ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆
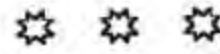
وہ آج نو بجے ہی گھر آگیا تھا' اتنا تھک گیا تھا کہ ایلیا جو کافی اس کے پاس رکھ کر گئی تھی اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا' تھکن سے اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا' آنکھوں پر ہاتھ رکھے جیسے لیٹا تھا' ویسے ہی سو بھی گیا اس کی آنکھ فون کی بیل سے کھلی اس نے سستی سے اٹھا کر دیکھا' فاران کا نام بلنک ہو رہا تھا اس نے اٹینڈ کر لیا۔

"ہیلو فاران؟"

السلام علیکم زارون بھائی۔ تایا جی کو سیویر ہارٹ اٹیک ہوا ہے' وہیں لاہور میں ہیں CCU میں' ہم سب آرہے ہیں۔" زارون تو گویا بے روح وجود بن گیا تھا جس میں نہ حرکت تھی نہ سانس کا اتار چڑھاؤ۔

"زارون بھائی" فاران نے پکارا "آپ سن رہے ہیں؟"

"ہاں" بمشکل اس کی زبان نے حرکت کی تھی "کون سے اسپتال میں ہیں؟" اس نے اسپتال کا نام بتایا۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں۔"

"یہی تو ٹینشن ہے کہ ڈاکٹرز کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے رہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید چٹھہ' ہارٹ سرجن و فزیشن' جن سے تایا جی چیک اپ کرواتے تھے وہ تک بہت مایوس ہیں' بس اللہ ہی رحم کرے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ زارون کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا' جیسے تیسے وہ اٹھا اس سے پہلے کہ باہر جاتا ایلیا آگئی۔

ایلیا کو جلدی جلدی بتا کر وہ تیزی سے نکل آیا' ڈاکٹرز واقعی صرف دس فیصد کی امید بمشکل رکھے ہوئے تھے' ان کی جو پوزیشن تھی اس میں کچھ بھی ہو سکتا تھا ایک اور اٹیک یا برین ہیمبرج۔

"ہاشمی صاحب کے دل کے دو والوز بند ہیں' ایک سال پہلے میں نے انہیں بائی پاس ریکمنڈ کیا تھا' کہنے لگے ایک ضروری کام ہے وہ کر لوں پھر موت کی بھی پروا نہیں اور اگر وہ نہ ہوا تو مر بھی نہیں پاؤں گا' میں نے کہا ہاشمی صاحب اب وہ کام ہوا ہے یا نہیں' بائی پاس بہت ضروری ہو گیا ہے' یہ آج کی بات ہے تو کہنے لگے کیا کرنا کرواکر' زندہ رہنے کا اب تو دل بھی نہیں چاہتا۔" ڈاکٹر صاحب بہت ہنس مکھ اور باتونی تھے۔ زارون تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ایک نظر انہیں دیکھ سکتا ہوں۔"

"ضرور' لیکن باہر سے۔" انہوں نے تنبیہہ کی۔

وہ سی سی یو کے سامنے کھڑا ہو کر اندر مشینوں میں جکڑے ہارون صاحب کو دیکھنے لگا' دل کو کوئی چیز اندر سے کاٹ رہی تھی' اسے اتنا درد کیوں ہو رہا تھا' اتنی تکلیف کس لیے' اسے تو ان سے نفرت تھی' وہ تو انہیں دیکھنا تک نہیں چاہتا تھا۔ خاموش لبوں سے وہ مسلسل دعاؤں میں مصروف ہو گیا' رات کے ڈیڑھ بجے جبران' فاران' ثمن اور نویتا پہنچے تھے۔ نویتا کا رو رو کر برا حال تھا' وہ لوگ بھی غالباً" اسے چپ کروانے میں ناکام رہے تھے' سب ہی افسردہ تھے۔ پر ساری تھکن تو اعصاب کی تھی' جبران جب سی سی یو سے دیکھ کر پلٹے تو ان کے چہرے پر شکستگی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ زارون نے سب کو زبردستی گھر بھجوا دیا۔ ان کے جانے کے بعد وہ دونوں خاموشی سے صوفے پر آبیٹھے۔

"کوئی بات ہوئی تھی چاچو؟"

"کچھ بھی نہیں' آج مل کا وزٹ کرنا تھا اور یہ معمول کا چیک اپ تھا' ہر پندرہ دن بعد چیک اپ کرواتے تھے' اس دفعہ نویا کی شادی کی وجہ سے تاخیر ہو گئی تو ایک ماہ بعد آئے' کچھ دنوں سے بہت خاموش سے رہنے لگے تھے میں نے بہت پوچھا ہارون بھائی کیا بات ہے' اتنے چپ کیوں رہتے ہیں کہنے لگے۔ "بس یار' دل ہی نہیں چاہتا کسی سے کوئی بات کرنے کو' لگتا ہے ڈپریشن کا دورہ پڑ گیا ہے۔" میں نے کہا آپ بچوں کو مس کر رہے ہوں' میں ایلیا کو لے آتا ہوں کچھ دن کے لیے تو منع کر دیا کہ نہیں زارون ڈسٹرب ہو جاتا ہے اور بچوں کی بھی روٹین خراب ہوتی ہے۔ اگر تم

اپنا رویہ تھوڑا سا بھی نرم کر لیتے تو وہ خود ہی آ کر بچوں سے مل لیتے تو اپنے دل پر اتنا بوجھ تو نہ ڈالتے کہ وہ کام کرنا ہی چھوڑ دیتا۔" ان کی آواز میں نمی اتر آئی تھی۔ زارون کا احساس جرم اور بڑھا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے ہمارے گھر کو شادی راس ہی نہیں' پہلے تمہاری اور ایلیا کی شادی کے ایک ماہ بعد ہما بھابھی اسی طرح ہارٹ اٹیک میں چلی گئیں اور اب فاران اور نوینتا کی شادی کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا اور ہارون بھائی۔۔۔"

"خدانا خواستہ" اس نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی۔

"پاپا ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔"

جبران کو تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا' وہ ان کے لیے طنزیہ الفاظ ہی استعمال کرتا تھا' یہ لفظ پاپا تو نجانے کتنے عرصے بعد اس کے منہ سے سنا تھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا زارون کہ انہیں کچھ ہوا تو بہت پچھتاؤ گے' وہ بہت بیمار رہنے لگے تھے' اسی لیے تو لائیر کو بلوا کر پراپرٹی بھی تمہارے نام کر دی تھی' جو اوپر سے ہمیں صحیح نظر آ رہے ہوتے ہیں' ہمیں علم نہیں ہو پاتا کہ وہ اندر سے کس قدر ٹوٹ پھوٹ چکے ہوتے ہیں' جو غلطی انہوں نے غصے میں کر دی پھر ساری عمر اسی پشیمانی میں گزار دی ورنہ اس دنیا میں لوگ کیا کیا نہیں کرتے اور شرمندہ تک نہیں ہوتے۔"

نوینتا یہی سمجھتی ہے کہ تم ہارون بھائی کی دوسری شادی سے ناراض ہو اور اسے بھی سوتیلی بہن ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا' اسے حقائق کا کچھ علم نہیں اور یہی بہتر ہے ورنہ وہ برداشت نہیں کر پائے گی۔" وہ چپ چاپ سنتا رہا' کہتا بھی کیا' کتنی ہی دیر گزر گئی تو اسے خیال آیا۔

"چاچو آپ لیٹ جائیں' میں ہوں نا۔ یہیں آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔" وہ ایک طرف بنے کاؤچ پر لیٹ گئے پھر ان کی آنکھ لگ گئی' اذان کی آواز آئی تو وہ اٹھ گیا۔ اور نماز پڑھ کر انہیں دیکھنے کے لیے گیا' پتا نہیں کیوں اسے لگا کہ جیسے وہ بہتر ہو رہے ہیں' وہ تیزی سے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کے پاس آیا' وہ اسے دیکھتے ہی مسکرایا۔

"مبارک ہو' ہاشمی صاحب کی کنڈیشن میں بہتری تو آ رہی ہے۔" وہ ٹھیک سمجھا تھا' مارے خوشی کے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا' وہ واپس آ کر شیشے کے پار موجود ہارون کو دیکھنے لگا۔

"آپ ٹھیک ہیں پاپا' آپ ٹھیک ہو رہے ہیں' بالکل ٹھیک ان شاء اللہ۔"

"زارون" جبران اٹھ کر اسے تلاش کرتے ہوئے وہاں آ گئے۔

"پاپا ٹھیک ہو رہے ہیں۔" وہ مسکرایا' وہ کھل اٹھے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

دوسرے دن ہارون کو روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا ہزار ہا تاکید کے ساتھ کہ ان کے سامنے جذباتی سین نہ ہوں' رش نہ ہو' ان کا حلقہ احباب ہی اتنا بڑا تھا کہ جبران نے بمشکل سب کو اسپتال آنے سے روکا ہوا تھا' زارون صرف ایک دفعہ گھر گیا تھا' نہا دھو کر کپڑے تبدیل کرنے' ورنہ وہیں ان کے پاس ہی ہوتا تھا' جب پہلی بار انہیں ہوش آیا تو وہ صحیح سے آنکھیں نہیں کھول پا رہے تھے' پلکیں کھولتے وہ پھر بند ہو جاتیں' اس بار کچھ دیر کے لیے آنکھیں کھلیں تو جو منظر انہیں دکھائی دیا اس پر انہیں یقین نہیں آیا' ان کے سامنے زارون تھا' وہ ان کے اوپر جھکا مسکرا رہا تھا۔ "اف یہ الوژن" ان کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔

"پاپا" یہ آواز' انہوں نے پھر آنکھوں کھولیں "پاپا کیسا فیل کر رہے ہیں اب۔" وہ سچ مچ زارون تھا' بے یقینی سے بے یقینی تھی' وہ کیسے آ سکتا تھا' وہ تو ان سے اتنی نفرت کرتا تھا۔ وہ اسے دیکھتے رہنا' محسوس کرنا چاہتے تھے اور زارون کی آنکھوں نے ان کی آنکھوں سے یہ پیغام وصول کر لیا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے چہرے کے ارد گرد رکھے' وہ اس کا لمس محسوس کرنے لگے' ان کی رگ رگ میں سکون کی لہریں اتر رہی تھیں' وہ سچ مچ تھا' وہیں ان کے پاس موجود تھا۔

"پاپا کچھ بولیں نا۔" حیرت ' خوشی ' بے یقینی ' انہیں خدشہ ہوا کہ ان کا بیمار دل بند ہی نہ ہو جائے ' زارون نے جھک کر ان کی پیشانی پر ہونٹ رکھے تھے ' آہ یہ لمس۔

"زارون" بہت نحیف آواز آئی تھی۔

"جی پاپا" وہ پوری جان سے متوجہ ہوا۔

"میرا ہاتھ پکڑو۔" وہ اس کے ہونے کا یقین چاہتے تھے ' اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبایا پھر اپنے لبوں سے لگالیا کیا سکون ملا تھا ' ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی اور پھر وہ غنودگی میں چلے گئے۔

دو دن بعد ان کی طبیعت بہت بہتر تھی ' وہ نیم دراز کنڈیشن میں تھے "زارون"

"جی پاپا" وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا ' انہوں نے بازو پھیلائے ' وہ آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گیا۔

"بہت ترسایا ہے تم نے مجھے بہت تڑپایا ہے ' اپنے آپ کو مجھ سے دور رکھ کر ' مجھے پتا ہوتا کہ تمہاری ناراضی کا خاتمہ میرے ہارٹ اٹیک کا منتظر ہے تو میں کب کا یہ اٹیک اپنے نام کروا چکا ہوتا۔" زارون نے تڑپ کر انہیں دیکھا ' کس قدر شدید اٹیک تھا ' ابھی تک زردی ان کے چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

"پلیز پاپا ' جانے دیں۔"

"کیسے جانے دوں ' یہ پہاڑ جیسا بوجھ جو میرے سینے میں دھرا ہے شاید تم سے کہہ دینے سے کم ہو جائے ' پلیز زارون مجھے کہہ لینے دو ' میں نے جس سے محبت کی اسے اپنی بے وفائی سے ہمیشہ کے لیے کھو دیا ' اس کی نشانی کو یہ سوچے بغیر کہ وہ اسے کتنا چاہتی تھی ' گھر بدر کر دیا ' پھر جب احساس ہوا تو ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا ' ہما خواب میں روتی ' کرلاتی ' مجھ سے شکوہ کرتی۔ "آپ نے کہاں بھیج دیا میرے زونی کو ' وہ بہت تکلیف میں ہے ' وہ بہت اداس ہے ' میں آپ کو روز قیامت معاف نہیں کروں گی۔" میں بے چین ہو کر اٹھ جاتا ' کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں ' ایک خوف میرے اندر جڑیں پھیلا کر بیٹھ گیا کہ کہیں تم غلط ہاتھوں میں نہ چلے گئے ہو ' اس خوف نے تو میرا جینا حرام کر دیا۔ پھر جب تم ملے تو تمہاری تمام تر نفرت کے باوجود یہ اطمینان تو ہوا کہ تم محفوظ ہو یہ یقیناً "ہما کی دعاؤں کا اعجاز تھا۔"

"میں نے آپ سے کبھی نفرت نہیں کی ' کر ہی نہیں پایا ' نفرت کرنے کی کوشش ضرور کی مگر ناکام رہا ' نفرت کے پردے میں آپ سے چھپا رہا ' آپ سامنے آتے تو مجھے سب یاد آجاتا اور غصہ مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ' متضاد سوچوں کے باعث میں فرسٹریٹ ہو جاتا ' شہزاد انکل اور صائمہ آنٹی نے ہمیشہ میرا بہت خیال رکھا لیکن ان کی محبت ان کی عنایت مجھے احسان کی طرح محسوس ہوتی تھی ' میں نے ان سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی ' مجھے ڈر لگتا تھا کہ وہ میری کسی بات سے تنگ نہ آجائیں ' مجھے دربدری سے بہت خوف آنے لگ گیا تھا۔" ہارون نے تڑپ کر اسے دوبارہ سینے سے لگالیا۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ وہ انہیں دیکھ کر منہ کیوں موڑتا تھا ' کچی عمر میں جن پریشانیوں سے گزرا تھا ' جس طرح اپنے جذبات کچلے تھے پھر اوپر سے بیوی اور بچوں کی ذمہ داری ' ان سب نے مل کر اسے اتنا تلخ تو بنانا ہی تھا۔

"آئی ایم ایکسٹریملی سوری پاپا ' میں نے جو مس بی ہیو کیا اس کے لیے مجھے ایکسکیوز کر دیں۔" وہ جواب نہ دے پائے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ آنے والے شہزاد انکل تھے ' وہ بمشکل بیس منٹ بیٹھے تھے اور ہارون نے کم از کم چار مرتبہ اپنی ممنونیت کا اظہار کیا تھا۔

"آپ کا مجھ پر یہ بہت بڑا احسان ہے شہزاد صاحب ' جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دے سکتا ہے۔"

"پلیز مجھے شرمندہ نہ کریں ہارون صاحب ' میں کیا ' میری بساط کیا ' بس اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس کی نیکی کی مجھے توفیق دی۔" جب شہزاد انکل چلے گئے تو وہ جو کب سے اپنی حیرت پر قابو پائے بیٹھا تھا ' بول ہی پڑا۔

"پہلے تو آپ اور چاچو شہزاد انکل کے متعلق ایسے بات کرتے تھے ' جیسے وہ کوئی غاصب ہوں اور مجھ سے

ڈبل ڈیوٹیاں کروا کر بڑا ظلم کر رہے ہوں۔" ہارون ہنس پڑے۔ "وہ تو تمہیں واپس لانے کی کوشش کا حصہ تھا ورنہ میں دل کی گہرائیوں سے ان کا ممنون ہوں۔"

☼ ☼ ☼

زارون جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا' ٹھٹک کر رک گیا۔ نوینتا ہارون صاحب کے گلے لگی رو رہی تھی "پاپا پلیز جلدی سے ٹھیک ہو جائیں' میرا دل بہت پریشان ہے' میں بالکل اکیلی ہو گئی ہوں۔"

"کیوں فاران کہاں ہوتا ہے۔" ہارون صاحب نے چھیڑا۔

"پاپا" اس کی احتجاجی آواز ابھری' پر الگ نہیں ہوئی' اسی طرح لپٹی رہی' وہ تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا اور وہ آ گئی' وہ یہی کرتی تھی' شروع سے اس کی جگہ پر قبضہ جمالینے والی' اس نے آج بھی یہی کیا تھا' وہ وہیں منجمد ہو گیا تھا۔ ہارون کی نظر اس پر پڑی تو انہوں نے نوینتا کو الگ کیا اور اسے پکارا۔

"زارون' یہاں آؤ بیٹا۔" وہ بہت خاموشی سے پاس رکھی کرسی پر آ بیٹھا' نوینتا نے اسے سلام کیا' اس نے صرف سر ہلایا' اس کی اتنی گمبھیر چپ ہارون کو بہت محسوس ہو رہی تھی "چائے پیو گے' نوما ابھی بنوا کر لائی ہے۔"

"نہیں موڈ نہیں ہے۔" اس نے اخبار اٹھا کر سامنے کر لیا تھا۔ ہارون اور نوینتا نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اور بیک وقت نظریں چرائی تھیں۔

"او کے پاپا' میں چلتی ہوں' پھر آؤں گی۔" وہ دھیمی آواز میں کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

نوینتا کے جانے کے بعد ہارون صاحب نے زارون کو مخاطب کیا تھا۔

"تمہیں نوینتا پر ابھی بھی اتنا ہی غصہ ہے؟"

"اس کی وجہ سے آپ نے مجھے دھتکارا' گھر سے نکال دیا' بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' اس نے مکمل طور پر آپ کو مجھ سے چھین لیا تھا' ہمارے گھر کی تباہی کی ذمے دار ہی یہ لڑکی ہے اور پھر مجھے بری بھی نہ لگے۔" وہ پھٹ پڑا۔ ہارون حیران رہ گئے۔

"نوینتا کی وجہ سے یہ سب ہوا؟ یہ کیسی غلط فہمیاں تم پال کر بیٹھے رہے' اسے تو جبران زبردستی لایا تھا' نوینتا میرے لیے ایک طمانچہ تھی' میری برائیوں کا ثبوت تھی۔ اس کی ماں نے اس کے ذریعے مجھے بلیک میل کرنا چاہا تھا' میں نے تو شادی کر کے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔ وہ ایک آزاد عورت تھی' وہ کبھی بھی برے راستوں پر پلٹ سکتی تھی' ہو سکتا ہے وہ مجھ سے محبت بھی کرتی ہو لیکن میرا اس سے محبت جتانا محض میری مجبوری تھی' میں اسے محبت کے فریب میں گھر کے اندر محدود کرنا چاہتا تھا تاکہ نوینتا کو اچھا ماحول مل سکے' جبران کو ان کے پاکستان آنے کے بعد پتا چل گیا تھا لیکن اس نے پردہ ڈالے رکھا پھر تمہارے جانے کے کچھ عرصے بعد وہ نوینتا اور ماریا کو گھر لے آیا' بہت تھوڑے ہی عرصے کے بعد ماریہ نے خود ہی علیحدگی کا مطالبہ کر دیا' میں نے اسے اتنی رقم دی کہ وہ ایک اچھی زندگی گزارے اور بس' تمہارے ساتھ تو میں نے جو بھی کیا وہ صرف ہما کی موت کا رد عمل تھا' تمہاری جگہ کوئی نوینتا نہیں لے سکتی' تم ہما کے بیٹے ہو' جس سے میں نے دنیا میں سب سے زیادہ محبت کی' وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تھی' اپنی تمام بے وفائیوں کے باوجود میں اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا' اس نے آخری بار مجھے جن نظروں سے دیکھا تھا' وہ نظریں مجھے آج بھی بے چین کر دیتی ہیں۔" ان کی سانس پھول گئی' زارون نے پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگایا۔

"چھوڑیں سب باتیں' ایسے تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"نہیں ہوتی' دل چاہتا ہے ہر بات تم سے کر ڈالوں۔" انہوں نے دو گھونٹ پی کر گلاس پرے کر دیا' زارون نے انہیں لٹا دیا۔

"اچھا یہ بتائیں' میرے بچے آپ کو کیسے لگے۔"

"وہ تو گلاب کے تو شگفتہ پھول ہیں' اتنے پیارے کہ غیر بھی انہیں دیکھ کر پیار کریں۔"

"جبران بتا رہا تھا نائلہ کے لیے رشتہ آیا ہوا ہے۔"

انہوں نے بات بدل دی۔ "جی میرے پروفیسر رہے ہیں انکل حیدر' ان کا بیٹا ہے' رومیل بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"ابھی تو سنا ہے وہ کام سیکھ رہا ہے؟"

"اوہ' تو وہ ہے بھی تو صرف اکیس سال کا' پیچھے ساہیوال میں انکل کی بہت جائیداد ہے' وہ سیل کر کے رومیل کو فیکٹری کھول کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ ابھی کام سیکھ رہا ہے' اس کا ٹیلنٹ اس کی انٹلی جنس کو دیکھتے ہوئے میں شرطیہ کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے ہم عصروں کو بہت پیچھے چھوڑ جائے گا۔"

"یعنی تمہارا ووٹ اسی کی طرف ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کل حیدر انکل آپ کو دیکھنے کے لیے آئے تو آپ سو رہے تھے۔ آج بھی آنے کا کہا تھا انہوں نے' آپ ملیں گے تو آپ کو وہ سب بہت پسند آئیں گے۔"

شام کو رومیل آیا' زارون اسے لیے ہارون کے پاس آیا تھا۔

"پاپا یہ رومیل حیدر ہے میرا چھوٹا سا دوست اور رومیل یہ میرے پاپا ہیں۔" ہارون نے عمیق نگاہ سے اس کم عمر خوب صورت لڑکے کو دیکھا جس کی لائٹ براؤن آنکھوں کی چمک' اس کی ذہانت کی علامت تھی۔ اس نے ان سے ہاتھ ملایا اور زارون کے کہنے پر صوفے پر بیٹھ گیا

"آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"اللہ کا شکر ہے' آپ کیسے ہیں بیٹا؟"

"جی ٹھیک ہوں۔"

"زارون' بہت تعریف کر رہا تھا تمہاری۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائے۔ وہ جھینپ گیا۔

"کیونکہ وہ خود بہت اچھے ہیں۔"

"یہ تو ہے' ویسے تم دونوں کا ریلیشن اچھا رہے گا' تم اس کی تعریف کر رہے ہو اور وہ تمہاری تعریف کر رہا تھا۔" رومیل ہنس پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا' زارون بھائی واقعی بہت اچھے ہیں۔ میرے آئیڈیل ہیں۔"

"مجھے سن کر خوشی ہو رہی ہے کہ میرا بیٹا اتنا قابل ہے کہ دوسروں کے لیے ایک مثال بن گیا ہے اب مزا تو تب آئے جب تم بھی دوسروں کے لیے تقلید کا باعث بنو اور یہ سب بہت محنت سے حاصل ہوتا ہے۔" زارون نے ٹھیک کہا تھا' وہ انہیں بہت پسند آیا تھا' ان کی بات پر فوراً بولا تھا۔

"ان شاء اللہ' یہ آپ کو وقت بتائے گا۔" وہ شفقت سے مسکرا دیے۔

وہ لوگ آپس میں گپ شپ کر رہے تھے کہ نتالیہ اور شمعون آ گئے۔ رومیل کی آنکھوں کی چمک مزید تیز ہو گئی تھی' نتالیہ ہارون کے بیڈ پر چڑھ گئی۔

"دادو اب چلیں نا گھر' اور کتنے دن اسپتال میں رہیں گے۔"

"اپنے باپ سے کہو' یہ لگتا ہے مجھے اپنے گھر نہیں لے جانا چاہتا۔" زارون نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"یا اللہ نہ تو مجھے پیدا کرتا نہ میں اتنے الزام سہتا۔" سب ہنس پڑے تھے۔

"پاپا آپ بولیں نا ڈاکٹر کو پلیز۔"

"وہ بائی پاس کے لیے کہہ رہے ہیں۔"

"وہ تو میں اسلام آباد میں کرواؤں گا۔" ہارون نے قطعیت سے کہا۔

"تو یہاں کیا ہے پاپا' اتنے اچھے سرجن ہیں۔"

"نہیں' وہیں کرواؤں گا' زندہ رہا تو اچھی بات ورنہ دوسری صورت میں تمہیں سہولت رہے گی۔" انہوں نے جو کہا وہ سب سمجھ گئے' کمرے میں ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کوئی ذی نفس وہاں موجود ہی نہ ہو' زارون اٹھا اور تیزی سے باہر چلا گیا' شمعون بھی پیچھے گیا تھا' نتالیہ رو رہی تھی۔

"کیا ہو گیا' کیا کہہ دیا ہے میں نے؟"

"اتنے سالوں کے بعد ملے اور چھوڑ کر جانے کی باتیں بھی کرنے لگے۔"

"میں نے تو ایک بات کی تھی' بہرحال تم چپ کرو' میں بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں' تم لوگوں کی خوشیاں دیکھنا

چاہتا ہوں۔"

"آپ ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔" انہوں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا' رومیل ان کے پاس آیا۔

"اتنے لوگ آپ کے لیے دعا کر رہے ہیں آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ"۔

"بہت شکریہ بیٹا' آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

"میں زاورون بھائی کو دیکھوں۔" وہ مسکرایا۔

"وہ ناراض ہو گیا ہے' اتنی آسانی سے نہیں آئے گا۔"

"کوشش کر کے تو دیکھوں۔" وہ باہر چلا گیا۔

"اچھا پیارا لڑکا ہے' زاورون بہت تعریف کر رہا تھا اس کی۔" انہوں نے مسکرا کر ثنالیہ کو دیکھا' اس کا رنگ گلابی ہو گیا۔ "ہونہہ فضول"

وہ مسکراتے رہے زاورون' رومیل اور شمعون آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔

"میں نے آپ کو ڈسچارج کروا لیا ہے' آئیں گھر چلتے ہیں۔" زاورون' سنجیدگی سے کہہ کر سامان پیک کرنے لگا' ثنالیہ خوشی سے چیخ اٹھی۔

"واؤ' اب مزا آئے گا۔" گھر لا کر انہیں بیڈ پر بٹھانے تک زاورون ان کے ساتھ رہا تھا۔ اتنا سا چل کر ان کا سانس پھول گیا تھا' رنگ بالکل سفید ہو گیا تھا' اس نے بڑے بڑے تین چار تکیے ان کے پیچھے لگائے تھے' ان کی ٹانگیں اوپر کر کے کمبل اوڑھایا' دو گھونٹ پانی پی کر ان کے حواس قدرے بحال ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس کی طرف دیکھا جو ہونٹ بھینچے' بغور انہیں دیکھ رہا تھا' پریشانی اس کے ہر نقش سے ٹپک رہی تھی۔

"آؤ' بیٹھ جاؤ۔" وہ بیٹھ گیا۔

"بس چلنا کچھ مشکل ہو گیا ہے ورنہ تو ٹھیک ہوں۔" انہوں نے جانے کے تسلی دی تھی اسے یا اپنے آپ کو۔

"مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں مگر تم مستقل خاموش ہو تو بتاؤ میں اکیلا کیسے باتیں کروں۔"

وہ زور سے ہنس پڑا۔ "آپ مجھے اموشنل نہ کریں' میں سب سمجھتا ہوں۔" وہ مسکرانے لگے۔

"تم جبران کو میری رپورٹس بھجوا دو۔ اس سے کہو آپریشن کی ڈیٹ بھی لے لے' اب کروانا ہی پڑے گا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

✡ ✡ ✡

پھر تیزی سے سارے مراحل طے ہوتے چلے گئے' زاورون ان کے ساتھ ہی اسلام آباد آیا تھا' اپنے گھر میں آ کر اس کے دل کو کچھ ہوا تھا' قدم قدم پر اچھی بری یادوں کی آماجگاہ تھا وہ گھر' اس نے سر جھٹکا' سب کافی دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد چلے گئے صرف نویتا وہیں تھی۔

"اب تم بھی جاؤ' رات کافی ہو گئی ہے۔"

"آج رک جاتی ہوں پاپا کل۔۔۔"

"نہیں' زاورون ہے نا میرے پاس' تم جاؤ' باپ کے لیے پریشان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ شوہر کو بھلا دیا جائے۔"

"اوکے پاپا" وہ مرجھا سی گئی' باہر آئی تو زاورون کو دیکھ کر رک گئی' وہ فون سننے کے لیے باہر آیا تھا۔

"بھائی کسی چیز کی ضرورت؟"

"نہیں تم جا رہی ہو کیا؟"

"جی صبح آؤں گی۔" وہ باہر کی طرف بڑھی' وہ اس کے ساتھ درمیانی گیٹ تک آیا تھا' وہ چلی گئی تو وہ واپس ہارون کے پاس کمرے میں آ گیا' نویتا نے اسے بار بار مخاطب کر کے اتنی بات کرنے پر مجبور کر ہی دیا تھا۔

جس دن آپریشن تھا' ایلیا بھی بچوں سمیت آ گئی تھی' ہارون نے زاورون سے کہا تھا۔

"اگر مجھے کچھ ہو جائے تو نویتا کو ثنالیہ کی طرح سمجھ کر اس کا خیال رکھنا۔"

"نہیں پاپا' میں اب کوئی وعدہ نہیں کر سکتا' میں تھک گیا ہوں۔ میں تو خود آپ کے سائے تلے سکون کا سانس لینا چاہتا ہوں' میں اب مزید ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا۔"

"زارون بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے ہارون بھائی' آپ خود بھی اپنے لیے دعا کریں ہم بھی کر رہے ہیں۔"
جبران نے کہا انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا' پھر وہ اعصاب شکن وقت آیا تو سب محو دعا تھے اور جب سہ پہر تین بجے ڈاکٹر نے کامیابی کی نوید سنائی تو خواتین تو خوشی سے رو پڑیں' جبران اور زارون ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔
"بہت مبارک ہو زارون اور تو مبتا۔ باپ کی صحت یابی اور نئی زندگی مبارک ہو۔" ثمن نے دونوں کو ایک ساتھ لپٹا لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

تقریباً" دو ماہ بعد زارون صبح تیار ہو کر آیا تو ہارون ڈائننگ ٹیبل پر اسی کا انتظار کر رہے تھے۔
"کیا بات ہے صاحبزادے' کچھ لیٹ نہیں اٹھنے لگے آپ؟"
"میں نے کہا تھا نا پاپا' میں اب سکون کا سانس لینا چاہتا ہوں اس لیے اب آرام سے سوتا ہوں اور آرام سے اٹھتا ہوں۔"
"اچھا یعنی باپ اس عمر میں کام کرے اور بیٹا آرام کرے۔" انہوں نے مصنوعی غصے سے اسے گھورا' وہ لاپروائی سے ناشتا کرتا رہا۔
"باپ کی عمر کون سی اتنی زیادہ ہے۔ اونلی ففٹی ایٹ ایرز اولڈ۔ آپ سے تو بہت بڑی عمر والے ٹھاٹھ سے بزنس کر رہے ہیں۔"
"الفاظ تو صحیح استعمال کیا کرو' ٹھاٹھ سے عیش ہوتا ہے۔ بزنس نہیں۔" وہ بے اختیار ہنس پڑے تھے۔
"چلیں' ٹھاٹھ سے عیش ہی سہی۔ اچھا میں دیر سے اٹھا ہوں آپ کون سا جلدی اٹھے ہیں۔" اس نے شرارت سے انہیں چھیڑا تھا۔
"اچھا تو میرا مقابلہ ہو رہا ہے' حالانکہ میں ہارٹ پیشنٹ بندہ اور کہاں آپ۔" وہ بڑی دل گیری سے اپنی بے بسی بیان کرنے لگے تھے کہ اس نے شدید احتجاج کیا تھا۔

"نہیں' آپ کوئی بیمار نہیں ہیں' بالکل فٹ فاٹ ہیں اور میں بھی اب بوڑھا ہو رہا ہوں کیونکہ میرے بچے جوان ہو گئے ہیں۔" ایلیا کھلکھلا کر ہنسی تھی کہ ہارون کی اگلی بات نے اس کی ہنسی کو بریک لگائی تھی۔
"کل سویا کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے تو جوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ رکھا تھا۔"
"سویا؟ کون سویا؟"
"عارفین انکل کی بیٹی یار' کیا ہو گیا ہے؟"
"تو اس کے ساتھ ایسا کون سا ہنسی مذاق بنتا تھا آپ کا۔" ایلیا کے تیور کڑے تھے۔ ہارون مسکراہٹ دبا رہے تھے۔
"یہ تو یہی جانتا ہے۔"
"پاپا نے ہی کہا تھا کہ اسے تھوڑا ٹائم دو اور اب مجھے منوانے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔"
"ہاں اتنے ہی تو معصوم ہیں آپ۔" ایلیا کا موڈ آف ہو گیا۔ ہنی کے رونے کی آواز پر وہ اٹھ کر اندر چلی گئی تو اس نے انہیں گھورا۔
"پاپا یہ آپ اچھا نہیں کر رہے ہیں میرے ساتھ۔ ایلیا وہ معصوم سی ایلیا نہیں رہی' یہاں آ کر تو وہ شیر ہو گئی ہے۔"
"ظاہر ہے باپ کا گھر جو ساتھ ہے۔" انہوں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔ اس نے آگے بڑھ کر انہیں کندھوں سے تھام کر اٹھایا اور باہر لے آیا۔
"میرے خیال میں واقعی دیر ہو رہی ہے۔ اب چلنا چاہیے اور آئی پرامس یو کہ کل سے میں جلدی آفس چلا جاؤں گا۔" ہارون ہنستے ہوئے اس کے ساتھ گاڑی میں آبیٹھے۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔ بہت لمبا عرصہ انہوں نے جن تکلیفوں اور پریشانیوں کے بھنور میں چکراتے ہوئے گزارا تھا' اس سے نکل آئے تھے۔

☆ ☆ ☆

پاپا کی داستان میں دکھ بھی تھے' آزمائشیں بھی اور خوشیاں بھی' لیکن اب الحمدللہ پاپا بہت خوش رہتے

ہیں۔ مصروف تو ویسے کے ویسے بلکہ زیادہ، ہر ہفتے لاہور جاکر اپنی فیکٹریوں کو دیکھنا ایک اضافی کام ہوگیا تھا، لیکن پاپا نہیں گھبراتے۔ ولید انکل کی پوسٹنگ پنڈی ہوگئی ہے جو انہوں نے اپنی انتہائی کوشش سے کروائی ہے۔ اب وہ اور پاپا ہر روز رات کو ملنے لگے ہیں، لیکن شہزاد انکل سے ہفتہ وار ہی ملاقات ہوپاتی ہے۔ پاپا کبھی ہمیں ساتھ لے جاتے ہیں، کبھی نہیں، روبیل مجھے روز ویڈیو کال کرتا ہے۔ خوب گپ شپ کرتا ہے۔ اسی نے بتایا کہ حیدر انکل پاپا کے مشورے پر پنڈی میں فیکٹری لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ معاملات طے پارہے ہیں۔ ہوسکتا ہے اگلے سال تک وہ لوگ بھی شفٹ کر جائیں۔

"یعنی سارا برڈن پنڈی پر۔"

"جب تم چھ لوگوں کا برڈن چھوٹے سے اسلام آباد نے برداشت کرلیا تو پنڈی تو بہت بڑا ہے۔ وہ آرام سے ہم تین افراد کو سہہ لے گا۔" اس کے شرارت سے کہنے پر میں کتنی ہی دیر ہنستی رہی تھی۔

اب ہم چونکہ نئے اسکول اور کالج میں سیٹ ہوگئے تھے تو روٹین بھی ٹف ہوگئی تھی۔ ویسے تو یہاں پانی پلانے کے لیے بھی ملازم موجود تھے، لیکن ہماری پڑھائی اب اچھے لیولز میں جانے کے بعد قدرے سخت ہوگئی تھی تو اب مشکل سے ہی فرصت ملتی تھی۔ داود نے ہم تینوں کے لیے الگ الگ ٹیوٹرز رکھے تھے۔ مومی کے لیے تو قاری صاحب بھی آتے تھے۔ داود کو بائی پاس کے بعد انتہائی احتیاط کی وجہ سے لمبا سفر منع تھا تو ان کی جگہ پاپا ہی جاتے تھے۔ ان دنوں مما اور پاپا کا امریکا جانے کا ارادہ بن رہا تھا کیونکہ وہاں کچھ کام تھا۔

"کتنے دن لگیں گے؟" مومی نے پوچھا۔

"ایک مہینے سے تو زیادہ ہی ہوجائے گا۔"

"اللہ پاپا اتنے دن۔" میں بسوری۔

"تو اب کیا ہے، ماموں، پھپھو، نانی، نانو اور سب سے بڑھ کر داود آپ کے پاس موجود ہیں۔ ہماری کمی تو محسوس بھی نہیں ہوگی۔" پاپا کے کہنے پر میں مسکرائی۔

"پھر بھی پاپا آپ تو آپ ہیں۔"

"یہ تو ہے میری جان۔" انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگالیا۔ میں نے انہیں بغور دیکھا۔

"کتنی اچھی صحت ہوگئی ہے آپ کی یہاں آکر۔"

"ہاں خوشیوں میں یونہی صحت اچھی ہوجاتی ہے۔ دعا کیا کرو اللہ تعالیٰ ہماری خوشیاں قائم رکھے۔"

"آمین۔" انہوں نے میرا ماتھا چوما اور مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

"یااللہ۔ اب کوئی آزمائش، کوئی خزاں ہمارے گھر کا رخ نہ کرے۔ ہمارے پاپا نے بہت سخت وقت گزارا ہے۔ ان کی ہر خوشی کو قائم رکھنا۔" آمین میں نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی تھی۔

☼ ☼

ملیحہ راشد

ایور گرین پارک اس وقت عورتوں، بوڑھوں اور بالخصوص بچوں سے بھرا پڑا تھا۔ چاروں جانب رنگ بکھیرتی زندگی اپنے عروج پر تھی۔ جھولوں پر بیٹھے منہ بسورتے۔ ہنستے مسکراتے اور اٹھکیلیاں کرتے ننھے فرشتے، زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں بکھرتے فضا میں عجب سے جلترنگ پیدا کر رہے تھے۔ کائنات کی دلکشی کا ہر رنگ ہر روپ اس لمحے ان کا عکاس تھا۔ کتنا دل فریب، کتنا حسین۔۔۔ کتنا مکمل وجود لگ رہا تھا۔ حیات کا اس منظر میں۔ یک دم ہی اسے اپنا آپ اس تمام ماحول میں اجنبی سا محسوس ہونے لگا تھا۔ تنگی بینچ پر بیٹھے ڈھلکے سر کو اٹھا کر اس نے ایک اچٹتی نگاہ گراؤنڈ پر ڈالی تھی۔

"نہیں۔۔۔ یہ سب مکمل نہیں ہے۔۔۔ اگر کائنات کے تمام رنگ مکمل ہیں تو اس کی زندگی میں اتنا اندھیرا کیوں ہے۔" اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کی تھی۔ یاسیت کے گہرے سیاہ بادلوں نے ایک بار پھر اس کے وجود کو اپنے سیاہ حصار میں جکڑا تھا۔

"کچھ بھی ویسا نہیں ہے جو بظاہر نظر آتا ہے کاش۔۔۔ کاش زندگی ویسی ہی ہوتی جیسی کہ ہمارے تخیل نے آبیاری کی ہوتی ہے۔"

اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے دھندلے ہوتے منظر کو دیکھ کر سوچا تھا۔ چند دن پہلے تک وہ اپنے آنے والے کل کو سوچتے ہوئے اپنے آپ کو اسی منظر کا حصہ تصور کیا کرتی تھی، مگر سب کچھ ایسے ختم ہوا تھا جیسے کسی جھیل کے شفاف پانی پر اپنا عکس ہاتھ لگانے سے گم ہو جاتا ہے۔ سب کچھ کھو دینے کا احساس اس کے پورے بدن میں اذیت ناک لہو بن کر سرائیت کر گیا تھا۔ زندگی کی تلخی، نارسائی کا کرب یا پھر اپنی ذات کی بے توقیری، بہت سے احساسات نے بیک وقت کسی امربیل کی مانند اس کے شکستہ وجود کو اپنے حصار میں جکڑا تھا۔

"کیوں۔۔۔ آخر کیوں ہوتا ہے میرے ہی ساتھ ایسا ہمیشہ۔۔۔ زندگی مجھ سے ہی اپنا خراج کیوں مانگتی ہے۔ کیوں ہمیشہ ادھوری محبتیں، ادھورے رشتے، ادھورا پن میرے ہی مقدر کا تعاقب میں رہتے ہیں۔" بے بسی کسی گہرے سیال مادے کی صورت اس کی براؤن آنکھوں سے بہنے لگی تھی۔ شدت جذبات سے اس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں، اردگرد کے ماحول سے یکسر بیگانہ اسے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ ڈھلتے سورج کی تابناکی کسی تیز ہوا میں جلتے چراغ کی لو کی مانند کمزور ہونے لگی تھی۔ کئی گھنٹوں سے مسلسل ایک ہی پوزیشن میں تنگی بینچ پر بیٹھے اس کا جسم لکڑی کی مانند سخت ہو گیا تھا۔ اپنے زخمی وجود کی کرچیوں کو سمیٹتے اس نے اٹھنے کی ناکام سی کوشش کی تھی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھوں کے آگے سیاہ اندھیرا چھانے لگا تھا، اور اس کا وجود ہوش فرد سے بیگانہ ہو کر زمین پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جب آپ کہیں لوٹ نہیں سکتے تو پھر آپ کو آگے بڑھنے کے بہترین راستوں کی کھوج میں لگ جانا چاہیے۔ قدرت آپ کے لیے خود بخود اپنی راہیں کھول دیتی ہے۔" کرنل ایڈگر نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے اسے دلاسا دینے کے سے

انداز میں کہا تھا۔ آج پورے تین ماہ بعد وہ اسپتال سے ڈسچارج ہو کر کینٹ واپس اپنے فلیٹ میں آئی تھی۔ اسے شدید نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔ اس وقت بیڈ پر لیٹی وہ صدیوں کی بیمار لگی تھی ان کو۔

"کرنل۔۔۔ سب راہیں تاریک ہو گئی ہیں۔ اب کچھ بھی بہتر نہیں ہونے والا۔" اس نے ہنوز چھت پر نگاہیں ٹکائے خشک لبوں پر زبان پھیرتے بمشکل کہا تھا۔

"سوزیلا! ایسا کچھ نہیں ہے کچھ بھی ختم نہیں ہوا۔۔۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔۔۔ تم وہی ہو جو تھیں پھر تم کیوں خود کو اذیت دے رہی ہو۔" کرنل ایڈگر نے جھنجلاتے ہوئے کہا تھا۔ زندگی سے بے زار اس کے وجود کو دیکھ کر وہ سخت مضطرب ہوئے تھے۔

"میں وہ نہیں رہی کرنل۔۔۔ نہ ہی میرے

احساسات‘ میرے جذبات وہ رہے۔ میرا وجود ایک زندہ لاش ہے اب بس۔ ایک ایسی زندہ لاش جس کی ہر پل عمر کو بڑھاتی سانسیں گزرے وقت کی اذیت کی یاد دلاتی ہیں۔“ اس کا لہجہ سفاکی کی آخری حدوں کو چھونے لگا تھا۔

”سوزی۔۔۔ مائے چائلڈ مت کرو اپنے ساتھ ایسا۔ وہ شخص کسی بھی طور تمہاری زندگی میں اعلا مقام رکھنے کے قابل نہیں تھا۔ پھر تم کیوں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتیں۔“ وہ جو اضطرابی انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگے تھے اس کے بیڈ کے قریب آتے بے بسی سے اسے سمجھانے کی آخری کوشش کرتے بولے تھے۔

”غم اس کے جانے کا نہیں ہے کرنل ہم کہ وفا تو اس کی فطرت کا حصہ ہی نہیں تھی۔ غم تو اپنے ادھورے پن کا ہے۔ ان جذبات کے قتل کا ہے جو ننھی کونپلوں کی طرح میرے پورے وجود میں پھوٹنے لگے تھے۔ ان احساسات کے مجروح ہونے کا غم ہے جن کی روشنی سے میرا وجود دمکنے لگا تھا۔“ اس نے کرب سے بوجھل سر کو بیڈ پر دائیں بائیں پٹختے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔

”ریلیکس سوزی۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس کے بے چین وجود کو انہوں نے بانہوں میں بمشکل سنبھالتے اسے پرسکون کرنا چاہا تھا۔ کرنل ایڈگر جو اسے اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے تھے اس کی یہ حالت دیکھ کر ایک بار پھر بے حد پریشان ہوئے تھے۔ اسے اس حالت سے نکالنے کا حل سوچتے ہوئے انہوں نے پدرانہ شفقت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔ ان کا دل پھٹ رہا تھا اس کی یہ حالت دیکھ کر۔ کسی ننھے بچے کی مانند وہ ان کے سینے سے لگی بلک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کا تعلق روس کے شمالی قصبے کی ایک بروکن فیملی سے تھا۔ اس کا باپ ایک بدکردار شخص تھا۔ اس کی ماں ایک دیہاتی سادہ لوح عورت تھی۔ جو کہ کرنل ایڈگر کے فارم ہاؤس پر فل ٹائم میڈ کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد وہ رات کو اس کے باپ کے عتاب کا نشانہ بنتی تھی۔ اس کے باپ کی زندگی میں اس کی ماں کی حیثیت صرف اتنی ہی تھی کہ وہ کمائے گئے تمام روپے لاکر اسے دے۔ اس نے شروع ہی سے اپنے گھر میں صرف پیسوں کی خاطر رشتوں کا کچلنا ہی دیکھا تھا۔ ایسے میں کرنل ایڈگر کا فارم ہاؤس اسے کہانیوں میں پڑھی جانے والی پیراڈائز لگتی تھی۔ جس کے مکین بھی پیراڈائز میں رہنے والے اینجل (فرشتے) ہوں۔ کرنل اور اس کی بیوی چھٹیوں میں ہی صرف فارم ہاؤس آتے تھے۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ پانچ سالہ گول مٹول سوزیلا کو بہت پیار کرتے تھے۔

سوزیلا اس وقت اسکول نہیں جاتی تھی کہ ایک رات اس کے باپ کے منہ سے خون کا فوارہ نکلنے لگا تھا۔ وہ ڈری سہمی دیوار سے لگی اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی جو اکیلی اس کے باپ کو سنبھالتے نڈھال ہوئی جا رہی تھی۔ اور پھر اس کے باپ کی سانسیں بند ہو گئی تھیں۔ اکیلے رہ جانے کی وجہ سے کرنل ایڈگر نے ان دونوں کو اپنے فارم ہاؤس کے کوارٹر میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ یوں اس کی تعلیم کی ذمہ داری بھی کرنل ایڈگر نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔ اسے اسکول جاتے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ایک رات شدید برستی بارش میں اس کی ماں نے بھی چپکے سے آنکھیں موندلی تھیں۔ وہ جو ماں کے سینے پر سر رکھے کہانی سننے کی منتظر تھی انتظار ہی کرتی رہ گئی۔ تنہا رہ جانے کی وجہ سے کرنل ایڈگر اسے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ انہوں نے اس کا ہاسٹل میں ایڈمیشن کروا دیا تھا۔ اور اس طرح وہ کامیابی سے آگے بڑھنے لگی تھی۔ اپنی محنت اور ذہانت سے اس نے جلد ہی تعلیمی مراحل کامیابی سے طے کیے تھے اور پھر کرنل ایڈگر نے اس کو آرمی جوائن کروائی تھی۔ وہ اسے مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔ بے حد کامیابیاں سمیٹنے کے باوجود بھی وہ اپنی ذات میں اترتی تنہائیوں کو سمیٹ نہ سکی تھی۔ جو دن بدن اسے کھوکھلا کر رہی تھیں۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایما ءے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

⁂ ⁂ ⁂

"ٹن۔۔۔ٹن۔" نجانے کب تک وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں گم رہتی کہ دروازے پر ہوتی بیل نے اس کے ارتکاز کو توڑا تھا۔

"ہیلو!۔۔۔ مائے چائلڈ۔" دروازے کھولنے پر مسکراتے ہوئے کرنل ایڈگر نے پھولوں کا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے گلدستہ تھامتے ایک طرف ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے سوزی۔" لاونج میں پڑے صوفے پر بیٹھتے انہوں نے جانچتی نظروں سے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"وہ پہلے سے بہتر ہے۔" اس نے گلدستے کے پھولوں کو ہاتھوں کی پوروں سے چھوتے دھیمے سے کہا تھا۔

"گڈ۔۔۔ اٹس اے ویری گڈ سائن۔" (یہ بہت اچھی علامت ہے)۔ انہوں نے لہجے میں سرشاری پیدا کرتے ہوئے اس کے حوصلے کو بڑھانا چاہا تھا۔

"سوزی! فطرت کے بھید بہت عجیب ہوتے ہیں۔ یہ آپ پر اس وقت کھلنے لگتے ہیں جب آپ کو لگتا ہے کہ آپ پر کائنات کا ہر دروازہ بند ہو گیا ہے۔" نرمی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے کہا تھا۔

"مطلب۔۔۔" سوزیلا نے نا سمجھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"خود کو دوسروں کی خوشیاں لوٹانے میں اتنا مگن کر لو کہ اپنے گزرے وقت کی بازگشت سننے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ بہت سے لوگوں کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے ان کا حق مار کر صرف اپنی ذات کی خوشیوں کو ترجیح مت دو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہتے اس کے گال کو انگلیوں کی پوروں سے تھپتھپایا تھا اور واپسی کے لیے قدم بڑھائے تھے۔ اس نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو چیک کیا تھا۔

"پرپوزل فور بریلینٹ سولجرز۔" دہشت گردی کے خلاف جنگ کا پرپوزل تھا جو کہ قابل آرمی آفیسرز کو خصوصی مراعات کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔

کرنل ایڈ کے جانے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑے پرپوزل کو اجنبی نگاہوں سے دوبارہ دیکھا تھا۔ گھڑی کی مسلسل ہوتی ٹک ٹک اسے پچھلی یادوں کی طرف کھینچنے لگی تھی۔ اسے یاد آیا تھا یہ گھڑی بھی اسے ڈیوڈ نے اس کی پرموشن کے موقع پر گفٹ کی تھی۔ ڈیوڈ سے اس کی ملاقات آرمی کے سالانہ اسٹاف ڈنر کے موقع پر ہوئی تھی۔ وہ امریکن نژاد روسی تھا۔ اسے آرمی جوائن کیے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ سوزیلا اس وقت میجر کے عہدے پر فائز ہو چکی تھی اور وہ لیفٹیننٹ میجر تھا۔ گہری نیلی آنکھوں والے ڈیوڈ پر وہ پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھی تھی اور جوابا" ڈیوڈ کی طرف سے ملنے والے مثبت رسپانس نے اس کے محبت کے جذبے کو اور تقویت بخشی تھی۔ پوری یونٹ میں جلد ہی ان کے افیئر کا چرچا ہونے لگا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ ڈیوڈ اس کے ساتھ سینسئر ہے بھی یا نہیں سوزیلا آنے والے دنوں کے سنہری خواب سجانے لگی تھی۔ ایک ایسے گھر کا خواب جو اس کے والدین والے گھر سے بالکل مختلف تھا۔ جس میں صرف اور صرف پیار ہی پیار چار سوں پھیلا ہوا ہو گا۔

اور پھر سوزیلا کے سارے خواب ریت پر بنائے گئے محل کی مانند بکھرتے چلے گئے تھے۔ ڈیوڈ ان لوگوں میں سے تھا' جو اپنے حسن کو ایک چارے کے طور پر استعمال کرتے ہوں۔ وہ جلد باز طبیعت کا مالک تھا جو کبھی بھی ایک چیز پر زیادہ عرصہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سوزیلا کو اس نے ایک سیڑھی کی مانند استعمال کیا تھا۔ ایک طرف حسین و جمیل گرل فرینڈ ہونے پر سب اسے ستائش کی نگاہ سے دیکھتے تھے تو دوسری طرف اس نے سوزیلا کے ذریعے کرنل ایڈگر کو ٹریپ کیا تھا۔ کرنل ایڈگر نے سوزیلا کا رجحان ڈیوڈ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے خصوصی مراعات دی تھیں اور اس طرح آفیسرز کلب میں اس کی پی۔ آر بڑھنے لگی تھی۔ اسی دوران اس کی ملاقات بریگیڈیئر ڈوسب کی بیٹی انجلینا سے ہوئی۔

شوخ و چنچل انجلینا نے جلدی ہی سب ینگ آفیسر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ایسے میں ڈیوڈ کی طرف خود انجلینا کا متوجہ ہونا سب کے ساتھ ساتھ ڈیوڈ کو بھی حیران کر گیا تھا۔ سوزیلا چونکہ ڈیوڈ پر اندھا اعتبار کرتی تھی اسے ڈیوڈ اور انجلینا کی بڑھتی قربتیں نظر ہی نہیں آرہی تھیں۔ اسے کرنل ایڈگر نے بار بار توجہ دلانے کی کوشش کی تھی۔ تو وہ ڈیوڈ کے گھر پہنچ گئی۔

"میں تمہارے اور انجلینا کے متعلق کیا سن رہی ہوں۔" اس نے سوالیہ نظروں سے ڈیوڈ کی طرف دیکھا۔ ڈیوڈ نے جواباً "انجلینا سے اپنی محبت کا اقرار کیا۔

"تم سے شادی کر کے مجھے کیا حاصل ہوگا جس کی نہ ماں کا پتا ہے اور نہ باپ۔۔۔ سوزیلا جو پہلے ہی اس کے انداز سے ٹوٹی ہوئی تھی یہ سن کر اسے اپنا کچھ ہوش نہیں رہا اس کی خوابوں کی دنیا بھی اجڑ چکی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے اسپتال کون لایا اور وہ زندہ کیسے بچی۔ اسے ہر شے سے نفرت ہو چکی تھی حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی۔ ایسے میں کرنل ایڈگر اور ان کی بیوی ہی تھے جو اسے واپس زندگی کی طرف لانے کی تگ و دو میں مصروف تھے۔ آنکھوں کے گوشوں سے پھوٹ پڑنے والے پانی نے یک دم اسے ماضی سے حال کی جانب کھینچا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے پرپوزل کو ایک نظر دیکھا تھا اور پھر ٹیبل سے پین اٹھا کر اس پر سائن ثبت کیے تھے۔ شاید کرنل ٹھیک کہتے ہیں، ہم اپنی اذیت کو اسی وقت کم کر سکتے ہیں جب ہمارے اردگرد اذیت کم ہوگی۔ اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو نئے راستوں کے حوالے کرنے جا رہی تھی۔ نجانے ان راستوں پر تاریکی تھی یا روشنی۔

☼ ☼ ☼

"ویلکم آفیسرز آن دس فورم۔" (خوش آمدید آفیسرز اس موقع پر) بریگیڈیئر اسٹیفن نے اسٹیج پر کھڑے ہو کر مائیک ہاتھ میں لیتے ہال میں بیٹھے تمام آرمی پرسنز کو مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اسے آفس جوائن کیے دو ہفتے گزر چکے تھے اور اب وہ کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔

"جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ روس پر امن واقعات کو فروغ دینے میں ہمیشہ سے اقوام متحدہ کا حامی رہا ہے۔" بریگیڈیئر اسٹیفن اسٹیج کی بیک پر لگی ملٹی میڈیا اسکرین کی طرف بڑھے تھے جہاں گزشتہ چند سالوں کے روسی کارنامے دکھائے جا رہے تھے۔

"اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بار پھر اقوام متحدہ نے دنیا کی دوسری بڑی طاقت ور کنٹری سے مدد مانگی ہے۔ U.N.O کی جانب سے ہماری حکومت پر زور دیا جا رہا ہے کہ وہ شام میں ہونے والے پر تشدد واقعات کو کنٹرول کرنے کے لیے انتہائی اعلا سطح پر مداخلت کرے اور امن مذاکرات کو بچانے کے لیے شام کی مدد کرے۔ شام میں "فاش" آرگنائزیشن نے بہت بڑے پیمانے پر تباہی پھیلا دی ہے۔ اس آرگنائزیشن کا مقصد ویسٹرن ممالک کو بھی نقصان پہنچانا ہے۔" اب وہ ملٹی میڈیا اسکرین پر ابھرنے والے شام کے چند اہم مقامات کو پوائنٹ آؤٹ کرنے لگے تھے۔

"ہمیں مختلف اوقات میں شام کے اہم صوبوں کے کچھ مقامات کو اس تنظیم سے چھڑوانا ہے۔ اس کے لیے شامی گورنمنٹ کا تعاون ہمارے ساتھ ہے۔ ہم تین ڈیلی گیشن تین ہفتوں میں بھیجیں گے۔ جو کہ ٹارگٹ مکمل کریں گے۔" ملٹی میڈیا اسٹک کو واپس ڈائس پر رکھتے وہ اب سب کی طرف دیکھ کر اہم بریفنگ دے رہے تھے۔ "سب سے آخری ڈیلی گیشن اس تنظیم کی سپلائر کو ہٹ کرے گا۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس تنظیم کی امدادی ٹیمیں بھی ہیں اور ہمیں سب سے پہلے ان کی سپلائی کو کٹ آف کرنا ہے۔" بریگیڈیئر اسٹیفن نے بات مکمل کر کے کچھ پیپرز نکالے تھے۔

"اور اس ڈیلی گیشن کی انچارج ہوں گی میجر

سوزیلا۔" اپنا نام پکارا جانے پر وہ یک دم چونکی تھی۔

"یس سر۔" اس نے برق رفتاری سے سچویشن پر قابو پاتے کھڑے ہو کر دایاں پاؤں زمین پر مار کر ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتے سیلوٹ کیا تھا اور پھر اسی رفتار سے واپس اپنی نشست پر براجمان ہو گئی تھی۔

"اینی کوئسچن۔" بریگیڈیئر اسٹیفن نے سب کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"نو سر!" سب نے ایک ساتھ بلند آواز میں جواب دیا تھا۔

"اوکے! بیسٹ آف لک ٹو آل آف یو۔" وہ مسکراتے ہوئے کانفرنس ختم ہونے کا اناؤنسمنٹ دیتے اسٹیج سے اتر کر آئے تھے۔ اور ہاتھ میں پکڑے اہم ڈاکومنٹس سوزیلا کی طرف بڑھائے تھے۔

☼ ☼ ☼

"احمد ابو زید مبارک ہو لالہ۔" وہ جو پتھریلی پہاڑی پر بیٹھا پسٹل صاف کر رہا تھا یک دم چونک کر کھڑا ہوا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر اس کا ساتھی نائف بن عزیز خوشی سے دمکتا چہرہ لیے اسے پکار رہا تھا۔

"کس بات کی لالہ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا اس کے ساتھ کھڑے اسد جان نے بے چینی سے آگے بڑھتے نائف سے اونچی آواز میں پوچھا تھا۔ نائف تیزی سے چٹملی پہاڑیوں کو پھلانگتا ان کی طرف آیا تھا۔

"لالہ تمہارے آنگن میں چاند اترا ہے۔" نائف نے احمد ابو زید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے پھولتی سانسوں پر بمشکل قابو پاتے گویا دھماکا کیا تھا۔ احمد نے بے یقینی سے پہلے اس کی طرف اور پھر اسد جان کو دیکھا تھا۔

"ارے احمد ابو زید تم ایک بیٹے کے باپ بن گئے ہو۔ ابھی ابھی زئی کے ذریعے پیغام آیا ہے۔" نائف نے قدرے سنبھل کر اسے تفصیل بتائی تھی۔ اتنے میں اسد جان پہاڑیوں کے بیچ پتھروں سے بنائے گئے چھوٹے سے غار میں رکھے کولر سے پانی کا گلاس بھر کر نائف کے لیے لے آیا تھا۔

"کیا۔ لالہ سچ کہہ رہے ہو کب۔ کب ہوا' میرا مطلب میرا بیٹا۔" خوشی کے مارے احمد کے لفظ اٹکنے لگے تھے۔ وہ ہکلانے لگا تھا۔

"ابھی ابھی ہرا۔ اپنا یار ایک شہزادے کا باپ بن گیا۔" اسد جان اس کے گلے سے لپٹ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نائف نے بھی ان دونوں کو بانہوں کے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ وہ تینوں گول گول دائرے میں گھومنے لگے تھے۔ سرشاری احمد کی رگ و پے میں سرائیت کر چکی تھی۔ یک دم چٹملی پتھریلی سنگلاخ چٹانیں اسے گلستان لگنے لگی تھیں۔

"آج پورے ہفتے کا ہو گیا ہے تمہارا ولی عہد' زئی نے بتایا ہے کہ حالات بہت خراب ہیں ادھر کے اور نگرانی بھی بہت سخت ہو رہی ہے' اسی لیے پیغام پہنچنے میں اتنے دن لگ گئے۔" وہ سب تھک کر بیٹھ گئے تھے جب نائف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"پورے ہفتے کا ہو گیا ہے وہ اور کسی نے مجھے اطلاع تک نہیں دی۔ آج مطلب سات دن کا ہو چکا ہے وہ۔" اس کے بتانے پر وہ یک دم سیدھا ہو کر بیٹھا تھا اور جھنجلاتے ہوئے بے بسی سے بولا تھا وہ دونوں اس کے جذبات کو سمجھتے ہوتے اسے دلاسا دینے لگے تھے۔

"دیکھو احمد! تم جانتے ہو کہ یہ علاقہ آبادی سے کتنا دور ہے اور پھر ہم تک کسی کی رسائی اتنی آسان نہیں ہوتی۔ بہت سے خفیہ راستوں سے ہو کر پیغام ہم تک پہنچایا جاتا ہے' اسی میں ہماری زندگی کی بقا ہے کہ ہم ہر حال میں حفاظتی تدابیر کو مدنظر رکھیں۔" نائف نے احمد کے اترے ہوئے چہرے کو دزدیدگی سے دیکھتے اسے تسلی دینے کے سے انداز میں کہا تھا۔

"میں ابھی گھر جانا چاہتا ہوں نائف' ابھی جا کر اپنے بیٹے کو سینے سے لگانا چاہتا ہوں اس کے لمس کو محسوس کرنا چاہتا ہوں' مجھے گھر جانا ہے۔" احمد ابو زید نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے پاس بیٹھے نائف کے ہاتھوں کو تھام کر لجاجت سے کہا تھا۔

"تم ضرور گھر جاؤ گے احمد ابو زید مگر ابھی نہیں۔ بس

تھوڑا سا صبر اور کرلو جہاں اتنے دن گزار لیے وہاں چند دن اور سہی' حالات ٹھیک ہوتے ہی میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔" نائف نے اسے پچکارتے ہوئے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے آج ہی جانا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا' مجھے جانا ہے۔" وہ نائف کو خود سے الگ کرتے کھڑا ہوا تھا۔

"نہیں احمد! جوش سے نہیں ہوش سے کام لو۔ آج کل ویسے بھی تم ایجنسیز کی نظر میں ہو' ان کی ہٹ لسٹ پر ہو جب سے تم نے شامی پوسٹوں پر حملے کیے ہیں تمہارے گھر کی سخت نگرانی کی جارہی ہے۔ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔" نائف نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔

"میں کیا کروں۔۔۔ میں کیسے صبر کروں۔ آج پورے سات ماہ ہوگئے مجھے اپنے گھر والوں کی شکل دیکھے' والدہ' بابا اور غریدہ نجانے سب کیسے ہوں گے۔ نجانے کس کس موقع پر انہوں نے مجھے پکارا ہوگا۔" اس نے بے بسی سے اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے کہا تھا۔

"حوصلہ کرو احمد۔۔۔ کچھ ہی دن میں حالات سازگار ہوتے ہی میں خود تمہاری چھٹی کی بات کروں گا پیچھے ان سے' تم تو جانتے ہو ہماری زندگیاں گروی رکھی ہوئی ہوتی ہیں' ہم سب یہاں آتے کسی اور مقصد کے لیے ہیں مگر ہوتا کچھ اور ہے۔" اسد جان نے پانی کا گلاس اس کے لبوں کو لگاتے تلخ حقیقت بیان کی تھی۔

✡ ✡ ✡
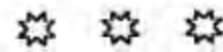
حلب کے جنوبی قصبے میں رات کا اندھیرا ابھی پوری طرح اجالے میں تبدیل نہیں ہوا تھا۔ میجر سوزیلا نے تمام بٹالین کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے گھیرا مزید تنگ کیا تھا۔ آج یہ تیسرا اور آخری ڈیلی گیشن تھا جو اس کی قیادت میں نصف رات کے وقت شام کے صوبے حلب کے علاقے میں کارروائی کر رہا تھا۔ آج ان کا ٹارگٹ "فاتش" کے مین سیلاٹر کو ہٹ کرنا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ تنظیم کا ایک سرگرم رکن اسی علاقے میں چھپا ہوا ہے' تیزی سے وہ آگے بڑھتے آبادی کو گھیرتے جارہے تھے جب کہ فضا میں اڑتے روسی ہیلی کاپٹر فضائی نگرانی کررہے تھے۔ سناٹوں کو چیرتی جہازوں کی آواز' فوجیوں کے بھاری بوٹوں سے اڑتی گرد اور ان کے قدموں کی دھمک عجب سی دہشت پھیلا رہے تھے۔ تنگ تاریک گلیوں کو عبور کرتے وہ ایک بوسیدہ سے لکڑی کے دروازے کے سامنے رکے تھے۔ دروازے کو دونوں اطراف سے اسلحہ بردار فوجیوں نے گھیرا تھا اور وسط میں میجر سوزیلا نے کلاشنکوف کی نوک دروازے کی سمت موڑے ایک پاؤں سے دروازے پر ٹھوکر رسید کی تھی۔ دروازہ اندر سے مقفل تھا۔

✡ ✡ ✡

"غریدہ' حامدہ جلدی اٹھو' لگتا ہے احمد کے آج آنے کی کسی نے مخبری کردی ہے۔ تم لوگ فوراً پچھلے دروازے سے باہر نکل جاؤ' جلدی کرو۔" ابوزید نے بوکھلا کر کمرے میں داخل ہونے پر وہ دونوں سہم کر چارپائی سے کھڑی ہوئی تھیں۔ ابوزید ان دونوں کو کہتے چارپائی پر لیٹے ننھے موسیٰ کو اٹھانے لگے تھے۔

"مگر بابا۔۔۔ ہم کیوں بھاگیں' ہمارا جرم کیا ہے' ہم کہیں نہیں جائیں گے بابا۔" ابوزید نے موسیٰ کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے غریدہ کی طرف بڑھایا تھا اور پھر ان سب کو بازوؤں سے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچنے لگے تھے۔

"یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے میری بچی۔ موت دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ دروازے کے ٹوٹتے ہی فرنگی بھوکے کتوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ وقت ضائع مت کرو۔ چلو بس جلدی۔" ابوزید نے جھنجلاتے ہوئے اسے وقت کی نزاکت کا احساس دلایا تھا جب کہ' حامدہ بیگم سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ ذہنی طور پر اس تمام صورت حال کے لیے تیار نہیں تھیں۔ انہیں اب تک احمد کے تنظیم میں شامل ہونے پر شک تھا مگر آج کی صورت حال نے انہیں جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

دروازے پر ہوتی دستک شدت اختیار کرنے لگی تھی۔
"جاؤ! فی امان اللہ۔" ابوزید نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ان سب کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
"بابا۔۔۔ کیا آپ نہیں جائیں گے ہمارے ساتھ۔" غریدہ نے چونک کر ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے ابوزید کو دیکھا تھا۔
"میری بچی۔۔۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ موسیٰ کی حفاظت کرنا۔ احمد کی امانت ہے تمہارے پاس۔ وہ رشتوں کے معاملے میں بہت بدنصیب رہا ہے اسے بحفاظت اس تک پہنچانا۔" ابوزید نے ایک بار پھر موسیٰ کے ماتھے پر بوسہ دیتے رندھے ہوئے لہجے میں کہتے ان دونوں کو اپنے سینے سے لگایا تھا پاس کھڑی حامدہ بیگم بھی ان کے کندھے سے لگ کر سسکنے لگی تھیں۔ نجانے کیوں انہیں سب کچھ ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ اسی اثنا میں باہر سے زوردار دھماکے کی آواز نے گھر کے درودیوار ہلا کر رکھ دیے تھے۔ وہ موسیٰ کو اور حامدہ بیگم کو سنبھالتی تیزی سے پچھلے دروازے کی سمت بھاگی تھی۔
"دھڑام۔" خارجی دروازہ ٹوٹ کر صحن میں گر چکا تھا اور ساتھ ہی گھر کے آنگن میں سپاہیوں کے قدموں کی دھمک گونجنے لگی تھی۔
"گھر کی تلاشی لو اور جیسے ہی کوئی غیر معمولی حرکت ہوتی محسوس ہو فوراً "فائر کھول دینا۔" صحن میں داخل ہوتے ہی سوزیلا نے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے بلند آواز میں سپاہیوں کو کہا تھا۔ صحن کے آگے دو بڑے کمرے تھے۔ وہ سرسری سا جائزہ لینے لگی تھی۔ دونوں کمروں میں اندھیرا تھا کہ اتنے میں ایک کمرے سے کچھ سرگوشیوں کی سی آواز آئی تھی' وہ اور اس کے سپاہی فوراً "الرٹ ہوئے تھے۔
"بھاگو جلدی کرو۔" ابوزید نے چیخ کر ان دونوں کو کہا تھا اور خود حواس باختہ سے ہو کر صحن کی طرف والے دروازے کی سمت بھاگے تھے تاکہ سپاہیوں کو ان تک پہنچنے سے روک سکیں۔
"تڑ تڑ تڑ۔" آناً" فاناً" ہی دروازے سے نمودار ہوتے ابوزید کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہوچکا تھا۔ اندر سے ہوتی نقل حرکت انہیں جارحیت کا پیش خیمہ لگی تھی اور دہشت گردوں کے خطرے کے پیش نظر انہوں نے بلاتاخیر فائرنگ شروع کردی تھی۔ وہ سب تیزی سے کمروں کی طرف بڑھے تھے۔ سب سے آگے وہ تھی۔ مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے تھے۔ کمروں میں پہنچ کر انہوں نے جائزہ لینے کی غرض سے فائرنگ کا سلسلہ کچھ پل کے لیے موقوف کیا تھا۔ اندھیرا ہونے کے باعث کچھ بھی واضح نہیں ہوپا رہا تھا۔ مکان کے پچھلے حصے کی جانب سرسراہٹ سی ابھری تھی اور پھر دیوار کے پاس چاند کی روشنی پڑنے کی وجہ سے کچھ سائے نمایاں ہوئے تھے۔ وہ سب دوبارہ فائرنگ کرتے اسی سمت لپکے تھے۔ کچھ ہی پل میں کلاشنکوف کی شعلہ باری سے حامدہ بیگم کی دل سوز چیخیں فضا میں بلند ہوئی تھیں اور پھر ان سے کچھ فاصلے پر بھاگتی غریدہ کے کندھے سے گولی ٹکراتی سید ھا دل کو چیرتی چلی گئی تھی۔
"آہ" درد سے چلاتے وہ دہری ہوئی تھی اور موسیٰ کے گرد بازوؤں کی گرفت کو اور مضبوط کرتے پھر سے بھاگنے لگی تھی۔ دوسری گولی لگنے پر اس کے دونوں بازو ہوا میں بلند ہوئے تھے اور اس کے سینے سے چمٹا موسیٰ فضا میں اچھلا تھا۔
"بم۔" فضا میں کوئی چیز بلند ہوتے دیکھ کر وہ سب سہم کر پیچھے ہٹے تھے۔ بزدلانہ جذبے کے تحت وہ سب پیچھے کی سمت بھاگنے لگے تھے جب کہ ان سب سے قطع نظر وہ بانہیں پھیلائے اندھا دھند اسی شے کی سمت بھاگی تھی۔ جس کا عکس وہ چاند کی دودھیا روشنی میں دیکھ چکی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد وہ اپنی بانہوں میں لیے اس ننھے وجود کو حیرت سے تک رہی تھی' جو مسلسل روئے جارہا تھا۔ بچے سے اس کی نگاہیں پھیلتی چت لیٹی اس عورت پر پڑی تھیں جو کہ کالی چادر میں لپٹی بالکل ایسے ہی لگ رہی تھی جیسے کہ چاند اس تاریک رات میں۔ اسے لگا تھا چاند کا نور اس عورت کے چہرے کے نور سے ماند پڑ رہا ہے۔ اس نے آج تک اتنا

نورانی چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ عجیب سا طلسم تھا اس کے ساکت پڑے وجود میں، جس نے سوزیلا کو اپنے اندر جکڑ لیا تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی تمام حسیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

نجانے کتنے ہی پل چپکے سے گزر گئے تھے کہ اسے اپنے اردگرد مختلف آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ سب اسے پکار رہے تھے، مگر اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ پھر کچھ سپاہی اسے واپسی کے لیے کھینچنے لگے تھے، مگر اس کی نگاہیں اس عورت سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ وہ کبھی گود میں لیے بچے کو اور کبھی اس کو تکے جا رہی تھی جس کی ساکت نگاہیں اسے اپنے وجود میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ممتا کے چھن جانے کا بین تھا۔ ان دیکھے آنسو تھے جو سوزیلا کو اپنے اندر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ جیپ میں بیٹھتے اس نے بچے کو اپنے سینے سے لپٹایا تھا چپکے سے چند آنسو آنکھوں کے گوشوں سے پھسل کر اس کے گال بھگو گئے تھے اسے کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مے آئی کم ان سر۔" جنرل ولسن کے آفس کا شیشے کا دروازہ دھکیلتی وہ اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔ آج جنرل ولسن نے اسے اپنے آفس بلایا تھا وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہنے والے ہیں، وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کرتی اندر داخل ہوئی تھی۔

"یس میجر۔" انہوں نے خوش دلی سے ان کی طرف دیکھتے کہا تھا اور ٹیبل پر کھلی فائل کو بند کرتے پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"سر!" آفس میں داخل ہوتے ہی اس نے برق رفتاری سے سیلوٹ کیا تھا جواباً جنرل ولسن نے اپنی نشست سے کھڑے ہوتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا تھا اور ایک ہاتھ سے اسے ٹیبل کے دوسری سمت رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"میجر! You did a great job "

جنرل ولسن نے ستائشی انداز میں اسے کہا تھا۔

"تھینک یو سر!" اس نے روایتی انداز میں مختصراً کہا تھا۔

"میجر سوزیلا! اب تک کے تمام Troops Sending (بھیجے جانے والے فوجی دستے) میں سب سے زیادہ اسٹرونگ پالیسی آپ کی رہی ہے۔ اگرچہ آپ کا ٹارگٹ پرسن ہٹ نہیں ہو سکا بٹ اس کو ٹریپ کرنے کے لیے جو اسٹریٹجی آپ نے اپنائی ہے وہ بہت اسٹرونگ ہے۔ آئی ایم ریئلی امپریسڈ۔" پیپر ویٹ کو ایک ہاتھ سے گھماتے وہ نجانے کون سی پالیسی کے بارے میں بات کر رہے تھے اس نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"بٹ سر۔" اس نے اپنی بڑھتی ہوئی الجھن کے پیش نظر انہیں پکارا تھا۔

"نو۔ نو میجر۔ مجھے کہنے دیجئے۔ یہ ایک بہترین عملی اقدام ہے۔ کسی بھی شخص کے لیے اس کا سرمایہ حیات اس کی اولاد ہی ہوتی ہے اور وہ اسے بچانے کے لیے ہر ناممکن کو ممکن بنانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس بچے کی کچھ معلومات ہم نے سیکرٹ ایجنسیز کے تھرو ان تک پہنچا دیے ہیں۔ جلد ہی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔ آئی ہوپ اٹ ول بی اے گریٹ ڈیل۔" جنرل ولسن بلند قہقہہ لگاتے اپنی سیٹ سے اٹھ کر گلاس ونڈو کی طرف بڑھے تھے اور پرسکون انداز میں باہر کا نظارہ کرنے لگے تھے۔

"سر! مجھے کچھ کہنا ہے۔" اس نے تمام ہمتیں مجتمع کرتے کہا تھا۔

"یس میجر!" وہ وہیں کھڑے اس کی طرف دیکھ کر بولے تھے۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ بات کو کیسے شروع کرے۔

"سر! میں اس سب کا مقصد جان سکتی ہوں کیا؟" اس نے سوالیہ انداز میں ان سے پوچھا تھا۔

"ویری سمپل میجر! ہمیں کسی بھی طرح سے اس تنظیم کے نیٹ ورک کی انفارمیشن چاہیے اور اسی سلسلے میں یہ بچہ ایک مہرے کے طور پر استعمال کیا

جائے گا۔ جیسے ہی اس کا باپ ہم سے رابطہ کرے گا ہم اس سے ڈیل کریں گے اور اگر ڈیل کامیاب رہی تو یہ بچہ زندہ رہے گا ورنہ۔۔۔۔۔"سفید فام روسی جنرل سفاک انداز میں کہتا مکروہ ہنسی ہنسا تھا جب کہ اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ کسی ممتا کا قتل تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی اور ایک ننھی جان بھی اس کی وجہ سے ظلم کا شکار ہونے جارہی تھی۔ اس کی سرخ و سپید پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا۔

"مگر سر! ضروری تو نہیں کہ یہ بچہ اسی کارکن کا ہو جو تنظیم کا سپلائر ہے۔ آئی مین ہم میں سے کوئی بھی اس بات پر شیور نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ دو خواتین کسی بھی اور رشتے سے منسلک ہو سکتی ہیں اس سے۔" اس نے انہیں شک و شبہات کے ذریعے الجھانا چاہا تھا۔ وہ ہر حال میں اس بچے کو اس گھناؤنی سازش کا حصہ بننے سے بچانا چاہتی تھی۔

"نو مائی ڈیئر! یہ بچہ اسی کا ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق اس کے گھر سات روز قبل بچے کی پیدائش ہوئی تھی اور مخبر نے بتایا تھا کہ وہ بچے کو دیکھنے آنے والا ہے۔" ایک پل میں انہوں نے اس کی امیدوں کو توڑا تھا۔

"سر! میں اس بچے کو نرسنگ نہیں بھجوانا چاہتی۔" اس نے حتمی انداز میں کہا تھا۔ جنرل ولسن اب واپس کرسی پر براجمان ہو چکے تھے اور ٹیبل پر پڑی فائلوں میں سے کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"واٹ!" وہ یک دم چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

"سر! آئی مین میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں، جب تک آپ کی ڈیل فائنل نہیں ہو جاتی۔" اس نے سفارشی انداز میں کہا تھا۔

"ایز یو وش۔" کچھ پل سوچنے کے بعد انہوں نے لمبی سانس خارج کرتے کہا تھا۔

"تھینک یو سر! تھینک یو سو مچ۔" یک دم ہی اس کے انگ انگ میں خوشی پھیلی تھی۔ جنرل ولسن نے پرسوچ انداز میں اس کے چہرے پر پھیلتے رنگوں کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سوزیلا! تم پاگل ہو گئی ہو کیا۔ آخر تم نے کیوں اس کی ذمہ داری لی ہے۔" جنرل ایڈگر نے درشتی سے کہتے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا تھا۔ آفس سے سیدھا وہ فلیٹ پر آئی تھی اور بچے کو ساتھ لیے فوراً "کرنل ایڈگر کے گھر پہنچی تھی۔ جن کی غصے سے بھری کال کچھ ہی گھنٹوں پہلے اس نے ریسیو کی تھی۔

"خاموش کیوں ہو۔ بولتی کیوں نہیں۔ آخر کیوں تم اپنی سروس کے اور اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو۔" وہ غصے سے ہانپنے لگے تھے۔ بچپن سے جوانی تک انہوں نے ہمیشہ ایک باپ کی حیثیت سے اسے ہر اچھے برے کا بتایا تھا، مگر چند سالوں سے سوزیلا کے پے در پے فیصلوں نے انہیں شدید دھچکا پہنچایا تھا۔

"ڈیڈ پلیز ریلیکس! پلیز کول ڈاؤن۔" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا تھا۔ وہ جب بھی شدید غصے میں ہوتے تھے وہ انہیں ڈیڈ کہہ کر پکارتی تھی اور ان کا غصہ یک دم ختم ہو جاتا تھا، مگر آج بات الگ تھی انہوں نے رخ پھیرتے اپنا بازو چھڑوایا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ وہ مسلم ہے۔ اس کا باپ ایک ایسی آرگنائزیشن سے تعلق رکھتا ہے، جو بے حد خطرناک ہے۔ پھر سوزی تم کیوں اس کو اپنی کسٹڈی میں رکھنا چاہتی ہو۔" اب کے انہوں نے قدرے دھیمے لہجے میں اسے حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر سننے لگی تھی۔

"میں اس کی ممتا کی قاتل ہوں۔ میں اسے ایک ماں کا پیار دینا چاہتی ہوں۔" بہت سے پل خاموشی سے گزر رہے تھے۔ جب اس کی آواز سرگوشی کی مانند ابھری تھی۔

"سوزی! کیا تمہیں لگتا ہے کہ اس کا باپ تم تک نہیں پہنچ پائے گا۔ کیا وہ سکون سے بیٹھے گا اپنے بیٹے کی گمشدگی پر اور پھر کیا "سوساک" تمہیں چھوڑے

گی۔" انہوں نے پاس بیٹھی سوزیلا کو ترس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"میں اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤں گی، میں سروس کو چھوڑ دوں گی۔" اس نے قطعی انداز میں کہتے انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔

"تم جہاں بھی چلی جاؤ سوزی، مگر ایک نہ ایک دن اسے وہ لے جائے گا، پھر تم کیا کرو گی کیسے خود کو سنبھالو گی۔ بہتر ہے کہ تم اسے "موساک" (روسی انٹیلی جنس) کے حوالے کر دو یہی سب کے لیے بہتر ہے۔" انہوں نے آخری کوشش کرتے اسے سمجھایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی ملازمہ نے بچے کے رونے کی اطلاع دی تھی وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے کی طرف چل دی تھی جہاں مسز ایڈگر بچے کو لے کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"لالہ! تم نے بات کی یا نہیں پیچھے۔" احمد نے پاس لیٹے نائف سے بے صبری سے پوچھا تھا۔ وہ ستانے کی غرض سے کچھ دیر پہلے ہی لیٹا تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھے اس نے احمد کی بے صبری کا اس کے لہجے سے اندازہ لگایا تھا۔

"کی تھی یار، مگر کچھ نہیں بن سکا۔" نائف بن عزیز نے سرسری سا جواب دیتے اسے ٹالنے کی کوشش کی تھی کیوں کہ اسے اصل صورت حال سے بے خبر رکھنے کی سختی سے تاکید کی گئی تھی۔

"آخر کیوں نہیں جا سکتا میں اپنے گھر لالہ۔ ایسی بھی کیا سیکورٹی جو ہمیں محصور کر کے خود اپنی ہی زندگی کا غلام بنا دے۔" احمد نے جبراً اس کے بازو کو آنکھوں سے ہٹاتے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس وقت وہ پہاڑی کے اندر آرام گاہ میں لیٹے تھے جب کہ اسد جان حفاظت پر معمور باہر پہرہ دے رہا تھا۔ نائف بن عزیز ان تینوں میں سب سے پرانا رکن تھا اور اسی لیے صرف اسی کی رسائی تنظیم کے کمانڈر انچیف تک تھی۔ وہ ہی آرڈر موصول کرتا تھا جب کہ اسد جان اور احمد ابوزید کو کچھ ہی سال ہوئے تھے۔ تنظیم جوائن کیے۔ تنظیم میں شامل ہوئے کارکنوں کو چونکہ حکومت سے خطرہ لاحق ہوتا تھا لہٰذا کسی بھی کارکن کو کچھ بھی کرنے اور جانے آنے کے لیے تنظیم کے سربراہوں کی اجازت درکار ہوتی تھی جو کہ حالات کے سازگار ہونے یا نہ ہونے پر انہیں وقتاً فوقتاً "الرٹ" کرتے رہتے تھے۔ یہ شامی باغیوں کی تنظیم تھی جو کہ حکومت کے خلاف ابھرنے والا ایک گروہ تھا۔

"احمد میرے یار بس کچھ دن اور پھر میرا وعدہ ہے تم سے نائف بن عزیز کا وعدہ کہ "تمہیں تمہارے گھر ضرور پہنچائے گا۔" نائف نے سینے پر شہادت کی انگلی رکھ کر حتمی انداز میں کہا تھا۔ وہ خود بھی احمد کی حالت کے پیش نظر بہت دل گرفتہ تھا۔ دل ہی دل میں کچھ طے کرتے وہ اس کے ہاتھ سہلانے لگا تھا جب کہ احمد خاموشی سے غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے نجانے کس سوچ میں ڈوب چکا تھا اور ایک حتمی فیصلہ کر چکا جس میں اس کے ساتھ اس کا دوست اسد جان بھی شریک تھا۔

"صبح کے اجالے سے پہلے منزل تک پہنچنے کی کوشش کرنا اور اپنے چہرے کو ڈھانپ کر جانا۔" اسد جان نے جلدی جلدی کہتے اسے گلے سے لگایا تھا۔ آج نائف بن عزیز کسی اہم کام سے شہر گیا ہوا تھا۔ اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اسد جان نے اسے چپکے سے گھر جانے کا مشورہ دیا تھا جس پر وہ فوراً ہی آمادہ ہو گیا تھا جلد آنے کی شرط پر وہ آج رات ہی اپنے گھر جا رہا تھا۔ اسد جان نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ پیچھے سب سنبھال لے گا۔ وہ تیزی سے چٹیلی پہاڑیوں کو پھلانگنے لگا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسد جان کی آنکھوں سے اوجھل ہوا تھا۔ اسد نے ایک گہری پرسکون سانس فضا میں خارج کرتے واپس غار کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ ایک ان دیکھا سا بوجھ اس کے سینے سے اترتا محسوس ہوا تھا اسے۔ احمد کی معصومیت کے باعث وہ دل سے اسے بے حد قریب محسوس کرتا تھا اور کچھ دن سے اس کی بڑھتی ہوئی

بے چینی سے خود بھی بے حد مضطرب تھا۔ نیند میں گم ہونے سے پہلے وہ احمد کی خوشی کو تخیل کی نگاہ سے دیکھتا مسکرایا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کچھ ہی دیر پہلے ایڈم کے لیے ڈھیروں شاپنگ کرکے گھر واپس آئی تھی۔ اس نے خود ہی اس کا نام ایڈم رکھ لیا تھا۔ ایڈم کو پرام سے نکال کر اس نے بیڈ پر لٹایا تھا۔ وہ سو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ کر اسے تکنے لگی تھی۔ ننھے ننھے گلابی ہاتھ، تیکھے نقوش اور سرخ و سفید چہرے پر سیاہ آنکھیں، وہ بلاشبہ بے حد حسین بچہ تھا۔ اسے یک دم اسے وہ عورت یاد آئی تھی۔ بے ساختہ اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کی جانب کھینچا تھا۔ شاید نہیں بلکہ یقیناً" وہی اس کی ماں تھی۔ اسے یاد آیا تھا کہ وہ عورت بھی سراپا نور تھی۔ بے حد حسین نقوش کی مالک۔ اس نے ایک بار پھر سوئے ہوئے ایڈم کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس کی ماں کی قاتل تھی۔ اس نے بے گناہ اس کی مما کا قتل کیا تھا۔ ایک ہنستے بستے گھر کو اجاڑ دیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ احساس جرم عفریت بن کر اس پر چھا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ سوچتی دروازے پر ہوتی بیل نے اس کی سوچوں کے محور کو توڑا تھا۔ وہ ایڈم پر نگاہ ڈالتی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

"ہیلو میجر!" دروازے کے باہر جنرل ولسن کو کھڑے دیکھ کر اسے حیرانگی ہوئی تھی۔

"ہیلو جنرل!" اس نے اندرونی کیفیت پر قابو پاتے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا تھا۔

"کیسی ہو میجر، دراصل آفس سے تم چھٹیوں پر تھیں تو میں نے سوچا کہ تمہاری خیریت ہی پتا کرتا چلوں۔" لاؤنج میں رکھے صوفے پر براجمان ہوتے انہوں نے اس کی حیرت کو ختم کرنا چاہا تھا۔

"فائن سر! میں کچھ وقت گھر پر گزارنا چاہتی تھی بس اسی لیے لیو لی۔" وہ ان کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر ایڈم کا ذکر گول کیا تھا۔

"ہوں! اچھا کیا ویسے بھی ڈیلی گیشن کے بعد تمہیں ریسٹ کرنا چاہیے۔" جنرل ولسن نے صوفے کی بیک سے پشت لگاتے اردگرد کا سرسری سا جائزہ لیتے کہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جسے وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"سر کافی یا چائے۔" وہ حق میزبانی ادا کرتے ان سے گویا ہوئی تھی۔

"وہ نو! تھینکس فی الحال کچھ بھی نہیں۔ میجر ایک بات پوچھوں۔" وہ یک دم سیدھے ہوتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے تھے۔

"یس سر!" وہ واپس بیٹھتے بولی تھی۔ یکبارگی اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔ اس کا دھیان ایڈم کی طرف گیا تھا۔

"تم اکیلے رہ کر بور نہیں ہوتیں۔" ان کے سوال کو سن کر یک دم اس نے ایک پرسکون سانس لیا تھا۔

"نو سر!" اس نے پرسکون انداز میں کہا تھا۔

"آئی مین، تمہیں کسی کی تو ضرورت محسوس ہوتی ہوگی۔ مطلب چونکہ تمہارا ڈیوڈ سے بریک اپ ہوچکا ہے تو... تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" وہ اس کی طرف جھک کر سرگوشی کے سے انداز میں بولے تھے جب کہ وہ ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے سن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے جنرل ولسن کی طرف دیکھا تھا۔ "دیکھو ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو... اور پھر ڈیوڈ میں کیا رکھا تھا ایک لوئر کلاس لیفٹیننٹ، میجر، ہونہہ۔ وہ کیا تمہیں خوشی دیتا۔" حقیرانہ لہجے میں بولتے وہ اس وقت مکروہ ترین انسان لگ رہے تھے۔ اس نے غصے سے اپنی کان کی لوئیں جلتی محسوس کی تھیں۔

"میں تمہیں ہر طرح کی خوشی دے سکتا ہوں۔ تمہاری پرموشن بھی کروا دوں گا۔ بہت اچھا وقت گزرے گا ہمارا۔" وہ نجانے اور کیا کیا کہنے والے تھے کہ وہ غصے سے کھڑی ہوئی تھی اور خاموشی سے خارجی دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

"سوزی۔۔۔ کدھر جا رہی ہو۔" وہ یک دم اس کے اٹھنے پر خود بھی اس کے پیچھے آئے تھے۔

"خبردار جو مجھے سوزی اپنی گندی زبان سے پکارا۔ اس نام سے پکارنے کا حق صرف اور صرف کرنل ایڈگر کو ہے۔ سمجھے آپ" وہ آدھے راستے تک پہنچی تھی جب ان کے پکارنے پر بل کھاتی ناگن کی طرح پھنکارتی پلٹی تھی۔

"ہونہہ وہ بڈھا کرنل۔ ارے سب تم دونوں کے رشتے کو کیا کہتے ہیں۔ تمہیں اندازہ بھی ہے۔" وہ بدتمیزی سے اس کا راستہ روکے اس کے آگے کھڑے ہوئے تھے۔

"آئی ڈیم کیئر۔" (مجھے کسی کی پروا نہیں ہے) اس نے سختی سے کہتے انہیں ایک طرف ہونے کا اشارہ کیا تھا اور ساتھ ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے خاموش نظروں سے اسے جانے کا کہا تھا۔

"تم جانتی ہو میجر! اس سب کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ میں تمہارا کورٹ مارشل بھی کروا سکتا ہوں اور وہ بچہ جسے تم لیے پھر رہی ہو اپنی کنواری ممتا کی تسکین کے لیے وہ بھی میری ہی اجازت کی وجہ سے آج تمہارے پاس موجود ہے۔" وہ اسے دروازے سے باہر نکلتے دھمکیاں دینے لگے تھے۔ جنرل کے قدم باہر رکھتے ہی اس نے جلدی سے دروازہ بند کیا تھا۔ اور نجانے کب سے رکے ہوئے آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ جنرل ولسن بھی اتنے گھٹیا ہو سکتے ہیں۔ اس نے ڈیوڈ سے سچی اور پاکیزہ محبت کی تھی۔ اس کے جذبے بے حد خالص تھے، مگر ڈیوڈ کی بے وفائی نے اس کے سب بھرم چکنا چور کر کے رکھ دیے تھے۔ نجانے کتنی دیر وہ دروازے کی پشت سے ہی لگی سسکتی رہی تھی کہ اسے اچانک جنرل کی ایڈم کے بارے میں کہی بات یاد آئی تھی۔ وہ چپ نہیں بیٹھے گا اپنی بے عزتی پر، یہ وہ جانتی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی کمرے تک آئی اور پھر بیڈ پر لیٹے ایڈم کو اٹھا کر سینے سے لگایا تھا۔ اسے جلد سے جلد کچھ کرنا ہے۔ ایڈم کو دیوانہ وار چومتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے چہرے کو سیاہ چادر سے اچھی طرح ڈھانپتے برق رفتاری سے قدم آگے بڑھائے تھے۔ قصبے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تھی۔ وہ بے حد مسرور تھا۔ آج پورے آٹھ ماہ بعد وہ اپنے قصبے واپس آیا تھا۔ اس نے سرشاری سے سر کو اٹھاتے سامنے شروع ہونے والی آبادی کو دیکھا تھا۔ جس میں اس کا گھر اس کی جنت موجود تھی۔ بابا، غریدہ اماں اور میرا بیٹا۔ سب اچانک اسے سامنے پا کر کتنے خوش ہوں گے۔ خوب صورت خیالوں نے اس کے دل کو گدگدایا تھا اس سے پہلے کہ شاہ خورشید بھی اس پر اپنے جلوے بکھیرتا اس نے تیزی سے قدم اپنے گھر کی سمت بڑھائے تھے، مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ افق کے اجالوں میں اس کی تقدیر کے اندھیرے پنہاں ہیں۔ وہ بے خبر تھا، مگر تقدیر بے خبر نہیں تھی۔

گلی کی نکڑ پر پہنچتے ہی اس کی نگاہ جو اپنے گھر کی جانب اٹھی تھی تو پھر جھکنا بھول گئی تھی۔ چادر اس کے منہ پر سے پھسلتی کندھوں سے ڈھلک کر اس کے قدموں میں جا گری تھی یک دم ہی اسے اپنے جسم سے روح نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے صدمے سے گنگ ہوتے حیرت بے یقینی سے پلکیں جھپکی تھیں اور پھر دیوانہ وار اپنے گھر کی جانب بھاگا تھا۔ دروازے کی اجڑی چوکھٹ کو کپکپاتے ہاتھوں سے تھامے وہ بے یقینی سے اندر کی حالت زار دیکھنے لگا تھا۔ لکڑی کا بیرونی دروازہ ٹوٹ کر صحن میں گرا ہوا تھا اپنے مردہ و بے جان وجود کو گھسیٹتا وہ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ پورا مکان تباہ ہو کر ہیبت کدے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ گولیوں کی بوچھاڑ کے آثار دیواروں میں بڑے بڑے شگافوں کی صورت ظاہر ہو رہے تھے۔

"ماں جی! یہ اس لیے آپ کو ستاتا ہے کیوں کہ آپ اس کے اتنے لاڈ جو اٹھاتی ہیں۔ اکلوتا ہے نا اس لیے نخرے دکھاتا ہے۔" صحن کے درمیان چارپائی پر وہ

ماں جی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا جب غریدہ نے پاس بیٹھتے کہا تھا اور وہ تینوں ہنسنے لگے تھے۔ وہ اجڑے ہوئے صحن میں کھڑا ماضی کے قہقہوں کی گونجیں محسوس کر رہا تھا جو چاروں طرف نوحہ کناں تھیں اب۔ اس کی آنکھوں کے سوتے خشک تھے اور لب جامد' ماضی کی آوازوں کے شور کو پیروں تلے روندتا وہ کمروں کی طرف بڑھا تھا۔ دائیں طرف والے کمرے کے دروازے کے درمیان فرش پر جمے خون کو دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخا تھا اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا تھا۔ وہ دیوانہ وار فرش پر ہاتھ پھیرتے چیخ رہا تھا۔ اس کی چیخوں سے در و دیوار ایک بار پھر بین کرنے لگے تھے۔ وہ اپنی بے بسی پر دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ اور وہ بے خبر رکھا گیا تھا اس کی دنیا اس کی جنت اجڑ چکی تھی۔ اس کے منہ سے کف بہنے لگا تھا۔ اس کے حلق کی رگیں پھٹنے کو تھیں۔ اس پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ڈیڈ پلیز! ہیلپ می۔" کرنل ایڈگر کے گھر پہنچتے ہی اس نے انہیں تمام صورت حال بتائی تھی۔

"سوزی! میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ تم ہمارے ساتھ ادھر رہو' مگر تم نے میری ایک نہ سنی کبھی اور اب انجام بھی دیکھ لیا من مانی کا۔" اس سے پہلے کہ کرنل ایڈگر کچھ بولتے مسز ایڈگر نے سوزیلا کو کہا تھا۔

"ایزی وے! تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاب کے حوالے سے تو پریشان مت ہو۔ فکر صرف ایڈم کی ہے وہ اب کسی صورت بھی اسے تمہارے پاس نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی معقول جواز ہے اس کو اپنے پاس رکھنے کا۔" کرنل ایڈگر نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں اسے کھو کر جی نہیں سکوں گی ڈیڈ۔ پلیز ڈو سم تھنگ پلیز۔" وہ بے چارگی سے کہتی ان کے قدموں میں آ بیٹھی تھی۔

"میں اسے ایک بہت اچھی زندگی دینا چاہتی ہوں ڈیڈ۔ ممتا سے بھری زندگی جس کا یہ حق دار تھا اور جو میں نے چھین لی ہے اس سے' اس کی خاطر جینا چاہتی ہوں اب۔ اپنی زندگی کو اس کے نام کرنا چاہتی ہوں۔" گود میں رکھے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر وہ سسکنے لگی تھی۔

"سوزی ایک باپ کی محبت کے بغیر تم اسے کیسے اچھی زندگی دو گی۔ کیا تمہیں نہیں لگتا تم کچھ نظر انداز کر رہی ہو۔" کرنل ایڈگر نے پر شفقت انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں۔" اس نے گالوں پر سے آنسو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ان کو دیکھا تھا۔

"تم یہ کیوں نہیں سوچ رہی کہ اس کا باپ ابھی زندہ ہے۔ جس کے پیچھے انٹیلی جنس لگی ہوئی ہے۔ اگر وہ پکڑا جاتا ہے یا وہ خود اپنے بچے کی خاطر تمام شرائط تسلیم کر لیتا ہے تو بھی تم اس کو اپنے پاس نہیں رکھ پاؤ گی۔ وہ اپنے بچے کی خاطر کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔" انہوں نے ایڈم پر نگاہ ڈالتے تفصیلاً کہا تھا۔

"کرنل ایک باپ کی محبت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ محبت صرف ماں کر سکتی ہے اپنی اولاد سے باپ صرف انہیں دنیا میں لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور بس کچھ بھی نہیں۔" اس کا لہجہ یک دم ہی بے حد تلخ ہوا تھا۔

"نہیں سوزی۔ باپ کی محبت بھی اتنی ہی طاقت ور اور بے غرض ہوتی ہے جتنی کہ ماں کی' مگر چونکہ تمہاری زندگی میں پہلے تمہارے باپ نے اس رشتے کے بے حد بھیانک نقوش چھوڑے ہیں۔ اس لیے تم اس کی خوب صورتی کو کبھی محسوس نہیں کر سکی۔" وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اتنے میں کرنل ایڈگر کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ وہ منتظر نگاہوں سے کرنل ایڈگر کو دیکھ رہی تھی جو فون سننے کے بعد چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"ڈیڈ! آخر کس کا فون تھا آپ بتاتے کیوں نہیں۔" اس نے ہمت کر کے پوچھا تھا۔

"ہیڈ آفس سے کال تھی۔ تمہاری ٹرانسفر کر دی گئی

ہے۔ وہ بھی ایک پہاڑی علاقے میں جو کہ یہاں سے بے حد دور ہے اور بچے کی کسٹڈی تم سے واپس لے لی گئی ہے۔" کرنل ایڈگر نے یکے بعد دیگرے اس پر بم گرائے تھے۔ وہ گم صم سی انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"یہ سب اسی خبیث جنرل کی کارستانی ہے ڈیڈ۔ وہ گھٹیا انسان مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے اب۔ مجھے تنہا کرکے احساس دلانا چاہتا ہے کہ میں نے اس کی آفر کو ٹھکرا کر کتنی بڑی غلطی کی ہے۔" تنفر بھرے لہجے میں کہتے اس نے کرنل ایڈگر کو تائیدی انداز میں کہا تھا جس پر وہ اثبات میں سرہلانے لگے تھے۔

"ڈیڈ مجھے ٹرانسفر سے کوئی پرابلم نہیں۔ پہلی بار آپ لوگوں کے بغیر رہنا اگرچہ آسان نہیں ہوگا مگر میں یہ بھی سہ جاؤں گی، مگر ڈیڈ میں ایڈم کے بغیر نہیں جی سکتی۔ مجھے ہر حال میں اس کی کسٹڈی چاہیے۔ ڈیڈ پلیز۔" وہ کسی ننھے بچے کی طرح ضد کرنے لگی تھی۔

"سوزی مائی چائلڈ۔ اس وقت تم کوئی بھی قانونی یا اخلاقی حیثیت نہیں رکھتی ہو کہ بچہ تمہاری کسٹڈی میں دیا جائے۔ تمہارا کوئی بھی خونی تعلق نہیں ہے اس بچے سے۔ تم آخر یہ بات کیوں نہیں سمجھتی ہو۔" وہ جھنجلاتے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔

"تمہیں ہر حال میں یہ بچہ واپس کرنا ہے۔ تم جتنی جلدی اس حقیقت کو قبول کرلوگی تمہارے لیے بہتر ہوگا۔" انہوں نے سختی سے اسے کندھوں سے تھامتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے کہا تھا۔

"نہیں! میں اسے وہ تنہائی نہیں دے سکتی جو میں نے بچپن میں سہی ہے، میں اسے بے حد پیار دینا چاہتی ہوں۔ ایک مکمل زندگی دینا چاہتی ہوں، میں اسے لے کر بھاگ جاؤں گی ڈیڈ۔" اس نے جھپٹ کر مسز ایڈگر کی گود میں سوئے ایڈم کو اپنی گود میں لیا تھا اور سینے سے لگاتی درشتی سے بولی تھی۔

"سوزی یہ تم نہیں! تمہارے اندر کا مجرم بول رہا ہے۔" کرنل ایڈگر نے دکھ بھرے انداز میں کہا تھا۔

"تمہارے اندر کا گلٹ ہے، جو تمہیں اس بچے کے دن بدن اور نزدیک کرتا جارہا ہے۔ تمہارے لاشعور میں یہ احساس جرم چھپا بیٹھا ہے کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کی بے گناہ ماں کا قتل کیا ہے، مگر سوزی تم ان سب باتوں میں ایک بہت اہم بات کو نظرانداز کررہی ہو۔ تم اس بچے کی زندگی میں رہ جانے والے واحد حقیقی اور خونی رشتے کو بھی اس سے چھین رہی ہو۔ تم ممتا کے ساتھ ساتھ اس سے پدرانہ شفقت بھی چھین رہی ہو۔

یہ بچہ تمہاری غرض کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کے باپ کا سوال اس کے دماغ میں بھی ضرور ابھرے گا۔ کیا کہوگی اس سے۔" کرنل ایڈگر کے پوچھے سوال نے لاتعداد سوال اس کے سامنے کھڑے کردیے تھے۔ وہ کبھی بھی ایڈم کے لیے کچھ غلط نہیں سوچ سکتی۔ اس نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا تھا اور پر ام گھسیٹتی ہوئی گھر سے باہر نکل آئی تھی اور پھر سکون کی تلاش میں ایک چرچ میں داخل ہوگئی تھی۔

"سکون تلاشنے کے لیے دربدر بھٹکنا سکون کو اپنے سے دور کرنے کے مترادف ہے۔" فادر کی آواز پر اس نے حیرت سے اپنے دائیں جانب دیکھا تھا۔ وہ کسی نوجوان سے محو گفتگو تھے۔

"سکون اس مہک کی مانند ہے جو اسی سمت سے پھیلتی ہے جہاں سے اسے نکالا جاتا ہے۔ اسے حاصل کرنا ہے تو وہیں تلاشو جہاں اسے گنوایا تھا۔ اس کے کھونے کی وجہ میں ہی اس کے حصول کا راز پوشیدہ ہے۔ یہ صرف اثبات اور نفی کا کھیل ہے۔" ان کی باتوں نے اس کے اعصاب کو جھنجوڑ دیا تھا۔ وہ بھی تو سکوں کی ہی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ جسے کبھی وہ تنہائی میں تلاشتی تھی تو کبھی ایڈم کے وجود میں اور جس قدر تلاش رہی تھی وہ اسی قدر دور ہوتا جارہا تھا۔ اس کی زندگی گورکھ دھندے کی مانند ہوتی جارہی تھی۔

"بسا اوقات ہم اثبات کی سمت بڑھتے ہیں اور سکوں نفی میں پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ نفی کی سمت بڑھتا شعور اثبات میں پنہاں سکون کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔ جس کام کے کرنے میں سکون

نہیں اس کے چھوڑ دینے میں ہی سکون مل جاتا ہے۔ صرف بات آمادگی کی ہے۔ خود پر جبر کر کے اپنی ذات کی آمادگی حاصل کر لو گے تو سکون بھی پا لو گے۔" فادر اپنی ہمراہی میں لیے نوجوان کو آگے بڑھ گئے تھے' مگر وہ سن سی کھڑی تھی۔ فادر کی باتوں کے تانے بانے کہیں نہ کہیں اسے اپنی زندگی کی کہانی بنتے محسوس ہوئے تھے۔ تو کیا میری ذات کا سکون بھی میری ذات کی آمادگی میں چھپا ہے۔ کیا ایڈم کی زندگی کی خوشیاں' اس کا سکون میرے اثبات میں پنہاں ہے۔ ان گنت سوال اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ گھر آکر بھی اس کے دماغ میں فادر کی باتیں اور لفظ ہی گونج رہے تھے۔

کچھ عرصے کے لیے روس نے باغیوں اور شامی حکومت کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ طے کروایا تھا جس کے باعث ایڈم کا معاملہ بھی تھوڑا پس پردہ چلا گیا تھا۔ اس کی ٹرانسفر کروانے کے لیے کرنل ایڈگر اپنی پوری کوشش کر رہے تھے' مگر ان سب باتوں کے باوجود اس کے پاس کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لیے وقت بے حد کم تھا۔

"سکون کو وہیں تلاشو جہاں اسے گنوایا ہے۔" ایڈم کو فیڈر رینا کر دیتے اس کے ذہن میں ایک بار پھر فادر کی کہی بات گونجی تھی اور پھر یک دم ہی اس کے ذہن میں بجلی کا کوندا سا چمک تھا' کچھ لمحے سوچنے کے بعد وہ مطمئن سی ہو کر فون کی طرف بڑھی تھی۔

☼ ☼ ☼

گاڑی تیز رفتاری سے ائیرپورٹ کی جانب دوڑ رہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے ہینڈ بیگ میں موجود سامان کو چیک کیا تھا۔ اس نے اپنا موبائل آف کر دیا تھا تاکہ جنرل ولسن کے تعاقب سے کچھ دیر پیچھا چھڑوا سکے۔ ویسے تو اس کی کوشش زیادہ کارگر نہیں تھی کیوں کہ روسی انٹیلی جنس اسے موبائل کے بغیر بھی باآسانی ٹریس کر سکتی تھی' مگر پھر بھی وہ تمام احتیاطی تدابیر بروئے کار لا کر جلد سے جلد نکل جانا چاہتی تھی۔

"سوزی۔۔۔ چند فیصلوں کے نتائج بھگتنے میں عمریں آخری حدوں کو چھونے لگتی ہیں مگر اذیت ختم نہیں ہوتی۔" گاڑی کی اسپیڈ کم کرتے کرنل ایڈگر نے ایک بار پھر اسے تنبیہہ کی تھی۔

"جانتی ہوں ڈیڈ۔۔۔ مگر میں اب مزید کسی کی بھی زندگی سے کھیلنا نہیں چاہتی اور نہ ہی کسی کو یہ اجازت دوں گی کہ وہ کھیلے۔" اس نے بیک سیٹ پر رکھی پرام میں سوئے ایڈم کو ایک پیار بھری نظروں سے دیکھا تھا اور مطمئن سی ہو کر آگے دیکھنے لگی تھی۔

"تمہاری جان مزید خطرات میں گھر جائے گی۔۔۔ ایسا نہ ہو تم دونوں طرف سے تہی داماں رہ جاؤ۔" انہوں نے آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے کہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جیسے ہی جنرل ولسن کو سوزی کے فیصلے کا علم ہو گا وہ سکون سے نہیں بیٹھے گا۔

"میں نے اس کا حل سوچ لیا ہے کرنل۔" اس نے خاموشی سے اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالتے کہا تھا۔ اور ایک لفافہ نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھتے کرنل ایڈگر کی سمت دیکھا تھا جو گاڑی چلاتے اب اس کو حیران نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ میرا ریزگنیشن لیٹر ہے اور اس کے ساتھ ہی میرا میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی ہے جو کہ مجھے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے مس فٹ قرار دیتا ہے۔ اس کو دیکھنے کے بعد جنرل ولسن کوئی بھی کارروائی نہیں کر سکے گا میرے خلاف جاب چھوڑنے کی۔" اس نے تفصیلاً بتایا تھا۔ اس سے پہلے کہ کرنل ایڈگر کچھ کہتے ائیرپورٹ آچکا تھا۔

"سوزی۔۔۔ خود کو تنہا مت سمجھنا۔ میں ہمیشہ ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں۔" گاڑی سے اترنے سے پہلے انہوں نے پر شفقت انداز میں کہا تھا۔ اور وہ خاموشی سے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتی اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔ نجانے اس نئے سفر کی منزل کیا ہو گی وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ اس نے خار دار راہوں پر قدم رکھ لیے تھے اب پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج پورے پانچ ہفتوں بعد وہ پھر اسی جگہ کھڑی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پانچ ہفتوں پہلے ان ہی گلیوں میں، گھروں میں، محلوں میں زندگی بستی تھی اور آج موت نے اس گلستان کو نخلستان بنا ڈالا تھا۔ مکان کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے تھے۔ گلی محلے اجڑ کر ویران ہو چکے تھے۔ مختلف فوجی کارروائیوں کی بدولت پورا قصبہ تباہ ہو کر ملبے کی صورت اختیار کر چکا تھا' ان ہی آدھ گرے مکانوں میں ابھی بھی لوگ زندگی کی بہتری کی آس لیے بے حد ابتر حالت میں شب و روز گزار رہے تھے۔ وہ ٹوٹے پھوٹے راستے پر ایڈم کو گود میں لیے سنبھل کر چلتی اسی چوکھٹ پر آکر رکی تھی۔ اس نے ٹوٹے دروازے کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے اس شام کے خون آشام مناظر کسی فلم کی طرح چلنے لگے تھے۔ اس کی ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔ اس نے ایڈم کو زور سے سینے سے لگاتے والہانہ پیار کیا تھا۔ وہ خود سے اسے جدا کرنے کا حوصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ ان پانچ ہفتوں میں وہ اس سے بے حد مانوس ہو چکا تھا۔ وہ بھی اس کے وجود سے اپنی ممتا کی تسکین ہونے پر بے حد خوش تھی۔ وہ کیسے اس کے بغیر رہے گی۔ کیسے اسے اپنے سے الگ کر کے اس شخص کے حوالے کرے گی جس کی وہ مجرم تھی۔ ایڈم کی جدائی کا دکھ اور اپنی ہار کی تسلیم کے احساسات نے اس کے بدن کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے اپنے اندر صدیوں کی مسافت کی تھکن محسوس ہونے لگی تھی۔ نجانے اس شخص کا ردعمل کیا ہوگا' نجانے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا جب اسے معلوم ہوگا کہ وہی اس کی خوشیوں کی قاتل ہے۔ یک دم ہی اس کے پورے جسم میں ایک انجانا سا خوف پھیلا تھا۔ اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی مگر قدم جامد ہو چکے تھے۔ اور پھر وہ اندھا دھند واپس بھاگی تھی۔ اس کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔ بے تحاشا روتے وہ بھاگتی جا رہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ گلی کی نکڑ پر کھڑے کسی کی نگاہوں نے بہت دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

واپس ہوٹل پہنچ کر کتنی دیر وہ سوچتی رہی کہ کیسے اس شخص تک رسائی حاصل کرے۔ کرنل ایڈگر نے درست کہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب بے حد مشکل ہوگا اور اس بات کا احساس اسے اب اچھی طرح ہونے لگا تھا۔ وہ یہاں کسی کو بھی نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اپنی موجودگی کو سب پر ظاہر کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس معاملے میں روسی آرمی مداخلت کرے۔ وہ اس بات کو جلد سے جلد ختم کر دینا چاہتی تھی تاکہ اس کے دل پر پڑا بوجھ اتر سکے۔ وہ کسی کی بھی مدد نہیں لے سکتی تھی کیونکہ وہ کسی پر بھی بھروسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ موبائل آف ہونے کی وجہ سے وہ کرنل ایڈگر سے بھی رابطہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ انہیں سوچوں میں گم تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کی سوچوں کے ارتکاز کو توڑا تھا۔

"لیس۔" ویٹر کا سوچتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تھا مگر سامنے ایک اجنبی کو کھڑے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تھا۔

"میرا نام اسد جان ہے۔ میں احمد کا دوست ہوں۔ جس کے گھر کے سامنے آپ کافی دیر سے کھڑی تھیں۔" آنے والے نے تفصیلاً جواب دیتے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

✡ ✡ ✡

وہ مسجد کے اندر برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے پاؤں پسارے بیٹھا تھا۔ جب اسد نے اسے پکارا تھا۔ اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولتے اپنے سے کچھ دور کھڑے اسد کو دیکھا تھا۔

"احمد۔۔۔ تم سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔" اسد نے گھٹنوں کے بل بیٹھتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"مجھ سے۔۔۔ مجھ سے کون ملنا چاہتا ہے۔" احمد نے شہادت کی انگلی کو سینے کی طرف کرتے زخمی انداز میں کہا تھا۔

"کوئی ہے جو تمہاری امانت کو تمہارے سپرد کرنا

چاہتا ہے۔ تم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتا ہے۔" اسد کہتے ہوئے کھڑا ہوا تھا اور مسجد کے صحن میں ابھرنے والے وجود کی طرف اشارہ کیا تھا۔ احمد نے اس کے اشارے کے تعاقب میں کھڑے اس وجود کی طرف نگاہ اٹھائی تھی۔ اور پھر ستون کا سہارا لیتے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ... کون۔" صحن کے درمیان میں گود میں بچہ اٹھائے اس نے حیرانگی سے اس سفید فام لڑکی کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"احمد... موسیٰ آگیا۔" اسد نے خوشی سے چور لہجے میں صحن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"م... مو... موسیٰ... میرا... میرا موسیٰ۔" اس کے لفظ حلق میں اٹکنے لگے تھے۔ اسد نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلاتے خوشی سے در آنے والے آنسوؤں کو ضبط کیا تھا۔

"موسیٰ... میرا موسیٰ... میرا بچہ۔" وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا اس کی سمت آیا تھا اور والہانہ انداز میں پوری شدت سے اس کی گود میں سے موسیٰ کو لیتے پیار کرنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ وہ اس کے ہر ہر عضو کو بوسہ کرتے دیوانوں کی طرح رو رہا تھا۔ باپ کی محبت سے یکسر انجان وہ حیرت سے گنگ کھڑی اس لمحے اس کی محبت کی شدت کا اندازہ نہیں کرپارہی تھی۔ وہ لبوں پر حیرت سے ہاتھ رکھے آنکھوں سے آنسو بہتے انہیں تکے جارہی تھی۔ پہلی بار اسے اندازہ ہوا تھا کہ زندگی میں کسی سے کچھ چھین لینا۔ اور کسی کو کچھ دان کرنا دونوں ہی بے حد مختلف احساسات ہیں۔ وہاں پر موجود ان تینوں نفوس کی آنکھوں سے اشک رواں تھے مگر ہر ایک کے اشکوں کی وجہ اور نوعیت مختلف تھی۔ یہ اشک بھی کتنی عجیب چیز ہیں۔ دکھ میں بھی سہارا دینے چلے آتے ہیں اور خوشی میں بھی۔

وہ بے تحاشا روتے ہوئے کچھ بڑبڑاتے اسے اپنے سینے سے لگائے شدت سے پیار کررہا تھا۔ اسے یک دم اپنے سینے سے بھاری بوجھ ہٹتا محسوس ہوا تھا۔ شاید نہیں بلکہ یقیناً" اس کا فیصلہ درست تھا۔ اب چاہے وہ کتنا ہی کڑی دھوپ میں جلے اسے پروا نہیں تھی۔ اس نے اپنا سکون گنوا کر پھر سے حاصل کرلیا تھا۔ ستارے آسمان سے چھین کر اپنے دامن میں سجائے نہیں جاتے بلکہ ان کی روشن اور ٹھنڈک کو محسوس کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی چھین کر حاصل نہیں کی جاتی۔ یہ اس مہک کی مانند ہے، جو چند پل کے لیے ہی سہی مگر آپ کے گھر آتی ضرور ہے۔

"مجھے معاف کردو میرے بیٹے... میں نے چھین لیے تم سے بھی سارے رشتے۔" وہ نجانے کب تک اپنی سوچوں میں گم رہتی کہ احمد کے بین اسے حال میں کھینچ لائے تھے۔ وہ اب صحن کے درمیان ہی گھٹنوں کے بل بیٹھا چیخ چیخ کر رو رہا تھا موسیٰ' اسد کی گود میں تھا۔ اور وہ گم صم کھڑی تھی۔ وہ کیسے بتاتی کہ یہ جرم اس کا ہے۔ اس کا بدن یک دم شکستگی سے چور ہوا تھا۔

"احمد... یہ تم سے معافی مانگنا چاہتی ہے۔" وہ بوجھل دل کے ساتھ پلٹ کر جانے والی تھی کہ اسد کی آواز پر احمد کے بین تھمے تھے اور یک دم ہی اس کا دل انجانے خوف سے دھڑکا تھا۔ خود کو کٹہرے میں لا کھڑا کرنا شاید سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ اور وہ اسی مشکل سے گزر رہی تھی۔

"مگر کیوں... کون ہے یہ۔" آستینوں سے آنسو پونچھتے اس نے سر اٹھا کر اس کو غور سے دیکھا تھا۔

"اس رات تمہارے گھر پر ہونے والے حملے میں یہ بھی شامل تھی۔" اسد نے گویا دھماکا کیا تھا۔

"میں نے دانستہ یہ سب کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا یقین کرو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہیں۔ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ مرد ہیں یا خواتین۔ میں نے انجانے میں فائر کا آرڈر دیا پلیز... پلیز مجھے معاف کردو۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتا وہ خود ہی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھ کر سسکنے لگی تھی۔

"کاش تم اللہ کے گھر میں نہ بیٹھی ہوتیں تو میں تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دیتا۔" وہ زہرخند انداز میں کہتا یک دم کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر

آیا تھا۔

"میں نے جان کر نہیں کیا تھا وہ سب' میرا یقین کرو میرے دل پر بے حد بوجھ ہے۔ میں کتنی راتوں سے سکون سے سو نہیں پائی۔ تم مجھے معاف کر دو۔ میں ایڈم کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں نے یہ سب انجانے میں کیا۔"

"تم عورت ذات نہ ہوتیں تو میں تمہیں عبرت ناک سزا دیتا۔ تم نے میری زندگی کو خالی کشکول بنا کر رکھ دیا۔"

"احمد...... اسے معاف کر دو۔ اللہ پاک معاف کر دینے والوں کو پسند فرماتا ہے اور پھر اسے اپنے کیے پر ندامت ہے۔ اور یہ احساس بھی پروردگار اپنے خاص بندوں کے دلوں میں ہی جگاتا ہے۔ پھر اس کی بدولت تمہیں موسیٰ بھی تو مل گیا نا۔" اسد نے موسیٰ کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے اسے احمد کی طرف بڑھاتے کہا تھا۔

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرا پروردگار بھی تمہیں معاف کرے۔ جاؤ۔" وہ موسیٰ کو گود میں لے کر پیار کرتے دھیرے سے کہتا کھڑا ہوا تھا اور پھر مسجد کے برآمدے کی سمت قدم بڑھائے تھے۔

"مجھے آخری بار ایڈم کو پیار کرنے دو۔ بس ایک بار پلیز۔" وہ تڑپ کر چیخی تھی۔ اس کے بڑھتے قدم ساکت ہوئے تھے۔

"نہیں...... یہ میرا ہے صرف میرا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ میں عورت کا تقدس بھول کر انتقام پر اتر آؤں۔ جاؤ۔" وہ رخ پھیرے بنا دھاڑا تھا۔

"پلیز مجھے ایک بار اسے گود میں لینے دو۔ میں نہیں رہ سکتی اس کے بنا میں اس سے بے حد محبت کرتی ہوں۔" وہ تڑپنے لگی تھی۔ اسے لگا تھا وہ اب ایک پل بھی سانس نہیں لے سکے گی۔ بے تحاشا گھٹن نے اس کے پورے وجود کو جکڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اس کی آنکھوں کے سامنے گہرا اندھیرا چھایا تھا۔ بند ہوتی آنکھوں سے اس نے ایک سائے کو تیزی سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔

میں نے ایک دکھ بھری نظر چارپائی پر بے ہوش لیٹی سوزیلا پر ڈالی تھی۔ اور پھر چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ جس دن وہ احمد کے گھر پہلی بار آئی تھی اسی پل اسد بھی احمد کے گھر آ رہا تھا۔ اگرچہ گھر مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا مگر انہوں نے کچی اینٹوں سے ایک کمرہ بنایا تھا۔ جس میں ضروری کھانے پینے کی اشیاء اسد نے لا کر رکھی تھی۔ اجنبی لڑکی کو کھڑے دیکھ کر وہ دور ہی رک گیا تھا اور پھر اس نے روتے ہوئے اسے بھاگتے دیکھا تھا کچھ غیر معمولی پن کا احساس اسے اس کے تعاقب پر مجبور کر گیا تھا اور وہ اس کے پیچھے ہوٹل جا پہنچا تھا جو کہ قصبے سے کافی دور نسبتاً" پرامن علاقے میں تھا۔ اور پھر اس کے بے حد اصرار پر اور مدد کرنے کی یقین دہانی پر وہ سب کچھ بتانے لگی تھی۔ احمد کے گھر پر حملہ' ایڈم کو کسٹڈی میں رکھنا۔ ایڈم سے والہانہ محبت کے سوال کے جواب پر اس نے مختصرا" اپنے آپ پر بیتنے والی ناگہانی سنائی تھی۔ اور اسد کو اس کی تنہا زندگی اور پے در پے واقعات کے رونما ہونے پر بے حد ترس آیا تھا۔ اور اس نے اسے پوری تسلی دی تھی کہ وہ اس کی مدد ضرور کرے گا۔ اس نے احمد کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اسے معاف کر دے۔

اسے بے ہوش ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ ان گزرے گھنٹوں میں اس نے بہت بار احمد کو یہ احساس دلایا تھا کہ موسیٰ کو وہ لڑکی بے حد پیار کرتی ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک بھی نہیں تھا اسے۔ یہ سچ تھا کہ وہ اپنی جان کو خطروں میں ڈال کر اپنا سب کچھ چھوڑ کر صرف موسیٰ کو بہ خیریت اس تک پہنچانے آئی تھی۔ مگر وہ اپنے ماں باپ' بیوی کے قاتل کو معاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ موسیٰ اس کی کمزوی تھا اور وہ اسی کی جدائی کے ذریعے اسے سزا دینا چاہتا تھا۔

"ایڈم۔" وہ نیم بے ہوشی میں بھی اسے پکارے جا رہی تھی۔ باہر کھڑا اسد اس کی آواز پر جلدی سے کمرے میں آیا تھا اور پاس پڑے گلاس سے پانی ہتھیلی پر گرتے اس کے منہ پر چھڑکنے لگا تھا۔

"سسٹر! ہوش میں آؤ۔" اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولتے اردگرد کا جائزہ لیا تھا۔ وہ کہاں تھی اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پاس کھڑے اسد کو

سہمی نظروں سے دیکھا تھا۔

"وسٹر... کیسی ہو۔ پانی پی لو۔" گلاس دیکھتے ہی اسے پیاس کی شدت محسوس ہوئی تھی۔ قدرے توقف سے اس کے اوسان بحال ہوئے تھے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے گلاس لبوں کو لگایا تھا۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔" اسے پانی پیتے دیکھ کر اس نے تیزی سے قدم باہر کی طرف بڑھائے تھے۔ اس نے خالی گلاس فرش پر رکھتے ارد گرد کا جائزہ لینا شروع کیا تھا۔

یہ ٹوٹا ہوا خستہ حال کمرہ تھا۔ اس نے اپنے اوپر پڑی میلی سی چادر کو دیکھا تھا اور اس کے دل میں یک دم ہی ان لوگوں کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوا تھا۔ اسد کے سسٹر پکارنے پر اسے بے حد شاک لگا تھا۔ زندگی میں یہ لفظ کوئی اتنی اپنائیت سے بھی اس کے لیے استعمال کر سکتا ہے یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اسے ان کا اخلاق اور آداب بے حد متاثر کن لگے تھے۔ یک دم ہی اسے جنرل ولسن کا خیال آیا تھا۔ ادھیڑ عمر میں ہوس سے بھری نگاہیں لیے وہ کیسے اس کی تنہائی پر ٹوٹ پڑنے والے تھے اور ڈیوڈ... ہاں وہ بھی تو اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرتا رہا تھا۔ گزرے وقت کی تلخیوں نے یک دم اس کے حلق تک میں کڑواہٹ بھر دی تھی۔

"وسٹر... یہ کچھ پھل ہیں۔ یہ کھاؤ۔" اسد پلیٹ میں کچھ لیے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا وہ راضی ہوا۔" اس نے اسد کی بات کو نظر انداز کرتے تیزی سے بیٹھتے امید بھرے انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں۔" پلیٹ چارپائی پر رکھتے وہ مایوس کن انداز میں بولا تھا۔

"شاید یہی میری سزا ہے کہ میں تشنہ لب ہی واپس پلٹ جاؤ۔" اس نے چہرے کو گھٹنوں پر ٹکاتے کہا تھا۔

"ایک اور حل ہے سسٹر اس کا اگر تم چاہو تو..." اسد نے پاس پڑی چارپائی پر بیٹھتے کہا تھا۔

"تمہاری رشتوں سے خالی زندگی سچے اور پاک رشتوں سے بھر جائے گی۔ مگر اس کے لیے تمہارے دل کی آمادگی ہونا شرط لازم ہے۔" وہ یک دم چونکی تھی۔ کچھ ایسی ہی بات تو فادر کر رہے تھے۔

"مقدس بی بی کیا تمہیں احمد ابو زید اپنے نکاح میں قبول ہے۔" اور اس نے خاموشی سے جھکے سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔ یک دم ہی مسجد کے چھوٹے سے صحن میں مبارک سلامت کا شور بلند ہوا تھا۔ اس نے اپنے منہ پر گرے دوپٹے کو تھوڑا اٹھاتے ہوئے سب کی طرف دیکھنا چاہا تھا۔

"اوں ہوں... بہنا گھونگھٹ مت اٹھاؤ۔ بہت سے اجنبی مرد کھڑے ہیں ابھی۔" اسد کی پیار بھری سرزنش پر اس نے جھینپ کر گھونگھٹ گرایا تھا۔

وہ بے حد خوش تھی۔ اسے پیار' محبت اور عزت سب کچھ حاصل ہو چکا تھا اب وہ سوزیلا نہیں مقدس احمد بن چکی تھی۔ کرنل ایڈگر نے صحیح کہا تھا کہ جب آپ کہیں لوٹ نہیں سکتے تو خود کو آگے بڑھنے کے بہترین راستوں کی تلاش میں چھوڑ دو۔ راستے خود بخود منزلوں کا تعین کرنے لگتے ہیں۔ ایڈم کی بے چینی نے احمد کا دل اس کے لیے نرم کر دیا تھا۔ وہ اس کے لمس کا بے حد مانوس و عادی ہو چکا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ موسیٰ کی وجہ سے اور کچھ اسد کی وجہ سے احمد ابو زید نے یہ فیصلہ کیا ہے مگر اسے اپنے جذبوں کی صداقت پر پورا بھروسا تھا۔ وہ اپنی بے لوث محبت سے ایک نہ ایک دن اس کا دل ضرور جیت لے گی۔ اس نے دل ہی دل میں خود سے عہد کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ تینوں اس علاقے سے نقل مکانی کرنے والے تھے۔ مہاجرین شام کے لیے بہت سے ممالک نے اپنی سرحدوں کو کھول دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس ملک سے ہجرت کر کے کسی نئے ملک جانے کے لیے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ ایک نئے سفر کا آغاز کرنے سے پہلے اس نے خوشیوں بھری زندگی کی دعا کی تھی کہ اب ہر انجان راستہ ہمراہی کے سنگ تھا۔

☆ ☆

شفق افتخار

اسے آج بینک سے نکلنے میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ حالانکہ امی نے خاص تاکید کی تھی کہ آج اسے جلدی گھر پہنچنا ہے۔ کیونکہ گھر پہ کچھ مہمان آرہے ہیں اور وہ ان لوگوں سے اسے ملوانا چاہتی ہیں۔ مگر آج ہی ایک میٹنگ کی وجہ سے اسے نکلنے میں دیر ہو گئی تھی اور شومئی قسمت آگے مین روڈ پہ جا کے اسے ٹریفک بھی جام ملا۔ آدھا گھنٹہ انتظار کے بعد اس نے بمشکل وہاں سے گاڑی واپس موڑی تھی اور پارک والے راستے پہ گاڑی ڈال دی تھی۔ یہ اس کے گھر جانے کا شارٹ کٹ راستہ تھا۔ پر وہ نہیں جانتی تھی کہ آج یہ شارٹ کٹ اسے مہنگا پڑنے والا تھا۔ اس کی گاڑی فل اسپیڈ سے جا رہی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ روڈ تقریباً خالی ہی تھا کہ پارک کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک ہی ایک، کتا اس کی گاڑی کے سامنے آیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر بریک مارنے کی کوشش کی تھی۔ مگر باوجود کوشش کے اتنی اسپیڈ میں جب تک بریک لگی تب تک وہ، کتا تو دوڑ کے آگے نکل گیا تھا۔ جبکہ اس کا مالک جو اس کے پیچھے آرہا تھا۔ وہ ضرور آکر گاڑی سے ٹکرا گیا تھا۔ وہ بریک لگتے ہی گاڑی روک کر نیچے اتر آئی تھی۔ شکر ہے کہ وہ بندہ گاڑی سے ٹکرایا ضرور تھا، مگر ٹکرا کر گرا نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں۔" عینا نے تیزی سے اس کے پاس پہنچ کر کہا تھا۔

"کیا میں آپ کو ٹھیک نظر آرہا ہوں محترمہ۔" وہ بندہ خاصے تپے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"نہیں میرا مطلب تھا کہ آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔" وہ اس کے انداز سے خائف ہو کر اس سے پوچھ رہی تھی۔ جواب میں اس بندے نے خاصی تیکھی نظر سے اسے دیکھا تھا۔ عجیب لڑکی تھی۔ اسے میرا زخمی ہاتھ نظر نہیں آرہا گیا۔ جو بار بار پوچھ رہی ہے۔

"نہیں، میرے کہنے کا مطلب ہے کہ....."

"کیا مطلب ہے آپ کا میڈم کہ میری جب ہڈی پسلی ٹوٹتی تب آپ کو یقین آتا کہ میں واقعی میں زخمی ہوا ہوں یا نہیں۔" تب ہی عینا کی نظر اس کے ہاتھ سے ٹپکتے خون پہ پڑی تھی۔

"او مائی گاڈ..... آپ کا ہاتھ تو خاصا زخمی ہے۔ پلیز آئیں میں آپ کو ہاسپٹل لے کر چلتی ہوں، آیئے پلیز۔" عینا نے اسے کہتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا، تاکہ وہ بیٹھ سکے۔ وہ ذرا سا لڑکھڑاتے ہوئے گاڑی میں آبیٹھا تھا۔ تب ہی عینا کو محسوس ہوا کہ شاید اس کی ٹانگ بھی زخمی ہے۔ کیونکہ گھٹنے کے پاس سے اس کی پینٹ گیلی گیلی سی محسوس ہو رہی تھی، یعنی خون رس رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے، کیا یہ بھی ہمارے ساتھ جائے گا۔" خوف اور دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔ جب اس نے اسی کتے کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا دیکھا تھا۔ وہ گاڑی کی تیز رفتاری سے گھبرا کر بھاگ گیا تھا۔ پر کب وہ دوبارہ اپنے مالک کے

پاس آکھڑا ہوا تھا۔ عینا نے غور ہی نہیں کیا تھا اور اب جب نظر پڑی تھی تو اس کا سانس ہی خشک ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسے کتوں سے ڈر لگتا تھا۔ سو اس وقت وہ ایک کتے کو اپنی گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر برداشت نہیں کر پائی تھی۔

"ہاں لازمی بات ہے۔ یہ میرے ساتھ ہی جائے گا۔ اس سنسان سڑک پر میں اس بے چارے کو کہاں اکیلا چھوڑ دوں۔ یہ آپ کو کچھ نہیں کہے گا' آپ بے فکر ہو کر گاڑی چلائیں۔" اس بندے نے لاپروائی سے ٹشو باکس سے دو چار ٹشو کھینچتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن میں اس کی موجودگی میں گاڑی نہیں چلا سکتی۔" بیک مرر میں جھانکتی دو سرخ آنکھیں اس کے اوسان خطا کر رہی تھیں۔ وہ گاڑی کیا خاک چلاتی۔

"پھر نہیں... پھر میں کسی ٹیکسی سے ہاسپٹل چلا جاتا ہوں۔ ایک تو غلطی آپ کی اپنی ہے۔ پہلے تو اس بے چارے کو مارنے کی کوشش کی اور جب یہ خوش قسمتی سے بچ نکلا تو مجھ پہ چڑھائی کر دی اور اب اس کو ساتھ بٹھانے سے بھی انکاری ہیں۔ یعنی کہ حد ہے

افسوس ہوتا ہے مجھے آپ کی سوچ پہ۔ ویسے آپ لڑکیوں کو جب ڈرائیونگ آتی نہیں ہے تو آپ اتنے رش آور میں گاڑی لے کر نکلتی کیوں ہیں۔"

وہ اس وقت اپنے ہاتھ سے نکلتے خون کو روکنے میں مصروف تھا۔ جو کہ رک نہیں رہا تھا' مگر ساتھ ساتھ زبان بھی مسلسل چل رہی تھی۔

"او ہیلو مسٹر۔۔۔ میں کیوں اس کو مارنے کی کوشش کروں گی۔ آپ کا ڈوگ خود ہی میری گاڑی کے سامنے آگیا تھا اور اسے بچاتے بچاتے آپ سامنے آگئے' تو میں کیا کروں اور رہی بات ڈرائیونگ کی تو میں اٹھارہ سال کی عمر سے گاڑی چلا رہی ہوں اور باقاعدہ لائسنس بھی ہے میرے پاس اور آج تک کبھی کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔"

وہ تو تپ ہی اٹھی تھی۔ وہ ایک کتے کی خاطر اسے سنا رہا تھا اور ایک ایسی غلطی کے لیے جو اس نے کی ہی نہیں تھی۔ تب ہی عینا کی نظر اس کے ہاتھ پہ پڑی تھی۔ جہاں خاصا گہرا کٹ لگا تھا اور اس میں سے ابھی بھی خون رس رہا تھا اور خون کو روکنے کے لیے رکھے گئے ٹشو بھی رس چکے تھے۔ اس کا دل ایک دم ہی ہمدردی سے بھر اتھا۔ اس نے فوراً" بیگ سے رومال نکال کر اسے دیا تھا' تاکہ وہ اسے اپنے ہاتھ پہ باندھ سکے اور اس بندے نے بھی وہ رومال خاموشی سے اپنے ہاتھ پہ باندھ لیا تھا۔ شاید تکلیف زیادہ ہو رہی تھی اور وہ بول بول کر تھک بھی چکا تھا شاید۔۔۔ یہ عینا کا خیال تھا۔

اب عینا نے بیک مرر کی سائڈ بدلی تھی۔ تاکہ اسے وہ آنکھیں نظر نہ آئیں اور اللہ کا نام لے کر گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔ کیونکہ جو بھی تھا ایکسیڈنٹ اس کی گاڑی سے ہوا تھا اور اس بندے کو ہاسپٹل پہنچانا اس کا فرض تھا۔

☆ ☆ ☆

قریبی اسپتال پہنچتے ہی ڈاکٹر نے اسے ایمرجنسی ٹریٹمنٹ دی تھی۔ اس کو گھٹنے میں لگی چوٹ کی وجہ سے چلنے میں چونکہ دشواری ہو رہی تھی۔ اس لیے ڈاکٹر نے اسے آج رات اسپتال میں ہی روک لیا تھا۔ عینا وہیں ایمرجنسی کے باہر ہی رک گئی تھی اور اب ڈاکٹر کے باہر نکلنے کا ویٹ کر رہی تھی۔ البتہ اس کے کتے کو اسپتال کے عملے نے باہر ہی روک لیا تھا۔ وہ بھی اپنے مالک کے کہنے پر بڑی فرماں برداری سے چوکیدار کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ عینا نے ایسا فرماں بردار ڈوگ اپنی لائف میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ قدرے حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عینا کو یہاں کھڑے ہوئے تقریباً" آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا۔ تب ہی اس کے مدھم بجتے سیل نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ جہاں امی کی کال آرہی تھی۔ فوراً" ہی اس کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ اسے آج تو جلدی گھر جانا ہے اور وہ ان سب میں الجھ کر بالکل بھول چکی تھی کہ امی نے اسے کیا تاکید کی تھی۔

"شٹ یار۔۔۔ آج تو ڈانٹ کھانی ہے۔" اس نے کال پک کرتے ہوئے خود کو ڈانٹا تھا اور ہوا بھی وہی آگے سے امی کی ڈانٹ ہی اس کی منتظر تھی۔

"عینا۔۔۔ کہاں ہو تم اب تک۔۔۔ تمہیں تو پانچ بجے تک آنا تھا اور اب سات بج رہے ہیں۔ مہمان تمہارا انتظار کرتے کرتے کب کے جا چکے ہیں اور تمہارا ابھی تک کچھ پتا ہی نہیں ہے۔" جانتی ہو کتنا شرمندہ کروایا ہے تم نے آج مجھے۔۔۔ اب تو سچ میں مجھے ہول اٹھ رہے تھے۔ امی حسب معمول اس کی سنے بغیر شروع ہو چکی تھیں اور وہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہہ رہی تھیں۔ غلطی بہرحال اس کی تھی۔ تب ہی اس نے ڈاکٹر کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔

"امی میں آپ سے گھر آکر بات کرتی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہہ کر فون آف کردیا تھا اور امی ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں تھیں۔

☆ ☆ ☆

"مسٹر آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے۔ یعنی کہ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے ڈوگ کو گھر ڈراپ کروں اور وہ بھی اکیلی۔۔۔ نو وے کبھی نہیں۔ ڈر کے مارے راستے

میں میری جان نکل جائے گی۔ میں اسے کیا خاک ڈراپ کروں گی۔"

ڈاکٹر سے ملنے کے بعد وہ اس کے روم میں اس کی خیریت پوچھنے آئی تھی' تاکہ بعد میں وہ اپنے گھر جا سکے۔ کیونکہ ڈاکٹر کے مطابق اسے آج رات یہیں گزارنی تھی اور یہاں اس بندے کی فرمائش نے اس کا سانس خشک کر دیا تھا۔ یعنی کہ اب وہ ایک کتے کو گھر ڈراپ کرنے جائے' حد ہوتی ہے۔

"دیکھیے محترمہ۔ آپ اس وقت سے مسلسل اسے ڈوگ کہہ کر اس کی توہین کر رہی ہیں۔ اس کا نام شیرو ہے اور اگر اسے اس کے نام سے نہ پکارا جائے تو وہ بہت جلد برا مان جاتا ہے۔" اس بندے نے بے ساختہ اڈ آنے والی اپنی مسکراہٹ کو بمشکل چھپایا تھا' کیونکہ وہ عینا کے چہرے پہ خوف دیکھ چکا تھا۔

"اب ڈوگ کو ڈوگ ہی کہوں گی نا۔ نام شیرو رکھنے سے وہ کوئی شیر تھوڑی نہ بن جائے گا۔ اینی وے۔ جو بھی ہے' دیکھیں میں مانتی ہوں کہ غلطی میری تھی اور انسانیت کے ناطے جو میرا فرض تھا وہ میں نے پورا کیا۔ اب اس سے آگے آپ مجھ سے کوئی اور امید مت رکھیے گا۔" عینا نے اس دو ٹوک جواب دینا ضروری سمجھا تھا۔ کیا بھروسا وہ بیچ میں اپنے شیرو کو اس کی گاڑی میں بٹھا دیتا تو وہ کیا کرتی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ پہلے ہی کافی لیٹ ہو گئی ہوں میں۔" وہ عجلت میں جانے کو مڑی تھی کہ مبادا وہ کوئی اور فرمائش نہ کر دے اور اپنی اسی جلد بازی میں وہ دیکھ نہیں پائی تھی کہ وہ بندہ صرف اس کے ڈر سے لطف اٹھا رہا تھا۔

"اوکے ٹھیک ہے جی۔ میں اپنے چوکیدار کو کال کر دوں گا۔ وہ آکر اسے لے جائے گا۔ بائے دا وے تھینک یو مس۔" اب وہ اپنی چمکتی آنکھوں سے عینا کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس پوری سچویشن میں پہلی بار عینا کو تھوڑی کنفیوژن ہوتی تھی۔ "عینا فاروق۔ میں اب چلتی ہوں۔ آپ کو کوئی بھی پرابلم ہو تو میں نے رسپشن پہ اپنا نمبر نوٹ کروا دیا ہے۔" پل بھر میں اس کا اعتماد واپس لوٹ آیا تھا۔

"تھینکس ٹو میٹ یو عینا۔"

جواب میں وہ ایک جاندار مسکراہٹ سے بولا تھا۔ جو شاید اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ عینا نے ایک نگاہ بستر پر لیٹے اس بندے پر ڈالی تھی اور روم سے باہر نکل آئی تھی۔ اب جلد از جلد اسے گھر پہنچنا تھا۔

☆ ☆ ☆

"عباس تم میری بات سن رہے ہو یا نہیں۔" اپنے ارد گرد فائلوں کا پلندہ بکھرائے اور لیپ ٹاپ پر کام کرتے عباس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ گھن گرج کس لیے ہے۔ سو وہ کان لپیٹے بس اپنا کام کر رہا تھا۔

"عباس۔" اب گرج ذرا قریب سے آئی تھی۔ تب اسے کام سے دھیان ہٹانا ہی پڑا تھا کیونکہ امی اب اس کے قریب بیٹھ چکی تھیں۔

"جی امی میں سن رہا ہوں لیکن اگر آپ مجھ سے وہی ہمیشہ والی بات کرنی آئی ہیں تو آئی ایم سوری میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔" اس نے جیسے پہلے ہی انہیں وارن کیا تھا۔ امی کے چہرے پر لحہ بھر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ مگر پھر جلد ہی غائب بھی ہو گئی تھی۔ "بات تو میری وہی ہمیشہ والی ہے۔ تم نہ بھی چاہو' تو بھی تمہیں سننی ہی پڑے گی۔"

وہ اس وقت بڑی فرصت سے اس کے پاس بیٹھی تھیں۔ مطلب کہ آج عباس کی شامت آئی تھی۔

"امی یار۔ آپ کوئی اور بات نہیں کر سکتیں۔" وہ جھنجلا کر بولا تھا۔

"تم پہلے میری یہ بات مان جاؤ تو پھر میں کوئی اور بات بھی کر لوں گی۔" وہ ابھی بھی اپنی بات پہ قائم تھیں۔

"دیکھو بیٹا۔ ڈاکٹر نے تمہارے پاپا کو بائی پاس کا کہا ہے وہ اگلے مہینے ویسے بھی امریکہ جا رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ وہیں یہ آپریشن بھی کروالیں اور میرا ان کے ساتھ جانا لازمی ہے میرے بچے۔ کیونکہ تم تو یہاں بزنس کو اکیلا چھوڑ نہیں سکتے اور نہ ہی تمہارے پاپا ایسا چاہیں گے' سو میری جان میری بات مان جاؤ۔ شادی

کرلو۔ تاکہ پیچھے میں تمہاری فکر میں ہلکان نہ ہوتا رہوں۔"

اور اب تو تمہارے پاپا بھی یہی چاہتے ہیں۔ اب تو اتنا عرصہ ہوگیا ہے تمہیں بزنس جوائن کیے ہوئے تم پوری طرح سیٹ ہوچکے ہو اور اب ہمارا خیال ہے کہ اب تمہاری شادی ہوجانی چاہیے۔" مطالبہ حسب توقع وہی تھا۔ جو عباس کو پہلے سے ہی معلوم تھا۔

"امی میں کوئی بچہ تو نہیں ہوں نا۔ ایک میچور انسان ہوں۔ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں۔ آپ تو معمولی چوٹ کو بھی ہوا بنالیتی ہیں اور پھر میں اپنے گھر میں رہتا ہوں یہاں اتنے نوکر چاکر موجود ہیں میرا خیال رکھنے کو۔ پھر آپ کو میری اتنی فکر کیوں ہے۔ بس میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ قدرے بے زاری سے بولا تھا۔ ایک ہی بات سن سن کر وہ تنگ آگیا تھا۔ پتا نہیں امی کو اس کی شادی کی اتنی جلدی کیوں پڑ گئی تھی۔ اسے اتنا زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ تعلیم مکمل کرکے بزنس کو سنبھالتے ہوئے۔ وہ ابھی لائف کو انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ ابھی صرف اور صرف بزنس ہی اس کا شوق تھا۔ جبکہ امی روز یہی بات بلاناغہ اس سے کرتی تھیں اور اب تو ڈیڈ بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

"عباس۔ کیا کوئی ہے تمہاری لائف میں۔" وہ اب قدرے شک کی نگاہ سے اسے دیکھ رہیں تھیں۔

"چلو بھئی یہ اب ایک نئی ٹینشن۔ اف امی ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ابھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔ کسی سے بھی نہیں۔ آپ پتا نہیں میری بات کو سمجھ کیوں نہیں رہیں ہیں۔ کوئی نہیں ہے میری لائف میں۔"

اس کا سارا دھیان بٹ چکا تھا سو اس نے ایک جھٹکے سے لیپ ٹاپ بند کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ تم تو ہم سے زیادہ سمجھ دار ہوگئے ہو۔ اور ہم نا سمجھ۔۔ ہے ناں کیوں؟ اب ہمیں تمہاری تو کوئی بات سمجھ آتی نہیں ہے۔ پر ایک وہ وقت بھی تھا بیٹا جب تمہاری بے تکی اور نا سمجھ میں آنے والی باتیں بھی صرف ہم ہی سمجھتے تھے اور آج تم ہمیں ہی باتیں سنا رہے۔" پل بھر میں آنکھوں میں آنسو بھر لانا یہ امی کی پرانی عادت تھی لیکن اس وقت وہ سچ میں ہرٹ ہوئی تھیں۔

"امی۔ آئی ایم ویری سوری۔ میں۔ میرا وہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔" وہ سیکنڈز میں حد درجہ نادم ہوا تھا۔

"بس تم نے جو کہہ دیا۔ وہ میں نے سن بھی لیا اور سمجھ بھی لیا۔ ٹھیک ہے اب مرضی ہے تمہاری جو کرنا ہے کرو۔ میں ہی پاگل ہوں نا۔ وہاں تمہارے پاپا کی صحت کی وجہ سے پریشان ہوں اور یہاں تم میں جان اٹکی رہتی ہے۔" وہ فوراً" ہی اٹھ کھڑی تھیں اس وقت وہ شدید غصے میں لگ رہیں تھیں وہ ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا کبھی بھی انہیں اس سے کوئی بھی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ پر اس معاملے میں جانے کیوں وہ اتنا تامل سے کام لے رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پارہی تھیں۔

"امی آپ میری بات تو۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بھی کہہ پاتا وہ اس کے کمرے سے باہر چلی گئیں تھیں اور جس طرح سے وہ گئیں تھیں اس کا مطلب تھا کہ وہ سچ میں ناراض ہوگئیں تھیں۔

وہ خود کو کوستا فائلز کو پیچھے ہٹاتا بے قراری سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اب اس کا رخ امی کے کمرے کی طرف تھا۔

☆ ☆ ☆

"امی آپ عینا سے بات کریں نا۔۔۔ کہ آخر وہ چاہتی کیا ہے۔ اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل گیا' صرف ایک اس کے گھر لیٹ آنے کی وجہ سے۔۔۔ اس کی زندگی میں تو اب صرف اس کی جاب کی اہمیت ہی رہ گئی ہے۔۔۔ ہم تو جیسے کہیں ہیں ہی نہیں۔"

بھیا اس وقت خاصے غصے میں لگ رہے تھے۔ وہ اس دن والے مہمانوں کی بات کررہے تھے جس دن عینا اس ایکسیڈنٹ کی وجہ سے گھر لیٹ پہنچی تھی اور مہمان اس کا انتظار کرکے جاچکے تھے اور امی تو کم مگر بھیا اور بھابھی اس سے خاصے خفا ہوگئے تھے اور بھابھی کے مطابق وہ جان بوجھ کر لیٹ آئی تھی۔

"ہاں بیٹا آج وہ گھر آجائے تو میں ضرور اس سے بات کروں گی مجھے خود اس دن ان لوگوں کے سامنے بہت شرمندگی ہوئی تھی۔ بہت اچھے لوگ تھے وہ بھی۔۔۔ جو بنا کچھ بھی کہے خاموشی سے چلے گئے۔ ورنہ لوگ تو ایسی باتوں کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔" امی نے بھی اس وقت ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ جانتی تھیں بیٹا اس معاملے میں حق بجانب تھا۔

پانچ سال ہو گئے تھے ان کے شوہر کے انتقال کو تب عینا ابھی پڑھ رہی تھی ابو ایک نوکری پیشہ آدمی تھے۔ سو کوئی بہت لمبی چوڑی جائیداد نہیں تھی ان لوگوں کے پاس' بس اللہ کا کرم تھا کہ اس نے بھرم رکھا ہوا تھا۔ ابو کے بعد بھیا نے ہی اسے سپورٹ کیا تھا۔ اس کا بالکل ویسے ہی خیال رکھا تھا جیسے ابو رکھتے تھے۔ اس کی ہر ذمہ داری اٹھائی تھی۔ ایم کام کرتے ہی عینا کو ایک بینک میں جاب مل گئی تھی۔ بھیا چاہتے تو تھے کہ اب عینا کی شادی ہو جائے کیوں کہ تب تک بھیا کی اپنی شادی ہو چکی تھی اور بھابھی کی یہی سوچ تھی تو اب بھیا کی بھی یہی سوچ تھی اور یہ سوچ خیر کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی پر جب عینا نے جاب کرنی چاہی تو بھیا نے اسے روکا نہیں اور جاب کرنے دی پر اب مسئلہ یہ تھا کہ اسے جاب کرتے ہوئے بھی تقریباً" سال بھر ہو گیا تھا پر وہ شادی کے لیے مان نہیں رہی تھی کیوں کہ اب وہ اپنی اسی زندگی سے خوش تھی یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ اب تک اس کی نظر میں کوئی جچا نہیں تھا۔ اب پتا نہیں اس نے اپنے دل و دماغ میں کیا تصور بنا رکھا تھا اور اگر اس معاملے میں اس کی کچھ ترجیحات تھیں تو ایسا کچھ غلط بھی نہیں تھا۔ وہ پڑھی لکھی باشعور لڑکی تھی۔ بینک میں اچھے عہدے پر فائز تھی۔ اچھا کما رہی تھی پر ہمارے یہاں جانے کیوں یہ چیز لڑکی کے گھر والوں کو اس سے خائف کر دیتی ہے۔ بھیا اور بھابھی بھی اب اس سے خائف سے ہو رہے تھے اور اب تو امی بھی پریشان سی ہو گئیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

"عینا کیا کر رہی ہو بیٹا۔" آج چھٹی کا دن تھا وہ ذرا دیر سے سو کر اٹھی تھی اب ناشتے کے بعد وہ چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ امی اس کے پاس آ بیٹھیں تھیں۔

"کچھ نہیں امی آئیں آپ بیٹھیں پلیز۔" اس نے چائے کا مگ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم سے کچھ بات کرنی تھی بیٹا۔"

"جی امی بولیں پلیز۔۔۔" وہ پوری طرح امی کی طرف متوجہ تھی حالانکہ وہ سمجھ چکی تھی کہ امی کیا بات کرنا چاہ رہی ہیں۔

"بیٹا آخر تم کب تک اس معاملے کو ٹالتی رہو گی۔ تمہارے بھیا بھی اس وجہ سے پریشان رہنے لگے ہیں اب اور میری بھی جان تم میں ہی اٹکی رہتی ہے۔" انہوں نے محبت سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ بیٹا۔۔۔ مطلب تم میری بات کو سمجھ رہی ہو نا۔۔۔ تم جاب کرتی ہو۔ سمجھ دار ہو اگر کوئی ہے تو۔۔۔"

"امی پلیز یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں کس نے آپ کے ذہن میں یہ فضول سوچ ڈالی ہے جاب کرنے کا یا روز باہر نکلنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں۔۔۔" بے تحاشہ غصے اور دکھ نے اسے یک دم ہی گھیرا تھا۔ وہ اپنی بات بھی پوری نہیں کر پائی تھی۔ ایسی فضول سوچ امی کے ذہن میں کون ڈال سکتا ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ امی اس کی کیفیت دیکھ کر چپ ہو گئی تھیں۔

"اگر آپ لوگ میرے اس دن گھر لیٹ آنے کی وجہ' ایسی کسی بات کو سمجھ رہے ہیں تو غلط سمجھ رہے ہیں' میں بتا چکیں ہوں کہ میں کیوں لیٹ ہوئی تھی۔" اس نے جلد ہی خود پہ قابو پا لیا تھا۔

"میں جانتی ہوں میری جان۔۔۔ مجھے تم پہ پورا یقین ہے پر میں اب چاہتی ہوں کہ تم اب اپنے گھر کی ہو جاؤ۔۔۔ کیوں کہ میری زندگی کا اب کوئی بھروسا نہیں ہے۔"

"امی پلیز آپ ایسی باتیں تو نہ کریں۔"

عینا نے بے ساختہ ہی انہیں ٹوکا تھا۔
"بیٹا تمہارے ابو کے جانے کے بعد ہر لمحہ میرا دل ڈرتا رہتا ہے کیسے اچانک وہ ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے اور ہم بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ اور پھر وقت دیکھو کیسے پر لگا کر اڑ رہا ہے جیسے۔ بس مجھے صرف اب تمہاری ہی فکر ہے۔ تمہاری بھابھی کی عجیب عجیب باتیں بھی میرے دل کو ہولاتی رہتی ہیں۔ میں کیا کروں۔" آنکھوں میں نمی لیے وہ بہت پریشانی سے بول رہی تھیں یا عینا کو اس پل ایسا لگا تھا۔
"امی۔ آپ کیوں پریشان ہوتیں ہیں۔ میں نے کب آپ کی کسی بھی بات سے انکار کیا ہے آپ جیسا چاہیں گی میں ویسا ہی کروں گی اور آپ کو کسی کی فضول باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں ہے میں آپ کی بیٹی ہوں اور کبھی بھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" عینا کی تسلی نے ان کے دل پہ دھرا بوجھ یکدم ہی جیسے اتار پھینکا تھا۔ اور لاؤنج میں داخل ہوتی بھابھی نے محبت کے اس مظاہرے کو بڑی نخوت سے دیکھا تھا اور منہ پھیر کر وہاں سے چلی گئی تھیں۔ اب امی اسے آنے والے ایک نئے پرپوزل کے بارے میں بتا رہی تھیں۔
"عینا لڑکا بہت اچھا ہے۔ مجھے تو بہت اچھا لگا ہے اگر تم کہو تو ان لوگوں کو بلوا لوں۔"
اب وہ اجازت طلب نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"امی جیسے آپ کی مرضی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اور امی کو یہ کہتے سے جانے کیوں وہ مسکراتی چمکدار آنکھیں ذہن کے پردے پر لمحہ بھر کو لہرائیں تھیں۔ عینا نے ناسمجھی سے ذہن کو جھٹکا تھا اور امی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ جواب اسے لڑکے اور اس کے خاندان کے بارے میں بتا رہی تھیں اور عینا ذہن و دل سے ہر خیال نکال کر مکمل طور پر بس انہیں ہی سن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج اسے ہر حال میں جلدی گھر پہنچنا تھا۔ آج وہ امی اور بھائی بھابھی کو کسی شکایت کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ سو وہ جلد ہی اپنی سیٹ سے اٹھ آئی تھی۔ ابھی بینک سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ امی کی کال آ گئی۔ وہ اسے یاددہانی کرا رہیں تھی کہ وہ جلدی آجائے اس نے انہیں اچھی طرح تسلی دے کر فون بند کیا تھا اور سیل فون بیگ میں رکھتے ہوئے ابھی دو قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آتے کسی شخص سے بڑے زور سے ٹکرائی تھی۔
"اف۔" اس نے سر سہلا کر بے ساختہ ہی اوپر دیکھا تھا۔
"آئی ایم سوری۔" دونوں کے منہ سے ہی بیک وقت نکلا تھا مگر غلطی بہر حال عینا کی ہی تھی۔ اس کا سارا دھیان اپنے شولڈر بیگ کی طرف تھا جس میں وہ گاڑی کی چابی ڈھونڈ رہی تھی۔
"ایکسکیوزمی مس۔ یہ خاص عنایت میرے لیے ہے یا یہ آپ کی ہابی ہے۔ کبھی آپ کسی سے ٹکرا جاتی ہیں تو کبھی آپ کی گاڑی کسی سے ٹکرا جاتی ہے۔" سامنے سے بڑی بے تکلفی سے کہا گیا تھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا کہ میں آپ سے جان بوجھ کر ٹکراتی ہوں۔" وہ حسب معمول فوراً ہی تپ اٹھی تھی۔
"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ پتا نہیں آپ میری باتوں کو ہمیشہ الٹ کیوں سمجھتی ہیں۔" سامنے وہی چمکتی آنکھیں تھیں جو وقتاً فوقتاً عینا کے ذہن کے پردے پر لہراتی رہی تھیں۔
"اور آپ ہمیشہ الٹی سیدھی باتیں ہی کیوں کرتے ہیں۔ بائی دا وے آپ کا باڈی گارڈ آج نظر نہیں آرہا۔" عینا اسے پہچان چکی تھی اور جانے کیوں اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔
"ویسے مجھے عباس کہتے ہیں اور یہ میرے باڈی گارڈ کا آرام کا ٹائم ہے اور اسے ڈسٹربنس بالکل پسند نہیں ہے۔ ویسے بھی میں تو یہاں آفس کے کام سے آیا ہوں۔ اس بے چارے کو یہاں لا کر کیا بور کرنا۔ آپ بتائیں آپ یہاں کیسے؟" وہ اب مسکراتی ہوئی عینا کو

بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"میں یہاں کام کرتی ہوں۔" جواباً عینا نے اسے اپنی پوسٹ وغیرہ کے بارے میں بتایا تھا۔

"واؤ امپریسو۔ ویسے آپ خاصی کم عمری لگتی ہیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ ابھی اسٹوڈنٹ ہوں گی۔ نہیں پتا تھا کہ آپ اتنی سمجھ داری والی جاب کرتی ہیں۔" وہ حسب عادت مسکرایا تھا۔ جواب میں وہ بھی کھل کر ہنس دی تھی اور وہ کانچ سی کھنکتی ہنسی یقیناً مقابل کو اپنے سحر میں جکڑنے کا ہنر رکھتی تھی۔

"بعض دفعہ اندازے غلط بھی ہو جاتے ہیں عباس۔ آپ آپ کا ہاتھ کیسا ہے۔" اچانک ہی عینا کو یاد آیا تھا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہے۔ بس ذرا سا نشان ہی باقی رہ گیا ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ ہم نے اسے آپ کی نشانی سمجھ کر سنبھال لیا ہے۔" اس نے اپنی چوڑی ہتھیلی عینا کے سامنے کی تھی۔ جہاں اس وقت کے لگے دو ٹانکوں کے مدھم سے نشان ابھی بھی تھے۔

"آئی ایم سوری اگین۔ میری وجہ سے آپ کو خاصی تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔" عینا کو ندامت نے پھر سے گھیر اتھا۔

"اٹس او کے عینا۔ ہونی کو کون روک سکتا ہے بھلا۔ لیکن اگر آپ اس وقت فری ہوں تو چلیں بیٹھ کر کافی پیتے ہیں۔ یوں یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنا بھی ذرا عجیب سا لگ رہا ہے۔" یہ سحر جو اس پہ طاری ہو رہا تھا وہ اس سحر کو کچھ اور دیر کے لیے خود پہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ پر اس کے کہتے ہی عینا کے ذہن میں ایک دم خیال آیا تھا کہ اسے تو آج جلدی گھر جانا تھا۔ ورنہ آج تو بہت ہی برا ہوتا اور ایسا دوسری بار ہو رہا تھا کہ وہ اس شخص کی وجہ سے گھر سے لیٹ ہو رہی تھی اور سچویشن بھی وہی سیم تھی۔

"نہیں جی۔ اس وقت تو مجھے گھر جانا۔ پھر کبھی سہی۔ چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" وہ فوراً ہی وہاں سے نکل آئی تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے لگا کہ اگر وہ چند لمحے مزید وہاں کھڑی رہی تو زمین اس کے قدموں کو جکڑ لے گی اور وہ خود کو روک نہیں پائے گی اس گرفت میں آنے سے سو اس نے جانا ہی بہتر سمجھا تھا اور پیچھے عباس کتنے ہی لمحے وہیں کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"عباس میں بہت خوش ہوں بیٹا میں ہمیشہ سے جیسی لڑکی تمہارے لیے چاہتی تھی نا، نور العین بالکل ویسی ہی ہے۔ پڑھی لکھی سلجھی ہوئی بچی ہے۔ مجھے اور تمہارے پاپا کو تو بہت پسند آئی ہے اور لوگ بھی بہت اچھے ہیں چھوٹی سی فیملی ہے ان کی۔" امی جب سے ان لوگوں سے مل کر آئیں تھی تب سے ان کا یہی حال تھا اور عباس بس خاموشی سے مسکرا کر انہیں سن رہا تھا۔

"ہاں بیٹا تمہاری امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے بھی بہت اچھے لگے وہ لوگ۔"

اب کے پاپا نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اور عباس نے پاپا کی رائے کے بعد جان لیا تھا کہ وہ اس بار پکا پھنس چکا ہے۔

"بالکل۔ میں نے تو اس ویک اینڈ ان لوگوں کو ڈنر پہ انوائٹ کر لیا ہے۔ عباس سے ملنے گئے۔ ایک بار وہ لوگ آکر عباس سے مل لیں تو پھر میں ان شاء اللہ شادی کی تاریخ پکی کروں گی اور عباس سن لو۔ لڑکی کی تصویر میرے بیگ میں ہے۔ دیکھنی ہے تو دیکھ لو۔ پھر میں تمہارا کوئی اعتراض نہیں سنوں گی۔ آئی سمجھ۔" امی نے حسب معمول اسے وارن کرنا ضروری سمجھا تھا۔ جانتی تھیں کہ وہ عین ٹائم پر کوئی نہ کوئی اڑی ضرور کرتا ہے سو ابھی سے وارن کرنا ضروری سمجھا تھا۔

"اف امی۔ آپ کو مجھ پہ یقین نہیں ہے نا۔ ٹھیک ہے مجھے پہلے اعتراض تھا۔ پر اب تو میں نے سب کچھ آپ پہ چھوڑ دیا ہے نا۔ تو جو آپ کو اور پاپا کو ٹھیک لگے وہ کریں۔ میں آپ کی اور پاپا کی خوشی میں خوش ہوں بس۔"

اس نے محبت سے پاس بیٹھی ماں کے کندھے پہ

ہاتھ پھیلایا تھا تو جہاں امی کے چہرے پہ ایک آسودہ مسکراہٹ پھیلی تھی وہیں پاپا نے بھی بہت مان سے اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمندر کی لہریں اسے ہمیشہ کی طرح اپنے سحر میں جکڑ رہی تھیں ایک دلفریب پرسکون ماحول اس کے اردگرد تھا۔ سمندر کا مانوس شور اور مخصوص خوشبو اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور یہ اسے اپنی زندگی کے خوبصورت ترین لمحات لگتے تھے جو وہ یہاں گزارتی تھی۔ جب بھی اس کا تنہا رہنے کو دل چاہتا تھا وہ یہاں آجاتی تھی۔ اسے یہاں آکر بہت سکون ملتا تھا اور اس وقت بھی وہ کچھ ایسا ہی محسوس کررہی تھی۔ اسے یہاں بیٹھے ہوئے جانے کتنی دیر گزر چکی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔ عینا۔" تب ہی کسی نے اس کے پاس آکر اجازت مانگی تھی۔ عینا نے فوراً ہی پلٹ کر آنے والے کو دیکھا تھا کیونکہ وہ ذرا عقب میں کھڑا تھا۔ "ارے آپ۔ کیوں نہیں بیٹھیے نا پلیز۔"

اب دو چار ملاقاتوں میں اتنی جان پہچان تو ہو ہی چکی تھی کہ وہ چند لمحوں کو اس کے ساتھ بیٹھ کر بات کرسکتی اور ویسے بھی یہ پبلک پلیس تھی۔

"میں یہاں شیرو کو ٹہلانے لایا تھا۔ آپ پہ نظر پڑی تو سوچا تھوڑی سی گپ شپ ہوجائے۔" وہ بینچ کے دوسرے کونے پہ اس سے قدرے فاصلے پہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"کیا آپ کو بھی سمندر پسند ہے۔" عینا نے ان چمکتی نگاہوں سے نظریں چرا کر اس سے پوچھا تھا۔

"بہت... سمندر کا سحر ہی ایسا ہے۔ شیرو کا تو بس ایک بہانہ ہے۔ میرا بس چلے تو میں اپنی ہر شام سمندر کنارے ہی گزاروں... پر ٹائم کی کمی کے باعث ایسا کر نہیں کرپاتا۔ بٹ کبھی کبھی ٹائم نکال کر ضرور آتا ہوں بلکہ اکثر ہی... ویسے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ یہاں اکیلی کیوں بیٹھی تھیں۔" آج اسے عینا نجانے کو تھوڑی اداس سی لگی تھی۔ آسمانی جوڑے میں ملبوس اس وقت وہ اسے لہروں کا ہی ایک حصہ محسوس ہورہی تھی۔

"بس یونہی کچھ وقت اکیلے اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ سو یہاں چلی آئی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔ پر اس مسکراہٹ میں اس لمحے عباس کو بے ساختگی نظر نہیں آئی تھی۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، اگر اپنے ساتھ وقت گزارنا ہو تو سمندر کا کنارہ ہمیشہ ایک بہترین ساتھی ثابت ہوتا ہے۔ مجھے تو یہی لگتا ہے۔"

"ویسے ذرا بتائیں تو کہ اکیلے وقت گزارنا کیوں چاہ رہی تھیں آپ... خیریت ہے کہیں میرے جیسے کسی ہینڈسم سے بندے کے ساتھ آپ کو عشق وشق تو نہیں ہوگیا۔" وہ اب شرارت سے اس سے پوچھ رہا تھا اور سنجیدہ بات کرتے کرتے ایک دم سے کوئی فضول سی بات کرنا عینا کو اس بندے کی عادت لگتی تھی۔

"اور آج میں بھی آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ ہمیشہ ہی اتنا فضول بولتے ہیں یا صرف میرے آگے ہی بولتے ہیں۔" اور عینا کے اس قدر سنجیدگی سے پوچھنے پر عباس کا قہقہہ بے ساختہ تھا جس کی گونج سمندر کی لہروں نے بھی سنی تھی، مگر ایک بات تو طے تھی کہ آج وہ بس بے وجہ ہی کسی اداسی کی زد میں تھی اور یہاں چلی آئی تھی اس وقت اس اداسی کا دور دور تک کہیں نشان نہیں رہا تھا اور یہ سب عباس کی باتوں کا نتیجہ تھا۔ فضول باتوں کا۔

☼ ☼ ☼

عینا کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تھی اور دل میں ہزار اندیشوں اور خدشوں کے باوجود اس نے صرف امی کی خاطر ان کی خوشی کے لیے بنا کسی بھی اعتراض اور سوال کے سب کچھ قبول کیا تھا اور وہ ناخوش بھی نہیں تھی۔ بس قدرتی طور پہ تھوڑی سی کنفیوژ ضرور تھی حالانکہ اپنے ہونے والے ساس سسر اسے بہت اچھے اور ڈیسنٹ سے لگے تھے اور انہیں اس کی جاب پہ

بھی کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چاہے تو کرے نہ چاہے تو نہ کرے۔ یہ اس کی مرضی پہ ان لوگوں نے چھوڑ دیا تھا' البتہ لڑکے سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی' پر وہ اس بار شادی سے پہلے اس سے ملنا چاہ بھی نہیں رہی تھی یہاں تک کہ اس نے تصویر بھی نہیں دیکھی تھی بس سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دیا تھا۔

بھیا اور بھابھی بھی کافی خوش تھے اور بھابھی تو قدرے حیران بھی تھیں کہ نہ نہ کرتے بھی اس کا رشتہ کس قدر اچھے اور اونچے گھرانے میں طے پا گیا تھا اور یہ سب یقیناً" عینا کی امی کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور بہرحال جو بھی تھا عینا مطمئن تھی کیوں کہ اس سے وابستہ لوگ خوش اور مطمئن تھے۔

☼ ☼ ☼

"امی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ میں یہ شیروانی وغیرہ نہیں پہن سکتا' میں بس سیدھا سا سوٹ پہن لوں گا۔"

عباس نے سسرال سے آئی ہوئی شیروانی کو ریجیکٹ کر دیا تھا اور اس وقت کیا تھا جب شادی میں صرف ایک ہفتہ ہی رہ گیا تھا اور اب ایسے میں اس کی اس پرابلم کو کیسے حل کریں۔ امی کو قطعی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"پر بیٹا۔ تمہیں یہی پہننی ہے' اتنی ڈیسینٹ سی تو ہے اور پھر تمہارے سسرال کی طرف آئی ہے' میں کس طرح انہیں منع کروں کہ تم یہ نہیں پہن رہے انہیں برا بھی لگ سکتا ہے۔"

"دیکھو نور العین بھی تو وہی لباس پہنے گی ناجو ہم نے اسے دیا تھا تو تمہیں بھی یہی پہننا چاہیے اور پھر بہت جچ رہی ہے تم پہ۔ بس تم یہی پہن رہے ہو۔"

وہ اندر ہی اندر خائف تھیں کہ وہ ان لوگوں کو اس کے شیروانی کے ریجیکٹ ہونے کا کیا جواز دیں گے۔ صرف یہ کہ دولہا بہت نخریلا ہے اور اس میں کمفرٹیبل نہیں ہے۔

"یار وہ جو بھی پہنے اس کی مرضی ہے۔ آپ میرا مسئلہ حل کریں' میں سچ کہہ رہا ہوں میں نہیں جا رہا پھر آپ کے ساتھ بارات میں۔" انتہائی خراب موڈ کے ساتھ اس کی وہی ضد تھی۔ وہ کبھی کبھی بالکل بچہ بن جاتا تھا ان کے لیے۔

"کیا بات ہے بھئی کیا شور مچا رکھا ہے۔" اسی لمحے پاپا اندر کمرے میں داخل ہوئے تھے اور ان ماں بیٹے کی شکل دیکھ کر ہی سمجھ گئے تھے کہ کوئی مسئلہ ہے۔

"اب آپ ہی نمٹیں اس لڑکے سے' میرا تو دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے اس نے۔ ہر بات پہ اعتراض ہے اس کو۔" امی اسے پاپا کے حوالے کر کے کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ بس ان کا سر درد کر رہا تھا اور کچھ انہیں یقین بھی تھا کہ پاپا اسے منا لیں گے اور ہوا بھی وہی اس کے لاکھ اعتراض پہ پاپا نے کسی نہ کسی طرح اسے منا ہی لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی اور عینا کو تمام رسومات وغیرہ کے بعد اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ دل اور دماغ دونوں ہی اس وقت عجیب ہی کیفیت سے دوچار تھے۔ اگر ایک نئی زندگی کی شروعات کی خوشی تھی تو وہیں ہزاروں خدشے اور اندیشے بھی اسے لرزا رہے تھے۔ ابھی اسے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا تھا اس کے چہرے پہ ہلکا سا کھونگھٹ تھا اور پھر بیڈ کے گرد لگے ڈھیر سارے گلاب بھی اس کے دیکھنے کی راہ میں حائل تھے۔ سو وہ خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھنے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ آنے والے نے آتے ہی سب سے پہلے فوراً" ہی اپنی شیروانی اتار کر صوفے پہ ڈھیر کی تھی۔

"اف۔۔۔" یہ آواز عینا نے بہت واضح سنی تھی جیسے اس بندے نے خود کو کسی بوجھ سے آزاد کیا ہو' حالانکہ اصل بوجھ تلے تو عینا دبی تھی اس کا ڈریس اس قدر بھاری تھا کہ اس نے بمشکل اس کا بوجھ اٹھا رکھا تھا اور باقی کی کسر ہیر اسٹائل اور بھاری جیولری نے

پوری کردی تھی۔
"بھلا شیروانی میں اتنا کیا بوجھ ہوگا۔" یہ عینا نے صرف سوچا تھا تب ہی اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تھی یا چاہتے ہوئے بھی اسے پتا نہیں کیوں اس وقت شیرو یاد آیا تھا اور شیرو سے وہ چمکتی آنکھیں اس نے بروقت ذہن کو جھٹکا تھا کیوں کہ اب آنے والا اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔
"آپ..." گونگھٹ کے اٹھاتے ہی بے ساختہ ہی دونوں کے منہ سے بیک وقت ہی نکلا تھا۔
"مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اندازہ نہیں تھا کہ نور العین فاروق... عینا فاروق بھی ہوسکتی ہے۔ آئی ایم سرپرائزڈ..." مسکراتی آنکھوں میں حیرانگی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی صاف نظر آرہی تھی جسے عینا محسوس کرسکتی تھی۔
"او مائی گاڈ... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ امی کی پسند کی ہوئی لڑکی عینا فاروق بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی کہ وہ بار بار کا ملنا کوئی اشارہ تھا... اتفاق نہیں..." وہ بولنے کا کس قدر شوقین تھا اس کا اندازہ عینا کو اچھی طرح ہوچکا تھا۔
"میرے بارے میں آپ کے اکثر اندازے غلط ہوجاتے ہیں۔" عینا کے دل کے سارے خدشے اور خوف عباس کو سامنے دیکھ کر جانے کیوں پل بھر میں غائب ہوئے تھے۔ اسے لگا کہ اس بندے کے ساتھ زندگی اچھی گزر سکتی ہے۔
"ہوں... ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر میں خوش ہوں۔" وہ سچ میں خوش تھا اور اس کی مسکراہٹ اس کا یہ راز کھول رہی تھی اور یہ بھی سچ تھا کہ کتنی ہی بار وہ عینا سے ملا مگر ہر بار اپنی خواہش کو لفظوں کا روپ دینے میں ناکام رہا تھا' لیکن آج اس کے دل کی خواہش مجسم اس کے سامنے موجود تھی اور وہ بھی بن مانگے تو وہ کیوں خوش نہ ہوتا۔ شکر گزار نہ ہوتا۔ عباس نے عینا کا حنائی ہاتھ تھاما تو جیسے اس کے پورے وجود میں لرزش سی اتر آئی تھی۔ ماحول کے سحر کو حسب معمول شیرو کی آواز نے توڑا تھا عینا چونک اٹھی تھی۔
"یہ اب تک آپ کے پاس ہی ہے۔" وہ بیڈ سے اترتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
"کون کس کی بات کررہی ہو؟" عباس حیرانگی سے اسے بیڈ سے اتر کر کھڑکی کی طرف جاتا ہوا دیکھ رہا تھا کہ یکایک اسے ہوا کیا تھا وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔
"اس ڈوگ کی..." عینا نے لحہ بھر کو قد آور کھڑکی سے نیچے لان میں جھانکا تھا جہاں شیرو بڑے مزے سے براجمان تھا اور عینا کو لگا کہ جیسے اس کی سرخ آنکھیں اور کھڑکی پر ہی ٹکی ہوں اس نے گھبرا کر فوراً ہی کھڑکی بند کی تھی۔
"آف کورس میرے پاس ہی ہے اس نے کہا جانا ہے۔" وہ گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تو پیچھے کھڑے عباس سے جا ٹکرائی تھی۔ جو اس کے پاس آکھڑا ہوا کہ وہ کر کیا رہی ہے۔
"پر عباس میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اس نے بمشکل خود کو اس سے ٹکرانے سے روکا تھا۔ خوف اس کے چہرے پہ واضح لکھا تھا۔
"لیکن مائی ڈیئر۔ تمہیں اس کے ساتھ نہیں میرے ساتھ رہنا ہے۔" اس کی شرارت میں کہی گئی بات سن کر وہ گڑبڑا گئی تھی۔ گھبراہٹ میں اس کے منہ سے غلط جملہ نکل گیا تھا جس کا عباس نے بہت لطف اٹھایا تھا اور اس کا قہقہہ عینا کو مزید خائف کر گیا تھا۔
"پر وہ جتنا آپ کا لاڈلا ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے بیڈ روم میں نہ رہنے لگے کبھی اسے پارک میں لے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے خود کو چوٹ لگوا لیتے ہیں اور کبھی سمندر کنارے۔" اس نے عباس کی طرف دیکھا تو وہاں واضح ہنسی تھی۔
"ہنسو مت نا پلیز... مجھے ڈر لگتا ہے اس سے..." وہ اب قدرے خوف زدہ سی اسے اپنے دل کی بات بتا رہی تھی اور ڈیپ ریڈ کلر کے ڈریس میں ایک انتہائی خوب صورت دلہن بنی وہ مسلسل عباس کے ضبط کو آزما رہی تھی اور ایک وہ تھی کہ ایسے وقت میں بھی شیرو کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ دراصل وہ عباس کی ہنسی اور اس کی گرفت سے مسلسل حد درجہ کنفیوژ ہو رہی

تھی، بس اسی لیے اس کا دھیان بٹانے کو یہ سب باتیں کر رہی تھی۔

"تمہیں سچ میں اس سے ڈر لگتا ہے عینا...." عباس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ عینا نے فوراً" ہی اثبات میں سرہلایا تھا۔ عباس کے لبوں پہ دبی دبی سی مسکراہٹ نے پھر سے سرابھارا تھا۔ عینا نے اس بار خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"اوکے اوکے.... ناراض مت ہو میری بات سنو۔ بس چند دن کی بات ہے پھر اس نے واپس چلے جانا ہے۔ دراصل وہ میرے ایک دوست کا ہے۔ جو کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر گیا ہے تو اس لیے اسے میرے پاس چھوڑ گیا تھا کہ' یہ تھوڑا بہت مجھ سے مانوس تھا اور بس وہ پندرہ دن میں واپس آنے والا ہے تو اسے لے جائے گا۔ تب تک پلیز اسے برداشت کرلو.... میری خاطر.... پلیز.... ویسے بھی یار ہم نے تو ایک دو دن بعد ہنی مون کے لیے چلے جانا ہے تو جب تک ہم آئیں گے واپس تب تک تو یہ جاچکا ہوگا۔ اب خوش...." عباس نے اسے دل سے قریب کرتے ہوئے اپنے قریب کیا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو...." وہ اب بھی اس کے سینے پہ ایک ہاتھ رکھے ایک فاصلہ برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"سو فیصد سچ.... عینا...." اس کے وجود سے پھوٹتی مدھم سی خوشبو عباس کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤ.... اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں' مت رہو میرے ساتھ رہنے میں تو کوئی پرابلم نہیں ہے نا...." عباس نے دھیرے سے اس کے ماتھے پہ سجی سنگھار پٹی کو چھو کر اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں بہت خوش ہوں آپ کا ساتھ پاکر عباس...." عینا نے مکمل رضامندی سے کہتے ہوئے آسودگی سے سر اس کے سینے سے ٹکا دیا تھا اور عباس خوش دلی سے مسکرا دیا تھا۔ کبھی ہم کسی کو دیکھتے ہیں.... چاہنے لگتے ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اور اسے پانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی.... کچھ کہہ نہیں پاتے.... کچھ کر نہیں پاتے اور وقت گزر جاتا ہے اور اگر کبھی بنا مانگے ہی وہ سب کچھ آپ کو مل جائے' جس کی آپ کو خواہش ہو تو آپ کس قدر خوشی محسوس کرتے ہیں وہ دونوں بھی اس وقت کچھ ایسا ہی محسوس کر رہے تھے۔

عباس.... عینا کو پاکر خوش تھا۔ کیوں کہ اندر ہی اندر کہیں وہ ڈرا ہوا تھا کہ جانے امی نے اس کے لیے جو لڑکی پسند کی ہے وہ کیسی ہوگی اور جانے وہ اس رشتے کو نبھا پائے گا یا نہیں' پر اب وہ مطمئن تھا کہ کہیں نہ کہیں وہ تھوڑا بہت ہی سہی عینا کو جانتا تھا اور اس کے ساتھ دل کی وابستگی تو ہو ہی چلی تھی' تو زندگی تو اب اچھی ہی گزرنی تھی اور عینا خوش تھی کہ سچ میں ان چمکتی آنکھوں نے پہلے ہی دن اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا اور وہ مطمئن تھی کہ اس کی قسمت کے دھاگے عباس جیسے شخص سے جا الجھے تھے۔ بس ایک شیرو کا مسئلہ تھا وہ بھی حل ہو گیا تھا۔ پر وہ دونوں اس کے بھی شکر گزار تھے کہ کہیں نہ کہیں ان دونوں کو ملوانے میں شیرو کا بھی کردار تھا' مگر عینا کو اگر شیرو سے ڈر نہ لگتا ہوتا تو یقیناً" عباس اسے اپنے پاس ہی رکھ لیتا۔

☼ ☼

بقیہ شادی مبارک

کئے دونوں۔

مما! میاں ڈالی گئیں۔ بارات جب جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی' تو عالیہ دونوں بازو آگے کر کے کھڑی ہو گئی۔ سب کی دلچسپ نظریں اس پر ہم کو بھی اشارے سے بلوایا اور "واگ پھرائی" کا مطالبہ کر دیا۔ بھائی نے بغیر کسی بحث کے ہنستے ہوئے پانچ پانچ ہزار چھ بہنوں کو دے دیے۔ باجی عظمیٰ نے سرمہ ڈالا' دو ہزار اس کو دیا اس کے تو 32 ہزار ٹھکانے لگے۔

کچھ نے کہا تھوڑے کروالو کچھ نے کہا رہنے دو۔ واپس لینے پر بھائی نہیں ملنے اور ہماری موجیں۔ ایک دم سے مٹھی گرم ہو گئی۔ (ساری بہنیں بھائیوں کی شادی کروادیں بڑا مزا ہے بھئی)

دو بڑی شادی شدہ بہنوں کے علاوہ ہم میں سے کسی کو بارات کے ساتھ جانے کی اجازت نہ تھی۔ تو ہم لوگ ابو کی اجازت سے بھائی کو مسجد سے سلام کروانے ساتھ گئیں۔ نہر کے کنارے کھڑی گاڑیوں میں بٹھا کر واپس آئے۔

ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب بارات چلی جائے تو پیچھے سے گھر میں موجود خواتین مخصوص روایتی بھنگڑا ڈالتی ہیں جو کہ ہر علاقے کا مخصوص ہوتا ہے۔ تو ہم نے بھی خوب ڈالا' میں نے اور عالی نے تو خوب ڈالا' مامیوں' پھوپھوں نے بھی رج کے ارمان نکالے خوب محفل جمی رہی۔ بارات کے ساتھ نہ جانے کا کوئی افسوس نہ ہوا۔

عالیہ اور باجی بشریٰ' عقیلہ مسری لگانے لگیں۔ ہم نے دوپہر کا کھانا کھلانا شروع کیا۔ شام کو بارات کے آنے سے پہلے پرپل کلر کی پاؤں کو چھوتی فراک چوڑی دار پاجامہ کے ساتھ زیب تن کی۔

رات کو نو بجے کے بعد بارات کی واپسی ہوئی۔ سارے مہمان رات کے کھانے میں بریانی نوش فرما چکے تھے۔ چائے کا دور چل رہا تھا۔

بھابھی سب کو ہی بڑی پسند آئی۔ بھائی سے کوئی دس بارہ سال چھوٹی بھابھی اس سال ہی میٹرک پاس کیا ہے۔ گوری چٹی بھابھی لاہور کی پروردہ۔ پتوکی کے گاؤں میں اپنی پھوپھو کے گھر تشریف لائیں۔ اس کے ابو' امی کے چچا زاد بھائی ہیں۔

ولیمہ والے دن مہمان جلدی آنا شروع ہو گئے۔ میں اور نبیل سب سے پہلے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔

ولیمہ کے لیے میرا ڈریس میکسی تھا۔ بڑی دونوں نے چھوڑ کر ہم چاروں نے میکسیاں خریدی تھیں۔ جو کہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھیں۔ دونوں طرف سے پکڑ کر چلنا پڑتا تھا۔ ابو خوب ہنسنے لگے۔

"خود کو تم لوگوں نے وقت ڈالا ہوا ہے۔" دو تین بار مجھے میکسی پہننے کے باوجود چولہے پر چائے تیار کرنے بیٹھنا پڑا۔

ولیمہ کو خوب انجوائے کیا خوب تصویریں بنوائیں بھابھی کے گھر والوں کی خاطر مدارت میں ہماری کھانے کی باری سب سے آخر میں آئی۔

جاتے ہوئے وہ صدف بھابھی اور بھائی کو ساتھ لے گئے۔ تو ہم بھی کپڑے تبدیل کر کے پھیلاوا سمیٹنے لگے۔ زیادہ تر مہمان چلے گئے۔ ساری پھپھیاں بھی چلی گئیں۔ پھوپھو جو کہ فیصل آباد میں ہوتی ہیں۔ ان کا فون آ گیا۔ پھوپھا جی یک دم دل کے عارضے میں مبتلا ہاسپٹلائز ہو گئے۔ وہ گئے باقی سارے بھی چلے گئے۔

میں نے شادی کا احوال اس قدر تفصیل سے ٹریجڈیز کا ذکر کرتے ہوئے اس لیے بیان کیا ہے۔

غم و خوشی اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ان دونوں کا ساتھ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا غموں کے ہجوم میں پل پل کی خوشی کشید کرنا ہم انسانوں پر منحصر ہے۔ اللہ پاک تو آزماتا ہی ہے۔ اور آزماتا رہے گا۔ ہم انسان ہی کیا جو آزمائش پر پورے نہ اتریں۔ اشرف المخلوقات ہونے کا حق اتنی آسانی سے نہیں اترتا۔

شادی کا احوال تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہے۔ اب ان دونوں کی خوشیوں کی بھی دعا کیجیے گا۔ اللہ پاک ان دونوں کو خوش و آباد رکھے اور ہمارے گھر کی رونقوں کو دوبالا کرے۔ (آمین)

☆ ☆

مقابل ہے آئینہ
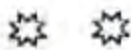
کنیز فاطمہ

شاہین رشید

س۔ "آپ کا پورا نام؟ گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟"

ج۔ "میرا نام کنیز فاطمہ ہے' گھر میں کوئی کنیز اور کوئی فاطمہ کہتا ہے' اپنی پیاری سی کیوٹ سی دو سالہ بھتیجی ایمان فاطمہ کی جاناں پھوپھو ہوں۔"

س۔ "کبھی آپ نے آئینے سے آئینے نے آپ سے کچھ کہا؟"

ج۔ "آئینہ کہتا ہے' اتنی پیاری شکل دی ہے اللہ پاک نے' اس کا جتنا بھی شکر ادا کرو کم ہے' میں اس کی بات سے سو فیصد متفق ہو جاتی ہوں۔"

س۔ "آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟"

ج۔ "میرے رب سے میرا تعلق کوئی مجھے کچھ بھی سمجھے' میرا رب مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی پروا نہیں ہوتی۔"

س۔ "مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟"

ج۔ "ایک اچھا سا ناول لکھنا چاہتی ہوں' اللہ کرے جلد لکھ پاؤ۔"

س۔ "پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور، مطمئن کیا؟"

ج۔ "پچھلے سال تو نہیں' اس سال جب جون کے خواتین میں میرا خط شائع ہوا تو بہت خوشی ہوئی تھی۔"

س۔ "آپ اپنے گزرے کل' آج اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں کیسے واضح کریں گی؟"

ج۔ "اللہ پاک کی ذات پہ کامل یقین۔"

س۔ "اپنے آپ کو بیان کریں؟"

ج۔ "کسی سے نفرت نہیں کر سکتی' چاہے کوئی میرے ساتھ کتنا بھی برا کرے مجھے لگتا ہے اگر میں نفرت کو اپنے اندر جگہ دوں گی تو میرا رب مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔"

س۔ "کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی اپنے پنجے آپ میں گاڑے ہوئے ہیں؟"

ج۔ "ایک مرتبہ ٹی وی پہ اک ڈراؤنا سین دیکھ کر بہت زیادہ ڈر گئی تھی' دو دن مجھے نیند نہیں آئی تھی۔"

س۔ "اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟"

ج۔ "جب میری امی کی اچانک ڈیتھ ہوئی تھی وہ دن میں کبھی نہیں بھول سکتی' وہ دن میرے ذہن میں اچھی طرح نقش ہو گیا ہے' چھ سال ہو گئے ہیں' ایسے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔"

س۔ "آپ کی کمزوری اور آپ کی طاقت؟"

ج۔ "میری کمزوری یہ ہے کہ میں سب کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور میری طاقت' میرا رب کی ذات پہ بھروسا ہے۔"

س۔ "آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟"

ج۔ "اتنی ہو کہ کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے' کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے' اتنی نہ ہو کہ انسان خدا کو ہی بھول جائے۔"

س۔ "گھر آپ کی نظر میں؟"

ج۔ "اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے بہترین نعمت۔"

س۔ "آپ کے لیے محبت کیا ہے؟"

ج۔ "محبت اگر خدا سے ہو تو انسان کو بہت اوپر لے جاتی ہے' اگر اس کی رضا کے لیے اس کی مخلوق سے کی جائے تو خدا کے قرب کی بہت سی منزلیں با آسانی طے ہو جاتی ہیں اور اگر خدا کو بھول کر انسانوں سے اور مادی چیزوں سے کی جائے تو بہت خواری اٹھانی پڑتی ہے۔"

س۔ "کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟"

ج۔ "معاف کر دیتی ہوں' بھولتی نہیں ہوں' کیونکہ یہ انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہوتا' اپنے معاملات اپنے رب پہ چھوڑ دیتی ہوں' کیونکہ وہ بہترین بدلہ لینے

والی ذات ہے۔"
س ۔ "اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتی ہیں۔"
ج ۔ "انسان کی اوقات و بساط ہی کیا ہے ساری کامیابیاں تو میرے رب کی دین ہوتی ہیں۔"
س ۔ "کامیابی کیا ہے؟"
ج ۔ "میرے خیال میں کامیابیاں دو قسم کی ہوتی ہیں' ایک روحانی کامیابی اور ایک دنیاوی کامیابی۔ روحانی کامیابی مجھے بہت مسرور کرتی ہے' راضی بہ رضا رہنا بھی بہترین کامیابی ہے۔"
س ۔ "سائنسی ترقی نے مشینوں کا محتاج کردیا ہے؟"
ج ۔ "سائنسی ترقی میری نظر میں بہت ساری آسانیوں کا موجب بنی ہے۔"
س ۔ "کوئی عجیب خواہش یا خواب؟"
ج ۔ "میرا خواب ہے کہ میں دنیا کا چپا چپا گھوموں پھروں' موجیں کروں' بظاہر تو اس خواب کے پورا ہونے کے چانس نظر نہیں آرہے' لیکن اگر رب چاہے تو کیا ممکن نہیں ہے؟"
س ۔ "برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟"
ج ۔ "کبھی کبھی تو بارش بہت اچھی لگتی ہے' موڈ خوش گوار کردیتی ہے اور کبھی کبھی بہت بری لگتی ہے۔ خصوصاً" تب جب باجی کام والی آکے بتاتی ہے کہ ساری رات ان کی چھت ٹپکتی رہی۔"
س ۔ "آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟"
ج ۔

ہم جو ہیں نہ احساس میں ڈھلتے ہوئے لوگ
زمیں زاد نہ ہوتے تو ستارے ہوتے

س ۔ "آپ بہت اچھا محسوس کرتی ہیں جب؟"
ج ۔ "جب میں کسی کی مدد کروں' جس کی وجہ سے اگلے کے چہرے پہ حقیقی خوشی نظر آئے۔"
س ۔ "آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"
ج ۔ "اچھا اخلاق مجھے بہت متاثر کرتا ہے' عاجزی مجھے بہت متاثر کرتی ہے۔"
س ۔ "کیا آپ نے اپنی زندگی میں وہ سب پالیا جو آپ چاہتی تھیں؟"
ج ۔ "کہاں جی! خواہشیں تو انسان کی قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"
س ۔ "ایک خوبی اور خامی جو مطمئن یا مایوس کردیتی ہے؟"
ج ۔ "حساس بہت ہوں' یہی خوبی بھی ہے اور خامی بھی۔"
س ۔ "آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟"
ج ۔ "اپنے آپ کے ساتھ میں خود ہی اپنی بہترین دوست ہوں۔"
س ۔ "کوئی ایسا واقعہ جو شرمندہ کردیتا ہو آج بھی۔"
ج ۔ "کوئی واقعہ تو نہیں' ہاں البتہ کسی کی مدد کرنے کی پوزیشن میں ہوں اور کسی وجہ سے نہ کرسکوں تو بہت شرمندہ ہوتی ہوں خود سے بھی اور اپنے رب سے بھی۔"
س ۔ "کیا آپ مقابلے کو انجوائے کرتی ہیں یا خوف زدہ ہوجاتی ہیں؟"
ج ۔ "مقابلہ نہیں کرتی' بلکہ اپنے آپ میں مطمئن رہتی ہوں۔"
س ۔ "متاثر کن کتاب' مصنف' مووی؟"
ج ۔ "قرآن پاک' اشفاق احمد بابا' محمد یحیٰ خان' مووی کوئی خاص پسند نہیں ہے۔"
س ۔ "آپ کا غرور؟"
ج ۔ "غرور نہیں کرتی' اگر کبھی دماغ میں غرور کا فتور اٹھنا بھی چاہے تو شٹ اپ کال دے دیتی ہوں۔"
س ۔ "کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کردیتی ہو؟"
ج ۔ "نہیں ایسی کوئی شکست نہیں ہے۔"
س ۔ "مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟"
ج ۔ "مطالعہ کی اہمیت یہ ہے کہ اگر میرے پاس کوئی بھی نہ ہو اور اچھی اچھی کتابیں ہوں تو میں بہت خوشی خوشی رہ سکتی ہوں۔"
س ۔ "پسندیدہ شخصیت؟"
ج ۔ "سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑیں تمام پاکیزہ ہستیاں۔"

شعلہ عزیز

القرآن

☆ مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ خدا کے نزدیک یہی درست بات ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں۔ جو بات تم سے غلطی میں ہو گئی ہو۔ اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔

(سورۃ الاحزاب)

☆ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے تم کو کچھ چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔

(سورۃ النساء)

صبر و شکر

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "بندہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے' اس کے ہر معاملے اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے' اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام ملے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے' اور اس میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اس کو کوئی دکھ اور تکلیف ملے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور برکت کا سبب ہے۔"

(صحیح مسلم)

موت پر صبر اور اس کا اجر و ثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں کسی ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو اٹھالوں' پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں۔

(صحیح بخاری' معارف الحدیث)

بکھرے موتی

☆ کچھ لوگ قسمت کی طرح ہوتے ہیں جو دعا سے ملتے ہیں اور کچھ لوگ دعا کی طرح ہوتے ہیں جو قسمت بدل دیتے ہیں۔

☆ شکست کھانا بری بات نہیں' شکست کھا کر ہمت ہار جانا بری بات ہے۔

☆ کسی رشتے کو کتنی بھی محبت سے باندھا جائے' لیکن اگر عزت اور لحاظ چلا جائے تو محبت بھی چلی جاتی ہے

☆ جب غلطی ثابت ہو جائے تو عقل مند اپنے آپ کو درست کر لیتا ہے اور جاہل ضد پر اڑ جاتا ہے۔

طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیر والا

سوال و جواب

☆ احمد فراز۔

اسے ہم یاد آتے ہیں فقط فرصت کے لمحوں میں
مگر یہ بات بھی سچ ہے اسے فرصت نہیں ملتی

☆ پروین شاکر۔

ہم تسلیم کرتے ہیں ہمیں فرصت نہیں ملتی
مگر جب یاد کرتے ہیں زمانہ بھول جاتے ہیں

☆ بشریٰ رحمٰن۔

زمانہ بھول جاتے ہیں تیری اک دید کی خاطر
خیالوں سے نکلتے ہیں تو صدیاں بیت جاتی ہیں

☆ وصی شاہ۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

صدیاں بیت جاتی ہیں خیالوں سے نکلنے میں
مگر جب یاد آتے ہیں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ریما نور رضوان۔ کراچی

عظمت استاد

فاتح عالم سکندر اعظم ایک مرتبہ اپنے استاد ارسطو کے ساتھ گھنے جنگل سے گزر رہا تھا۔ راستے میں ایک بہت بڑا برساتی نالہ آگیا۔ نالہ بارش کی وجہ سے طغیانی پر آیا ہوا تھا۔ استاد اور شاگرد کے درمیان بحث ہونے لگی کہ خطرناک نالہ پہلے کون پار کرے گا۔ سکندر بضد تھا کہ پہلے وہ جائے گا۔ آخر ارسطو نے اس کی بات مان لی۔ پہلے سکندر نے نالہ پار کیا' پھر ارسطو نے نالہ عبور کر کے سکندر سے پوچھا۔

"کیا تم نے پہلے نالہ پار کر کے میری بے عزتی نہیں کی؟"

سکندر نے جواب دیا۔ "نہیں استاد مکرم میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ارسطو رہے گا تو ہزاروں سکندر تیار ہو سکتے ہیں' لیکن سکندر ایک بھی ارسطو تیار نہیں کر سکتا۔"

حورین زینب۔ کھڈوڑیکا

فیس بک

کلاس کے دوران ایک لڑکے نے اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولا۔ جیسے ہی اس کا اسٹیٹس آن لائن شو ہوا۔

فوراً" پروفیسر نے کمنٹ کیا۔ "کلاس سے نکل جاؤ۔"

پرنسپل نے پروفیسر کے کمنٹ کو لائیک کیا۔

دوست نے کمنٹ کیا۔ "اوئے کیفے آجا۔"

ماں نے کمنٹ کیا۔ "نالائق انسان کلاس نہیں لینی تو سبزی لے کر گھر آجا۔"

اسی وقت گرل فرینڈ کا کمنٹ آگیا۔ "دھوکے باز تم نے تو کہا تھا اسپتال میں ہوں' دادی آخری اسٹیج پر ہے' اس لیے ملنے نہیں آسکتا۔"

اور اسی وقت دادی نے کمنٹ کیا۔ "او بیڑا غرق تیرا بے غیرتا۔"

شازیہ اعجاز۔ کراچی

زندگی

☆ زندگی ایک مشن ہے' اسے پورا کرو۔
☆ زندگی ایک تجربہ ہے' اس سے سبق حاصل کرو۔
☆ زندگی ایک امانت ہے' اس کی حفاظت کرو۔
☆ زندگی آخرت کی کھیتی ہے' اس سے اچھی فصل کاشت کرو۔
☆ زندگی ایک پھول ہے' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول پر گزارو۔

اقصیٰ ماہ نور ہراج۔۔۔ داؤ والہ تلمبہ

سکون

ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا۔ "میں سکون چاہتا ہوں۔"

بزرگ نے فرمایا۔ "اس جملے میں سے (میں) نکال دو۔ یہ تکبر کی علامت ہے۔ (چاہتا ہوں) نکال دو یہ خواہش نفس کی علامت ہے۔ آپ کے پاس صرف سکون ہی رہ جائے گا۔"

افکار جبران

☆ اس عورت کے انتہائی کرب کا اندازہ کون کر سکتا ہے' جو ان دو مردوں کے درمیان گرفتار ہو گئی ہو۔ ایک اس سے بہت محبت کرتا ہے اور دوسرے کو وہ دل دے بیٹھی ہو۔

☆ میں نے دنیا اس لیے تیاگ دی ہے کیونکہ لاکھوں انسانوں سے تکلف اور نرمی سے پیش آتے آتے بے زار ہو گیا' جو انکساری کو کمزوری' رحم کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔

اقرا ممتاز۔۔۔ سرگودھا

اپنا آدمی

حج ادا کرنے گیا تھا قوم کا لیڈر کوئی
سنگباری کے لیے شیطان پر جانا پڑا

ایک کنکر پھینکنے پہ یہ صدا آئی اسے
تم تو اپنے آدمی تھے، تم کو آخر کیا ہوا

(جارج گورڈن بائرن)
صدف سمیع۔ کراچی

نسخہ

ایک صاحب نے نفسیاتی معالج سے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ کو یاد ہوگا۔ سال بھر پہلے آپ نے مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ اعصابی سکون حاصل کرنے کے لیے مجھے خوب صورت لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے تاکہ بزنس میرے ذہن پر سوار نہ رہے۔

"ڈاکٹر بولا۔ جی ہاں یاد تو ہے۔"

ان صاحب نے کہا۔ کیا آپ اب میرے ذہن پر بزنس سوار کرنے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کر سکتے ہیں۔

گڑیا شاہ۔ کھوڑ پکا

حقیقی محبت

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" کو اپنا بنالیں' یہ ہے اقرار محبت یعنی "کلمہ"

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" سے باتیں کریں یہ ہے "نماز"

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیں' یہ ہے "روزہ"

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" کے لیے مال خرچ کریں' یہ ہے "زکوٰۃ"

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" کے گھر کے چکر لگائیں' یہ ہے "حج"

☆ دل چاہتا ہے کہ "محبوب" پر جان لٹادیں' یہ ہے "جہاد"

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

سوال

☆ جو لوگ سوال نہیں اٹھاتے۔ "وہ منافق ہیں"

☆ جو لوگ سوال کر نہیں سکتے۔ "وہ احمق ہیں"

☆ جن کے ذہن میں سوال ابھرتا ہی نہیں۔ "وہ غلام ہیں"

عشق مجازی اور عشق حقیقی

مجھے بہت جستجو تھی کہ عشق مجازی اور عشق حقیقی کا فرق جان سکوں' ایک دن اباجی نے بتایا کہ۔ اشفاق 'اپنی انا کو کسی ایک شخص کے سامنے ختم کرنے کا نام عشق مجازی ہے' اور اپنی انا کو سب کے سامنے ختم کرنے کا نام عشق حقیقی ہے۔ (اشفاق احمد)

بات ہے پتے کی

☆ 100 روپے کا نوٹ بہت بڑا لگتا ہے جب مسجد میں دیا جائے لیکن شاپنگ کے لیے استعمال کرنا ہو تو بہت چھوٹا لگتا ہے۔

☆ دو گھنٹے مسجد میں بیٹھنا بھاری لگتا ہے لیکن فلم دیکھنے کے لیے تین گھنٹے بہت کم لگتے ہیں۔

☆ ایک کرکٹ میچ کی کمنٹری سننے کے لیے لوگ پاگل ہو رہے ہوتے ہیں لیکن جمعۃ المبارک کا خطبہ وقت سے تھوڑا زیادہ ہو جائے تو لوگ پریشان ہو جاتے ہیں۔

ارم کوثر۔ حیدر آباد

سپردگی

آج وہ مدت بعد آئی تھی
بس یہ کہنے
جاناں!

یا جاگدا اپرے دار راتیں
یا جاگدا عشق دی رمز والا
یا جاگدا یار دا یار راتیں
وارث میاں سب سو جاندے
بس جاگدا پروردگار راتیں

(وارث شاہ)

☆ ☆

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر
شاکر علی شاکر کی غزل

ہر اک جانب ہوا چرچا دسمبر ہی دسمبر ہے
کہیں پر زور سے برسا دسمبر، ہی دسمبر ہے

نومبر بھی دسمبر سے پہلے ہی آتا ہے
نجانے کیوں ہوا رسوا دسمبر ہی دسمبر ہے

جسے دیکھو بہاتا پھر رہا ہے آٹھ آٹھ آنسو
کہیں پر بوند کو ترسا دسمبر ہی دسمبر ہے

اداسی چھا گئی ہر سو دسمبر کے مہینے میں
مکمل سال، میں تنہا دسمبر ہی دسمبر ہے

دسمبر میں بھی گرمی جون کی من میں بھر گئی ہے
بظاہر میں مگر ٹھنڈا دسمبر ہی دسمبر ہے

برا کہتے ہیں جو عاشق دسمبر کو، کبھی سن لیں
حقیقت میں بہت اچھا دسمبر ہی دسمبر ہے

کوئی بھی شخص شاکر کو نہیں اب تک سمجھ پایا
جو مجھ کو دیکھ کر کہتا ہے دسمبر ہی دسمبر ہے

فوزیہ ثمر بٹ، کی ڈائری میں تحریر
نوشی گیلانی کی نظم

پچھلے سال کی ڈائری کا آخری ورق،

کوئی موسم ہو وصل و ہجر کا
ہم یاد رکھتے ہیں
تیری باتوں سے اس دل کو
بہت آباد رکھتے ہیں
کبھی دل کے صحیفے پر
تجھے تصویر کرتے ہیں

کبھی پلکوں کی چھاؤں میں
تجھے زنجیر کرتے ہیں
کبھی خوابیدہ شاموں میں
کبھی بارشوں کی راتوں میں
کوئی موسم ہو وصل و ہجر کا
ہم یاد رکھتے ہیں
تیری باتوں سے اس دل کو
بہت آباد رکھتے ہیں

دانیہ عامر، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی غزل

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی مداراتوں کے بعد

کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

تھے بہت بے درد لمحے ختم درد عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد

دل تو چاہا پر شکست دل نے مہلت نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کر لیتے مناجاتوں کے بعد

ان سے جو کہنے گئے تھے فیض جاں صدقہ کیے
ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد

نوشابہ اسد، کی ڈائری میں تحریر
سلیم کوثر کی غزل

زخم احساس اگر ہم بھی دکھانے لگ جائیں
شہر کے شہر اسی غم میں ٹھکانے لگ جائیں

جس کو ہر بات میں محسوس کیا ہم نے
ہم اسے ڈھونڈنے نکلیں تو زمانے لگ جائیں

ابر سے اب کے ہواؤں نے یہ سازش کی ہے
خشک پیڑوں پہ ثمر پھر سے نہ آنے لگ جائیں

کاش اب کے تیرے آنے کی خبر سچی ہو
ہم منڈیروں سے پرندوں کو اڑانے لگ جائیں

شعر کا نشہ جو اترے کبھی اک پل کے لیے
زندگی ہم بھی ترا قرض چکانے لگ جائیں

سوچتے ہیں تیرا نام لکھیں پلکوں پر!
چاہتے یہ ہیں تجھے سب سے چھپانے لگ جائیں

اس طرح دن کے اجالے سے ڈرے لوگ سلیم
شام ہوتے ہی چراغوں کو بجھانے لگ جائیں

رباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
خالد شریف کی نظم

تم نے بھی کون سا چاہا تھا مجھے،

تم نے بھی کون سا چاہا تھا مجھے
میری باتیں بھی غلط میرے ارادے بھی غلط
بے وفائی کا یہ خود ساختہ بہتان بھی تسلیم مجھے
یہ بھی مانا کہ غم دہر جواں تھا تو غم جاں
کو مری آنکھ کے آنسو نہ ملے
جب زمانوں کی یہ بے مہر ہوائیں میری سوچوں کو
جلا دیتی ہیں
میں سوچتا ہوں
جب غم دہر کی پلکیں تیری جانب میری شدت کو
گھٹا دیتی
میں سوچتا ہوں
جب کبھی اپنی جفائیں مجھے خود اپنی نگاہوں میں
گرا دیتی ہیں
میں سوچتا ہوں
تم نے بھی کون سا چاہا تھا مجھے

لبنیٰ خاور، کی ڈائری میں تحریر
ادا جعفری کی غزل

یہ فخر تو حاصل ہے برے ہیں کہ بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی ترے ساتھ چلے ہیں

جلنا تو چراغوں کا مقدر ہے ازل سے
یہ دل کے کنول ہیں کہ بجھے ہیں نہ جلے ہیں

نازک تھے کہیں رنگ گل بوٹے سمن سے
جذبات کے آداب کے سانچے میں ڈھلے ہیں

تھے کتنے ستارے کہ سر شام ہی ڈوبے
ہنگام سحر کتنے ہی خورشید ڈھلے ہیں

جو جھیل گئے ہنس کے کڑی دھوپ کے تیور
تاروں کی خنک چھاؤں میں وہ لوگ جلے ہیں

جب تیرے تصور نے جلائی نہیں شمعیں
لمحات وہی اپنے دل و جاں پہ کھلے ہیں

خوشبو سے تو اندازہ شبنم نہیں ہوتا
وہ کون سے نغمے تھے کہ پھولوں میں ڈھلے ہیں

اک شمع بجھائی تو کئی اور جلا لیں
ہم گردش دوراں سے بڑی چال چلے ہیں

شگفتہ سلیمان

شازیہ گلزار بھٹی ——— بھکر

کسی کو دیکھوں تو ماتھے پہ ماہ و سال ملیں
کہیں بکھرتی ہوئی دھول میں سوال ملیں
آؤ کچھ دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شاید نہ اگلے سال ملیں

طاہرہ ملک ——— جلال پور پیر والا

وجہ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا بس
وہ لہجے بدلتے گئے اور ہم اجنبی ہوتے گئے

سیدہ نوبا سجاد ——— کہروڑ پکا

گھر چتا جا رہا ہے غم تیرا اندر ہی اندر سے
کسی دن دیکھنا یہ مجھ میں کلبی غار کر دے گا
اسے جا کر یہ مت کہنا کہ میں مشکل میں ہوں مظہر
وہ میری زندگی اور بھی دشوار کر دے گا

فائزہ بھٹی ——— پتوکی

دسمبر میں کہا تھا نا کہ واپس لوٹ آؤ گے
ابھی تک تم نہیں لوٹے دسمبر تو لوٹ آیا ہے

ندا، فضہ ——— فیصل آباد

سر بازار نکلوں تو آوارگی کی تہمت
تنہائی میں بیٹھوں تو، الزام محبت

نادیہ، نجمہ ——— گلستان جوہر

اے حاصل خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اداس ہوں

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑ پکا

میری آنکھوں میں سورج پگھلتا رہا، چاند جلتا رہا
تیری یادوں کا سورج نکلتا رہا، چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگی
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا، چاند جلتا رہا

عذرا ناصر ——— کورنگی

تیرے بغیر گزرتا نہیں تھا اک پل بھی
تیرے بغیر مگر زندگی گزاری ہے

آمنہ اجالا ——— ڈہرکی

اک چھوٹی سی غلطی پر مجھے وہ چھوڑ گیا
جیسے صدیوں سے میری غلطی کی تلاش میں تھا

ارم ذوالفقار ——— گلستان جوہر

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

صدف عمران ——— کے ڈی اے

قرب کے نہ وفا کے ہوتے ہیں
جھگڑے سارے انا کے ہوتے ہیں

صائمہ جبیں ——— کراچی

تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ بھی قیامت کبھی کبھی

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ

آخر شب وہ کسی یاد کی آہستہ روی
جیسے رگ رگ میں اترتا چلا جائے کوئی

ثمرہ عبید ——— صدر کراچی

تیری حالت سے تو لگتا ہے تیرا اپنا تھا کوئی
اتنی سادگی سے برباد کوئی غیر نہیں کرتا

عابدہ نثار ——— پشاور

اب تو خلوص دل ہے فقط مصلحت کا نام
بے لوث دوستی کے زمانے گزر گئے

زبیدہ ریاض ——— مانسہرہ

کوئی سوال کرے تو کیا کہوں اس سے
بچھڑنے والے سبب تو بتا جدائی کا

پروین اکبر ——— کوئٹہ

ہوتی ہے تیرے نام سے وحشت کبھی کبھی
برہم ہوئی ہے یوں بھی طبیعت کبھی کبھی

سعدیہ سلیم ——— شریف آباد

افسوس تو ہے تیرے بدل جانے کا مگر
تیری کچھ باتوں نے جینا سکھا دیا

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

الفاظ

زندگی میں باز چیزوں کو صاف ہاتھ پر لکھنا جتنا آسان ہوتا ہے، حقیقی زندگی میں ان پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ بعض الفاظ جب حقیقت کا لبادہ اوڑھ کر مجسم سامنے آئیں تو ان کو دیکھنے سے ہی آنکھیں جلنے لگتی ہیں۔ ان کو چھو کر محسوس کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

(دیمک زدہ محبت ۔۔۔ صائمہ اکرم چوہدری)

فائزہ بھٹی ۔۔۔ پتوکی

کشش ثقل

یہ نیوٹن نے دریافت کی تھی۔ غالباً "اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ نیوٹن اسی سے درختوں سے سیب گرایا کرتا تھا۔ آج کل سیڑھی پر چڑھ کر توڑ لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا، کوئی شخص حکومت کی کرسی پر بیٹھ جائے تو اس کے لیے اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے اسے لوگ زبردستی اٹھاتے ہیں، یہ بھی کشش ثقل کے باعث ہوتا ہے۔ (ابن انشا)

سیدہ نسبت زہرا ۔۔۔ کھڑورپکا

زندگی

زندگی کی پہلی شرط زندہ رہنا ہے۔ کسی کے ہونے نہ ہونے سے زندگی رک نہیں جاتی چلتی رہتی ہے۔ اکثر وہ لوگ جن کو ہم اپنی زندگی کے لیے ناگزیر جانتے ہیں۔ اچانک بغیر کسی بڑی وجہ کے ہم سے دور چلے جائیں یا ہو جائیں زندگی پھر بھی نہیں رکتی، تھوڑی دشوار لگتی ہے مگر تمام نہیں ہوتی۔

(رخسانہ نگار عدنان ۔۔۔ دھند کے بعد)

صائمہ مشتاق ۔۔۔ مدینہ کالونی سرگودھا

غدار

جیسے شہید قبر میں جا کر بھی سینکڑوں سال زندہ رہتا ہے، ایسے ہی غدار کی غداری بھی صدیوں یاد رکھی جاتی ہے۔ دن کے اختتام پہ فرق صرف اس چیز سے پڑتا ہے کہ انسان تاریخ میں صحیح طرف تھا یا غلط طرف پہ۔

(جنت کے پتے ۔۔۔ نمرہ احمد)

افشاں سمیع ۔۔۔ کراچی

اثر پذیری

"کائناتی شعور ہر اس شخص کا اثر قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ جو اس کے ساتھ اپنے حقیقی تعلق اور واسطے کا ادراک و فہم رکھتا ہے۔ اثر ہونے سے مراد ہے کہ اپنے خالق حقیقی کو موقع دیں کہ وہ آپ کے معمولات زندگی کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرے اور آپ کی زندگی میں کوئی بھی مشکل اور مسئلہ پیدا نہ ہونے دے اور آپ کی زبان پر ہمیشہ یہی الفاظ ہونے چاہئیں۔ میں اس قوت و توانائی کی رہنمائی میں اس کی معاونت قبول کرتا ہوں جس نے مجھے خلق کیا۔ اس قوت و توانائی سے میرا کوئی مطالبہ نہیں۔"

(ڈاکٹر وائن ڈبلیو ڈائر ۔۔۔ قوت ارادی)

سیدہ لوبا سجاد ۔۔۔ کہروڑپکا

تلاش

تلاش کا عمل بھی خوب ہے۔ لوگ نیلے آسمان پر عید کا چاند تلاش کرتے ہیں قدموں کا نشان دیکھ کر چور کا کھوج لگاتے ہیں۔ کلائی ہاتھ میں لے کر معدے کے اندر حدت تلاش کرتے ہیں۔ کھنڈرات دیکھ کر پرانے لوگوں کا چلن ڈھونڈتے ہیں۔ خوش وقتی کے لیے اچھا جسم تلاش کرتے ہیں۔ جب بچہ گھر نہیں پہنچتا تو ماں اس کو تلاش کرنے کے لیے دیوانہ وار راہوں اور شاہراہوں پر نکل جاتی ہے۔ جب اسی بچے کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ اپنی بیوی کے کھانوں میں اپنی ماں کے پکوانوں کی بو باس تلاش کرتا ہے۔ جب بچہ نوجوان اداس اور تنہا ہوتا ہے وہ جیون تلاش کرتا ہے اور جب اسے زندگی کا ساتھی مل جاتا ہے تو وہ اسے گھر چھوڑ کر دوسروں کے جیون ساتھیوں کا نظارا کرنے باہر نکل جاتا ہے۔

(سفر در سفر ۔۔۔ اشفاق احمد)

اقراء شہزادی ۔۔۔ سرگودھا

سمجھ داری

شوہر "میں نے سنا ہے عورت روزانہ تین ہزار باتیں کرتی ہیں اور مرد سارہ دن میں ہزار باتیں کرتا ہے۔"

بیوی "ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے عورتوں کی مجبوری ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات دو دو تین تین بار دہرائیں تاکہ احمق لوگ سمجھ سکیں....."

شوہر "تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

بیوی "دیکھا جب تک میں دوسری بار نہ بولوں، تمہیں بات سمجھ نہیں آئی۔"

صنوبر خان..... کراچی

تحقیق

ایک پاکستانی نے امریکا میں جلیبی بنانے کا کاروبار شروع کیا تو ایک امریکی روز اس سے پانچ کلو جلیبی خرید کرلے جاتا رہا آخر ایک دن اس پاکستانی نے اس سے پوچھا۔

"آپ اتنی جلیبیوں کا کیا کرتے ہیں۔ یہ آپ کو اتنی پسند ہیں؟"

امریکی بولا۔ "ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان ٹیوبوں میں رس کیسے بھرا جاتا ہے؟"

فائزہ بھٹی..... پتوکی

موقع

ایک خوب صورت لڑکی نے ایک لڑکے سے کہا۔

"میں ستر بار کہہ چکی ہوں کہ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔"

لڑکے نے اداس لہجے میں کہا۔

"اوہ! میری زندگی ہی بے کار ہوگئی۔ میں نے پتا نہیں کیسے کیسے جتن کرکے دس لاکھ روپے جمع کیے تھے۔"

لڑکی ایک ادا سے بولی۔

"اوہ! کیا تم مجھے اکہترواں موقع نہ دو گے؟"

نابلہ..... پشاور

صحیح وارث

لڑکی نے گھر میں داخل ہوتے ہی ہنگامہ کھڑا کردیا۔ تمام گھر والے فوراً "اکٹھے ہوگئے۔ گھبرایا گھبرایا سا باپ بھی پہنچ گیا اور لرزیدہ آواز میں بولا۔

"کیا بات ہے بیٹی آج خیریت تو ہے؟"

"ابو جان! ایک لڑکا مجھے مسلسل دو ماہ سے تنگ کر رہا ہے۔" لڑکی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

"میں اس کمینے کو ابھی حوالات میں بند کرواکر الٹا لٹکواکر چھترول کرواتا ہوں۔ آج کل کے لڑکوں میں ذرا شرم و حیا نہیں ہے۔" باپ نے غصے سے کہہ کر جیب سے موبائل نکالنا چاہا تو بیٹی باپ سے بولی۔

"نہیں ابو جان! میں اسے اس سے بھی سخت سزا دینا چاہتی ہوں۔"

"مگر وہ کیا بیٹی۔"

"ابو جان! وہ یہ کہ آپ میری اس سے شادی کروا دیں۔" لڑکی نے چہرے کو سخت اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی باپ نے تالی بجائی اور مسکرا کر بولا۔

"بیٹی! تم انتقام کے معاملے میں بالکل اپنی ماں پر گئی ہو۔"

ماہم خان..... جہلم

پاکستانی

جہنم میں عذاب کے کئی کنویں تھے۔ جن میں لوگوں پر عذاب نازل ہو رہا تھا۔ سوائے ایک کے سب پر ایک ایک فرشتہ مقرر تھا تاکہ کوئی عذاب الٰہی سے گھبرا کر باہر نہ نکل سکے۔

کسی نے پوچھا "اس کنویں میں کون لوگ ہیں؟"

جواب ملا "اس میں پاکستانی ہیں۔"

سوال ہوا "اس کنویں پر فرشتہ مقرر کیوں نہیں ہے؟"

جواب ملا "دراصل یہ لوگ ایک دوسرے پر بہت مہربان ہیں اس لیے جو کوئی بھی عذاب سے گھبرا کر باہر نکلنے لگتا ہے تو باقی سب اس کی ٹانگ کھینچ کر اندر لے جاتے ہیں۔"

عفت امیر۔۔۔ لاہور

پریشانی

فراز اور نوید پارک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فراز بہت پریشان تھا۔

نوید نے فراز سے پوچھا "تم کیوں اتنے پریشان ہو؟"

فراز بولا "میرے ابو نے کل بینک سے پیسے نکالے تو پولیس نے انہیں خوب مارا۔"

نوید نے کہا "بینک سے تو سب ہی پیسے نکالتے ہیں۔ انہیں تو کوئی نہیں مارتا۔"

فراز نے جواب میں کہا "میرے ابو نے رات کے ایک بجے پیسے نکالے تھے۔"

اریبہ کاشف۔۔۔ کراچی

شیخی خور

امریکیوں میں بھی شیخی خورے پائے جاتے ہیں۔ کراچی کے ایک بزنس مین کے ہاں بھی ایک شیخی خورا امریکی مہمان آٹھہرا۔

دوسرے دن میزبان اسے اپنی گاڑی میں شہر کی سیر کرانے نکلا تو شارع فیصل پر ایک عمارت دیکھ کر امریکی نے پوچھا۔

"یہ کون سی عمارت ہے؟"

"یہ سی بریز پلازہ ہے۔ بیس منزلہ ہے۔" پاکستانی بزنس مین نے قدرے فخر سے بتایا۔

"اوہ۔۔۔" امریکی منہ بنا کر بولا۔ "بہت معمولی عمارت ہے' ایسی عمارتیں تو امریکا میں بیس دن میں بن جاتی ہیں۔"

کچھ آگے جا کر اس نے دوسری عمارت کے بارے میں پوچھا' پاکستانی بزنس مین نے بتایا۔ "یہ کاشف سینٹر ہے' یہ بھی بیس منزلہ ہے۔"

"اوہ۔۔۔ معمولی عمارت ہے۔ ایسی عمارتیں تو امریکا میں پندرہ دن میں بن جاتی ہیں۔" امریکی نے منہ بنا کر تبصرہ کیا۔

گاڑی آئی آئی چندریگر روڈ پر پہنچی تو امریکی نے چوبیس منزلہ حبیب بینک پلازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اور یہ کون سی عمارت ہے؟"

پاکستانی بزنس مین نے آنکھیں سکیڑ کر پلازہ کی طرف دیکھتے ہوئے الجھن آمیز لہجے میں جواب دیا۔

"معلوم نہیں' صبح تک تو یہ یہاں نہیں تھی۔"

موبل آفتاب۔۔۔ کراچی

وارننگ

اخبار میں اعلان شائع ہوا کہ لاہور کے سب سے شائستہ آدمی کو ایک انعام دیا جائے گا کہ اپنا تعارف پیش کیجیے' جس آدمی کو انعام دیا گیا' اس کا خط یوں تھا۔

"میں سگریٹ اور شراب سے دور ہوں' اپنی بیوی کے سوا کسی دوسری عورت پر نگاہ نہیں ڈالتا' میری نیک چلنی کی گواہی وہ لوگ دے رہے ہیں جن پر میری ذمہ داری ہے۔"

تھوڑی سی مزید تفصیل کے بعد تحریر تھا۔ "یہ زندگی میں پچھلے تین برس سے گزر رہا ہوں۔ اب میری رہائی میں چھ ماہ رہ گئے ہیں۔ اگر مجھے انعام نہ ملا تو میں سب کو دیکھ لوں گا۔"

صباحت۔۔۔ میرپور خاص

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

مرغی کی ہری مسالے والی بوٹیاں

اشیاء :

مرغی کے سینے کی بوٹیاں	آدھا کلو
لہسن اورک (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچیں (چاپ کی ہوئیں)	چار عدد
پودینہ (چاپ کیا ہوا)	ایک چوتھائی گڈی
لمبی والی لال مرچ	تین عدد
پسی ہوئی سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پسا ہوا ناریل	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
تازہ کریم	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ضرورت
تیل	چار کھانے کے چمچے
سلاد پتے ٹماٹر	سجانے کے لیے

ترکیب :

ہرا دھنیا ' ہری مرچیں اور پودینہ بلینڈ میں یکجان کر کے پیالے میں نکالیں ' پھر تیل کے علاوہ باقی تمام اشیاء ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ لکڑی کی سیخوں پر چار چار بوٹیاں لگائیں گرل پین گرم کر کے چکنا کریں اور سیخوں کو الٹ پلٹ کر کے درمیان میں تیل لگاتے ہوئے پکائیں۔ مزے دار سیخوں کو سرونگ پلیٹ میں رکھیں اسے سلاد پتے اور ٹماٹر سے سجا کر پیش کریں۔

چکن سکسٹی فائیو

اشیاء :

چکن سینے کی	ایک کلو
پسی ہوئی لال مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
پسا ہوا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
انڈہ	ایک عدد
پسا ہوا لہسن اورک	ایک سے آدھا چائے کا چمچہ
زردے کا رنگ	ایک چٹکی
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچہ
میدہ	ایک چوتھائی کا چمچہ
کارن فلور	ایک چوتھائی کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

دہی کی اشیاء

دہی پھینٹی ہوئی	آدھی پیالی
پسی ہوئی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
میدہ	آدھا چائے کا چمچہ

بگھار کی اشیاء

رائی دانے	ایک چٹکی
ہری مرچیں	دو عدد
کڑی پتا	بیس عدد
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک چوتھائی پیالی
شملہ مرچ (باریک کٹی ہوئی)	ایک چوتھائی پیالی
تیل	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

مرغی کے سینے ٹکڑے کریں۔ اس میں لال مرچ گرم مسالا' لہسن ادرک' لیموں کا رس' زردے کا رنگ اور نمک ملائیں۔ ایک پیالے میں کارن فلور میدہ اور انڈہ پھینٹیں اور اسے مرغی میں ملا کر آدھا گھنٹے کے لیے رکھ دیں کڑاہی میں تیل گرم کریں اور مرغی کے ٹکڑے تل کر ڈش میں نکال لیں۔ ایک پیالے میں دہی کی اشیاء ملالیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور بگھار کی اشیاء تل کر دہی کے پیالے میں ڈال دیں۔ دہی کو مرغی کے ٹکڑوں پر ڈال کر گرما گرم پیش کریں۔

ڈبل روٹی کا حلوہ

اشیاء :

ڈبل روٹی	چار سلائس
دودھ	آدھا کلو
انڈے	چھ عدد
چینی	ایک کپ

گھی	ایک کپ
بادام پستہ	آدھا کپ
کھویا	ایک پاؤ

چاندی کا ورق	ایک عدد
چھوٹی الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیلا رنگ	دو چٹکی

ترکیب :

انڈے' دودھ اور چینی کو اچھی طرح مکس کرلیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس کو چھوٹا چھوٹا کر کے گھی میں فرائی کر لیں۔ جب ہلکے سنہری ہو جائیں تو اس میں انڈے اور دودھ کا مکسچر ملائیں۔ مسلسل چمچہ چلاتے رہیں اور بھونتے جائیں۔ چھوٹی الائچی کا پاؤڈر ڈالیں۔ کھویا ڈال کر اچھی طرح بھون کر اتارلیں۔ بادام پستہ اور چاندی کے ورق سے گارنش کر کے پیش کریں۔

رچ فروٹ کرسمس کیک

اشیاء :

اورنج جوس	تین چوتھائی کپ
کالے کشمش	آدھا کپ
کشمش	آدھا کپ
اورنج پیل	دو کھانے کے چمچے
اخروٹ	آدھا کپ
ڈرائی پائن ایپل	ایک چوتھائی کپ
سوکھی خوبانی	ایک چوتھائی کپ
مونگ پھلی	آدھا کپ
لال اور ہری گلیزڈ چیری	ایک کپ

کیک کے لیے :

مکھن	ایک کپ

براؤن شوگر	آدھا کپ
کاسٹر شوگر	آدھا کپ
نمک	ایک چٹکی
ونیلا ایسنس	ایک چائے کا چمچہ
میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں کے چھلکے	ایک چائے کا چمچہ
انڈے	چار عدد
کیک اسپائس پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

سب سے پہلے ایک پیالے میں اورنج ڈال کر اس میں کالے کشمش، کشمش، اورنج پیل، تھوڑے سے اخروٹ، ڈرائی پائن ایپل، سوکھی خوبانی، تھوڑی سی مونگ پھلی لال اور ہری گلیزڈ چیری کو ڈال کر پانچ سے چھ گھنٹے کے لیے بھگو دیں اور اس کے بعد اچھی طرح چھان لیں۔ کیک کے لیے پہلے مکھن میں، براؤن شوگر اور شوگر ڈال کر اچھی طرح بیٹنو سے مکس کریں پھر اس میں ونیلا ایسنس ڈال دیں۔ میدے میں بیکنگ پاؤڈر اور نمک ملا کر چھان لیں اور پھر اس میں لیموں کے چھلکے ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اب مکھن اور شوگر والے مکسچر میں ایک انڈہ ڈالیں اور تھوڑا میدہ ڈال کر چمچے سے مکس کریں۔ پھر اس میں دوسرا انڈہ اور میدہ ڈال کر مکس کریں اور اس عمل کو دوبارہ مزید دہرائیں۔ اور پھر باقی بچا ہوا میدہ اور کیک اسپائس ڈال کر مکس کریں اور آخر میں بھیگے ہوئے ڈرائی فروٹس بھی ڈال دیں۔ پھر اس مکسچر کو کیک کے سانچے میں ڈال کر اوپر باقی بچی ہوئی اشیاء بھی ڈال دیں۔ اور فوائل پیپر سے ڈھک کر 160.c پر ڈیڑھ سے دو گھنٹے کے لیے بیک کر سرو کریں۔

کشمیری چائے

اشیاء :

کشمیر چائے (پتی)	دو چائے کے چمچے
سبز الائچی	تین عدد
پانی	دو گلاس
نمک یا چینی	حسب خواہش
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
پستہ (باریک کٹا ہوا)	چار بڑے چمچے
دودھ	تقریباً" دو کپ

ترکیب :

اسٹیل کے برتن میں دو گلاس پانی ڈال کر ابال لیں۔ جب پانی ابل جائے تو اس میں پتی اور بیکنگ پاؤڈر ڈال کر تقریباً" ایک گھنٹے تک ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ اور ڈھکنا مت ہٹائیں۔ ایک گھنٹے بعد اس میں الائچی شامل کریں اور پندرہ سے بیس منٹ تک پکنے دیں۔ اس دوران پانی کافی حد تک خشک ہو جائے گا۔ اب اس قہوے کو چھان لیں اور آنچ تیز کر کے اس میں ایک کپ ٹھنڈا پانی (فریج کا) ڈالیے اور کفگیر سے قہوہ نکال واپس پتیلی میں ڈالیں یعنی اس قہوے کو خوب تیزی سے پھینٹیں۔ جب اس کے جھاگ بننے لگے اور وہ گلابی رنگ اختیار کر جائے تو اس میں دودھ شامل کر دیں اور ساتھ ہی پستہ بھی ڈال دیں۔ دودھ ڈالنے کے بعد اس کا رنگ گلابی ہو جائے گا (اگر چائے کا رنگ گہرا جامنی ہو تو اس میں مزید دودھ شامل کر دیں۔ آخر میں چینی یا نمک حسب خواہش ڈال کر نوش فرمائیں۔

نوٹ: چائے صرف اسٹیل کی پتیلی میں تیار کریں اور کفگیر بھی اسٹیل کا استعمال کریں ورنہ چائے خراب ہو جائے گی۔

☆ ☆

مدیر کرن
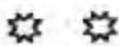
طاہرہ ملک۔۔۔ جلال پور پیروالا

اس بار تو ہمارے کرن نے ہماری عید کرادی‘ تو جناب وہ ایسے کہ کرن ہمیں معمول سے چار سے پانچ دن پہلے جو مل گیا۔ ”دست مسیحا“ اور ”سنگ پارس“ کی اس بار کمی محسوس ہوئی تو جناب وہ اس لیے کہ وہ ہمارے فیورٹ ناول تھے۔ کرن ہاتھ میں آتے ہی سب کچھ چھوڑ کر پہلے یہ ہی پڑھتے تھے۔ ”حمد و نعت“ سے مستفید ہوتے ‘علی رحمٰن‘ نازیہ ملک‘ عدیل اظہر اور صائمہ مشتاق سے ملاقات کی۔ ”من مور کھ کی بات نہ مانو“ حازم‘ حوریہ شان دار کپل ہے۔ مومنہ کی فضا کو سمجھانے کے لیے گفتگو لاجواب تھی‘ عباد گیلانی کو حوریہ حازم کی زندگی سے نہیں جانا چاہیے‘ ورنہ ان کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

”وراثت“ ہمارے معاشرے کا تو یہ ہی تو المیہ ہے کہ بیٹیوں کو ان کے جائز حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت نے تو ان کے حصے مقرر کردیے ہیں۔ ”تم جدا نہ ہونا“ حورعین بے چاری کو تو ولید کے رویے نے پریشان کر رکھا تھا۔ چلیں ولید نے اس کی غلط فہمی دور کردی بے شک ماں کے سامنے ہی‘ حورعین کی تائی اچھی نکلیں جو اتنی جلدی مان گئیں ورنہ ایسی صورت حال میں تو ہمیشہ دولت کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ ”شکر پارے“ ”ساحر“ ”کیا چیز ہو تم“: شروع میں تو ساحر پہ غصہ آیا‘ بھئی ماں کو جو تنگ کر رکھا تھا جب اصلیت کھلی تو پھر لگا یہ سب بھی کم تھا۔ ان جیسے لوگوں کے لیے۔ افراتفری کے اس دور میں سب اپنا الو سیدھا کرنے کے چکر میں ہیں۔ ”وقت سے پہلے“ لوگوں کے رویے لڑکیوں کو نفسیاتی مریض بنادیتے ہیں‘ ورنہ یہ تو طے ہے کہ وقت سے پہلے کبھی کسی کو کچھ نہیں ملا۔ ”جانشین“ زبردست ناول‘ امن آباد کے مکینوں پہ رشک آیا۔ کیا آج کے دور میں ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی بیٹی کو ہتھیلی کا چھالا بنا کے رکھیں۔ ویسے ایک چیز سمجھ نہیں آئی کہ اتنے اچھے لوگوں نے پہلے کیوں خبر نہ رکھی اور اپنے بچوں کی طرح اچھے تعلیمی اداروں میں کیوں نہیں پڑھایا۔ ویسے ”جانشین“ تو ایک لحاظ سے خوش قسمت ٹھہری‘ جسے شہزادے کو دیکھ کے دل دھڑک اٹھے اور وہ اگلے لمحے بنا مانگے مل جائے۔ ”کمال ہے“ ”جانشین“ کا ہیرو کیا ہیرو تھا بلکہ پورے سسرال والے میوزیم میں سجانے کے قابل تھے۔ ہم تو بھئی بس حیران ہی حیران ہوتے رہے‘ سب کی حرکتوں پر۔ ‘اینڈ اچھا رہا‘ دیان سدھر گیا‘ ”جانشین“ کی لائف خوش گوار ہوگئی۔ ”راپنزل“ سلیم کی کمی محسوس ہوتی ہے‘ رونق تھا وہ۔ اظفر‘ زری دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے ان کا؟ کیا خرم اور نینا کی جوڑی بننے والی ہے؟ یہ کیا کاشف صاحب ابھی تک اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ایمن تو کافی پیچھے رہ گئی باقی بچوں سے اپنے والدین کی بے توجہی کی وجہ سے ”فسانہ حیات“ عبید اور اس کے فرینڈ کی ٹرک اچھی لگی‘ اپنی والدہ صاحبہ کو سمجھانے کی۔ عبید کے اس چھوٹے سے عمل نے اس کی زندگی اور گھر کو سنوار دیا۔ ”راحت“ اچھا افسانہ تھا۔ فرحت جلدی سمجھ گئی کہ اپنوں کی خالص محبتوں پہ دولت کو ترجیح نہیں دینی چاہیے‘ کیونکہ دولت تو بعد میں مل جاتی ہے‘ لیکن یہ محبتیں اگر ایک بار کھو جائیں تو پھر نہیں ملتیں۔ ”کرشمہ سازی“ زعفران نے آخر کرشمہ دکھا ہی دیا بے رنگ زندگی میں رنگ بالآخر بھر ہی دیے‘ پہلے تو ہم بھی حیران زعفران کی گفتگو سن کر۔ بھئی اگر یہ سب کہنا تھا تو شادی کیوں کی‘ لیکن اچھا لگا۔ تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔

12 دسمبر کو مائی سوئٹ اینڈ کیوٹ سسٹر اینڈ مائی بیسٹ فرینڈ سعدیہ ملک اینڈ 25 کو مائی فرینڈ گل ناز ابراہیم کی سالگرہ ہے‘ سو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ میری دعا ہے کہ آنے والا سال تمہارے لیے خوشیاں لے کر آئے اور تمہاری ساری وشنز پوری ہوں۔

ج :۔ طاہرہ جی! ہماری طرف سے بھی آپ کی دوست سعدیہ ملک اور گل ناز ابراہیم کو سالگرہ کی بہت بہت مبارک باد اور اللہ تعالیٰ ایسے بہت سے سال خوشیوں کے ساتھ دیکھنے نصیب کرے۔ (آمین) کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

حافظہ ست البنات۔۔۔ تونسہ شریف

میں چار سال سے کرن پڑھ رہی ہوں۔ "راپنزل" اور "من مورکھ کی بات نہ مانو" ہر بار کی طرح اس بار بھی زبردست تھا۔ نفیسہ سعید نے "وراثت" بہت ہی اچھے موضوع پر قلم اٹھایا۔ "نازیہ جمال" کا مکمل ناول پڑھنے کی حد تک بہت ہی مزے دار تھا۔ حقیقی زندگی میں تو یہ سب کچھ بہت مشکل بھی ہے اور نامناسب بھی۔ "شبانہ شوکت" کا ناولٹ تو بس محبتوں سے گندھا ہوا تھا میں نے دوبار پڑھا ہے۔ "تم جدا نہ ہونا" میں ولید کا کردار بہت اچھا لگا۔ "گل کہسار" فرح بخاری کی ذہانت کو سلام۔ "شکر پارے" نے بہت مزا دیا' ان پریشانیوں کے دور میں ذہن کو تازگی بخشتی تحریر تھی۔ ہمارا بھی وہی خیال ہے جو "وقت سے پہلے" میں ماریہ یاسر کا ہے۔ "نایاب جیلانی" میری پسندیدہ ناول نگار ہیں' مگر اس بار ہیرو بہت ظالم تھا' سو اس لیے بہت زیادہ پسند نہیں آیا ناول "فسانہ حیات" واقعی دولت کیا آتی ہے لوگ آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لیتے ہیں۔ آسیہ عارف نے بہت اچھے انداز میں سمجھایا "اپنے ہی بہتر ہوتے ہیں۔" "کرشمہ سازی" بس گزارے لائق تھی۔ "کرن کرن خوشبو" میں "نمک پارے" اور "شجر ممنوعہ" بہت اچھے لگے۔ ندا طارق کا شعر اچھا لگا۔ صدف سمیع کا چنا ہوا موتی پیارا تھا۔ فائزہ بھٹی' صائمہ مشتاق اور فوزیہ ثمر کے تبصرے اچھے لگے۔

ج :۔ ست البنات جی! سب سے پہلے ہمیں آپ سے ایک شکایت ہے کہ چار سال سے کرن پڑھ رہی تھیں اور اپنی رائے سے آگاہ ہمیں اتنی دیر سے کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ اب باقاعدگی سے ہمیں خط لکھیں گی۔ کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔

فوزیہ ثمر بٹ' ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

موسم خزاں شروع ہوچکا ہے۔ ہمارا صحن انار اور امرود کے پتوں سے بھرا پڑا ہے' ایسی ہی خزاں دل' صحن میں براجمان ہیں۔ خیر موسم کا کیا ان کی تو فطرت ہی ہے بدلنا اور اپنے مقررہ مدت پر بدل جائے' پر کیا کیجیے صاحب' جن نصیبوں پر خزاں مستقل ڈیرے جمائے رکھے وہاں بہار کا ذکر خواب وخیال ہی لگائے۔ خیر نومبر کا کرن شمارہ اسی خزاں میں ایک بہار کی مانند لگا' جو کہ ہمیشہ کی طرح لگتا ہی ہے۔ سرورق' میک اپ' جیولری سب ہی کچھ بھا گیا۔ موصوفہ کی نگاہ کرم کس طرف تھی' ذرا اس چاند کی جھلک ہمیں بھی دکھا دی ہوتی۔ ہمیشہ کی طرح حمد باری تعالیٰ' نعت رسول مقبول سے دل کو منور کیا۔ مستقل ناول "من مورکھ" اپنی منزل کی طرف رواں دواں' چلیے صد شکر فضا نے اپنی غلطی کو نصیر کی صورت قبول کر ہی لیا۔ ویسے یہ بھی موت کے قریب قریب ہی ہے کہ خواب ٹوٹے' دل ٹوٹا' عزت گئی اور پھر زندگی بھر ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ رہنا۔ کچھ لوگوں کو اللہ پاک ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ اچھا ہے نا وہاں کی سزا تو بہت مہنگی ہوگی۔

ہر قسط میں یہ ہی دھڑکا ہوتا ہے' پتا نہیں بابر گیلانی کیا کر ڈالے۔ حوریہ سے زیادہ تو پڑھنے والوں کو بابر کا خوف لگا رہتا ہے۔ جو بھی ہے' رائٹر جی اس دھڑکے کو ختم کرے۔ مجھے تو لگتا ہے کسی بڑی ٹھوکر لگے بغیر صاحب بہادر اپنا قبلہ درست کرنے والے نہیں۔ "راپنزل" اس بار کی قسط سو سو رہی۔ کچھ تیزی لائیں کرداروں میں اور زری کے منگیتر کو بھی منظر عام پر لائیں۔ ہوگی تو یہ بھی ایک بریک نیوز نینا الویں تو نہیں اس کی تصویر دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔ "جانشین" اچھا ناول لگا۔ چلیے ایک ٹھوکر نے جانشین کے صاحب کو راہ راست میں لے ہی آئی۔ مزے کا لگا یہ ناول رائٹر نے جو حسن یوسف دیکھا ہے۔ تحریر میں' کیا ہوتا ہے؟ ایسا بے مثل حسن مردوں میں؟ "گل کہسار" اچھی کہانی تھی۔ ساری پریشانیوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھول بھال کر توجہ سے پڑھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ اسجد خان کی دلہن کو سجیشن کہ شوہر سے غداری مت کرو' شاید وہ ہماری بات پر عمل کرلیتی' مگر ہم دونوں کے درمیان باقی آئندہ آگیا۔ لو جی دل تو کیا کٹھا ہونا تھا۔ منہ کا جغرافیہ ہی بگڑ گیا۔ اب ایک ماہ کا صبر تو کرنا ہی ہے۔ ایک ادنیٰ سی ریکویسٹ ہے پلیز تحریر کو طویل مت کرنا۔ "امید صبح بہار رکھنا" اچھا ناول' مگر یہ بھی انتظار فرمائیے کی لسٹ میں جا

لگا۔ ناولٹ "شکر پارے" تھوڑی خوشی، تھوڑا سا غم کی تفسیر تھا۔ رائٹر جی کا مقصد پیغام یہ تھا کہ شادی آپ زندگی کے کسی موڑ پر کر سکتے ہیں۔ افسانے سب ہی اچھے لگے، کسی ایک کی تعریف کرنا دوسرے کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ "وقت سے پہلے" اچھا لگا۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔ امروز جہاں کا انتخاب اچھا لگا۔ "یادوں کے دریچے" اور شاعری حسب معمول رہی۔ کوئی شعر دل کے تاروں کو نہ چھیڑ سکا۔ "کچھ موتی چنے ہیں" گڑیا شاہ کا غم کچھ زیادہ ہی غمگین کر گیا۔

ج: فوزیہ! سب سے پہلے موسم خزاں کا ہو یا بہار کا دلوں پر خزاں نہیں آنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔ اس کی رضا میں راضی رہنا چاہیے۔ دوسرے حسن آنکھ میں ہوتا ہے، محبوب کی تو ہر ادا ہی پیاری لگتی ہے۔ مرد کا حسن، حسن یوسف کی طرح ہو یا نہ ہو محبوب ضرور حسن یوسف کی طرح ہوتا ہے۔ باقی آپ کا تبصرہ ہمیشہ کی طرح بہت دلچسپ ہے پڑھ کر بہت لطف آتا ہے۔

ارم بشیر۔۔۔ اسلام آباد

میں نے کرن میں ابھی لکھنا شروع کیا ہے، مگر یہ مت سمجھیے گا کہ پڑھا بھی ابھی ہے۔ کرن، خواتین، شعاع کے ساتھ میرا تعلق 1998ء کے ٹائم سے ہے۔ خیر اس ماہ کا ٹائٹل بھی بہت پسند آیا۔ ماڈل بہت پیاری لگی، بھولی بھالی سی "حمد" سے لے کر "نام میرے نام" تک سب سلسلے بہت اچھے تھے اس دفعہ میں نے آپ سے بہت لمبی بات کرنی ہے، ضروری نہیں کہ سب شائع ہو، مقصد صرف آپ تک اپنی بات پہنچانا ہے۔ سب سے پہلے "من مور کھ" کی بات ہو جائے۔ فائزہ بھٹی نے اپنے خط میں ٹھیک کہا کہ حوریہ کو حازم کو سب بتا دینا چاہیے، لیکن اگر یہ ناول لمبا چلے گا تو پھر میرا خیال ہے کہ آسیہ مرزا حازم کو بھی بدظن کریں گی، اسٹوری لمبی کرنے کے لیے۔ آپ سوچیں گی، میں نے کبھی "راپنزل" کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ دراصل مجھ سے اس کی کافی اقساط مس ہو گئی تھیں تو میں نے اس لیے پڑھنا چھوڑا ہے کہ آخری قسط تک سارا ایک ہی بار پڑھ لوں گی، کیونکہ ریاض سسٹرز میری بہت فیورٹ ہیں۔ مکمل ناول میں نایاب جیلانی کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، بہت اچھا لکھتی ہیں وہ، لیکن "چاشنین" کے بارے میں کہوں گی اچھی کہانی تھی، بس وہ ہی ہیپی اینڈ لو اسٹوری، کچھ نیا نہیں تھا، مگر ایک بات جو مجھے بہت بہت عجیب لگی کہ ہیروئن جو ہے وہ رشتے میں ہیرو کی پھوپھو لگتی ہے اور اپنے ساس، سسر کو بھائی، بھابھی کہتی ہے۔ مطلب What یار نایاب جی کوئی اور رشتہ نہیں بن سکتا تھا۔ I Know کہ وہ فرسٹ کزن نہیں تھے، بٹ پھر بھی خیر۔ "شکر پارے" اچھی لگی، ہلکی پھلکی سی، "تجھ پہ دل ہارا" اچھی تھی۔ "گل کہسار" بہت اچھی لگی، اگرچہ کہ موضوع پرانا ہے، لیکن کہانی دلچسپ لگ رہی ہے، دوسری قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ "امید صبح بہار" اچھی لگی، خاص کر زارون اور ایلیا کا ینگ اور خوب صورت کپل، ویسے تو زارون کی ہارون کے ساتھ ناراضی واضح ہو ہی گئی ہے، دوسری قسط پہ ڈالنے کی کیا ضرورت تھی، لیکن چلیں ہو سکتا ہے آگے اسٹوری کچھ نئی ہی نکل آئے۔ باقی افسانے بھی سب اچھے ہی تھے، آل موسٹ ایک جیسے۔ "راحت" کو پڑھتے وقت ایک بڑی فنی چیز میرے ساتھ ہوئی، وہ یہ کہ جب مجھے لگا ابھی کہانی شروع ہوئی ہے تو وہ

ختم ہوگئی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ پرچے میں ایک صفحے کا اضافہ کرلیں' ان کہانیوں کے بارے میں لکھ دیا کریں جو قابل اشاعت ہیں اور ناقابل اشاعت ایک فہرست کی طرح انہیں شائع کریں۔ میرے دماغ میں یہ بات اس لیے آئی کہ ہو سکتا ہے کہ کچھ بہنیں صرف اپنے کہانی کے بارے میں جاننے کے لیے خط لکھتی ہوں اور ان کی وجہ سے کسی ایسی بہن کا خط رہ جاتا ہو جو صرف تبصرہ کرنا اور اپنا نام شامل دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ بھی تو ضروری نہیں کہ ہر کسی کے پاس ہی فون ہو کہ وہ پتا کرسکے فون کرکے اب آخری اور تیسری ریکوسٹ پلیز اپنا فون نمبر دے دیں' میرے پاس نہیں ہے۔

ج: ارم جی! "نامے میرے نام" میں شامل ہونے کا بہت شکریہ۔ اصل میں آپ نے غور نہیں کیا جاشین اس فیملی میں بڑی ہو کر شامل ہوئی تھی تو عام طور پر بچے بڑوں کو مخاطب ان ہی ناموں سے کرتے ہیں جو نام گھر میں سب لے رہے ہوتے ہیں۔ دوسرے آپ نے قابل اشاعت اور ناقابل اشاعت کی فہرست کا کہا ہے تو دیکھیں جی ہمیں بہنوں کا دل توڑنا منظور نہیں ہے' فون پر ان سے تفصیلی بات ہوتی ہے کہ ان کی کہانی میں کیا کمی تھی۔ کرن کا فون نمبر ہمارے ڈائجسٹ میں شائع ہوتا ہے' آپ فون کرسکتی ہیں۔

اقرا امتیاز' کرن ممتاز۔۔۔ سرگودھا

ٹائٹل گرل کے آئی شیڈز بڑے پسند آئے "میری بھی سنیے" میں نازیہ ملک کا انٹرویو بڑا زبردست لگا نازیہ ملک بہت اچھی ہوسٹ ہیں۔

"مقابل ہے آئینہ" میں صائمہ مشتاق کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی' خوشی کیوں نہ ہوتی میری کزن جو ٹھہری (ہاہاہا) اب آتے ہیں مکمل ناول کی طرف سب سے پہلے "گل کہسار" فرح بخاری کی تحریر بڑی جاندار رہی۔ جب کہانی پڑھنا شروع کی تو کہانی کا ایک ایک لفظ دل میں اترتا محسوس ہوا کہانی پڑھتے وقت کہیں بھی بوریت کا احساس نہیں ہوا جب ساری پڑھی تو دیکھا باقی آئندہ ماہ (لو جی سارا مزا ہی خراب ہوگیا)

"جاشین" نایاب جیلانی نے اپنی طرح نایاب ہی لکھا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے اگر ٹھوکر نہ کھائے تو سنبھلے کیسے یہی تو انسان کی فطرت ہے۔ ویان کو اتنا مغرور بھی نہیں ہونا چاہیے تھا مرد ہمیشہ عورت کو اپنے برابر کیوں نہیں سمجھتے اپنے سے کم تر کیوں سمجھتے ہیں۔ عورت کوئی مرد سے پیچھے تھوڑی ہے۔

"تجھ پہ دل ہارا" نازیہ جمال جی کی تحریر بڑی زبردست تھی کہانی کی طرح ہمارا دل بھی ہار گیا نازیہ پرنویل ڈن نازیہ جی! حائقہ نام بڑا پسند آیا۔ ڈائمنڈ کے ٹاپس نے کام ہی خراب کردیا۔ بھلا ہو شہر نواز کا جس نے ساتھ دیا ورنہ تو حائقہ تو گئی تھی کام سے۔ عباد پر بڑا غصہ آیا کہ جو لوگ باہر سے پڑھ کر آتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کی عزت کا خیال نہیں آتا۔ اس سے تو اچھا ہے ہم پاکستان ہی رہ کر پڑھ لیے۔ "شکرپارے" ام طیفور کی تحریر کمال تھی کہانی کا نام شکرپارے ہونا چاہیے تھے۔ دادا اور پوتا نے اکٹھے ہی سہرا سجالیا۔ "امید صبح بہار رکھنا" شبانہ شوکت نے کہانی میں بڑا سسپنس رکھا۔ ناولٹ میں "امید صبح بہار رکھنا" نمبر 1 رہی۔ افسانہ "وراثت" نفیسہ سعید کی تحریر ہلکی پھلکی رہی۔ لیکن موضوع اچھا تھا۔ "تم جدا نہ ہونا" بشریٰ گوندل کی اسٹوری No.1 رہی ولید کا کردار بڑا پسند آیا "فسانہ حیات" حنا اشرف نے بیسٹ لکھا ہے۔ جب رشتہ دیکھنے جاتے ہیں تو اکثر یہی کیوں کہتے ہیں کہ لڑکی چھوٹی ہے یا کوئی نہ کوئی نقص نکالا جاتا ہے۔ ان ماؤں کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ ان کا رشتہ کرتے وقت کسی نے یہ کہا۔

کرن سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھا ہے۔ جب میں پڑھتی ہوں کہ فلاں نے ماسٹر کیا ہوا ہے فلاں اتنا پڑھا ہوا ہے تو میرا دل پڑھائی کی طرف اور راغب ہو جاتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں کالج جانے کی پرمیشن نہیں لیکن اگر شوق ہو تو ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے میں نے 11th اور 12th کے پیپر گھر بیٹھ کر دیے ہیں لیکن الحمدللہ' اللہ نے مجھے کامیاب کیا۔ آپ دعا کریں کہ خدا مجھے اور محنت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ج: اقرا جی! کرن کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ تعلیم انسان میں عقل و شعور پیدا کرتی ہے۔ ہمیں بے حد خوشی محسوس ہوئی ہے آپ کا تعلیم سے لگاؤ دیکھ کر' کوئی بات نہیں گھر والے کالج جانے کی اجازت نہیں دیتے لیکن آپ نے اپنی ہمت اور شوق سے انٹر کرلیا ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ آگے بھی آپ اسی طرح اپنی تعلیم جاری رکھیں گی۔

صائمہ جاوید۔۔۔ ملتان کینٹ

اب کی دفعہ ایک کہانی ایسی تھی جو دوبارہ پڑھی جا سکے۔ اُسی دلچسپی کے ساتھ وہ تھی نایاب جیلانی کا مکمل ناول "چاشین" واہ! مزا آ گیا۔ حالانکہ مجھے میٹھا کچھ اتنا پسند نہیں ہاں اگر بہت ہی اچھا سا بنا ہوا کوئی کلاسک سا میٹھا ہو تو کیا کہنے! تو بھئی اس بار یہی ہوا۔ حرف اول سے آخر تک ایک چاشنی سی گھلتی رہی مزا آ گیا۔ بہت عرصے بعد ایسی اعلا تحریر پڑھنے کو ملی میرا خیال ہے نایاب کی تمام تحریروں میں یہ بہت مقدم رہے گی۔ بہت مبارک ہو آپ کو نایاب۔

اب بہترین تحریر کا ذکر کر رہی ہوں تو پچھلے ماہ کی "ہم نے تو بس عشق ہے کیا۔" اوئے ہوئے شبینہ گل کیا جھٹکا دیا تھا۔ سچ میں رلا دیا تھا۔ پچھلے ماہ بہت خواہش تھی کہ خط لکھوں مگر وہ جو کاملی ہے وہ میری بڑی بچی سہیلی ہے۔ خیر! بہت خوب شبینہ کتنی دیر تک اس کے حصار میں رہی۔ بہت اعلا! شروع میں لاکلومہ نام عجیب لگا مگر جیسے جیسے بڑھتی گئی۔ سب کچھ پیچھے رہ گیا۔ وہی ہوا پڑھ کر سوچا کیوں اتنی جلدی پڑھ لی! ہاہاہا۔

اب آتے ہیں اس ماہ کے باقی ناولز کی طرف "گل کہسار" اچھی تحریر لگ رہی ہے اللہ کرے اگلی قسط آخری ہو ورنہ مزا کرکرا ہو جائے گا۔ فی الحال تو بہت عمدہ ہے۔

اور بھئی وہ ایک تحریر جس میں نازیہ جمال نے ہیروئن کی عزت نفس سائیڈ پہ رکھ کے کیا خوب ایڈونچر کروایا ہے "تجھ پہ دل ہارا" ابتدائی چند پیراگراف اچھے تھے۔ مگر جوں جوں آگے آگے بڑھتی گئی انتہائی اسٹوپڈ اور بچگانہ تحریر لگی۔ باقی افسانے اور ناولز اچھے تھے۔

مکمل ناولز میں پڑھتی نہیں لہٰذا تبصرے سے قاصر ہوں۔ "راپنزل" ان شاء اللہ کوشش ہے کہ جب ختم ہو جائے تو اکٹھا پڑھ لوں۔ ناولٹ میں "شکرپارے" اچھا ہے "امید بہار" پڑھا نہیں وجہ وہی باقی آئندہ سچ میں ایک شمارے کو کتنا کھینچتے ہیں دو قسط وار مسلسل ناول ایک مکمل ناول اور ایک ناولٹ بھی۔ اف...! حد ہے ویسے!

اس خط کے ساتھ میں نے ایک کہانی "ابھی دیر نہیں ہوئی" بھی بھیجی ہے۔ طبع آزمائی تو پوری کی ہے۔ اب اگر آپ کو بہتر لگے تو بہت اچھی بات ہے۔

ج : صائمہ جاوید! کچھ کہانیوں کی ضرورت ہوتی ہے کہ انہیں ایک سے زیادہ اقساط میں پیش کیا جائے اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ڈائجسٹ یکسانیت کا شکار ہو جائے گا پھر آپ ہی ہم سے شکایت کریں گی۔ آپ اپنی کہانی کے بارے میں ہم سے 32726617 پر معلوم کر سکتی ہیں۔

صائمہ مشتاق۔۔۔ مدینہ کالونی بھاگٹانوالہ

پیاری سی ماڈل کو دیکھا جو دل کو بہت بھائی میک اپ اور جیولری بہت پسند آئی۔ اس کے بعد حمد اور نعت کو پڑھ کر دل و دماغ کو سکون ملا پھر آسیہ مرزہ کا ناول "من مورکھ کی بات" ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔ آسیہ جی حوریہ کو بار بہت تنگ نہیں کرنے لگ گیا۔ حوریہ ماں بننے والی ہے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور فضا کے ساتھ بھی اچھا ہی کرے گا۔ اس کے بعد مکمل ناول نایاب جیلانی کا "چاشین" پڑھا بہت اچھا لگا۔ دیان کو نایاب جی اتنا سخت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چاشین کو ایک طرف ماں باپ نہ ہونے کا دکھ تو دوسری طرف دیان کی لاپروائی۔ لیکن پھر بھی اچھا لگا کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اظہار کے معاملے میں کنجوس ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مکمل ناول نازیہ جمال کا "تجھ پہ دل ہارا" پڑھا حائقہ اور شیر نواز کی جوڑی پسند آئی حائقہ کا گاؤں جا کر دادی ماں کی خدمت کرنا اور بعد میں تنگ آ کر جیسے دادی کو جواب دیتی ہے بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد ناولٹ میں ام طیفور کا ناولٹ "شکرپارے" اف ام طیفور پڑھ کر اتنا ہنسے کہ پیٹ میں درد شروع ہو گیا خاص کر وہاں جہاں پر ساحر اوپر سے نیچے مرغی پھینکتا ہے اور سب کا آپس میں ٹکرانا اور لڑنا بہت زبردست ام طیفور اس کاوش کے لیے ویل ڈن۔ فرح بخاری کا مکمل ناول "گل کہسار" اچھا ناول تھا۔ لیکن موضوع وہ ہی پرانا کہ جیسا ان قبیلوں کی آپس میں لڑائیاں ہونا اور بعد میں دشمن قبیلے کی لڑکی کو ونی کے طور پر رہنا اور اس لڑکی کی قربانیوں کو دیکھ کر لڑکے کو محبت ہو جانا وغیرہ لیکن پھر بھی اسٹوری اچھی لگی افسانوں میں بشریٰ گوندل کا ناول "تم جدا نہ ہونا" افسانہ اچھا تھا۔ "مقابل ہے آئینہ" دیکھ کر ایک دم چیخ نکل گئی۔ بھلا کیوں۔ وہ اس لیے کہ ماہدولت آئی ہوئی تھی بہت بہت شکریہ۔ صائمہ قریشی سے بھی کوئی ناول لکھوائیں پلیز باقی سارا شمارہ اچھا تھا۔ لیکن تھوڑی سی کمی محسوس ہوئی لیکن (کوئی گل نہیں) ایسا ہوتا رہتا ہے۔

ج : صائمہ جی! اپنی کہانی کے متعلق آپ فون کر کے معلوم کر سکتی ہیں۔ آپ کی فرمائش ہم مصنفات تک ضرور پہنچا دیں گے۔ کرن پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کمی کیا محسوس ہوئی کرن میں تاکہ ہم وہ کمی بھی دور کرنے کی کوشش کریں۔

مسز تقی نقوی۔۔۔ علی پور ضلع مظفر گڑھ

آغاز شمارے کا ہمیشہ کی طرح ٹائٹل سے کیا۔ ماڈل گرل بہت پیاری لگ رہی تھی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں صائمہ مشتاق کا انٹرویو اچھا لگا۔ اب آتے ہیں آسیہ مرزا جی کے "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی طرف یہ ناول بہت خوب صورتی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے' بابر کی وہی شیطانی سوچ۔ اللہ پاک حوریہ اور حازم کو بابر کے خطرناک عزائم سے محفوظ رکھے۔ (آمین) نفیسہ سعید "وراثت" کے ساتھ جلوہ گر نظر آئیں اور بہت اچھے طریقے سے دین کے ایک اہم مسئلے کی طرف لے گئیں اور مائرہ جیسی چالاک عورت کے ہوتے ہوئے بھی ساس صاحبہ نے بہت اچھے اور سمجھ داری کے ساتھ سارے مسئلے کو سلجھایا' اب آتے ہیں نازیہ جمال کے "تجھ پہ دل ہارا" کی طرف شہر نواز کا کردار اچھا لگا۔ حائقہ کی بے وقوفیاں عروج تھیں' مگر شکر ہے کہ عقل آگئی۔ شبانہ شوکت کی "امید صبح بہار رکھنا" اسٹوری زبردست' مگر اینڈ میں دل برا ہوا' جب باقی آئندہ دیکھا۔ "تم جدا نہ ہونا" بشریٰ گوندل سمپل اسٹوری' اچھی لگی' فرح بخاری گل کہسار مکمل ناول بہت زبردست۔ بہت مبارک باد فرح ڈیر۔ دوست ہوں تو فراز جیسے' جو ہنستے ہنستے بہت گہری باتیں کر گیا۔ جو کہ ہر انسان نہیں کر سکتا۔ دیکھتے ہیں اسجد کیا گل کھلاتا ہے۔ ناولٹ ام طیفور کا "شکر پارے" واقعی شکر پارے ہی تھا۔ اسے رسے ڈتک کا سفر بہت مزے دار تھا۔ یعقوب کی بے حسی پہ بہت غصہ آیا۔ جس نے احسان کیا۔ اسی کے ساتھ احسان فراموشی' ماریہ یاسر "وقت سے پہلے" کچھ خاص پسند نہیں آئی اسٹوری' اب آتے ہیں اس ماہ کے مکمل ناول "چاشنی" کی طرف' زبردست ویل ڈن نایاب جیلانی صاحبہ' اتنا پیارا ناول لکھنے کے لیے بہت بہت مبارکاں جی۔ "چاشنی" نے اپنے نام کی طرح اینڈ تک اپنی چاشنی پھیلائے رکھی۔ الفاظ نہیں مل رہے تعریف کے لیے' تعریف سے بالاتر ہے یہ کہانی۔ اب آتے ہیں اپنے موسٹ فیورٹ "راپنزل" کی طرف' تنزیلہ جی! اپنے قلم کی مہارت سے بہت زبردست طریقے سے اس کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں' حنا اشرف کا "فسانہ حیات" وہی چاند صورت بھولانے کی خواہش' اف کب یہ رواج ختم ہوگا۔ آسیہ عارف کی "راحت" اور مریم جہانگیر کی "کرشمہ سازی" بس ٹھیک ہی تھیں۔ "تا مے میرے نام" میں ثمینہ اکرم ۔۔۔ آج کل کہاں غائب ہو جی۔ طاہرہ ملک جلال پور پیروالا کا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی حاضر خدمت ہوں گے۔

آسیہ ذوالفقار۔۔۔ سیالکوٹ

خیریت موجود' عافیت مطلوب۔۔۔
عرصہ اٹھارہ سال سے کرن کی خاموش قاری ہوں۔ میں اس وقت مڈل کلاس کی طالبہ تھی۔ پچھلے ماہ خط لکھنا تھا۔ گھریلو مصروفیات کی وجہ سے نہ لکھ سکی۔ جس کا مجھے افسوس ہے۔

"سنگ پارس" میں مہوش افتخار نے جو قیمتی موتی جڑے ہیں قابل صد ستائش ہیں۔ میرے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے۔ عجیب پیار ملا۔ "دست مسیحا" زبردست شارٹ ہونے کی وجہ سے End زیادہ مزا نہ دے سکا۔

"راپنزل" نے بڑا مزا دیا۔ "من مورکھ" تو کمال کا ناول ہے۔ حازم حوریہ کا پیار اس طرح برقرار رہنا چاہیے۔ پلیز بابر کا پنگا بیچ میں نہ آنے دیں۔ پچھلے سالوں میں کہانی "در دل" جا رہی تھی۔ زبردست لگی۔ دل آمد شاہ گریس پرسنالٹی ہے۔ کمال کی فیملی ہے۔ کچھ سال پہلے "پھلاں دے رنگ کالے" پڑھا۔ عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ کیا یہ کتابی شکل میں مل سکتی ہے۔ پلیز بتا دیں۔ "عشق آتش" میں دکھی کہانی ہے۔ سچے پیار نے وجدان کو کیا سے کیا بنا دیا۔ پیارا ناول ہے۔

نومبر کے ابھی تک تین ناول پڑھے ہیں' اچھے ہیں۔ بھیک مانگنا اچھا نہیں ہوتا' اگر اشاعت میں شامل کر لیں تو مشکور ہوں گی۔

ج : پیاری آسیہ! آپ اٹھارہ سال سے کرن کی خاموش قاری ہیں اور اب آپ اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہیں۔ ہمیں خوشی ہوگی کہ آپ ہر ماہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆ ☆